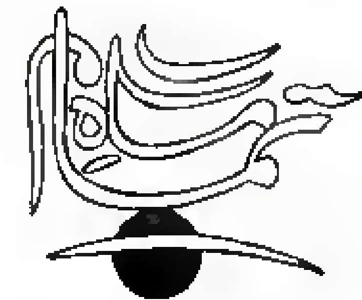
ناولٹ

آمنہ ریاض

ناولٹ



آمنہ ریاض



"ہمارے مذہب میں پسند کی شادی کی سخت ممانعت کی گئی ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ پاکستان کے آئین میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں۔ ہمارے خیال میں اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کو کم از کم چالیس کوڑے تو ضرور لگنے چاہئیں۔"

عبدالباقر لودھی نے حسب عادت اپنی چھڑی پر دونوں ہتھیلیاں مضبوطی سے جما کر ٹی وی پر دکھائے جانے والے ایک نہایت ہی بکواس ٹاک شو کو بے حد انہماک سے دیکھتے ہوئے جس وقت یہ "ایمان افروز" بیان جاری کیا۔ اس سے ٹھیک چند لمحے پہلے دوسرے صوفے پر نیم دراز اخبار میں سر دیے کر بیٹھے تقی نے کوک کا ایک بڑا سا گھونٹ منہ میں بھرا ہی تھا۔ اب ہوا کچھ یوں کہ ادھر اباجی کے خیالات سماعت سے ٹکرائے ادھر گلے میں زبردست پھندا لگ گیا۔

فوارے کی صورت میں کوک اخبار پر گری اور چند چھینٹے شرٹ اور صوفے پر۔

لودھی صاحب مستقل کڑی نظروں سے اسے گھور رہے تھے۔

"سس۔۔۔ سوری اباجی۔۔۔ سوری۔"

اس نے جلدی جلدی ٹشو پیپر نکال کر صوفہ صاف کیا۔ شرٹ پونچھی۔ گیلا اخبار سمیٹ کر ایک طرف رکھا۔ پھر اباجی کی طرف دیکھا تو وہ ابھی بھی خشمگیں نظروں سے اسے گھور رہے تھے۔

وہ اور بھی شرمندہ ہو گیا۔

"تھوڑی تہذیب سیکھو تقی!" انہوں نے اپنے مخصوص ڈھنگ لہجے میں کہا اور نظریں ٹی وی اسکرین پر مرکوز کیں۔

"تمہارا تو پڑھا لکھا بھی کسی کام نہیں آ رہا۔۔۔



نالائق کے نالائق ۔۔۔ ہونہہ۔" وہ کہہ کر لاتعلق ہو گئے۔

معذرت کر لینے کے باوجود ایسا طعنہ ۔۔۔ تقی کے سر پر لگی تلووں میں بجھی۔

"ابا! اگر آپ کو برا نہ لگے تو جو بات آپ ابھی کہہ رہے تھے اسے دوہرا دیں۔ میں سن نہیں سکا۔"

سرسری لہجے میں کہتا وہ درحقیقت کمر کس کر میدان میں اترا تھا۔

"اپنے کانوں کا علاج کرواؤ۔" تڑخ کر جواب آیا۔

"ٹھیک ہے جی۔۔۔ آج ہی کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس جاؤں گا۔" اس نے سعادت مندی سے کہا۔ "لیکن ابھی تو آپ بات دوہرا دیں۔ ممکن ہے کچھ فائدہ مجھ نالائق کا بھی ہو جائے۔"

عبدالباقر لودھی نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا اور چونکہ وہ اپنی نالائقی کا اعتراف کر چکا تھا' سو دل خود بخود گداز ہو گیا۔ پھر کچھ انہیں اپنے نادر خیالات دوسروں تک پہنچانے کا شوق بھی بہت تھا۔ اس لیے فوراً" بات دوہرا دی۔

"ارے بھئی! ہم کہہ رہے تھے 'ہمارے مذہب میں پسند کی شادی کی اجازت نہیں ہے' لیکن آئین میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔"

"لیکن ابا! جہاں تک مجھے پتا ہے اسلام میں اس کے متعلق بڑے واضح احکامات ہیں۔ لڑکا اور لڑکی کی رضا مندی کے بغیر تو ولی بھی شادی نہیں کروا سکتا اور آپ کہہ رہے ہیں۔۔۔"

"رضامندی اور پسندیدگی میں فرق ہوتا ہے میاں!" انہوں نے گھور کر اسے دیکھا۔

"کیا فرق ہے بتائیں گے؟" وہ بضد ہوا۔

"بات سنو برخوردار! میرے پاس اتنا فالتو ٹائم نہیں ہے کہ تمہیں بٹھا کر فرق سمجھاؤں۔ میری بات سے اختلاف تو تمہیں کرنا ہی ہے۔ میں صحیح بات کہوں یا غلط اور تم یہ نہیں کہو گے تو کون کہے گا۔ پسند کی شادی کر کے خاندان کا نام حوڑ ہوتا ہے۔"

"ابا! آپ بلاوجہ غصہ کر رہے ہیں۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا' مذہبی معاملات میں اپنی طرف سے رائے دینا مناسب نہیں ہوتا۔ اس لیے بہتر ہے۔"

"کیا بہتر ہے کیا نہیں ۔۔۔ مجھے مت بتاؤ۔" وہ حسب عادت خفا ہو گئے۔

"ابا! میں نے کتابوں میں پڑھا ہے۔"

"تم اور تمہارا مطالعہ دونوں ناقص ہیں۔"

اپنی بات سے اختلاف تو برداشت ہی نہیں ہوتا تھا' کر جتے نہیں تو کیا کرتے۔

"ابھی تھوڑی دیر میں رضی آفس سے آجائے گا۔ وہ میرا ہونہار 'لائق' 'باادب' 'ذہین بیٹا ہے۔ اس کا مطالعہ بھی تم سے زیادہ ہے۔ ہماری مانو اس بڑے بھائی کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارا کرو۔ ممکن ہے اس کی اچھی صحبت کا کچھ نہ کچھ اثر تم پر بھی پڑ جائے اور تم بڑوں کی بات سے اختلاف کرنا چھوڑ دو۔"

"جی ہاں۔۔۔ آپ کے لیے تو رضی بھائی ہی لائق' ہونہار' باادب ہو سکتے ہیں۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے 'وہ احمق گدھے ہیں' جو آپ کی ہر بات پر لبیک کہتے ہیں۔۔۔ اونہہ! اللہ بچائے ہمیں ایسی لائقی سے۔" وہ بدمزا ہو کر بڑبڑایا مگر برا ہو ابا کی تیز نگاہی کا۔

"یہ کیا بڑبڑا رہے ہو۔۔۔ تقی! تمہیں تو محفل کے آداب بھی نہیں معلوم۔" تقی گڑبڑا گیا۔

"جی۔ میں تو بس اس ٹاک شو کے اینکر پرسن کی بات کر رہا تھا۔" اس نے دل ہی دل میں دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔

"کس قدر مہارت سے شاہ رخ خان کی نقل کر رہا ہے کہ سرسری نظر ڈالی جائے تو پتا ہی نہیں چلتا اصل ہے یا نقل۔۔۔ اور اس پر جذبہ حب الوطنی ملاحظہ ہو۔ دشمن ملک کے نامور اداکار کی کاربن کاپی بنا گھوم رہا ہے مگر پاکستان زندہ باد کے نعرے بھی لگا رہا ہے۔"

"ہوں۔۔۔" عبدالباقر لودھی نے ایک ترچھی طنزیہ نظر اس پر ڈالی۔

"یہ دراصل تمہاری نوجوان نسل کا نمائندہ ہے اور

اتفاق سے تمہاری نسل کا ہر فرد نقالی پر یقین رکھتا ہے۔"

"اور آپ کے ان پسندیدہ ماڈرن عالم صاحب کے بارے میں کیا خیال ہے۔" مصلحت آمیزی کے ارادے کے باوجود تقی کو تاؤ آگیا۔

"اسی پروگرام میں محترم تین مرتبہ فرما چکے ہیں کہ ویلنٹائن ڈے منانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ آپ چاہیں تو کسی لڑکی کو پھول پیش کر سکتے ہیں۔ ہم مسلمان ہیں اور اسلام محبت کا دین ہے۔ پھر ہم کس طرح اسلام کی رو سے ویلنٹائن ڈے کی مذمت کر سکتے ہیں۔"

"بس لوگ دوسروں پر تنقید ہی کرنا۔" لودھی صاحب بھڑک اٹھے۔ "اور تمہیں آتا بھی کیا ہے۔ اتنا دھیان خود پر دیتے تو اب تک سدھر چکے ہوتے۔ یہ بال دیکھے ہیں اپنے۔ شکر کرو بالوں کی زکوٰۃ نہیں دینا پڑتی۔ ورنہ تمہاری تو آدھی عمر ان زلفوں کی زکوٰۃ ادا کرتے ہی نکل جاتی۔"

انہوں نے اس کے کندھوں سے کچھ اوپر تک لٹکتے بالوں کو غضب ناک نظروں سے دیکھا اور آواز بڑھا کر انہماک سے ٹی وی دیکھنے لگے۔

تقی کے بال اس کی کمزوری تھے۔ اس نے پیار سے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور گلاس اٹھا کر واک آؤٹ کر گیا۔



ساحر کی آنکھ لگے ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ کسی چیز کے گرنے کی آواز پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کا دل بے ہنگم انداز سے دھڑک رہا تھا۔ چند لمحے دل کو سنبھلنے میں لگے۔ اسی دوران اسے خیال آیا کہ یہ خوفناک آواز اس کے کمرے کی کھڑکی کے شیشے سے کسی چیز کے ٹکرانے کی آواز تھی۔ اس نے سرعت سے گردن موڑ کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ لیٹنے سے پہلے اس نے پردے برابر کر دیے تھے۔ لیکن دونوں پردوں کے درمیان چھوٹی سی جھری دانستہ چھوڑ دی تھی۔ اب اسی جھری سے صحن کا مختصر سا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ وسیع و عریض صحن کے آخری کونے پر ٹیرس کی طرف جانے والی سیڑھیاں تھیں۔ ان ہی سیڑھیوں پر شفا دبے قدموں اوپر چڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔

ساحر چونکی۔ ساتھ ہی اس نے پیر کارپٹ پر رکھے' پھر کچھ خیال آنے پر دوبارہ لیٹ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور نظریں باہر کے منظر پر ہی تھیں۔ شفا محتاط نظروں سے کمرے کی طرف دیکھتی

سیڑھیوں پر غائب ہو گئی تھی۔

"یا اللہ۔۔۔ آج تو پتے میں درا ڑ پڑ ہی گئی ہو۔" اس نے گردن سیدھی کرکے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔ پھر ذہن کو ادھر ادھر کی باتوں میں الجھانے لگی۔

طبیعت اس کی صبح سے گری گری سی تھی۔ کل سے نزلہ زکام ہو رہا تھا۔ پھر پچھلی دو راتوں سے عادل کی وجہ سے نیند بھی پوری نہ ہو سکی تھی سو بیاؤں بیاؤں چلتا تھا۔ سیڑھیوں سے گر کر چوٹ لگوا بیٹھا تھا۔ اب رات بھر روتا رہتا۔ خود بھی جاگتا ماں کو بھی جگاتا۔ صبح ہی صبح عمیر نے آفس سے فون کر دیا کہ پانچ لوگوں کا لنچ تیار کر دو۔ آفس کا پیون آکر لے جائے گا۔ سماہر نے شفا کو کالج سے چھٹی کروائی کہ کچھ مدد کروا دے گی۔ پھر دونوں نے مل کر لنچ تیار کیا۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ تقریباً سارا ہی کام شفا نے کیا' کیونکہ عادل اس کی گود سے اترنے کے لیے تیار ہی نہیں ہو رہا تھا۔ دوسرے سماہر کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ سارے جسم میں درد محسوس ہو رہا تھا۔ سر بھی بوجھل سا تھا۔ لگتا تھا' بخار ہو گا۔

شفا نے ماتھے پر تیوری ڈالے بغیر سارا کام سمیٹا۔ سماہر شکر گزاری ظاہر کرتی رہی۔ تھوڑی دیر پہلے پیون آکر کھانا لے گیا تھا۔ پھر دونوں نے کھانا کھایا۔ شفا نے ہی کچن سمیٹا اور نہانے گھس گئی۔

"بھابھی! چائے بناؤں؟" گیلے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"اتنی گرمی میں چائے؟" سماہر نے منہ بنا کر کہا۔ "عادل سو گیا ہے۔ میں سوچ رہی تھی۔ میں بھی تھوڑی دیر لیٹ جاؤں۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں تم بھی میرے کمرے میں آجاؤ۔ ابھی لائٹ ہے۔ اے سی آن کر کے تھوڑی تھوڑی دیر سو جاتے ہیں۔" سماہر نے گویا لالچ دیا۔

"مجھے نیند نہیں آرہی۔ آپ سو جائیں۔۔۔ میں کچھ پڑھنے کا سوچ رہی تھی اور چائے کے بغیر میرا دماغ کام نہیں کرے گا۔" شفا نے مسکرا کر کہا۔

"سارا دن چولہے کے سامنے گزارا ہے۔ اب پھر چائے بنانے کچن میں گھسو گی۔۔۔ تم تو پاگل ہو شفا!" سماہر نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر مسکرائی اور پیار سے اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔

"اچھا سنو۔۔۔ باہر کوئی آئے تو پوچھ کر احتیاط سے گیٹ کھولنا۔ حالات اتنے خراب ہو چکے ہیں کہ بس ڈر ہی لگتا ہے۔" وہ معمول کی تاکید کرتی اپنے کمرے میں آگئی۔ عادل کو لٹا کر اسے تھپکتے ہوئے خود اس کی بھی آنکھ لگ گئی تھی۔ تب ہی کوئی چیز کھڑکی سے ٹکرائی اور اس کی نیند ٹوٹ گئی۔

عادل نیند میں کسمسا رہا تھا۔ سماہر کروٹ بدلتے ہوئے ایک ہاتھ سے اسے تھپکنے لگی۔ ساتھ ہی خود بھی سونے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن نیند تھی کہ آکر نہ دے رہی تھی۔ تب ہی برآمدے میں رکھے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سماہر کی آنکھیں پھر کھل گئیں۔ لیکن اٹھنے کی کوشش اس نے ایک بار بھی نہیں کی۔ گھنٹی بجتی رہی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ چند سیکنڈز کے بعد بیل پھر بجنے لگی تھی۔ اس بار جب بیل بجنا بند ہوئی تو سماہر نے کچھ سوچا اور عادل کو تھپک کر اس کے گہری نیند سونے کا اطمینان کرکے کمرے سے باہر آگئی۔ دروازے کو اس نے نیم وا رہنے دیا تھا۔

یہ جون کی ایک تپتی ہوئی دوپہر تھی۔ صحن میں دھوپ پنجے گاڑے بیٹھی تھی برآمدے کا پنکھا چل رہا تھا۔ اس کے باوجود ٹھنڈے کمرے سے باہر آتے ہی بڑی ناگواری محسوس ہوئی۔ سماہر نے محتاط نظروں سے سیڑھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے سی ایل آئی پر نمبر چیک کیا۔ پھر اس کی آنکھوں میں چمک سی اتر آئی۔

سی ایل آئی پر عمیر کے آفس کا نمبر چمک رہا تھا۔

اسی وقت شفا کے موبائل فون کی بیپ بھی بجنے لگی۔ ٹیلی فون اسٹینڈ تخت کے قریب تھا۔ یہیں شفا کی کتابیں اور موبائل پڑا تھا۔ عمیر نے لینڈ لائن سے مایوس ہو کر شفا کے موبائل پر کال کرنا شروع کر دی تھی۔

سماہر چپ چاپ واپس چلی آئی۔ شکر ہے ابھی تک عمیر نے اس کا نمبر ٹرائی نہیں کیا تھا۔ تب ہی اس نے جلدی سے سیل فون آف کیا اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔ اسے دل ہی دل میں بڑی گدگدی محسوس ہونے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ گلاس رکھنے کچن میں آیا تو امی کفگیر ایک ہاتھ میں پکڑے دوسرا ہاتھ کمر پر رکھے اس کی کلاس لینے تیار کھڑی تھیں۔

"کیا ضرورت تھی ان سے بحث کرنے کی؟"

"واہ واہ۔۔۔ سبحان اللہ۔" وہ جھوم اٹھا۔

"امی حضور! کیا آپ کے پاس موکل ہیں؟ بات وہاں لاؤنج میں ہو رہی تھی۔ یہاں کچن میں آپ کو اطلاع بھی پہنچ گئی۔ کیوں بھابھی! آپ نے دیکھے ہیں امی کے موکل؟"

اس نے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ننھی مشعل کو دلیہ کھلاتی ثمین بھابھی سے پوچھا۔ بھابھی اس کی بات سن کر مسکرائیں لیکن خاموش رہیں۔

"بات؟" امی نے غصے سے کہا۔ "جب تم اور تمہارے ابا بحث کر رہے ہوتے ہو تو دونوں کی آواز اتنی بلند ہوتی ہے کہ آدھے محلے کو خبر ہو جاتی ہے۔ میں تو پھر اسی گھر کے کچن میں موجود ہوں۔"

"جانے دیں امی! کہاں میں کہاں ابا۔۔۔ میری آواز تو ان کے والیوم کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتی۔" اس نے انکساری سے کہا اور پانی کا گلاس بھر کر لبوں سے لگا لیا۔

"میں جو پوچھ رہی ہوں۔ اس کا جواب دو۔ کیا ضرورت تھی ان سے بحث کرنے کی؟"

"انہیں کیا ضرورت تھی مجھ سے بحث کرنے کی؟" اس نے جملہ توڑ مروڑ کر انہیں لوٹایا۔ امی نے اسے گھور کر دیکھا اور بولیں۔

"جب تمہیں پتا ہے' وہ اپنی بات سے اختلاف برداشت نہیں کرتے تو کیوں اختلاف کرتے ہو؟"

"جب انہیں پتا ہے۔ میں غلط بات برداشت نہیں کرتا تو کیوں غلط بات کرتے ہیں؟"

"تم کان بند کر لیا کرو۔۔۔ مت سنا کرو۔"

"وہ زبان بند نہیں رکھ سکتے۔ میں کیوں کان بند کروں؟" اس نے سابقہ انداز میں کہا۔

"گستاخی معاف امی! لیکن میں بتا دوں' ابا سٹھیا چکے ہیں۔ ہر معاملے میں اپنی چلاتے ہیں۔ آج تو مذہب کو بھی نہیں چھوڑا لودھی صاحب نے۔"

امی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ کفگیر کا زوردار وار کندھے پر کیا۔

"اف۔۔۔ آپ اپنے میکے سے ہی ایسی آئی تھیں یا لودھی صاحب کی صحبت نے وحشی بنا دیا؟" تقی بلبلا ہی اٹھا۔

"تقی۔۔۔ تقی!" امی جھنجلا گئیں۔ "آخر تمہیں عقل کب آئے گی؟"

وہ جو فروٹ باسکٹ میں سے کوئی صحت مند سا سیب تلاش کر رہا تھا۔ ذرا سنجیدگی سے انہیں دیکھنے لگا۔

"آپ کے نزدیک عقل آنے کی نشانی کیا ہوتی ہے؟"

"تقی! اب میرے ساتھ بحث مت کرنا۔" انہوں نے کہا۔

"کمال ہے امی! آپ سے بات کرنے لگوں تو آپ کو بحث لگتی ہے۔ ابو سے بات کرتا ہوں تو وہ نالائق کہہ کر بات سننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ جب آپ لوگ میری بات ہی نہیں سنتے تو آپ کو کیسے پتا میں محض بحث کرتا ہوں یا ابا کیسے جانتے ہیں' میں نالائق ہوں؟"

"تقی! میری بات سنو۔" امی نے اس کے لہجے سے جھانکتا شکوہ سن کر نرمی سے کہا۔

"مجھے مت سنائیں۔۔۔ میں جانتا ہوں' آپ نصیحت کریں گی۔ اثر مجھ پر ہو گا نہیں۔۔۔ تو پھر آپ شکوہ کریں گی۔ اس لیے مجھے نہ سنائیں۔ لودھی صاحب کو سنائیں۔ بشرطیکہ وہ بھی آپ کی سن لیں۔" اس کو پسند کا سیب مل گیا تھا۔ آستین سے رگڑ کر صاف کیا اور عین درمیان میں زور سے دانت گاڑ دیے۔

"دیکھا! پھر وہی بات۔۔۔ پہلے خود بدتمیزی کرتے ہو اور پھر شکایت بھی کرتے ہو۔ یہ لودھی صاحب کیا ہوتا ہے؟"

"ابا کا خاندانی نام ہے۔ کمال ہے امی! آپ کو شادی کے اتنے سال بعد بھی نہیں پتا۔" اس نے معصوم بن کر پوچھا۔

"مجھے تو پتا ہے' لیکن شاید تمہیں نہیں معلوم بڑوں کو نام سے مخاطب کرنا بدتمیزی ہوتی ہے۔ ابا نہیں کہہ سکتے؟"

"وہ بھی تو مجھے نالائق' نکما' نانہجار کہتے ہیں۔ میں نے تو آج تک برا نہیں مانا۔" وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"نالائق' نکما کہنے میں اور باپ کا نام لے کر پکارنے میں فرق ہوتا ہے۔" امی جیسے اس کی باتوں سے عاجز آ کر بولیں۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ' واقعی فرق ہوتا ہے۔" عادت کے برخلاف وہ قائل ہو گیا۔ "لودھی صاحب عزت اور پیار میں کہا جاتا ہے۔ جبکہ نالائق' نکما بے عزت کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔"

"تمہاری یہی عادت بری ہے تقی! ہر بات میں ان سے مقابلے بازی شروع کر دیتے ہو۔ بتاؤ! پھر وہ تمہاری باتیں تحمل سے کس طرح سنیں؟"

"میں نے مقابلہ بازی کبھی نہیں کی تھی۔ انہوں نے شروع کی تھی۔ بار بار یہ کہتے تھے' جب ہم تمہاری عمر کے تھے تو ایسے تھے۔ تم تو یوں ہو۔ ہم تو یہ تھے۔ بونہہ۔ سارے خاندان میں مجھے نالائق مشہور کر دیا ہے۔ اب کون ایسے لڑکے کو اپنی بیٹی دے گا۔ جس کا باپ ہی اسے نالائق' نکما کہتے نہ تھکتا ہو۔" اس نے اس قدر بے چارگی سے کہا تھا کہ سبین بھابھی کو ہنسی آ گئی۔ امی کے لبوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

"آپ کو بڑی ہنسی آ رہی ہے۔" اس نے جل بھن کر سبین کو دیکھا۔

"خود تو آپ کے شوہر نامدار نے چپکے چپکے افیئر بھی چلایا۔ لو میرج بھی کروائی اور ابا کی نظروں میں اچھے بھی بن گئے اور ایک ہم ہیں۔ کچھ کیے بنا ہی برے ہیں۔ اسی لیے کہتے ہیں' بد سے بدنام برا۔"

سبین کی ہنسی اور تیز ہو گئی۔

"مت ہنسیں بھابھی! کسی کی بے بسی پر ہنسنے سے دکھی دل کی بددعا لگ جاتی ہے۔"

"استغفراللہ۔ اسے کیوں بددعا لگے؟ سوچ سمجھ کر بولا کرو تقی!"

"اسے کہنے دیجیے خالہ امی!" سبین اسے چڑاتے ہوئے بولیں۔

"خود تو یہ ابا کے ڈر سے افیئر چلانے جیسی بہادری کر نہیں سکتا اور جو یہ بہادری کر چکے ہیں' ان سے یہ حسد کرتا ہے۔ بے چارہ!"

"دیکھ لیں امی! آپ کی بہو میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔" اس نے احتجاج کیا۔

"تو اور کیا کرے؟" امی بھی سبین کے ساتھ مل گئیں۔ "تمہاری باتیں ہی ایسی ہیں کہ مذاق اڑایا جائے۔"

تقی نے غصے اور خفگی سے دونوں کو دیکھا۔

"ایک طرف ابا ہیں۔ جنہیں یقین ہے میں کسی دن لو میرج کر کے ان کے خاندان کا نام ضرور ڈبو دوں گا۔ بڑی امیدیں ہیں انہیں مجھ سے۔ اور دوسری طرف یہ بھابھی جان ہیں' جو ہر وقت طعنے دیتی ہیں کہ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں نے بھی سوچ لیا ہے کم سے کم اس معاملے میں ابا کو مایوس نہیں کروں گا اور ان شاء اللہ ان کی امیدوں کو پورا کر کے طعنے دینے والوں کا منہ بند کر دوں گا۔" اس نے انقلابی انداز میں ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔

"شاباش ہے بیٹے! تم بس یہی کر سکتے ہو۔" امی نے جل کر کہا اور سبز دھنیے کے پتے ٹہنیوں سے علیحدہ کرنے لگیں۔

"آپ کیا چاہتی ہیں' اور کیا کروں؟"

"کوئی ڈھنگ کا کام کرو۔ جس سے تمہارے ابا کا نام روشن ہو۔ انہیں لگے کہ تم میں بھی رضی جیسا احساس ذمہ داری ہے۔ تم زندگی میں بہت کچھ کر سکتے ہو۔"

"امی! میری پڑھائی تو مکمل ہو جانے دیں۔ ابا کو کیوں لگتا ہے' میں اپنی ذمہ داریاں نہیں اٹھاؤں گا؟" تقی نے جھنجلا کر کہا۔

"اس میں سارا قصور تمہاری زبان درازی کا ہے۔ ہمیشہ ان سے بحث کرتے ہو۔ ہر بات کا الٹا جواب دیتے ہو۔ جب پتا ہے ان کا مزاج مختلف ہے تو ان کے مزاج کے مطابق بات کیوں نہیں کرتے؟ یہ بھی نہیں کہ تمہیں بات کرنا نہ آتی ہو۔"

"یعنی کل ملا کر غلطی ہمیشہ میرے ہی نامہ اعمال میں لکھی جائے گی؟" اس نے سرد مہری سے پوچھا۔

"وہی مرغ کی ایک ٹانگ۔" امی نے گہری سانس بھرتے ہوئے سوچا اور غصے کے اظہار کے طور پر زور زور سے ہنڈیا میں چمچ ہلانے لگیں۔

عجیب سی صورت حال ہو گئی تھی۔ سبین نے سنجیدگی سے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"تقی! تم خالہ امی کی بات تو سمجھو۔" سبین نے نرمی سے کہا۔ تقی کا موڈ بری طرح خراب ہو چکا تھا۔ اس نے اٹھ کر ایک گلاس پانی سے بھرا اور غٹاغٹ پی گیا۔

"یونیورسٹی میں چھٹیاں ہو گئی ہیں۔ میں کل اپنے دوستوں کے ساتھ مری جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے' ناران کاغان تک بھی ہو آئیں۔ کچھ دن تک واپس آ جاؤں گا۔" اس نے خفگی بھرے انداز میں اطلاع دی۔

"تم پھر دوستوں کے ساتھ جا رہے ہو۔ تمہیں پتا ہے ناں! تمہارے ابا کو تمہارے دوست پسند ہیں۔ نہ ان کے ساتھ تمہارا گھومنا پھرنا۔" امی نے تیزی سے کہا۔

"گھر میں رہتا ہوں تو ابا کو اعتراض ہوتا ہے۔ باہر جاتا ہوں تو اعتراض ہوتا ہے۔ انہیں میرے دوست پسند ہیں نہ میں۔ جس دن خودکشی کر لوں گا' اس دن شاید ابا پرسکون ہو جائیں۔" اس نے گلاس سلیب پر پٹخا اور غصے سے کچن سے باہر نکل گیا۔ امی سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"میں کیا کروں اس لڑکے کا۔"

"جاؤ۔ مشعال! چاچو سے کہو آپ کو آئس کریم لے کر دیں۔" سبین نے جھٹ پٹ اس کا منہ پونچھا اور ہیبل سے اتارتے ہوئے تاکید کی۔ مشعال بھاگتی ہوئی کچن سے باہر نکل گئی۔ وہ دو سال کی تھی۔ ابھی بول چال میں روانی نہیں آئی تھی۔ لیکن اپنی زبان میں سب سمجھا دیتی اور اپنے مطلب کی بات سمجھ بھی لیتی تھی۔ اب بھی آئس کریم کا نام سن کر دوڑ گئی اور سبین جانتی تھی۔ اس کے تقی کے پاس جانے کی دیر ہے۔ اس کا موڈ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ یوں بھی جتنی جلدی اسے غصہ آتا تھا۔ اتنی ہی جلدی اتر بھی جاتا تھا۔ مشعل تو پھر اس کی لاڈلی تھی۔

"کیوں پریشان ہوتی ہیں خالہ امی!" سبین نے امی سے کہا۔

"پریشان نہ ہوں تو کیا کروں؟ اب خود تو منہ اٹھا کر کل چلا جائے گا۔ میں تمہارے ابا کے سامنے کیا جواب دوں گی۔ وہ بھی ایسے ہیں' جب تک تقی واپس نہیں آئے گا' مجھے ہی اسے بگاڑنے پر باتیں سناتے رہیں گے۔" وہ دونوں باپ بیٹا سے عاجز تھیں۔

"سچ کہوں تو دونوں ایک جیسے ہیں۔ نہ یہ کسی کی سنتے ہیں۔ اپنی بات پتھر پر لکیر سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں سب لوگ بس اسی پر عمل کریں' جو انہوں نے کہہ دیا۔ اور تقی بھی بالکل ان ہی پر ہے۔ دونوں کی آپس میں بالکل نہیں بنتی۔ دونوں ضدی ہیں' دونوں غصہ ور ہیں اور دونوں ڈھیٹ ہیں۔"

سبین کو ہنسی آ گئی۔

"پھر آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں؟ جب دونوں ایک سے ضدی' غصہ ور اور ڈھیٹ ہیں تو آپ کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ دونوں ایک دوسرے سے محبت بھی ایک جتنی کرتے ہیں۔ یہ چھوٹے موٹے جھگڑے اور بحثیں تو جنریشن گیپ کی وجہ سے ہوتی ہی ہیں' جو آہستہ آہستہ سلجھ بھی جاتی ہیں کون سی ایسی فیملی ہو گی' جہاں باپ بیٹا میں چھوٹے موٹے اختلاف نہ ہوں۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر سچ کہوں تو مجھے ان کے ضدی پن سے بہت ڈر لگتا ہے۔ ان کی ضد کی وجہ سے پہلے بھی بڑا نقصان اٹھا چکے ہیں ہم۔ اب تک دل سے پھانس نہیں نکلی۔" وہ آزردہ ہو گئیں۔

"چھوڑیں ناں امی! اس بات کو یاد کر کے دکھی

ہونے سے فائدہ؟ چلیں! ہم چائے پیتے ہیں۔"

سبین نے ٹی وی کمرشل کی طرح چائے کی ایک پیالی کو ہر پریشانی کا حل تجویز کرتے ہوئے انہیں ذہنی طور پر ہلکا پھلکا کرنا چاہا۔

"بات تو ٹھیک ہے۔ بس فکر اس بات کی ہے کہ ان دونوں باپ بیٹا کی ضد کوئی اور نقصان نہ کروادے۔" امی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا اور گہری سانس بھرتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ سبین کیتلی میں چائے کا پانی ڈالنے لگی۔

☼ ☼ ☼

شفا نے منڈیر سے جھانک کر دیکھا۔ شہتوت کے درخت کے عین نیچے کرسی بچھائے ثمر اطمینان سے بیر جھاڑ رہی تھی۔

شفا کی آنکھوں میں شرارے بھر گئے۔ اس نے فی الفور دونوں ہتھیلیاں منڈیر پر جمائیں اور سہولت سے ساتھ والی چھت پر کود گئی۔ پھر گربہ پائی سے سیڑھیاں عبور کر کے ثمر کے سر پر پہنچ گئی۔ وہ سر کرسی کی پشت سے لگائے آنکھیں بند کیے عاطف اسلم کی جانشین بنی اس محبوب کی یاد میں کوئی دکھی گیت گا رہی تھی جس کا دور دور تک کوئی نام و نشان دکھائی نہ دیتا تھا۔

شفا کو بہت غصہ آیا۔ اس کے گھر میں پتھر مار کر خود بیٹھی گیت گا رہی تھی۔ گویا روم کو آگ لگا کر نیرو بیٹھا چین کی بنسی بجا رہا تھا۔

اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' رکھ کے ایک دھپ اس کے کندھے پر رسید کی۔

"آ..... "ثمر کراہ کر پلٹی۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں؟" شفا کمر پر ہاتھ رکھے جھانسی کی رانی کا پوز مار رہی تھی۔ آنکھوں میں شرارے لبوں پر انگارے۔

"ابھی تک تو کوئی تکلیف نہیں تھی' لیکن جتنی زور سے تم نے مارا ہے' لگتا ہے یہ تکلیف اب سالہا سال ساتھ رہے گی..... ہائے ظالم۔" ثمر نے کندھا سہلاتے ہوئے دہائی دی۔

"ہونہہ..... ظالم..... کتنی بار کہا ہے۔ کھڑکی پر پتھر نہ مارا کرو۔ کسی دن شیشہ ٹوٹ گیا تو تم نیا ڈلوا کر دو گی؟"

"محترمہ! دو سال کی پریکٹس ہے میری۔ اب تک شیشہ ٹوٹا نہیں۔" ثمر نے اترا کر کہا تھا۔ شفا نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا۔ کہتی تو وہ سچ تھی۔

"اچھا! جلدی بتاؤ کیوں بلایا ہے؟"

"بیٹھو ناں..... تھوڑی دیر باتیں کریں گے۔" ثمر نے دوسری کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے رکھی۔

"خدا کا خوف کرو ثمر! اس بھری دوپہر میں تم نے مجھے باتیں کرنے کے لیے بلایا ہے۔" شفا نے چڑ کر کہا۔

"صرف باتیں کرنے کے لیے نہیں بلایا۔ چاٹ بنائی تھی' سوچا تمہاری دعوت ہی کر ڈالوں۔"

آلو چنے کی ڈھیر ساری ہرا مسالا چھڑکی ہوئی چاٹ۔ شفا کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے جھٹ پٹ پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ پھر کچھ خیال آنے پر دل مسوس کر بولی۔

"تم کھالو ثمر! میں چلتی ہوں۔ بھابھی سو رہی تھیں' دروازے پر کوئی آگیا تو ان کی نیند خراب ہوگی۔"

"تمہاری بھابھی کو سونے کے سوا اور کوئی کام نہیں؟" ثمر ناک چڑھا کر بولی۔

"عادل کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ رات کو نہ خود سوتا ہے۔ نہ انہیں سونے دیتا ہے۔" شفا کی بات پر ثمر نے یوں سر جھٹکا' جیسے ان باتوں کو سننے کی عادی ہو۔ پھر دوڑ کر گئی اور چمچ لے آئی۔

"فٹافٹ کھالو۔" اس نے چمچ شفا کے ہاتھ میں پکڑایا اور خود بھی کھانے لگی۔ ثمر کے گھر میں برآمدہ نہیں تھا۔ کمروں کے آگے اس درخت کی اچھی خاصی چھاؤں بن جاتی تھی۔

وہ سرکار کار..... سا وقت تھا۔ خاموشی بڑی محسوس ہوتی تھی۔

"باقی گھر والے کہاں ہیں؟" شفا نے پوچھا۔

"قیلولہ فرما رہے ہیں..... تم کالج کیوں نہیں آئیں

"عمیر بھائی کو اپنے کولیگز کو لنچ کروانا تھا۔ بھابھی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے میں نے چھٹی کرلی۔"

"ویسے ایک بات ہے شفا۔ تمہاری بھابھی ہے ذہین عورت۔"

ثمر نے حسب عادت آنکھیں مٹکا کر کہا۔ لیکن ابھی جملہ یہاں تک ہی پہنچا تھا کہ شفا نے اسے گھور کر دیکھا اور رسان سے بولی۔

"اس میں تو کوئی شک نہیں۔ ذہین نہ ہوتیں تو ایم ایس سی میں گولڈ میڈل کیسے لیتیں۔" شفا نے بات ہی پلٹ دی۔

"کالج میں لانگ ٹرپ کی ڈیٹ فائنل ہوگئی؟"

"ہاں... اچھا یاد کروایا... اگلے ہفتے کی دو تاریخ فائنل ہوئی ہے۔ تم نے عمیر بھائی سے پرمیشن لے لی؟" ثمر نے پوچھا۔

"میں نہیں جارہی ثمر!"

"کیوں؟" ثمر نے تعجب سے پوچھا۔ "تمہیں تو اس لانگ ٹرپ کا شروع سال سے انتظار تھا ناں؟"

"انتظار تو تھا لیکن مجھے پتا ہے عمیر بھائی مجھے اتنی دور نہیں جانے دیں گے۔"

"کہیں تمہاری بھابھی تو ارزی نہیں کررہیں؟" ثمر نے مشکوک انداز میں پوچھا تو شفا جھنجلا کر بولی۔

"وہ کیوں کچھ کہیں گی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ میں نے ذکر ہی نہیں کیا۔ مجھے پتا ہے 'عمیر بھائی کس چیز کے لیے مانیں گے کس چیز کے لیے نہیں۔ اتنی دور اکیلے بھجوانے پر کبھی راضی نہیں ہوں گے... کہیں گے اگلے سال ہم سب جائیں گے۔ میں 'تم' تمہاری بھابھی اور عادل... اچھا ہے ناں ثمر! فیملی ٹرپ کا اپنا ہی مزا ہوتا ہے۔" شفا نے لاپروائی سے کہا۔ ثمر اسے گھور کر بولی۔

"تم کبھی اپنی فرینڈز کا خیال نہ کرنا۔ ہم کتنا خوش ہو رہے تھے کہ سب دوستوں کو چند روز اکٹھے گزارنے کا موقع ملے گا۔ لیکن تم کوئی نہ کوئی پنگا ضرور ڈالا کرو۔"

"سچ کہوں ثمر! دل تو میرا بھی چاہتا ہے۔ لیکن عمیر بھائی کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ جتنی مجھ سے محبت کرتے ہیں اتنا ہی کانشس بھی رہتے ہیں۔ کبھی کبھی بھابھی کہتی ہیں۔ شفا! عمیر کا بس چلے تو مرغی کی طرح تمہیں اپنے پروں میں چھپا کر رکھیں۔ اتنی محبت کرتے ہیں وہ مجھ سے اور میرا دل کہتا ہے 'محبتوں کا امتحان نہیں لینا چاہیے۔" شفا نے اتراتے ہوئے کہا۔

ثمر بے زاری سے اس کے ارشادات سنتی رہی۔ جتنی دیر میں چاٹ کی پلیٹ صاف ہوئی 'وہ باتیں کرتی رہیں۔ شفا کو وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوسکا۔



مشعال کو آئس کریم دلوا کر تقی واپس آیا تو ابا اس کے کمرے سے نکل رہے تھے۔

"پنکھا چل رہا تھا۔" انہوں نے حسب عادت خشمگیں نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں بند کرنا بھول گیا تھا۔" تقی نے بے اختیار سر کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"بل بھی ادا کرنا پڑتا ہے... اونہہ! جیب سے ادا کرنا پڑے تو کبھی کچھ نہ بھولے۔" وہ لاشیں نکلتے رخصت ہوئے۔ تقی نے گہری سانس بھر کر انہیں جاتے دیکھا۔ پھر کمرے میں آکر ہاتھ مار کر پنکھا آن کیا اور بیڈ پر گرنے کے انداز میں ہاتھ پیر پھیلا کر چت لیٹ گیا۔ اس کے دائیں ہاتھ پر سرہانے کے قریب اس کی چند کتابیں 'فولڈرز' موبائل فون 'اسائنمنٹ فائل اور کچھ فیشن یا شوبز سے متعلقہ میگزینز پڑے تھے۔

تھوڑی دیر وہ اسی طرح لیٹا پنکھے کے گھومتے پروں پر نظر ٹکانے کی کوشش کرتا رہا' پھر بنا گردن موڑے ٹٹول کر ہاتھ میں آنے والی پہلی کتاب کو کھول کر آنکھوں کے سامنے کیا اور پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن یہ کوشش بھی ناکام رہی۔ عجب بے زاری سی بے زاری تھی۔ گو کہ مشعال کے ساتھ کچھ وقت گزار کر اس کا موڈ خوش گوار ہوگیا تھا۔ مگر اللہ بھلا کرے "لو جی صاحب" کا جنہوں نے منٹوں میں اس خوش گواریت پر پانی پھیر دیا تھا۔

تقی نے کتاب بند کرکے ایک طرف پٹخی اور تکیہ منہ پر رکھ لیا۔

ممکن ہے یہ بات سننے میں عجیب لگتی ہو۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ تقی کی اپنے ابا عبدالباقر لودھی سے کبھی نہیں بنی۔ گو کہ اس کی کوئی خاص وجہ بھی نہیں تھی' جس کی بطور خاص نشان دہی کی جاتی بس یہ تھا کہ ان کے ذہن آپس میں نہیں ملتے تھے۔

تقی اکثر سوچتا ایسا کیوں ہے۔

ابا تھوڑے سے سخت مزاج ضرور تھے۔ لیکن سڑیل یا مردم بے زار ہرگز نہ تھے۔ پھر تقی اتنا خوش مزاج' زندہ دل بندہ تھا کہ منٹوں میں کسی اجنبی کو دوست بنالیتا۔ اس کی حس مزاح بھی بہت بہترین تھی' کوئی کم ہی اس کے سامنے ناراض شکل بنا کر بیٹھ پاتا تھا۔ ایسے میں ابا کی چوبیس گھنٹے کی ناراضی اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ وہ ہر بات میں اس پر طنز کے تیر چلاتے' بات بے بات نکمے پن کے طعنے دیتے۔ تقی کے چھوٹے چھوٹے بے ضرر مذاق بھی ان سے برداشت نہ ہوتے تھے۔ وہ فوراً" غصے میں آجاتے۔

تقی اکثر و بیشتر ان کی باتوں کو ہنسی مذاق میں ٹال دیتا تھا۔ لیکن ہنس کر ٹال دینے کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ وہ ان باتوں کو محسوس نہیں کرتا تھا۔ کبھی کبھار ابا کی باتیں اسے بری طرح دل برداشتہ کردیتی تھیں اور وہ چڑ کر سوچتا کہ آخر ابا اس سے کس قسم کی تابعداری کی توقع رکھتے ہیں؟

ہاں یہ ضرور تھا کہ ابا کی سخت مزاجی کے مقابلے میں اس کے مزاج میں کسی قدر بغاوت تھی۔ پتا نہیں ایسا خود بخود کیسے ہوجاتا تھا کہ ابا مشرق کی طرف چلنے کی بات کرتے تو عین اسی لمحے تقی کا ارادہ مغرب کی طرف چلنے کا بن رہا ہوتا۔ ابا جنوب کا قصد کرتے تو اس کی سواری شمال کی سمت روانہ ہوجاتی۔

مزاجوں کے اتنے تصادم کے باوجود تقی ابا سے تابعداری جتانے کی کوشش کرتا۔ کئی بار اس نے اپنا من مار کر ابا کی مرضی کے مطابق سر تسلیم خم کیا تھا۔ لیکن ہر بار خوش ہونے کے بجائے ابا اس سے مزید خفا ہوجاتے۔ تقی چڑ کر اپنی من مانی کی کوششوں میں جت جاتا۔ بڑی سوچ بچار کے بعد وہ صرف ایک وجہ تلاش کرپایا تھا' جس کی بنا پر ابا اس سے خفا ہوسکتے تھے اور وہ یہ کہ اس نے ابا کی مرضی کے بغیر کیڈٹ کالج چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

"میں فوج میں نہیں جانا چاہتا۔ اس طرف میرا رجحان ہی نہیں ہے۔" اس نے ابا سے صاف صاف کہہ دیا تھا۔

"کیا میں جان سکتا ہوں تمہارا رجحان کس طرف ہے؟" ابا کی سنجیدگی کے برعکس تقی نے زور زور سے اثبات میں سر ہلایا اور پرجوش انداز میں انہیں اپنے ہر ارادے کی تفصیل بتانے لگا۔

"میں شوبز جوائن کرنا چاہتا ہوں ابا! اسی کو اپنا پروفیشن بناؤں گا۔ پہلے کچھ سال محض ایکٹنگ' پھر ڈائریکشن اور اس کے بعد اپنا ذاتی پروڈکشن ہاؤس... میں نے اپنا سارا فیوچر پلان کرلیا ہے ابا! آپ دیکھیے گا ایک دن میں پاکستان کے صف اول کے اداکاروں کی صف میں کھڑا ہو کر آپ کا نام روشن کررہا ہوں گا اور آپ مجھ پر فخر محسوس کریں گے۔ میں نے سوچا' جب مجھے ایک مختلف فیلڈ میں ہی جانا ہے تو ابھی سے اس کی تیاری کرنا چاہیے۔ فلم اور ڈراما میکنگ کورسز۔"

"تمہیں لگتا ہے مراثیوں اور بھانڈوں کی طرح ناچ گا کر تم میرا نام روشن کروگے؟" ایک دم ابا نے مشتعل ہو کر کہا۔ تقی چپ ہوگیا۔ اب تک ابا نے کبھی اس سے اس طرح بات نہ کی تھی۔ شاید اس لیے کیونکہ تب تک وہ ان کا ہونہار بیٹا تھا' جو ان کا خواب پورا کرنے کیڈٹ کالج جارہا تھا۔ تقی کو گمان نہ تھا کہ ابا اس کی بات پر اس بری طرح ردعمل ظاہر کریں گے۔

"ابا! اداکاری 'مراثیوں یا بھانڈوں کا کام نہیں ہے' یہ تو بڑا مختلف اور توجہ طلب کام ہے۔ بہترین صوتی اثرات' چہرے کے اتار چڑھاؤ۔ میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں؟ آپ یوں سمجھیں' اللہ نے میرے اندر

اداکاری کے قدرتی جراثیم ڈال دیے ہیں۔ مطلب میرے اندر خداداد صلاحیت ہے۔ اس سے متعلق حاصل کی ہوئی تھوڑی سی تعلیم میرے اندر نکھار لا سکتی ہے۔"

"اور یہ کس عقل مند نے بتا دیا تمہیں کہ تمہارے اندر خداداد صلاحیت ہے؟" ایک اور طنز۔

"اسکول میں اینول فنکشنز پر جو ڈرامے اسٹیج کیے جاتے تھے۔ میں ان میں حصہ لیتا رہا ہوں۔ پچھلے سال گیسٹ آف آنر کے طور پر ضیاء محی الدین صاحب اور راحت کاظمی صاحب آئے تھے۔ انہوں نے بھی میری ایکٹنگ دیکھ کر تعریفی کلمات کہے تھے۔ کاش! آپ اس وقت وہاں موجود ہوتے اور دیکھتے' وہ دونوں اس قدر باصلاحیت حضرات میری اداکاری کو کتنا سراہ رہے تھے اور ــــ اور یہ دیکھیں! انہوں نے مجھے انعام کے طور پر ایک ہزار کا نوٹ بھی دیا اور اس پر ان دونوں کا آٹو گراف بھی موجود ہے۔ ضیاء محی الدین صاحب نے تو یہاں تک کہا کہ اگر میں ناپا (NAPA) میں آکر پڑھوں تو وہ مجھے میرٹ اسکالر شپ بھی فراہم کریں گے۔"

وہ پرجوش انداز میں بتاتا چلا گیا۔ لیکن لودھی صاحب کی پیشانی پر اتنے بل پڑ چکے تھے کہ گننے بیٹھتا تو صبح سے شام ہو جاتی۔ پھر ان کی ایک چنگھاڑ نے تقی کو خاموش کروا دیا۔ انہوں نے اس کے سارے جوش کے جواب میں ٹکا سا جواب دے دیا تھا کہ وہ یہ مراثیوں اور نوٹنکی بازوں والے کاموں کا خیال دل سے نکال کر پڑھائی جانے کی تیاری کرے۔

تقی کے جوش کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔ اسے اتنے سخت ردعمل کی توقع ہرگز نہ تھی۔ لیکن پھر بھی وہ مایوس نہیں ہوا۔ اگلے کچھ روز تک وہ ابا کو قائل کرنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ اس نے اپنے موقف کے حق میں ہر طرح کی دلیل دی حتیٰ کہ یہ وعدہ بھی کیا کہ شوبز میں آنے کے بعد وہ کوئی عامیانہ کام نہیں کرے گا اور ایسا کوئی کردار بھی قبول نہیں کرے گا' جس کے اسکرین پر آنے سے اس کے خاندان اور لودھی صاحب کی آن بان پر فرق آئے یا انہیں تقی کی وجہ سے شرمساری کا سامنا کرنا پڑے لیکن لودھی صاحب کو نہ ماننا تھا' نہ مانے یہاں تک کہ تقی کو اپنی زندگی کے سب سے بڑے خواب کو حسرت بنا کر دل میں قید کرنا پڑا۔

لیکن وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔ اپنی خواہش کے رد کیے جانے کے بعد اس نے ابا کی خواہش بھی رد کر دی اور واپس آنے کے بجائے وہیں لاہور کے ایک کالج میں ایڈمیشن لے لیا۔ یوں اس نے بدلہ بھی لے لیا اور بیچ کی راہ بھی نکال لی تھی۔ لیکن اس کے بعد ابا کبھی اس کی طرف سے کچھ ایسا کھٹا ہوا کہ پھر بات کر کے ہی نہ دیا۔ تقی غصہ اترنے کے بعد انہیں خوش کرنے کی کوشش بھی "وقتاً فوقتاً" کرتا رہا۔ لیکن بے سود۔

ایک مصیبت یہ بھی تھی کہ وہ بدتمیزی کی حد تک صاف گو تھا۔ خود پر بڑا جبر کر کے زبان پر قابو رکھ بھی لیتا تو کہیں نہ کہیں زبان پھسل ہی جاتی تھی اور ابا کی نازک مزاجی کو ٹھیس پہنچا کر ہی دم لیتی۔ یوں سارے کیے کرائے پر پانی پھر جاتا۔

کبھی کبھی تقی کو ایسا محسوس ہونے لگتا تھا کہ تعلیم کے سلسلے میں جتنے سال اس کے گھر اور گھر والوں سے دور گزرے تھے' ابا اور اس کے درمیان ذہنی ہم آہنگی تشکیل ہی نہ پا سکی تھی۔ رضی بھائی اور اس سے چھوٹا جری بھی ابا کے مزاج کو اس حد تک سمجھتے تھے کہ ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بھی اپنا مطلب نکلوا لیتے۔ انہیں ابا کو شیشے میں اتارنے کا طریقہ آتا تھا۔ سوئے اتفاق اس طریقہ کی ابجد سے تقی ناواقف تھا۔ غالباً اسی لیے وہ ابا کا نالائق' ناہنجار اور بے کار بیٹا تھا۔

"شاید میں نوکری کرنے لگوں تو ابا مجھ سے خوش ہوں۔" اس نے سوچا۔

"لیکن ابا کو میری پڑھائی مکمل ہونے کا انتظار تو کرنا چاہیے۔ اب خالی خولی ایم ایس سی کو کون نوکری دے گا۔ میرا مطلب' میری پسند کی نوکری کون دے گا بھلا! ایم فل ہو جائے تو ــــ اور اگر ابا نے ایکٹنگ کورس ہی کر لینے دیا ہوتا تو اب تک میں کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہوتا۔ لیکن ہونہہ! ابا کی بے جا ضد ــــ ارے ــــ" سوچتے سوچتے کچھ یاد آنے پر آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔ جھٹ پٹ اپنی جینز کی جیب ٹٹول کر اس نے ایک چھوٹا سا ہرے رنگ کا وزٹنگ کارڈ برآمد کیا۔

سن شائن پروڈکشنز

کاسٹنگ ڈائریکٹر۔

جاثم علی

اس سے نیچے جاثم صاحب کی ملکی اور غیر ملکی ڈگریوں کی کچھ تفصیلات لکھی تھیں۔ تقی نے زیر لب پڑھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک اتر آئی۔ لیکن اگلے ہی پل کسی خیال نے اس چمک کو ماند کر دیا۔ اس نے تھکے ہوئے انداز میں وزٹنگ کارڈ فولڈر پر پھینک کر پھر بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

یہ کارڈ کئی روز سے اس کے پاس تھا اور اس کے خوابوں کی طرف لے جانے والا پہلا زینہ ثابت ہو سکتا تھا۔ لیکن ہر بار اس کارڈ اور اس کارڈ سے وابستہ پیش کش پر غور کرتے ہوئے اسے ابا کا سخت ردعمل یاد آ جاتا اور وہ دل مسوس کر رہ جاتا۔

ابا کے مستقل انکار کے بعد اس نے اپنے دل سے ناپا (نیشنل اکیڈمی آف پرفارمنگ آرٹس) کا خیال نکالنے کی بہت کوشش کی تھی۔ لیکن ان کوششوں کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا تھا۔ پھر بھی وہ اپنی اس خواہش کو کسی حد تک قابو کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا

یہ ان ہی دنوں کی بات ہے۔ جن دنوں وہ نیا نیا یونیورسٹی میں آیا تھا۔ اس کے ایک دوست کے کوئی انکل سلور اوتھ (Silver Oath) میں کسی چھوٹے موٹے عہدے پر تھے۔ ان انکل کے توسط سے وہ لوگ ایک روز کسی تھیٹر ڈراما کی ریہرسل دیکھنے ریواز گارڈن چلے گئے۔ لیکن یہاں آکر تقی کا دل میں دبا شوق پھر سے آنچ دینے لگا اور اس نے سلور اوتھ کے ایک ڈپلومہ کورس میں ایڈمیشن لینے کی ٹھان لی۔

اس کورس کی فیس پوری کرنے کے لیے تقی کو کڑی محنت کرنا پڑی۔ وہ پڑھائی کے ساتھ ساتھ ٹیوشنز پڑھاتا تھا۔ پڑا ہٹ پر کچھ عرصہ اس نے پیزا ڈیلیوری بوائے کے طور پر بھی کام کرتا رہا۔ وہ محنت سے گھبرانے والوں میں سے نہیں تھا۔ بس دعا تھی تو صرف اتنی کہ ابا کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ کورس پورا ہونے تک اس کا شمار سلور اوتھ کے بہترین اسٹوڈنٹس میں ہونے لگا۔ اس دوران اس نے سنجیدہ تھیٹر کے لیے بھی کام کیا۔ لیکن دونوں بار اس نے ایسے کردار لیے جن کا گیٹ اپ اس کی اصل شکل چھپا دے۔

اتنی احتیاط کے باوجود اس کے کارناموں کی خبر رضی بھائی تک پہنچ گئی تھی۔ تقی کو یہ جان کر بڑا اطمینان ہوا تھا کہ بھائی نے اسے سرزنش بھی نہیں کی۔ بلکہ وہ خوش ہوئے تھے۔ اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ کسی بڑی کامیابی کے ملنے تک وہ ابا کو اس بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔

ایک سال پورا ہو جانے کے بعد گو کہ تقی کو سلور اوتھ کو چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ لیکن ایسے ادارے کو جس سے انسان کی دلی و جذباتی وابستگی بھی ہو جائے' چھوڑنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ ہر دو تین مہینوں کے بعد تقی کو ادارے کی طرف سے کسی نئے کورس یا ورکشاپس وغیرہ کے بروشر یا دعوت نامے ملتے رہتے۔ ایسی ورکشاپس عموماً "الحمرا یا آرٹس کونسل میں منعقد کی جاتی تھیں۔ تقی تقریباً" ہر ورکشاپ اٹینڈ کرتا تھا۔ ایسی ہی ایک ورکشاپ میں اس کی ملاقات جاثم علی سے ہوئی' جو سن شائن پروڈکشنز میں بطور کاسٹنگ ڈائریکٹر کام کر رہا تھا۔ اس نے اپنا کارڈ تقی کو دیتے ہوئے کہا تھا۔

"تمہارے اندر بہت پوٹینشل ہے تقی! بلکہ اگر میں مختصر لفظوں میں کہوں تو تم ایک کمپلیٹ پیکج ہو۔ اچھی شکل و صورت' کیمرا کمفرٹیبل اور اداکاری کی بہترین صلاحیت۔ تمہارے جیسے ٹیلنٹ کی ہماری انڈسٹری کو بہت ضرورت ہے' جو اتنے اخلاص کے ساتھ کام کرتے ہیں ــــ سچ کہہ رہا ہوں تقی! اگر تمہیں آن اسکرین پہلا بریک دینے کا موقع مجھے ملے تو مجھے بہت فخر محسوس ہوگا۔"

اپنی تعریف سننا کسے برا لگتا ہے۔ تقی کے ہونٹوں کے کنارے کانوں تک پھیلتے جا رہے تھے۔ جاثم کی باتوں نے اس کے جوش کے غبارے میں پھر سے ہوا بھر دی تھی۔ اس نے وعدہ کیا کہ چند روز میں سوچ کر جواب دے گا۔ اب اس روز سے وہ مستقل سوچ رہا تھا۔ لیکن کوئی سرا ہاتھ نہ لگتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"دوپہر میں آ...! فون کرتا رہا ہوں۔ لیکن کسی نے ریسیو نہیں کیا۔ تم دونوں کہاں تھیں؟"

کھانا کھاتے ہوئے عمیر بھائی نے اچانک پوچھا۔ شفا کا منہ میں نوالہ لے جاتا ہاتھ ٹھٹک گیا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عمیر بھائی ان اوقات میں فون بھی کر سکتے ہیں۔

"میں تو دوپہر میں سو رہی تھی۔ عادل کو سلانے گئی تو اپنی بھی آنکھ لگ گئی۔ بلکہ کچھ زیادہ ہی گہری لگ گئی تھی۔ تب ہی فون کی بیل کا بھی پتا نہیں چلا اور میرے موبائل کا حال تو آپ کو پتا ہی ہے۔ جب سے عادل نے گرایا ہے 'سوفٹ ویئر' گڑبڑ کر رہا ہے۔ اپنی مرضی سے آف 'اپنی مرضی سے آن ۔۔۔ میرا خیال ہے اب بھی بند پڑا ہوگا۔" ساہر نے اپنی پلیٹ میں بریانی نکالتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔

"کیوں شفا! تم بھی سو گئی تھیں؟"

"ج ۔۔۔ جی بھابھی!" اس نے جلدی سے کہا اور پلیٹ پر جھک گئی۔ عمیر نے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا۔

"لیکن تم تو کبھی اتنی گہری نیند نہیں سوتیں کہ بیل پر آنکھ نہ کھلے۔" عمیر نے کہا۔ شفا کے حلق میں نوالہ اٹک گیا۔ فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا جواب دے۔

"تم ثمر سے ملنے گئی تھیں؟" اسے خاموش دیکھ کر عمیر نے پوچھا۔ اس سے سر نہیں اٹھایا گیا۔

"تم ثمر سے ملنے گئی تھیں شفا؟" اب کی بار عمیر کے لہجے میں سختی تھی۔

"جی بھائی!" مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اس نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔ بہانہ تلاش کرنا بے سود تھا کیونکہ عمیر بھائی کے سامنے وہ کبھی جھوٹ نہیں بول پاتی تھی۔ چوری نہ پکڑی جاتی تو اور بات تھی لیکن جھوٹ ناممکن۔

"میں نے منع کیا تھا تم ثمر سے نہیں ملو گی۔" عمر نے یاد دہانی کروائی۔ شفا خاموش رہی۔

"میں کچھ بھی کہوں، تمہیں فرق نہیں پڑتا۔ تمہیں میری بات بکواس لگتی ہے۔" عمیر کے لہجے کی سختی بڑھ رہی تھی۔ شفا شرمندہ شرمندہ سی سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اسے عمیر بھائی کے غصے سے ڈر لگتا تھا۔

"ایسی بات ۔۔۔ نہیں ہے عمیر بھائی! مجھے آج کے اکنامکس کے لیکچر کے بارے میں بھی پوچھنا تھا۔ اسی لیے ثمر کے پاس گئی تھی۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"اکنامکس کا لیکچر کسی اور کلاس فیلو سے نہیں پوچھا جا سکتا تھا؟ یہ فون کس مرض کی دوا ہے؟ یا ثمر کے پاس جانا ضروری تھا؟"

"س ۔۔۔ سوری عمیر بھائی!" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔ عمیر نے بغور اسے دیکھا۔ گو کہ اس نے سر جھکا رکھا تھا۔ مگر چہرے پر شرمساری اور آنکھوں میں نمی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ تھوڑی بہت سختی کرنا پڑتی تھی۔ لیکن عمیر کا دل پھر کا تو نہیں تھا چھوٹی لاڈلی بہن کا چہرہ دیکھ کر فوراً" پسیج گیا۔

"شفا! میں تمہارا بھائی ہوں، دشمن نہیں ہوں۔ جو کہتا ہوں بھلائی کے لیے کہتا ہوں۔ ثمر اچھی لڑکی نہیں ہے۔ اسی لیے میں منع کرتا ہوں کہ تم اس سے نہ ملو۔" انہوں نے رسان سے کہا۔

"عمیر بھائی! آپ یہ نہ سمجھیں۔ میں ضد میں آپ کی بات سے اختلاف کر رہی ہوں۔ آپ کی ہر بات میرے لیے اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا' آپ نے ثمر میں کیا برائی دیکھ لی ہے۔ وہ اچھی لڑکی ہے۔" اس نے عمیر کے لہجے میں نرمی آتے دیکھ کر جلدی سے سہیلی کی طرف داری کی۔

"شفا بچے! تم ابھی چھوٹی ہو۔ جو بڑے دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں' وہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اسی لیے بہتر ہے جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کرو۔۔۔ اگر امی یا ابو زندہ ہوتے تو کیا تم ان کی بات سے انکار کرتیں؟ مجھے دوبارہ پتا نہ چلے کہ تم ثمر کی طرف گئی ہو۔ اگر اسے تم سے ملنے کا شوق ہو تو یہاں آ کر ملے ۔۔۔ تمہیں اس کے گھر جانے کی ضرورت نہیں۔" عمیر نے ایک بار پھر سخت لہجے میں کہا۔

"اور تم اپنی نیند رات میں پوری کر لیا کرو تو زیادہ اچھا ہوگا۔" اب روئے سخن ساہر کی طرف تھا۔ پھر انہوں نے چند گھونٹ پانی حلق میں اتارا اور کمرے میں چلے گئے۔

"اب انہیں میری نیند پر بھی اعتراض ہوگا۔" ساہر نے چڑ کر کہا۔ شفا نے شرمساری سے اسے دیکھا اور گود میں رکھی انگلیاں مروڑنے لگی۔

"تم واقعی ثمر سے ملنے گئی تھیں؟" ساہر نے پوچھا۔

شفا نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مجھے بتا کر چلی جاتیں۔ کم سے کم میں عمیر کے سامنے بات تو سنبھال لیتی۔" ساہر نے نرمی سے کہا۔

"آپ سو رہی تھیں بھابھی! میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور ۔۔۔ اور پھر مجھے لگا' آپ بھی مجھے منع کریں گی۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"میں کیوں منع کرتی بھئی۔" ساہر نے حیران ہو کر کہا۔ "مجھے تو خود ثمر سے ملنے میں کوئی اعتراض نہیں۔ اچھی لڑکی لگتی ہے وہ۔"

"ہے ناں۔" شفا ایک دم خوش ہو کر بولی۔ "وہ سچ مچ بہت اچھی ہے بھابھی! میری بچپن کی دوست ہے۔ بچپن سے ہمارے گھر آتی رہی ہے۔ شروع سے وہ لوگ ہمارے پڑوس میں رہ رہے ہیں۔ حیرانی اس بات کی ہے کہ اچانک عمیر بھائی کو وہ بری کیوں لگنے لگی ہے۔ اتنی سختی سے تو آج تک عمیر بھائی نے کسی کے لیے ناپسندیدگی نہیں دکھائی۔ بلکہ کچھ عرصہ پہلے تک تو ثمر کو بھی اسی طرح ٹریٹ کرتے تھے جس طرح مجھے ۔۔۔ لیکن دو تین سال سے پتا نہیں انہیں کیا ہو گیا ہے۔" شفا فکرمندی سے بول رہی تھی۔

"دیکھو شفا! مجھے تمہارا ثمر سے ملنا بالکل برا نہیں لگتا۔ لیکن اگر عمیر کو پسند نہیں ہے تو میرا خیال ہے' تمہیں نہیں ملنا چاہیے ۔۔۔ وہ کچھ کہہ رہے ہیں تو کسی بنیاد پر ہی کہہ رہے ہوں گے۔"

ساہر اسے رسانیت سے سمجھاتی رہی۔ شفا خاموشی سے اٹھ کر برتن سمیٹنے لگی۔ لیکن اس کی شکل اب بھی لٹکی ہوئی تھی۔

"اب کیا ہوا؟" ساہر نے بغور اسے دیکھا اور دوستانہ لہجے میں پوچھا۔

"بھائی کی ڈانٹ سے خفا ہو گئی ہو؟"

"نہیں ۔۔۔ بھائی کی کسی بات سے خفا نہیں ہوتی۔ وہ میری بھلائی کے لیے ہی کہتے ہیں۔ لیکن بھابھی! عمیر بھائی کو غصہ زیادہ آنے لگا ہے ناں؟"

"ہاں ۔۔۔ غصہ تو زیادہ آنے لگا ہے۔" ساہر نے فوراً" کہا۔

"شاید آج کل آفس میں کام کا پریشر زیادہ ہے۔ وہ روز پہلے بتا تو رہے تھے۔ خیر! چھوڑو اس بات کو ۔۔۔ تم بتاؤ! ثمر سے کیا باتیں ہوئیں؟" اس نے بات بدلتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ خاص نہیں ۔۔۔ کالج کی باتیں ہوتی رہیں۔ ہماری پچ کا لانگ ٹرپ مری جا رہا ہے۔ ثمر بھی جا رہی ہے۔ وہ اپنی تیاریوں کے متعلق بتا رہی تھی۔"

"واؤ ۔۔۔ لانگ ٹرپ ۔۔۔ تم لوگوں کو تو بہت مزا آئے گا۔ پتا ہے میں کالج یونیورسٹی کا کوئی ٹرپ مس نہیں کرتی تھی۔"

شفا نے سارے برتن سمیٹ کر سنک میں رکھے۔ پھر ایپرن باندھ کر برتن دھونے لگی۔ ساہر نے پتیلی میں بچے ہوئے چاول ایرٹائٹ باؤل میں نکالتے ہوئے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ پھر سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

"تم نے اپنی پیکنگ کر لی؟"

"کس لیے؟" شفا کا ذہن کہیں اور الجھا تھا۔ اس کا

سوال کبھی نہیں۔

"بھئی! ٹرپ پر نہیں جاؤ گی؟"

"عمیر بھائی جانے دیں گے؟" شفاء نے الٹا اسی سے پوچھا۔

"تم نے عمیر سے پوچھا؟"

"مجھے پتا ہے' وہ پرمیشن نہیں دیں گے۔ اسی لیے نہیں پوچھا۔ کہیں بس کھائی میں نہ گر جائے۔ یہ نہ ہو جائے' وہ نہ ہو جائے۔ جب جواب معلوم ہے ان کا تو پھر کیوں پوچھوں؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویسے بھی ہم ہر سال مری جاتے تو ہیں۔ اب تو میں وہاں کے چپے چپے سے واقف ہو چکی ہوں۔ پھر کالج ٹرپ کے ساتھ جا کر کیا کروں گی۔"

"عجیب لڑکی ہو تم۔" ساہر نے تعجب سے کہا۔

"شادی سے پہلے ہم سب بھی چھٹیوں میں سیر کے لیے جاتے تھے۔ لیکن کوئی جگہ کتنی بار ہی دیکھی ہوئی کیوں نہ ہو ہمیں فرینڈز کے ساتھ کوئی ٹرپ نہیں چھوڑتی تھی۔ تمہیں فرینڈز کے ساتھ گھومنے پھرنے کا کوئی شوق نہیں ہے؟"

"شوق تو ہے۔" شفا نے ایک پل کے لیے ہاتھ روک کر کہا۔

"لیکن عمیر بھائی کی پسند' ناپسند میرے لیے زیادہ اہم ہے..... شادی کے ساڑھے پانچ سالوں میں آپ اتنا تو سمجھ ہی گئی ہوں گی۔" اس نے سادگی سے کہا۔

ساہر نے بمشکل مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر عادل کا فیڈر تیار کرتے ہوئے کہا۔

"میں عمیر سے پوچھتی ہوں۔ انہیں منانے کی کوشش کروں گی کہ تمہیں جانے کی اجازت دے دیں۔ ان کی پسند' ناپسند اپنی جگہ اہم سہی۔ لیکن تمہیں بھی تو اپنی فرینڈز کے ساتھ گھومنے پھرنے کا حق ہے۔ پھر یہی تو عمر ہوتی ہے انجوائے منٹ کی..... پریکٹیکل لائف میں آنے کے بعد کہاں موقع ملتا ہے۔ میری قسمت اچھی تھی کہ مجھے عمیر ملے۔ لیکن اگر تمہاری قسمت میں ایسا شوہر ہوا' جسے گھومنے پھرنے کا شوق ہی نہ ہو تو تمہیں حسرت تو نہیں رہے گی تاکہ نادرن ایریا بھی نہیں دیکھا۔"

"بھابھی! آپ کو لگتا ہے کہ عمیر بھائی مان جائیں گے؟"

شفا نے اس کی باقی تمام باتیں نظر انداز کرتے ہوئے پرجوش ہو کر پوچھا۔

"نہیں مانیں گے تو میں صرف تمہاری خاطر انہیں مناؤں گی..... بس تم اپنی پیکنگ شروع کر دو۔" ساہر نے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا اور کچن سے باہر نکل گئی۔ عمیر بھائی ہمیشہ اس کے لیے بہت متردد رہتے تھے۔ انہوں نے کبھی اسکول کے کسی ٹرپ پر اسے جانے نہیں دیا تھا۔ بلکہ ہر سال اسے کہیں نہ کہیں سیر کروانے چند روز کے لیے ضرور لے جاتے تھے۔ ان کی شادی کے بعد بھی یہ معمول جوں کا توں تھا۔ تب ہی شفا نے کبھی ان سے اجازت کے لیے ضد نہیں کی تھی۔ بلکہ اس نے اس بارے میں سوچنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ مگر اس بار اس کا بھی دل چاہ رہا تھا کہ وہ جائے اس کی سہیلیاں بہت اصرار کر رہی تھیں اور اب بھابھی نے کہا تھا تو اسے یقین تھا' وہ عمیر بھائی سے ضرور اجازت لے دیں گی۔ تب ہی بھابھی ساہر واپس چلی آئیں۔

"شفا! ہدیہ کو آج اپنے ساتھ سلا لو..... عادل اتنا تنگ کرتا ہے۔ اس کی آنکھ کھل جائے تو دونوں مل کر میرا دماغ چاٹ جاتے ہیں۔" انہوں نے ایک ہاتھ میں ہدیہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ دوسرے میں اس کی بابلا تھی۔

"آجاؤ ہدیہ!..... رات کو کارٹون مووی دیکھیں گے۔"

اسے اور کیا چاہیے تھا۔ ہدیہ سے تو خوب دوستی تھی۔ سو کیلے ہاتھوں سے ہی اس کو گود میں اٹھا لیا۔

☼ ☼ ☼

ابا کے رویے پر غور کرتے ہوئے اسے جانے کب نیند آگئی۔ آنکھ کھلی تو پتا چلا سیل فون دھیمے سروں میں بج بج کے کب کا خاموش ہو چکا تھا۔ سمیر کا نمبر تھا اور دو مس ایس ایم ایس بھی تھے۔

"مر گیا ہے؟" تقی نے ہوا کی ہتھیلی پر پیغام لکھ بھیجا۔

"میں کب سے فون کر رہا ہوں۔ کدھر مر گیا تھا؟"

چند منٹ بعد جواب آیا۔ سمیر اس کا بے حد قریبی اور بچپن کا دوست تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی رگ رگ تک سے واقف تھے۔

"یار! آنکھ لگ گئی تھی۔" اس نے بے زاری سے لکھا۔ ترنت جواب آیا۔

"کس سے؟"

"جوڈی فوسٹر سے۔"

"خبردار..... جوڈی پر ہمیشہ سے میری نظر رہی ہے۔"

"ہاہاہا..... وکٹری پوائنٹ تک جو پہلے پہنچے ٹرافی اس کی ہوتی ہے بھائی صاحب!"

"اوئے..... دوست کے حق پر ڈاکا ڈالتے تجھے شرم نہیں آتی؟" سمیر نے جل کر پوچھا۔

"دوست کے حقوق تو جگہ جگہ بکھرے پڑے ہیں میں کب تک محتاط رہوں۔"

"مجھے کچھ نہیں پتا۔ بس بتا دیا میں نے' جوڈی تیری ہونے والی بھابھی ہے۔ اس پر بری نظر ڈالنے کی ضرورت نہیں۔"

"ہونے والی بھابھی..... ہوئی تو نہیں ناں۔" تقی نے فوراً سے لکھ بھیجا۔ چند منٹ جواب نہیں آیا۔ سمیر یقیناً لاجواب ہوا تھا۔ پھر اس نے لکھا۔

"تو بڑا خبیث ہے تقی!"

"آپ جیسے دوستوں کی صحبت کا اثر ہے جناب! ورنہ بندہ کسی قابل کہاں۔" اس نے انکساری و عاجزی کی حد کر دی۔

"اچھا! بک بک بند کرو۔ فوراً کال کرو۔ ایک زبردست خبر سنانی ہے۔"

"موبائل میں اتنا بیلنس نہیں ہے۔ ایس ایم ایس پیکیج زندہ باد۔"

"بھوکے' ننگے..... کبھی بیلنس رکھا بھی کرو۔" سمیر کو حساب برابر کرنے کا موقع ملا تھا۔ تقی کی جان جل کر خاک ہو گئی۔

"یہ تم نہیں کہو گے تو کون کہے گا؟ اتفاق سے تمہارے ابا ہر مہینے تمہیں پاکٹ منی دیتے ہیں۔ میرے ابا صرف طعنے دیتے ہیں۔"

"آ..... چھ..... آ..... تو مزاج یار اس لیے برہم ہے؟"

"سمیر! تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں۔ ہم بے زار بیٹھے ہیں یار!"

"ہاہاہا..... عادت ہی بنالی ہے تم نے تو منیر اپنی!"

"اچھا! خبر تو سناؤ۔"

"خوب یاد دلایا۔ بڑی اہم خبر ہے۔ گھر آکر سن جاؤ۔"

"تو آجا سمیر!..... خبر بھی سنا جا۔ دبئی کمپنی کی اینول رپورٹ کی سوفٹ کاپی بھی دے جانا۔ میں نہیں آسکتا۔"

"کیوں..... تیرے پیروں میں مہندی لگی ہے؟"

"نہیں..... ابا کے بالوں میں خضاب لگا ہے اور وہ گیٹ کے عین سامنے کرسی بچھا کر بیٹھے ہیں۔ ان کے سامنے گھر سے نکلوں گا تو گالیاں سنوں گا۔ ویسے بھی انہوں نے مجھے 'نالائق' ناہنجار دوستوں سے ملنے سے منع کر رکھا ہے۔"

"ابا نے نالائق' ناہنجار' نکمے دوستوں سے اینول رپورٹ مانگنے سے منع نہیں کیا؟"

"کیا تھا..... لیکن اب میں اتنا بھی تابعدار نہیں ہوں کہ ان کی ساری باتیں مانوں۔"

"قربان جاؤں تیری اس تابعداری پہ۔"

تقی کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ سمیر نے اگلا پیغام لکھا تھا۔

"شام کو چکر لگاؤں گا۔ ڈائجسٹ خریدنے بھی جانا ہے۔"

"ٹھیک ہے! پھر میں بھی شام کو ہی خبر سناؤں گا۔"

مختصری نیند اور سمیر سے تھوڑی سی گپ شپ نے اس کی طبیعت پر چھائی بے زاری کو ختم کر دیا تھا۔ وہ اٹھ کر اپنی اسٹڈی ٹیبل پر آبیٹھا۔

✡ ✡ ✡

"تو گویا آج سے میری نیند پر بھی پابندی ہوگی؟" ساہر نے الماری کھولتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ وہ مدیحہ کو شفا کے پاس چھوڑ کر آئی تھی۔ فیڈر اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور عادل کا نائٹ سوٹ نکالنے لگی۔

عمیر بہت منہمک ہو کر ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ ساہر کی بات پر انہوں نے ایک نظر اسکرین سے ہٹا کر اس پر ڈالی۔ اس کے چہرے پر ناراضی اور پیشانی پر سلوٹیں دکھائی دیتی تھیں۔

"آپ مجھے ایک ہی بار بتا دیں عمیر! اس گھر میں رہنے کے لیے مجھے کتنی پابندیاں سہنا ہوں گی؟ کس وقت اور کتنا سویا کروں؟ کس وقت جاگ جایا کروں؟ پانی کتنا پیا کروں؟ کھانا کتنی بار کھانے کی اجازت ہے؟ نوالے کتنے ہونے چاہئیں؟"

ساہر نے بیڈ کے دوسری طرف بیٹھ کر عادل کے کپڑے بدلنے شروع کر دیے تھے۔ وہ مسہری پہ لیٹا ہاتھ پیر چلا رہا تھا۔ ماں کی مداخلت پسند نہیں آ رہی تھی۔ تب ہی منہ بسورنے لگا۔ لیکن ساہر اس کے لاڈ اٹھانے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"بلاوجہ بات مت بڑھاؤ ساہر! میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی کہ تم واویلا کرو۔" ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے عمیر نے سرد مہری سے اس کی بات قطع کرتے ہوئے کہا۔

"میری تو عام سی بات بھی آپ کو واویلا ہی لگتی ہے۔ اتفاق سے جو بات آپ نہیں کہتے وہ آپ کی بہن کہہ دیتی ہے۔" ساہر نے جل کر کہا۔

"اب اس بات کا مقصد؟" عمیر نے سابقہ انداز میں لیکن تیز لہجے میں پوچھا۔

"یہ دیکھیں! ہاتھ جوڑ کر گزارش کر رہی ہوں آپ سے مجھے معاف رکھیں اس ذمہ داری سے۔ میں جاگ جاگ کر آپ کی بہن کی پہرہ داری نہیں کر سکتی۔" ایک دم اس نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔

"شفا نا سمجھ تو نہیں ہے۔ آپ کئی بار اسے منع کر چکے ہیں کہ ثمر سے نہ ملا کرے۔ کالج جاتی ہے۔ ثمر کے گھر سے ہماری دیوار ملی ہوئی ہے۔ شفا بھی دیکھتی ہے سارا دن اس سے نت نئے لڑکے ملنے آتے رہتے ہیں۔ خود جب دیکھو بن ٹھن کر کہیں نہ کہیں جا رہی ہوتی ہے۔ یہ شرفا کے رنگ ڈھنگ تو نہیں ہوتے۔ اس کے باوجود شفا ہر روز دوپہر میں اس کے گھر جاتی ہے۔ میں منع بھی کروں تو نہیں سنتی۔ میری بات کی اہمیت تو یوں بھی اس کے نزدیک صفر ہے۔ آپ بتائیں! پھر میں اپنی نیند کیوں برباد کروں؟" عادل کو گود میں لے کر فیڈر پلاتے ہوئے اس کے آنسو زار زار بہہ رہے تھے۔

"شفا ہر روز ثمر سے ملنے جاتی ہے؟" عمیر کو اس کی بات سن کر جھٹکا لگا تھا۔ "میں سمجھا وہ آج ہی گئی ہے۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"آپ کو بتاتی تو آپ ڈانٹتے اسے۔ پھر وہ مجھ سے جھگڑتی کہ میں اس کی شکایتیں لگاتی ہوں۔ وہ تو ابھی بھی یہی سمجھ رہی ہے کہ میں نے آپ کو بتایا ہے۔ تازہ تازہ بے عزتی کروا کر آ رہی ہوں اس کے ہاتھوں۔"

"میں پوچھتا ہوں شفا سے۔" عمیر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ انہوں نے ٹی وی آف کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں عمیر... پلیز۔" ساہر نے سرعت سے منت بھرے انداز میں کہا۔

"آپ شفا سے باز پرس کریں گے۔ وہ آپ کے سامنے تو سعادت مندی سے اثبات میں سر ہلا دے گی لیکن بعد میں مجھ سے لڑائی کرے گی کہ میں آپ کو اس کے خلاف بھڑکاتی ہوں۔ کتنی چھوٹی ہے وہ مجھ سے رتبے میں بھی میں ہی بڑی ہوں۔ لیکن بعض اوقات اتنی بدتمیزی کر جاتی ہے کہ مجھے خود سے بھی شرمندگی محسوس ہونے لگتی ہے۔ عمیر! میں نے آپ سے اس لیے تو شادی نہیں کی تھی کہ ذرا ذرا سی باتوں پر آپ کی چھوٹی بہن میری بے عزتی کرے۔" عادل کو

تھپکتے ہوئے ساہر نے اسے کاٹ میں لٹاتے ہوئے کہا تھا۔ عمیر کو بے حد شرمساری محسوس ہوئی۔

"شفا ایسی نہیں تھی۔ اتنی بدلحاظ، ایسی بدتمیز۔ پتا نہیں اسے کیا ہو گیا ہے۔" جھنجلاہٹ اور تشویش بھرے انداز میں انہوں نے کہا۔

"وہ ایسی ہی تھی عمیر! لیکن آپ کو کبھی میری بات پر یقین نہیں آیا۔" ساہر نے دھیمی آواز میں لیکن سنجیدگی اور کسی قدر خفگی سے کہا۔

"قسم سے کم میری عزت اس نے کبھی نہیں کی۔ اس گھر میں آتے ہی اس نے مجھ سے دشمنی باندھ لی تھی۔ جو آج بھی جوں کی توں قائم ہے۔ میری ہر بات اسے قابل اعتراض لگتی ہے۔ میں جھوٹی اور مکار لگتی ہوں اسے۔ میری ہر اچھی بات کے جواب میں وہ ایسا جواب دیتی ہے کہ میں اور کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہتی۔"

"میں اسے سمجھاؤں گا ساہر! پلیز۔ تم اس کی باتوں کا برا مت منایا کرو۔" عمیر نے کہا۔

"کوشش تو کرتی ہوں عمیر! لیکن انسان ہوں میں بھی۔ عزت نفس کو تو نہیں مار سکتی۔ اگنور کرنے کے باوجود اس کی کوئی نہ کوئی بات مجھے ہرٹ کر دیتی ہے۔ میں مانتی ہوں شفا دل کی بری نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ ابھی بچی ہے اور نا سمجھ بھی ہے۔ غلطی اس کی نہیں۔ اس کی سہیلیوں کی زیادہ ہے جو اس کے کان بھرتی ہیں اور اسے الٹی سیدھی پٹیاں پڑھاتی رہتی ہیں۔ خصوصاً یہ ثمر۔"

عمیر خاموش بیٹھے تھے۔ لیکن ان کے تاثرات ذہنی الجھن کا پتا دیتے تھے۔ ساہر نے کن انکھیوں سے عمیر کو دیکھا۔ پھر اگلا پتا پھینکا۔

"اب ضد کر رہی ہے کہ کالج ٹرپ کے ساتھ مری جائے گی۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں جانے کی۔ اس سے کہو آرام سے گھر میں بیٹھے۔" عمیر نے تیز لہجے میں کہا۔

"عمیر! پلیز شفا کو جانے دیں۔ ورنہ وہ یہی سمجھے

گی' میں نے آپ سے اسے منع کرنے کے لیے کہا ہے۔" ساہر نے فکرمندی سے کہا۔

"تم بے فکر رہو۔ میں خود اسے سمجھا دوں گا۔"

"اچھا! آپ مت کہیے گا۔ میں خود بتا دوں گی۔ کیا ہو گا؟ زیادہ سے زیادہ بدتمیزی کرے گی مجھ سے۔ لیکن آپ جس انداز میں سمجھائیں گے' وہ ہرٹ ہو جائے گی۔ جیسی بھی ہے' ہے تو ہماری اپنی۔ بس اس میں تھوڑی عقل کی کمی ہے۔ ابھی عمر بھی تو کم ہے۔ تھوڑی بڑی ہو گی تو عقل بھی آجائے گی۔ اسے میری بات بری لگ جاتی ہے۔ کیونکہ اس نے ابھی تک میری حیثیت کو قبول ہی نہیں کیا۔ لیکن میں تو اسے اپنی بہنوں کی طرح ہی عزیز سمجھتی ہوں۔"

ساہر محبت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ **عمیر** نے تعجب و خوش گواری کے ساتھ اسے دیکھا۔

"کیا چیز ہو تم ساہر! ابھی اس سے ناراض تھیں۔ ابھی اس کی طرف داری کر رہی ہو۔" انہوں نے متبسم لہجے میں کہا۔

ساہر جھینپ کر ہنس دی۔

"اپنوں سے کتنی دیر ناراض رہا جا سکتا ہے؟"

"پچھلی بار شاپنگ نہ کروانے پر مجھ سے تو چار دن تک ناراض رہی تھیں۔" **عمیر** نے مزے سے یاد کروایا۔ ساہر پھر ہنس دی۔

"ہر بات میں اپنے مطلب کی بات نہ ڈھونڈ لیا کریں۔"

"بھئی! دور ہی ایسا ہے۔ مطلب کی بات ڈھونڈنا ہی پڑتی ہے۔" انہوں نے سابقہ انداز میں کہا۔

"آپ کو یاد ہے **عمیر**! شادی کے بعد آپ نے کہا تھا۔ شفا آپ سے بہت چھوٹی ہے' اس لیے آپ اسے بہنوں کی طرح نہیں بیٹی کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں۔ میں شفا کو بیٹی نہیں مان سکتی تھی۔ کیونکہ اتنی بڑی لڑکی کی ماں بننے کے لیے مجھے خود عمر رسیدہ ہونا پڑتا اور آپ کو پتا ہے لڑکیاں کبھی بڑی نہیں ہونا چاہتیں۔ اسی لیے میں نے اسے اپنی بچی والی بہن سمجھ لیا۔ آپ بتائیں۔۔۔ کوئی بڑی بہن چھوٹی بہن سے کب تک ناراض رہ سکتی ہے؟"

عمیر مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔ نظروں میں ستائش ہی ستائش تھی۔ انہیں جیسے ساہر کے خیالات سن کر عجیب سی طمانیت اور فخر محسوس ہو رہا تھا۔

"اچھا۔ اب اس کی نسبت سے مجھے بھائی نہ بنا لینا؟" انہوں نے ٹکڑا لگایا۔ ساہر کا موڈ خاصا خوش گوار ہو چکا تھا۔ اطمینان سے بولی۔

"شکر الحمدللہ! بھائیوں کی کمی نہیں ہے مجھے۔ دو میرے ابا کے بیٹے اور تین تایا ابا کے بیٹے۔۔۔ یعنی کل ملا کر ماشاء اللہ پانچ بھائیوں کی بہن ہوں میں۔"

"بھائیوں کی تعداد کا ڈراوا دے رہی ہو؟" وہ محظوظ ہو کر بولے۔

"ڈراوا دینا ہوتا تو اس وقت دیتی' جب یونیورسٹی کے اسٹاپ پر اپنی نسان روک کر لفٹ کی آفر کرتے تھے روز۔۔۔ بلاناغہ۔"

اس نے جتنی بے ساختگی سے کہا تھا۔ اتنا ہی ان دنوں کو یاد کر کے **عمیر** نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

"کبھی کبھی مجھے تم پر حیرانی ہوتی ہے ساہر۔" **عمیر** نے کہا۔ وہ موڈ میں ہوتے تو اسے ایسے ہی پکارتے تھے۔

"کس بات پہ؟" ساہر نے استفہامیہ انداز میں انہیں دیکھا۔

"میں نے سن رکھا ہے بیویاں' شوہروں کو اپنے بھائیوں کا ڈراوا ضرور دیتی ہیں کہ جی! ہم سے کوئی زیادتی کی۔۔۔ کوئی ظلم کیا تو میرے بھائی آپ سے نمٹ لیں گے۔ لیکن تم نے کبھی نہیں کہا۔" ان کے انداز میں شرارت تھی۔ ساہر اطمینان سے بولی۔

"کیونکہ میں جانتی ہوں' آپ مجھ پر کوئی ظلم نہیں کر سکتے۔ جو انسان اتنی محبت کرتا ہو' وہ ظلم کر ہی نہیں سکتا۔ جب مجھے آپ کی محبت پر شک ہی نہیں تو بھائیوں کا نام لے کر ڈرانے کی کوشش کیوں کروں؟"

"ہماری شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟" اچانک **عمیر** نے پوچھا۔

"ساڑھے پانچ سال' ماشاء اللہ۔" ساہر حیران ہوئی اس سوال پر۔ "کیوں؟"

"ساڑھے پانچ سال میں تمہیں اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آسکی کہ اتنی اچھی بات شوہر سے اتنے فاصلے پر کھڑے ہو کر نہیں کرتے۔"

ساہر جو سنجیدگی سے ان کی بات سن رہی تھی۔ ایک دم ہنس دی۔ ساتھ ہی تکیہ **عمیر** کو کھینچ مارا۔ جسے **عمیر** نے ہنستے ہوئے کیچ کر لیا۔

"میں رومانٹک ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم مجھ پر تشدد کر رہی ہو۔۔۔ بیوی! تمہیں خدا سمجھے۔"

"اب الماری سے کیا ہتھوڑا برآمد کرو گی؟" اسے الماری کھولتے دیکھ کر **عمیر** نے پوچھا۔

"آپ کی بات سے یاد آیا' بہت دن سے گھر والوں کی تصویریں نہیں دیکھیں۔ سب یاد آ رہے ہیں۔" وہ البم نکال کر لائی اور بیڈ پر بیٹھ کر دیکھنے لگی۔

"تمہارے تایا جان کا غصہ ابھی تک نہیں اترا۔" **عمیر** بھی اس کے ساتھ تصویریں دیکھنے لگے۔ تایا جان کی تصویر پر رکتے ہوئے انہوں نے نہ پوچھا' نہ بتایا۔ بس یوں ہی تبصرہ کیا تھا۔ ساہر کے لبوں پر دکھی سا تبسم جھلکا۔

"ان کا غصہ جلدی نہیں اترتا۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے۔ میں نے بھی انہیں منانے کی کوشش نہیں کی۔ شادی کے بعد ایک بار ہی ان سے ملنے چلی جاتی تو ان کا سارا غصہ' ساری ناراضی ختم ہو جاتی۔ لیکن میں خود بھی ناراض تھی ان سے۔ کیا تھا جو وہ میری بات مان لیتے۔"

"اگر تم چاہو تو میں تمہیں ان سے ملوانے لے جا سکتا ہوں۔ ان کی ناراضی دور ہو گی تو تم کو خوشی ملے گی۔" **عمیر** نے کہا۔

"نہیں **عمیر**۔۔۔ تایا جان زبان کے بہت کڑوے ہیں۔ آپ کو کوئی الٹی سیدھی بات کہہ دی تو مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔ اس لیے رہنے دیں۔" اس نے قطعیت سے کہا۔ مگر لہجے سے اداسی چھلکتی تھی۔

"ٹھیک ہے! جیسے تمہاری مرضی۔۔۔ اگر زیادہ اداس ہو تو کچھ دن امی کی طرف رہ آؤ۔۔۔ میں اگلے اتوار کو تمہیں واپس لینے آجاؤں گا۔" **عمیر** نے احساس کرتے ہوئے کہا۔

"ایں۔۔۔ سچ۔" وہ پرجوش ہوئی' پھر جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

"شفا گھر میں اکیلی کیسے رہے گی؟ آپ تو صبح کے گئے شام کو آتے ہیں۔ میں ایسا کروں گی' کسی روز صبح صبح چلی جاؤں گی۔ شام کو آفس سے واپسی پر آپ مجھے پک کر لیجیے گا۔ شفا کو دو' تین گھنٹے ہی اس طرح تنہا گزارنے پڑیں گے یا میں اس سے پوچھ لوں گی۔ وہ بھی میرے ساتھ ہی چلے' کیوں؟"

"ہوں۔۔۔" **عمیر** نے متفق ہونے کے باوجود محض اتنا ہی کہا تھا۔ ساہر کو کچھ خیال آیا تو البم ان کی طرف کھسکاتے ہوئے بولی۔

"آپ البم دیکھیں۔۔۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

"کدھر۔۔۔"

"شفا کا موڈ اتنا خراب ہوا تھا۔ ذرا اس کو منا کر آتی ہوں۔" ساہر نے کہا۔

"تمہارے اسی لاڈ' پیار نے اسے بگاڑا ہوا ہے ساہر!" **عمیر** کو سخت اعتراض تھا۔

"اس بے چاری کے سر پر نہ ماں' نہ باپ۔۔۔ سختی کرنے کے لیے آپ جو ہیں۔ اب کوئی تو ہو جو اس کے لاڈ اٹھائے۔" ساہر نے سادگی بھرے انداز میں دھیمی سی ہنسی کے ساتھ کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ **عمیر** نے غیر دلچسپی سے البم کے دو چار صفحے پلٹے۔ پھر بے زاری سے البم پرے کھسکا کر سر کے نیچے ہاتھوں کا سرہانہ بنا کر لیٹ گئے۔

ان کا ذہن مستقل ساہر اور شفا میں الجھا ہوا تھا۔ وہ محسوس کر رہے تھے' وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ساہر جتنی کوآپریٹو اور کمپرومائزنگ ہوتی جا رہی تھی' شفا اتنی ہی جھگڑالو اور بدلحاظ بن رہی تھی۔ **عمیر** اس صورت حال سے بے حد پریشان تھے۔ انہیں اکثر و بیشتر شفا پر غصہ بھی آجاتا۔ تعجب انہیں ساہر پر ہوتا تھا' جو بہت تحمل اور خندہ پیشانی سے اس کی بدتمیزیاں

سہ رہی تھی۔ اگرچہ آج کی طرح کبھی کبھی بے زار بھی ہوجاتی۔ لیکن پھر ساتھ ہی انہیں شفا کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آنے کی تاکید بھی کرتی۔ اور سچ بات ہے ساہر کی ان ہی باتوں نے عمیر کے دل میں اس کی محبت اور قدر کو کئی گنا بڑھا دیا تھا۔ دوسری جانب وہ شفا کے لیے فکرمند رہنے لگے تھے۔

جب امی ابو کا انتقال ہوا تو وہ خود بھی بہت چھوٹے تھے۔ لیکن شفا کو جو عمر میں ان سے کئی سال چھوٹی تھی اور اس وقت بالکل بچی سی تھی' انہوں نے بہن کے بجائے بیٹی سمجھنا شروع کردیا تھا۔ وہ اس سے اتنی ہی محبت کرتے تھے' جتنا ایک باپ بیٹی سے کرتا ہے۔ وہ اس کا اتنا ہی خیال رکھتے' اتنی ہی پروا کرتے' جتنا ایک باپ کرسکتا ہے۔ بلکہ ان کی محبت شفا کے لیے باپ سے بھی بڑھ کر تھی۔ شاید اس لیے کیونکہ ان کی محبت بڑے بھائی اور باپ کی تھی۔ شفا اور ان میں مثالی دوستی بھی تھی۔ لیکن ساہر سے شادی کے بعد جیسے سب کچھ بدلنے لگا تھا۔

ساہر سے انہوں نے پسند سے شادی کی تھی۔ ان دنوں وہ جس آرگنائزیشن سے وابستہ تھے۔ ساہر اپنے ایم بی اے کی انٹرن شپ کے سلسلے میں وہاں آئی تھی۔ چند ہفتے اس نے عمیر کی سپرویژن میں کام کیا تھا۔ لیکن اس کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا اور یہ سرسری ملاقاتیں کب محبت کا سبب بن گئیں۔ عمیر جیسے سنجیدہ اور غیر رومانوی بندے کو پتا تک نہ چل سکا۔

بہرحال شادی ہونے تک شفا گھر میں بھابی آنے کے خیال سے بہت پرجوش تھی۔ لیکن شادی کے کچھ روز بعد ہی اس کے ساہر سے جھگڑے شروع ہوگئے تھے۔ "غالباً" وہ بھائی کی بٹی ہوئی توجہ برداشت نہیں کرپا رہی تھی اور اس کا سارا غصہ ساہر پر نکلتا تھا۔ ساہر جھنجلا کر عمیر سے شکایت کرتی تو عمیر اسی کو ڈانٹ دیتے کہ بہرحال وہ عمر اور رتبے میں شفا سے بڑی تھی۔

عمیر کا خیال تھا' اسے چڑنے کے بجائے شفا سے محبت سے پیش آنا چاہیے۔ وہ بچی ہے' آہستہ آہستہ سمجھ جائے گی۔ لیکن ہوا کچھ یوں کہ عمیر کی ڈانٹ اور تلقین سن سن کر ساہر میں تو سمجھ داری اور بڑاپن آگیا۔ لیکن شفا عمر کی منازل بڑھنے کے ساتھ سمجھ داری کی سیڑھیاں اترنا شروع ہوگئی تھی۔ وہ ساہر سے بدتمیزی سے پیش آتی۔ اس سے زبان چلاتی اور اپنی من مانی کرتی۔ وہ ہر حربہ آزماتی جس سے ساہر کو زچ کیا جاسکے۔

عمیر کو محسوس ہونے لگا تھا کہ شاید ان کی جانبداری سے شہہ پاکر شفا خودسر ہوگئی ہے اور اپنے ہر عمل کو درست سمجھنے لگی ہے۔ کسی حد تک ان کی سوچ درست بھی تھی۔ لیکن اب وہ سمجھ نہیں پارہے تھے کہ شفا کی خودسری پر کس طرح قابو پائیں۔

ثمر سے اس کی ملاقات والی بات نے آج یہ بھی ثابت کردیا تھا کہ اس نے صرف ساہر کی ہی نہیں عمیر کی باتوں پر بھی کان دھرنا بند کردیے ہیں۔ اپنی ملازمت اور سائیڈ بزنس کی وجہ سے وہ اتنا مصروف رہتے تھے کہ کسی اور پریشانی کو ذہن پر سوار کرنے کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ لیکن شفا کی بدمزاجی ان کے ذہن پر سوار ہوچکی تھی اور وہ سمجھ نہیں پارہے تھے کہ انہیں اس کا کیا علاج کرنا چاہیے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

ناولٹ



آمنہ ریاض



عبدالباقر لودھی اپنے مجھلے بیٹے تقی کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت سے سخت نالاں ہیں اور اسے ہر وقت بڑ جرائی کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔ تقی کو شوبز میں کام کرنے کا شوق ہے جبکہ لودھی صاحب اس کام کے سخت مخالف ہیں۔ دونوں باپ بیٹے میں اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ رضی اور جری سے البتہ باقر صاحب کو کوئی شکایت نہیں۔

شفا کو عمیر نے والدین کے بعد باپ بن کر پالا ہے۔ وہ عمیر کی بے حد لاڈلی ہے مگر عمیر کی بیوی ماہر کو اس سے شدید جلن ہے وہ عمیر سے جھوٹ بول کر اسے شفا سے بدظن کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ عمیر کو اپنی بیوی پر پورا یقین ہے۔

۲
دوسری قسط

"بھائی! کیا کر رہے ہو؟"

تقی کتابوں میں سر دیے بیٹھا تھا۔ جب جری نے کمرے میں جھانک کر پوچھا۔

"بقول ابا۔ پڑھ پڑھ کر گھر والوں کے سر پر احسان کر رہا ہوں۔" تقی نے خوش دلی سے کہا۔

"یہ کام پھر کسی وقت کر لینا۔ نیچے ٹی وی پر ریسلنگ کا ایسا زبردست میچ آ رہا ہے کہ کیا بتاؤں۔ اور بجو بھی ضد کر رہی ہیں کہ "عشق ممنوع" دیکھنا ہے۔ بتاؤ! اس



قدر واہیات ڈراما اس قابل ہے کہ دو عظیم ریسلرز کی فائٹ پر اسے ترجیح دی جائے؟"

"تم کس قدر احمق آدمی ہو تم جری! گھنٹہ بھر سے تقریر جھاڑ رہے ہو۔ یہ نہیں کہ پہلے بتادو۔" تقی تڑپ کر کرسی سے اٹھا اور سیڑھیوں کی طرف دوڑ لگادی۔

"اللہ کرے جون سینا جیتے۔" جری نے اس کے پیچھے آتے ہوئے پرجوش انداز میں کہا۔

"جون سینا جیتا تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔" تقی نے دھمکایا۔

"میری ٹانگیں کیوں؟" جری نے تعجب سے پوچھا۔

"کیونکہ اگر جون سینا جیتا تو صرف تمہاری دعاؤں سے جیتے گا۔ ورنہ وہ خود تو اتنا باصلاحیت ہے نہیں۔" تقی نے کہا۔ "میں تو کہتا ہوں' وہ اس قابل بھی نہیں ہے کہ اسے ڈیوائن جانسن کے مقابلے پر لایا جاتا۔" اس بات پر ایک زبردست جنگ ہو سکتی تھی۔ لیکن چونکہ جری کو اس کی معاونت درکار تھی' سو خاموشی میں عافیت جانی۔

ٹی وی لاؤنج میں امی اور بھابھی قبضہ جمائے بیٹھی تھیں۔ رضی بھائی اقلیت بنے چپ سادھے بیٹھے تھے۔ وہ دونوں پہنچے تو ان کا کورم پورا ہوا' پھر بھابھی کی کیا مجال تھی کہ گھٹنے کے نیچے ریموٹ دبائے بیٹھی رہتیں۔

شکر ہے' ابا موجود نہیں تھے۔ وہ رات کی چہل قدمی پر نکلے تھے۔

ان تینوں نے مل کر وہ ہاہاکار مچائی کہ دونوں خواتین بے زار ہو کر اٹھ گئیں۔ دس منٹ تک ٹی وی لاؤنج اسٹیڈیم کا منظر پیش کرتا رہا۔ پھر میچ کسی نتیجے کے بغیر ختم کر دیا گیا۔ کیونکہ مخالفین کے ساتھیوں نے مقابلہ کے اصول و ضوابط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رنگ میں دھاوا بول دیا تھا۔

"تمہارا موڈ کیوں خراب تھا؟" جری نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی پسند کا کوئی اور چینل لگا لیا تو رضی نے تقی سے پوچھا۔

"موڈ تو خراب نہیں تھا۔" تقی نے قدرے چونک کر کہا۔

"پھر کھانا کیوں نہیں کھایا؟"

"بھوک نہیں تھی۔"

"جبین بتا رہی تھی' ابا سے تمہاری بحث ہوئی ہے؟"

"تو کون سی نئی بات ہے؟" وہ اطمینان سے ہنسا۔ "بحث تو اکثر ہو جاتی ہے۔"

"یار! بحث نہ کیا کرو۔" رضی نے سمجھایا۔ "ابا ناخوش ہوتے ہیں تو امی پریشان ہو جاتی ہیں۔"

"میں کب بحث کرتا ہوں۔ وہ تو ابا ہی... خفا رہتے ہیں۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"تم خفا ہونے کی نوبت ہی نہ آنے دیا کرو۔ کبھی کبھار اسٹور کا چکر لگا لیا کرو۔ ابا خوش ہوں گے۔ جری بھی تو اسکول کے بعد جاتا ہے۔"

شہر کے وسط میں ابا کا بہت بڑا جنرل اسٹور تھا۔ جس کی دو اور شاخیں شہر کے مختلف حصوں میں تھیں۔ مرکزی اسٹور ابا ہی سنبھال رہے تھے۔ رضی بھی کالج کے بعد ابا کا ہاتھ بٹانے کی غرض سے اسٹور پر چلا جایا کرتا تھا۔ اب جری بھی یہی کر رہا تھا۔ صرف تقی تھا' جس نے اس روایت کو توڑا تھا۔

"میں اسٹور جاتا ہوں' لیکن ابا کو میرا کام پسند نہیں آتا۔ وہ سارے اسٹاف کے سامنے مجھے ڈانٹ دیتے ہیں۔" اس نے اپنی الجھن بتائی۔

"میں ابا سے کہوں گا۔ وہ دوبارہ نہیں ڈانٹیں گے۔"

"صرف ڈانٹنے کی بات نہیں ہے۔" اس نے منہ پھلا کر جھنجلاتے ہوئے کہا۔ "وہ ہر ایک کے سامنے مجھے نکما نالائق کہہ دیتے ہیں۔ مجھے برا لگتا ہے۔"

"پیار سے کہہ دیتے ہوں گے یار!"

"اچھا پیار ہے۔ میری بے عزتی کروا دیتا ہے۔" اس نے جل کر کہا۔ رضی ہنس دیا۔

"ابا کی زبان کڑوی ہے تقی! تم ان کی باتوں کا برا مت منایا کرو۔ تم اسٹور چلے جایا کرو۔ ابا کے اصول و ضوابط کے مطابق وہاں کا کام سنبھالو۔ تم سے خوش رہیں گے تو کڑوا بولنا چھوڑ دیں گے۔"

"ٹھیک ہے! میں چلا جاؤں گا۔" تقی نے گہری سانس بھرتے ہوئے جیسے ناچار کہا تھا۔

"جری! کب جا رہے ہو؟"

"کل سے۔"

رضی نے جیب سے والٹ نکال کر اس میں سے بڑے نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔

"یہ کس لیے؟" تقی نے قدرے حیرانی سے پوچھا۔

"جری میں تمہارے کام آئیں گے۔" رضی نے نرمی سے کہا۔ "اگر اسٹور جاؤ تو اس سے زیادہ تو ابا بھی تمہیں دے دیں گے۔"

"وہ طعنے دے لیں۔ یہی بہت ہے۔" اس نے پھر ہنس کر کہا اور روپے بھی پکڑ لیے۔ "ان کے لیے شکریہ۔ وعدہ رہا' جاب ملتے ہی واپس کر دوں گا۔"

"رضی بھائی! آپ عیدی بانٹ رہے ہیں؟" جری کی نظر روپوں پر پڑی تو اس نے جلدی سے پوچھا۔

"یہ عید کا مہینہ ہے؟" رضی کے بجائے تقی نے پوچھا۔

"نہیں... مہینہ تو نہیں ہے۔ پھر بھائی نے آپ کو پیسے کیوں دیے؟"

"رضی بھائی چاہتے ہیں میں کل تمہیں پاگل خانے لے کر جاؤں اور ضروری جانچ پڑتال کے بعد تمہیں وہاں داخل کروا دوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ جری بری طرح گھبرا گیا۔

"تمہارے چہرے پر لکھا ہے کہ تم پاگل ہو۔"

"ہیں! سچ بھائی؟" وہ روہانسا ہو گیا۔ جبین چائے کی ٹرے لیے اندر آ رہی تھی۔ تقی نے اسے بھی گھسیٹا۔

"کیوں بھابھی! اپنا جری شکل سے پاگل لگتا ہے؟"

"تمہارا تو جواب نہیں تقی! پچھلے دو ہفتوں سے بے چارے جری کو غلط فہمی پلس فکرمندی میں ڈال رکھا ہے کہ اس کی شکل 'مینٹو شریف' سے ملتی ہے۔ بتاؤ! کہاں ہمارا جری' کہاں مینٹو شریف... اور اب پاگل پن کا ٹیگ لگا دو... اتنا پیارا دیور ہے میرا... تم بلاوجہ اسے کنفیوژ نہ کرو۔" جبین نے فوراً" جری کی طرف داری کی۔

"جی ہاں... یہ تو پیارا دیور ہے۔ برا تو میں ہی ہوں' جس کی آپ چغلیاں کرتی ہیں۔" اس نے مسکرا کر کس بات کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جبین فوراً" ہنس دی۔

"کیونکہ میرا یہ دیور مجھے ہمیشہ ہنستا مسکراتا اچھا لگتا ہے۔ جلتا بھنتا نہیں۔"

"سنا جری! بھابھی جان کیا کہہ رہی ہیں؟" تقی نے جلدی سے کہا۔

"کیا؟" جری پھر متوجہ ہوا اور اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

"یہی کہ میں ہنستا مسکراتا اچھا لگتا ہوں اور تم جلتے بھنتے۔"

"توبہ ہے تقی! تمہارا نام تو پھاپھا کٹنی ہونا چاہیے تھا۔" جبین نے کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ رضی نے اس کا ساتھ دیا تھا۔



ثمر کالج وین میں بیٹھ رہی تھی۔ جب شفا اپنے گیٹ سے نکلی۔

"تم بھی ہماری وین میں کالج جاؤ گی؟" شفا نے اس کے ساتھ والی نشست پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں! کچھ دن اسی وین پر جاؤں گی۔" ثمر نے خوش دلی سے کہا۔ "ابو کی گاڑی خراب ہے۔ وہ خود بھی آفس کی ٹرانسپورٹ استعمال کر رہے ہیں۔ میں نے سوچا' جب تک گاڑی ٹھیک نہیں ہو جاتی' میں وین لگوا لیتی ہوں۔ مزا آئے گا نا۔ ہم روز اکٹھے کالج آیا جایا

کریں گے۔"

"نہوں نہ..." شفا نے محض اس کا دل رکھنے کے لیے مسکرا کر کہا۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ وہ ثمر کے اپنی وین میں جانے کا سن کر کسی قدر پریشان ہو گئی تھی۔ "کہیں عمیر بھائی کو ثمر کے ساتھ اس مختصر سفر پر بھی اعتراض نہ ہو؟" وہ سوچ رہی تھی۔

"شفا! تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا؟ اتنی ریڈ کیوں ہو رہی ہیں؟" ثمر نے اچانک اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"رات بہت دیر سے سوئی تھی۔ نیند پوری نہیں ہوئی۔ اسی لیے آنکھیں ایسی ہو رہی ہیں۔" صبح کے رش کی وجہ سے وین رک رک کر چل رہی تھی۔ اسی لیے جھٹکے بھی زیادہ لگ رہے تھے۔ شفا نے اسٹینڈ کا سہارا لیتے ہوئے سرسری سا جواب دیا۔

"دیر سے کیوں سوئی تھی؟" ثمر نے پوچھا۔

"بھابھی سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ میرے روم میں آ گئی تھیں۔ باتیں کرتے ہوئے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔" شفا نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا..." ثمر حیران ہوئی۔ "بھابھی سے کیا باتیں ہوئیں کہ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا؟"

وین کے باہر ٹریفک کا شور اور اندر لڑکیوں کی چیں چیں... کوئی عقل والا انسان آ جاتا تو بے چارہ بوکھلا کر بھاگتا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ لیکن آفرین ہے ساری لڑکیوں پر جو نہ صرف یہ کہ آگے پیچھے جھول رہی تھیں۔ بلکہ اپنے تئیں سرگوشیوں میں گفتگو بھی فرما رہی تھیں۔

"کچھ خاص نہیں... بھابھی مجھے اپنے اسکول کالج کے قصے سناتی رہیں۔ تمہیں پتا ہے ثمر! بھابھی نے بہت سے شمالی علاقہ جات کی سیر کی ہوئی ہے۔ یونیورسٹی ٹرپ کے ساتھ تو وہ آزاد کشمیر بھی گئی تھیں۔ مجھ سے کہہ رہی تھیں 'مری بے شک تم نے دیکھا ہوا ہے۔ لیکن فرینڈز کے ساتھ ضرور جاؤ۔ فرینڈز کے ساتھ آؤٹنگ کا اپنا مزا ہوتا ہے۔'" اس نے وین سے باہر دیکھتے ہوئے بتایا۔

ثمر کی آنکھیں تعجب و بے یقینی سے پھیل گئیں۔

"آج کل تمہاری بھابھی تم پر کچھ زیادہ ہی مہربان نہیں ہو رہیں؟" شفا نے گردن موڑ کر ایک نظر اسے دیکھا۔ عمیر بھائی کو اگر ثمر سے پرخاش رہنے لگی تھی تو ثمر ساہر بھابھی کو کچھ خاص پسند نہیں کرتی تھی۔

"ہاں..." شفا نے مسکرا کر بات ٹالنا چاہی۔ "بھابھی کہہ رہی تھیں' عمیر بھائی سے ٹرپ پر جانے کی اجازت لے دیں گی۔"

"پھر تو مل چکی اجازت۔" ثمر نے جل کر کہا۔ "کس قدر بے وقوف لڑکی ہو تم شفا! عمیر بھائی سے تمہیں خود پوچھنا چاہیے تھا۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے ثمر!" شفا نے کسی قدر اکتا کر کہا۔ "ساہر بھابھی' عمیر بھائی سے پوچھیں یا میں... اگر اجازت مل گئی تو مری تو میں ہو ہی جاؤں گی نا۔" وہ حسب عادت مثبت پہلو دیکھ رہی تھی۔

ثمر نے گھور کر اسے دیکھا۔

"تمہاری چھوٹی عقل میں کوئی عقل والی بات نہیں آتی۔ میرا کیا جاتا ہے' مرو تم۔" ثمر نے خفگی سے منہ موڑ لیا۔ شفا اڑتے بال کان کے پیچھے اڑستے ہوئے باہر دیکھنے لگی۔



گیٹ کھلا تھا سمیر بے دھڑک اندر آ گیا۔

موسم خوشگوار ہو رہا تھا آسمان نکھرا نکھرا۔ ہوا سے اس کی خوش رنگ ٹائی پھڑپھڑا رہی تھی۔ سمیر نے بڑی ترنگ سے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ دائیں طرف چھوٹے سے باغیچے میں پودے خوب لہلہا رہے تھے۔ تب ہی اس کی نظر داربست پر پڑی جس پر انگور کی بیل پھیلی ہوئی تھی اوپر پھولے پھولے انگوروں کے صحت مند گچھے نیچے کی طرف لٹک کر اسے دعوت نظارہ دے رہے تھے۔

سمیر کے منہ میں پانی بھر آیا۔

"کتنا خوش قسمت ہے یہ تقی! انگوروں کے سائے میں رہتا ہے۔ لیکن انتہائی بے وید ہے۔۔۔ اتنے انگور لگتے ہیں اس کے گھر۔۔۔ یہ نہیں کہ دو چار کلو میرے جیسے کسی عزیز دوست کے گھر ہی بھجوا دے۔"

اس نے حسرت سے انگوروں کے ان گچھوں کی طرف دیکھا جو بانہیں پھیلائے اسے اپنی طرف بلا رہے تھے۔ اس نے بمشکل نظریں چرائیں۔ دو قدم آگے بڑھا مگر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر چار قدم انگوروں کی طرف آنا پڑا تھا۔

"دو چار کھا ہی لیتا ہوں۔"

سہولت سے ہاتھ میں پکڑا ڈبا ایک طرف رکھا برآمدے سے اٹھا کر ایک کرسی عین وار بست (جس پر انگور کی بیل چڑھائی جاتی ہے) کے عین بیچے رکھی اور پیر جما کر چڑھ گیا۔ کرسی نازک تھی۔ ذرا سا لڑکھڑا کر ساکت ہو گئی۔

"واہ واہ۔" منہ میں انگور رکھتے ہی شیرینی سے گھل گئی اسے لگا جیسے اس نے جنت کا میوہ چکھ لیا ہو۔ وہ ارد گرد سے بیگانہ ہو کر کھانے لگا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

کسی نے کھنکھار کر پوچھا۔ سمیر اتنا مگن تھا کہ ذرا بھی نہ چونکا۔ اطمینان سے کہنے لگا۔

"نظر نہیں آتا۔۔۔ انگور کھا رہا ہوں۔"

"یہ انگور آپ کے ابا کے ہیں؟"

"جی نہیں! تقی کے ابا کے ہیں۔" اطمینان قابل دید تھا۔"

"کھانے سے پہلے تقی کے ابا سے اجازت لی تھی؟"

"وہ دیتے؟۔۔۔ ہونہہ۔۔۔ وہ اتنے تو کھڑوس آدمی ہیں کہ اپنے بیٹے کو بھی ان انگوروں کو ہاتھ لگانے نہیں دیتے۔۔۔ شکر ہے! میرے ابا تو ایسے جلاد۔۔۔ ڈ۔۔۔"

وہ خفیف سا پلٹا تھا۔ لودھی صاحب کمر پر دونوں ہاتھ رکھے، سر اٹھائے غضب ناک نظروں سے اسے گھور رہے تھے۔

سمیر کے چھکے چھوٹ گئے۔ کرسی پہلے ہی نازک تھی۔ وہ ذرا سا کانپا۔ کرسی زور سے کپکپائی اور وہ دھڑام سے نیچے آ رہا۔

"خبردار! اٹھنے کی کوشش مت کرنا۔ ورنہ یہیں زمین میں گاڑ دوں گا۔" انہوں نے وہیں ہینڈز اپ کروا دیا۔ بے چارہ سمیر چوٹ بھی نہ سہلا سکا۔

"چوری کرتے شرم نہیں آتی؟"

"جی! مجھے کیا پتا۔ چور کا کام 'وہی جانے۔" اس نے جلدی سے کہا۔ گھبراہٹ چہرے سے ہویدا تھی۔

"میں نے تمہیں چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے، تم مکر نہیں سکتے۔"

وہ اور بھڑکے۔

"چوری؟ کیسی چوری؟" اس نے نا سمجھی سے پوچھا۔

"تم میرے انگور چرا کر کھا رہے تھے۔ میں تم پر مقدمہ کروں گا۔ تمہیں جیل بھجوا دوں گا۔"

وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گئے تھے۔ سمیر کے ہاتھوں کے توتے کبوتر سب اڑ گئے۔ ان سے کچھ بعید بھی نہیں تھا کہ سچ مچ ہی مقدمہ کر دیتے۔

"اپنے گھر سے لے کر کھائی ہوئی چیز چوری تو نہیں ہوتی۔" اس نے کھسیا کر کہا۔ لودھی صاحب کو اور آگ لگ گئی۔

"یہ گھر تمہارے باپ کا ہے؟"

"جی نہیں! تقی کے باپ کا ہے۔۔۔ لیکن میں آپ کو بھی اپنا ہی سمجھتا ہوں۔" جلدی سے کہا اور کہہ کر پچھتایا۔

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ میرا مطلب ہے میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔ آپ کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں۔ اسی لیے بغیر پوچھے انگور توڑ لیے تھے۔"

"ہوں۔۔۔ تم شکل سے بھی تابعدار لگتے ہو۔ لیکن یہ تو بتاؤ برخوردار! کیا سارے بزرگوں کو کھڑوس اور جلاد کہتے ہو؟" ان کی طنزیہ نظریں اسے بری طرح چبھ گئیں۔ سٹپٹا کر بولا۔

"میری ایسی مجال کہاں؟ بس جو کھڑوس اور جلاد ہوں، ان ہی کو کہتا ہوں۔۔۔ مم، میرا مطلب ہے۔۔۔" تقی کے عزیز از جان دوست کی زبان تھی سبات بے بات پھسل جاتی تھی۔ لودھی صاحب نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا اور انگلی کے اشارے سے

"فوراً" کھڑے ہو جاؤ۔۔۔ اور میں بتا رہا ہوں سمیر! تم تقی کے دوست ہو۔ اس بات کی مجھے کوئی پروا نہیں ہاں! تم میرے دوست کے بیٹے ہو۔ صرف اس بات کا لحاظ کر جاتا ہوں۔ لیکن آج آخری بار بتا رہا ہوں۔ اگلی بار تم نے میرے کسی پودے کو ہاتھ لگایا یا میرے باغیچے کے کسی پھل پر بری نظر ڈالی تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔"

"بے فکر رہیے ابا!" اس نے سرعت سے کہا چونکہ بچپن سے گھر میں آنا جانا تھا سو تقی کی تقلید میں وہ بھی انہیں ابا کہہ لیتا تھا اور پتا نہیں اپنی دوستی کا پاس تھا یا تقی کی دوستی کی مروت، بہرحال وہ اسے ٹوکتے نہیں تھے۔

"میں آپ کے باغیچے کی طرف دوبارہ آؤں گا ہی نہیں۔ کبھی بھول کر بھی قدم رکھا تو آپ میری ٹانگیں توڑ دیجیے گا۔"

"کبھی کبھی مجھے تعجب ہونے لگتا ہے۔ تم تقی کے دوست ہو۔ پھر بھی عقل والی بات کر جاتے ہو۔۔۔ کمال ہے۔" پتا نہیں وہ سراہ رہے تھے یا۔۔۔

"فوراً" بھاگ جاؤ۔ ورنہ میں اپنے ارادے پر عمل کرنا شروع کر دوں گا۔" سمیر تو ایسے بھاگا کہ گیا ہی [illegible] رسہ تڑوا کر بھاگتا ہو گا۔ داخلی دروازے کے سامنے بمشکل بریک لگائی۔ یاد آیا' مٹھائی کا ڈبا تو وہیں بھول آیا تھا۔

مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق ناچار واپس پلٹنا پڑا۔

"تم پھر آ گئے؟" لودھی صاحب تاحال اسٹینڈ بائی پوزیشن میں کھڑے تھے اسے پلٹتا دیکھ کر پوچھا۔

"جی جی۔۔۔ وہ ڈبا۔" اس نے ڈبا اٹھایا اور ان کے سامنے کر دیا۔

"اس میں کیا ہے؟" انہوں نے چھڑی سے ڈبا بجایا۔

"مٹھائی۔"

"کس خوشی میں لائے ہو؟"

"جی! میری تاریخ ٹھہر گئی ہے۔" سمیر نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

"شکل سے تو تم ہمیشہ سے اشتہاری لگتے ہو۔ لیکن "تاریخ پڑنا" ایسی خوشی کی بات تو نہیں کہ مٹھائی بانٹی جائے۔"

"ابا جی! وہ والی تاریخ نہیں۔۔۔ وہ دوسری والی تاریخ۔" اس بڑی لگن سے سمجھانے کی کوشش کی۔ "وہ جو منگنی کی انگوٹھی پہنانے سے پہلے ٹھہرائی جاتی ہے۔"

"نالائق۔" وہ گرجے۔ غالباً اسے تقی سمجھ لیا تھا۔

"سیدھی طرح نہیں بتا سکتے کہ منگنی کی مٹھائی لائے ہو۔"

"جی نہیں! مٹھائی تو گورے کی لایا ہوں۔۔۔ البتہ منگنی کی خوشی میں لایا ہوں۔۔۔ اور سیدھی طرح کس طرح بتاؤں۔ ابا آپ کو پتا ہے۔ میں مشرقی لڑکا ہوں۔ مجھے بھی شرم آتی ہے۔" اس نے شرما کر کہا۔

"چلو چلو۔۔۔ مجھے اچھی طرح پتا ہے تمہاری شرم و حیا کو۔۔۔ اپنے ابو کو میری طرف سے مبارک دینا البتہ بہو سے مجھے ہمدردی ہے۔" وہ کہہ کر اپنے پودوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ سمیر کو اپنا سا منہ لے کر اندر کی راہ لینا پڑی۔

تقی کے دوستوں میں ایک سمیر ہی تھا' جسے وہ کچھ پسند کرتے تھے اور اس کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ ان کے بھی عزیز دوست کا بیٹا تھا۔ پھر بچپن سے اس کا گھر میں آنا جانا تھا اور تیسری اور سب سے بڑی وجہ کہ اس نے اپنا ماسٹرز مکمل کرنے کے بعد ملازمت شروع کر دی تھی۔ تقی کی طرح ایم فل میں ایڈمیشن

لے کر اپنی ذمہ داریوں سے پہلوتہی کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔

اور یہ سمیر کا اتنا اچھا اقدام تھا کہ ای سے خوش ہو کر وہ اکثر اس سے ہنس کر بات کر لیا کرتے تھے۔ البتہ کھنچائی زیادہ ہوتی تھی۔

☼ ☼ ☼

عمیر کو اچانک آفس کے کسی کام کے سلسلے میں ایک ہفتے کے لیے کوئٹہ جانا پڑ رہا تھا۔ جس وقت انہوں نے گھر آ کر اس بارے میں اطلاع دی۔ ساہر عادل کو دلیہ کھلا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ ہدیہ کو پڑھا بھی رہی تھی عمیر نے اسے مصروف دیکھ کر شفا سے کہا کہ وہ ان کی پیکنگ میں مدد کروا دے۔ لیکن شفا کو کمرے میں بلانے کا مقصد محض پیکنگ میں مدد لینا نہیں تھا۔ وہ اسے کچھ نصیحتیں بھی کرنا چاہ رہے تھے۔

اور پھر انہوں نے کیا بھی یہی۔ اس کی برین واشنگ کرتے رہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں سمجھاتے رہے۔

"بھابھی کی عزت کیا کرو۔ وہ تم کو چھوٹی بہنوں کی طرح ٹریٹ کرتی ہے۔ تم بھی اسے بڑی بہن سمجھو۔ معمولی معمولی باتوں کو ایشو بنا کر جھگڑنے والے لوگ بے وقوف ہوتے ہیں۔ میری غیر موجودگی میں ساہر کی ہر بات ماننا۔" شفا نے ساری باتیں دھیان سے سنیں مستقل اثبات میں سر ہلاتی رہی۔ لیکن ایک وقت آیا اتنی نصیحتیں سن کر جھنجلا گئی۔

"بھائی! کیا بھابھی نے آپ سے میری شکایت کی ہے؟"

"کیا ضروری ہے کہ میں شکایت سن کر ہی تمہیں سمجھانے کی کوشش کروں؟" عمیر نے الٹا اسی سے پوچھا۔

شفا الجھن بھری نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

"سنو شفا! ساہر تم سے بہت پیار کرتی ہے۔ اس نے کبھی مجھ سے تمہاری شکایت نہیں کی۔ بلکہ اسے کبھی تم سے کوئی شکایت ہوئی بھی نہیں۔ تب ہی میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اس سے محبت سے پیش آیا کرو میں نے اکثر دیکھا ہے، تم اس سے زبان چلاتی ہو۔ بدتمیزی کرتی ہو۔"

"لیکن عمیر بھائی!" وہ سخت معترض ہوئی۔ لیکن عمیر نے اس کی بات قطع کر دی تھی۔

"شفا بیٹے! تم میری بہت پیاری سی گڑیا ہو اور میں نہیں چاہتا کوئی بھی دوسرا انسان — چاہے وہ میری بیوی ہی کیوں نہ ہو — میری گڑیا کے بارے میں کوئی غلط گمان پال کر بیٹھے — میں ساہر کو جانتا ہوں۔ وہ دل کی بہت اچھی ہے اور تم سے محبت بھی بہت کرتی ہے اگر جواب میں تم اسے محبت دو گی تو اس کی محبت بڑھے گی کم نہیں ہو گی۔"

"عمیر بھائی! اب آپ کچھ نہ کہیں — میں آپ کی ساری بات سمجھ گئی ہوں۔" شفا نے جلدی سے کہا۔

عمیر نے اس کے خفگی بھرے تاثرات والے چہرے کو دیکھا انہوں نے پیار سے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر بوسہ دیا اور پھر اس کے کندھوں کے گرد اپنا بازو پھیلا کر خود سے لپٹا لیا۔

"شاباش — مجھے پتا تھا میری گڑیا میری بات ضرور سمجھ لے گی۔"

☼ ☼ ☼

سمیر منہ بسور کر اندر آیا۔

تقی ڈائننگ ٹیبل پر تھا وہیں سے پکار کر بولا۔

"صبح صبح میرے ابا کے اقوال زریں سن کر آ رہے ہو۔ اب ان شاء اللہ سارا دن اچھا گزرے گا۔" آملیٹ پراٹھا اور لسی کا تگڑا سا ناشتا آگے رکھے اور بڑا سا نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے اس نے کہا۔

"کبھی کبھی ان اقوال سے تم بھی مستفید ہو لیا کرو۔" سمیر نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی اس کے آگے سے پلیٹ اٹھا کر اپنے آگے رکھی۔

"لو اور سنو — بھائی! ہم تو روز سنتے ہیں — صبح شام سنتے ہیں۔" تقی نے پلیٹ واپس جھپٹی اور کچن کی طرف منہ کر کے آواز لگائی۔

"امی! سمیر کے لیے بھی ناشتا لے آئیں۔ ورنہ یہ میرے ناشتے کو نظر لگا دے گا۔"

"تمہاری صحت پہ کون سا فرق پڑتا ہے؟"

سمیر خفا ہو کر بیٹھ گیا۔ تقی نے ذرا پروا نہ کی اطمینان سے کھاتا رہا۔

"ویسے لودھی صاحب فرما کیا رہے تھے؟"

"میں نے دو چار انگور توڑ کر کھا لیے تھے۔" سمیر نے منہ بسور کر جواب دیا۔ تقی نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

"گویا منی نکالنے کے لیے سانپ کے بل میں ہاتھ ڈال دیا تھا — بھئی واہ۔"

"یار! ایک تو تم لوگوں نے وار بست اتنا اونچا لگایا ہے انگور کا ایک گچھا توڑنے کے لیے ایسا لگ رہا تھا کہ ماؤنٹ ایورسٹ تک ہاتھ لے جانا پڑے گا۔ تم لوگ تو بانس کی طرح لمبے ہو۔ کوئی باہر والا آ جائے تو بے چارہ کیا کرے — میں نے کرسی رکھ کر انگور توڑے۔ پیچھے سے ابا نے چھاپہ مار دیا۔ میں اتنا گھبرایا کہ دھڑام سے نیچے گر گیا — ایمان سے اب تک پہلو دکھ رہا ہے۔ اس پر سے ابا بولے۔ دوبارہ میرے پودوں کو ہاتھ لگایا تو تمہارے ہاتھ توڑ دوں گا۔ پھلوں پر بری نظر ڈالی تو آنکھیں پھوڑ دوں گا۔ میں نے کہا۔ دوبارہ اس طرف نظر آیا تو ٹانگیں بھی توڑ دیجیے گا۔"

"شاباش! بڑا اچھا مشورہ دے کر آئے ہو۔" اس نے کھول کر داد دی۔

"اچھا! کل کیوں نہیں آئے؟ تم نے تو کل آنے کا کہا تھا۔"

"امی کو شاپنگ کروانے لے گیا تھا — تقی! یہ مٹھائی اندر آنٹی کو دے دو۔ ناشتا میں نہیں کروں گا۔ صرف چائے پلوا دو —" تقی مٹھائی کا ڈبا کچن میں دے کر واپس آیا تو پوچھنے لگا۔

"مٹھائی کس خوشی میں؟"

"ابو نے لڑکی پسند کر لی ہے۔" تقی نے شرما کر کہا۔ تقی کا منہ میں نوالہ لے جاتا ہاتھ راستے میں رک گیا اور منہ ہی نہیں آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"اس عمر میں؟" اس نے بے یقینی اور صدمے سے چور آواز میں کہا۔

"اوہو۔" سمیر جھنجلایا۔ "کہنے کا مطلب تھا، ابو نے میری دلہن ڈھونڈلی ہے۔"

"تمہاری دلہن گم ہو گئی تھی کیا؟"

"تقی! میں تیرا سر توڑ دوں گا۔"

تقی پھر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ سمجھ تو چکا تھا کہ سمیر اس سے اپنے احساسات بانٹنے کے لیے آیا ہے۔

"چل بتا! کیسی ہے؟ کیا کرتی ہے؟ دیکھنے میں کیسی ہے؟" وہ سنجیدہ ہوا۔

"ابو کے دور کے دوست کی بیٹی ہے شاید ابا بھی ان لوگوں کو جانتے ہوں۔ مجھے صرف اتنا ہی پتا ہے۔ باقی کچھ نہیں۔ ابو نے تصویر بھی نہیں دکھائی۔ وہ اس معاملے میں مجھ سے زیادہ مشرقی ثابت ہوئے ہیں۔"

"جیسے مجھے پتا نہیں تمہارے مشرقی پن کا۔" تقی نے مذاق اڑایا — "صاف صاف بتاؤ! معاملہ کیا ہے۔ میں مان ہی نہیں سکتا کہ بغیر تصویر دیکھے تم راضی ہوئے ہو۔ تم تو وہ انسان ہو جس نے اسکول میں ایڈمیشن سے پہلے بھی ٹیچر کی تصویر دیکھنے کی ڈیمانڈ کر دی تھی۔"

"ہر بات کو چار سے ضرب دے کر بتانا تو تمہارا فرض ہے۔ ابو نے مجھ سے پوچھا ہی نہیں۔ پوچھا ہوتا تو میں تصویر کی ڈیمانڈ بھی کرتا۔ خود ہی رشتہ طے کر کے آ گئے اور آ کر مبارک باد کا گلاب جامن میرے منہ میں ٹھونس دیا۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ ابو کی پسند تو اچھی ہے۔ امی کو بھی انہوں نے خود ہی پسند کیا تھا۔ ان کی دو تین کلاس فیلوز کی تصویریں بھی دیکھی ہوئی ہیں میں نے۔ جن پر شادی

سے پہلے ابو نے نظر رکھی ہوئی تھی۔ وہ بھی اچھی خاصی خوش شکل آنٹیاں ہیں۔۔۔ مجھے یقین ہے' ابو نے میرے معاملے میں بھی اعلا ذوقی کا مظاہرہ ہی کیا ہو گا۔"

"ہوں۔۔۔ اس کا مطلب تو ارینج میرج کرے گا؟"

"ہرگز نہیں۔۔۔ مر کر بھی نہیں۔" سمیر نے پُرعزم لہجے میں کہا تھا۔ "میں نے سوچ لیا ہے۔ پہلے ٹمرے محبت کروں گا۔ پھر شادی کروں گا۔"

"نام تو اچھا ہے بھابھی کا۔ کاش! قسمت بھی اچھی ہوتی۔" اس نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہہ سمیر براماں گیا۔

"مطلب؟"

"سمجھ تو تم گئے ہو۔" وہ پھر ہنسا۔

"میں ناراض ہو کر جا رہا ہوں۔ نہ چائے پلاتے ہو نہ ناشتا کرواتے ہو۔ اوپر سے باتیں سن لو جناب کی۔"

"رکو' رکو۔" تقی چلایا۔ "تم بائیک پر آئے ہو ناں؟"

"نہیں! گدھا گاڑی پر۔" وہ بری طرح سلگا ہوا تھا۔

"بات تو ایک ہی ہے۔" تقی نے قہقہہ لگا کر اور سلگایا۔ "مجھے کیمپس تک لفٹ چاہیے۔"

"او خدا کو مان یار! کہاں تیرا کیمپس' کہاں میرا آفس۔۔۔ مجھے بہت لمبا چکر پڑ جائے گا۔"

"فکر نہ کرو۔ لمبے چکر سے تم مرو گے نہیں۔ آخر میں بھی تو کل کو اپنی اہم اپائنمنٹس چھوڑ کر تمہارا شہہ بالا بنوں گا۔ تم اپنے ہونے والے شہہ بالے کے لیے اتنا سا بھی نہیں کر سکتے کیا؟" اس نے ٹھنک کر پوچھا۔

"تمہیں کس نے دعوت دی کہ رضاکارانہ طور پر میرے شہہ بالا بنو؟"

"اب اپنے جگری دوست کے لیے اتنا تو میں کر ہی سکتا ہوں۔"

اس احسان کرنے والے انداز پر سمیر ضرور کوئی سخت جواب دیتا۔ مگر اسی وقت تقی کی امی چائے لے کر آگئیں۔

"امی! سمیر کی منگنی ہو رہی ہے۔ آپ بھی لگے ہاتھوں تعزیت کر لیں۔"

"پتا نہیں وہ کون سا برکتوں والا دن ہو گا۔ جب تم سوچ سمجھ کر بولنا سیکھو گے۔" امی نے جھنجلا کر کہا۔ "خوشی کے موقع پر تعزیت نہیں کی جاتی۔ مبارک باد دی جاتی ہے۔" پھر سمیر سے بولیں۔

"بہت مبارک ہو سمیر! صبح صبح بہت اچھی خبر سنائی ہے۔ اپنی امی کو میری طرف سے مبارک باد دینا۔ میں بھی چکر لگاؤں گی۔ لیکن یہ تو بتاؤ! ہماری بہو کیسی ہے؟"

"شکل کا تو پتا نہیں۔ البتہ عقل کا یقین ہے کہ وہ تین پرزے تو ضرور ڈھیلے ہوں گے۔ تب ہی تو اس چغد سے شادی کی ہامی بھری ہے۔۔۔ ورنہ آپ خود سوچیں امی! ایسا کوئی نارمل لڑکی سمیر سے شادی کے لیے راضی ہو سکتی ہے؟" جھاڑ کھانے کے باوجود تقی کی زبان خوب چل رہی تھی۔

"کیوں۔۔۔ کیا برائی ہے سمیر میں؟ اتنا لائق' تابعدار' ہونہار بچہ ہے کہ کوئی بھی لڑکی اس سے شادی کر کے خوش قسمت کہلائے گی۔ تمہاری طرح تھوڑا ہی جسے باتیں بنانے کے سوا کچھ نہیں آتا۔۔۔ میرا تو رضی کی شادی کے فوراً" بعد ہی دل چاہنے لگا تھا کہ تمہاری منگنی کر دوں۔ لیکن تم کسی قابل ہو تب ناں۔۔۔ اونہہ! اب کہیں رشتہ بھی لے کر جاؤں تو کس منہ سے۔"

"مجھے پتا ہوتا' آپ کو میری منگنی کا اتنا شوق ہے تو بچپن میں ہی رضامندی دے دیتا۔" تقی نے کہا۔ "ویسے امی! میں کون سا بوڑھا ہو گیا ہوں؟ آپ کے ارمان پورے کرنے کے لیے ایک چھوڑ تین تین منگنیاں کرنے کو تیار ہوں۔ آپ چاہیں تو آج ہی میرا رشتہ لے کر چلی جائیں۔" اس نے حسب عادت بے پر کی ہانکی۔

"ہاں اور جب کوئی یہ پوچھے کہ جس کا رشتہ لے کر آئی ہو' وہ بیٹا کیا کرتا ہے تو کیا جواب دوں۔۔۔ میرے ہونہار بیٹے کو کوئی کام نہیں۔ وہ صرف باتیں بنا سکتا ہے۔" امی نے اپنے سوال کا جواب بھی خود ہی دے دیا تھا۔

"آپ نے تو مجھے بہت ہی انڈر اسٹیمیٹ کرنا شروع کر دیا ہے امی! دیکھ لیجیے گا' میں کسی دن کوئی ایسا کام کروں گا کہ آپ کا اور لودھی صاحب کا سر فخر سے بلند ہو جائے گا۔" اس نے انقلابی انداز میں بند مٹھی لہراتے ہوئے کہا۔

"اور پھر آپ کا سارا خاندان اپنی بیٹیوں کے رشتے میرے لیے نہ لایا تو میرا نام بدل دیجیے گا۔"

"تمہاری باتوں پر اعتبار وہ کرے جس نے ایسے دعوے پہلی بار سنے ہوں۔" امی نے سر جھٹکا اور کچن میں واپس چلی گئیں۔

تقی نے بدمزا ہو کر سمیر کی طرف دیکھا۔ وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے بنا آواز نکالے ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوا جا رہا تھا۔ تقی کی درگت بنتے دیکھنے میں اسے بڑا مزا آیا تھا۔

"بڑی ہنسی آرہی ہے۔ اب تو ہو گئی ہو گی تسلی؟ پڑ گئی ہو گی سینے میں ٹھنڈ؟" اس نے جل کر کہا تھا۔

"اور نہیں تو کیا۔ صبح سے میں ہی اکیلا بے عزتی کروا رہا ہوں۔ اب تجھے آنٹی کے ہاتھوں بے عزت ہوتا دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہو گئی ہے۔ سکون آگیا ہے دل کو۔" وہ مزے سے بولا تھا۔

"سکون تو تب آئے گا بچو جی! جب" وہ "تیرے سامنے آئے گی۔ جس کی تصویر دیکھے بغیر ہاں کر آئے ہو۔ میری بددعا ہے سمیر کہ وہ ایسی کالی کلوٹی' بدصورت چڑیل ہو کہ شادی کی پہلی رات ہی خودکشی کر لے تو۔"

"مجھے افسوس ہے دوست! تمہیں اس کی حسرت ہی رہے گی۔ وہ تو بہت پیاری ہے۔" سمیر اترایا۔ "بالکل فرحت اشتیاق کے کسی ناول کی ہیروئن لگتی ہے۔"

"ابھی تو کہہ رہے تھے تصویر بھی نہیں دیکھی' اب کہہ رہے ہو پیاری ہے۔۔۔ الہام ہوا ہے کیا؟"

"یہی سمجھ لو۔ دراصل میں نے رات اسے خواب میں دیکھا ہے۔"

"خواب پہ بھروسا کرنے کی ضرورت نہیں۔ خواب میں تو ساری پیاری لگتی ہیں۔" تقی نے ہنس کر کہا۔ پھر صوفے پر بیٹھ کر اپنے جوگرز کے تسمے بند کرنے لگا۔

"اچھا سمیر! میرے پاس بھی ایک خبر ہے۔" اس نے آواز دبا کر اور احتیاط سے ادھر ادھر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"ارشاد ہو۔" سمیر امی کی پلیٹ سے کھانے لگا۔

"جاثم یاد ہے تجھے؟" اس نے رازداری سے پوچھا۔

"جاثم؟" سمیر نے پل بھر سوچا۔ "وہ جو کوئی پروڈیوسر تھا شاید؟"

"پروڈیوسر نہیں' کاسٹنگ ڈائریکٹر۔" تقی نے تصحیح کروائی۔ "جاثم نے ایک ہیوی بجٹ ڈرامے میں مجھے لیڈ رول آفر کیا ہے۔۔۔ عائشہ خان کے اپوزٹ۔"

"کیا؟" سمیر کا منہ اور آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ تقی کو اس کی حالت دیکھ کر گدگدی ہوئی تھی۔

"ہے ناں دلچسپ بات؟ جب پہلے پہل جاثم نے مجھے آفر کی تو میرا منہ بھی ایسے ہی کھل گیا تھا۔ میرا پہلا بریک' ہیوی بجٹ' دبئی اور قطر میں شوٹنگ اور میرا لیڈ رول۔۔۔ مجھے بھی یقین نہیں آرہا تھا ناں سمیر!"

"نہیں! ان باتوں پر تو یقین آگیا ہے۔ حیرانی تو مجھے عائشہ خان کا نام سن کر ہو رہی ہے کس قدر احمق آدمی ہے یہ جاثم۔۔۔ جو تمہیں عائشہ خان کے اپوزٹ کاسٹ کرنا چاہ رہا ہے۔ کہاں وہ اتنی خوب صورت لڑکی اور کہاں تم جیسا چغد۔۔۔ کیا فضول جوڑی لگے گی۔"

"فٹے منہ۔" تقی جو اسے انہماک سے سن رہا تھا' سلگ کر بولا۔ سمیر ہنسنے لگا پھر قدرے سنجیدہ ہو کر بولا۔

"ویسے آفر تو اچھی ہے۔"

"پھر؟" تقی کی آنکھیں چمکیں۔

"پھر یہ کہ فوراً" سے پیشتر انکار کر دے۔" سمیر نے

زور دے کر کہا۔ "ابا کو بھنک بھی پڑ گئی تو مصیبت ہو جائے گی۔"

"ہوں۔" تقی نے مایوسی سے سر ہلایا۔ اس کا خیال تھا اور خواہش بھی تھی کہ سیرت اس کو اس کردار کے لیے ہامی بھرنے کا ضرور کہے گا۔ لیکن وہ بھی تصویر کا وہی رخ دکھا رہا تھا جو اس کی مرضی کے برعکس اور حقیقت پر مبنی تھا۔

"ٹھیک ہے! میں جاثم کو منع کر دیتا ہوں۔ ابا کو تو ناراض نہیں کیا جا سکتا۔"

اس نے مرے دل کے ساتھ۔ لیکن حتمی فیصلہ کیا اور لسی کا گلاس لبوں سے لگا لیا۔



"شفا! مجھے یاد آیا میں تمہیں بتانا بھول ہی گئی۔" ساہر پرجوش انداز میں بولتی کچن سے ٹی وی لاؤنج میں چلی آئی۔ شفا عادل اور ہدیہ کے ساتھ وہاں بیٹھی کوئی کارٹون مووی دیکھ رہی تھی۔

"کون سی بات بھابھی!" اس نے گردن موڑتے ہوئے پوچھا۔ ساہر کے دونوں ہاتھ آٹے میں سنے ہوئے تھے۔

"میں نے عمیر سے تمہارے کالج ٹرپ کے بارے میں پوچھا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے اگر شفا جانا چاہتی ہے تو چلی جائے مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"آپ سچ کہہ رہی ہیں بھابھی؟" شفا نے بے یقینی سے پوچھا۔

"جھوٹ کیوں بولوں گی۔"

شفا کو یقین آہی نہیں رہا تھا۔ پھر اس نے خوشی سے ایک نعرہ لگایا اور ساہر سے لپٹ گئی۔

"بھائی اتنی آسانی سے مان جائیں گے۔ میں نے تو سوچا تک نہیں تھا۔"

"کس نے کہا کہ عمیر آسانی سے مانے ہیں۔" ساہر نے کہا۔

"تو پھر؟"

"محترمہ! آپ کی سفارش بھی تو تگڑی تھی۔" ساہر نے اترا کر کہا۔ دونوں ہنس دیں۔

"اس خوشی میں میں آپ کو اچھی سی کافی پلاؤں گی۔"

"معاف کیجیے گا' میں اتنی گرمی میں کافی پینے کا رسک نہیں لے سکتی۔" ساہر نے منہ بنا کر کہا۔ "ایسا کریں گے' کل مارکیٹ چلیں گے۔ تم ساتھ لے جانے کے لیے اپنی ضرورت کی چیزیں اور دو تین سوٹ لے لینا اور ہم وہاں سے دہی بڑے بھی کھائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" شفا خوش ہو گئی۔ پھر کچھ خیال آنے پر جھجکتے ہوئے بولی۔

"بھابھی! میں ثمر کو بتا دوں؟"

"ہاں۔۔۔ تو اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے بھئی۔۔۔ ویسے بھی ثمر سے ملنے پر عمیر کو اعتراض ہے' مجھے نہیں۔"

"عمیر بھائی کو اچانک اعتراض کیوں رہنے لگا ہے؟ میں نے اس بات پر بہت سوچا ہے لیکن۔۔۔" شفا نے الجھن بھرے لہجے میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"عمیر ہم دونوں سے زیادہ گھر سے باہر جاتے ہیں' دس لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا رہتا ہے۔ ممکن ہے ثمر کے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات کان میں پڑ گئی ہو۔ تب ہی وہ منع کرتے ہیں کہ تم ثمر سے نہ ملا کرو۔۔۔ ظاہر ہے بھئی! صحبت کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا ہے۔"

"ثمر ایسی نہیں ہے بھابھی! میں اسے بچپن سے جانتی ہوں۔" شفا نے جلدی سے کہا۔ "حیرانی مجھے عمیر بھائی پر ہے۔ وہ بھی تو ثمر کو بچپن سے جانتے ہیں۔ کوئی بات سن بھی لی تھی تو اس پر یقین نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"بعض اوقات کوئی بات اس انداز میں بتائی جا رہی ہوتی ہے کہ سننے والا اس پر یقین کرنے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔۔۔ خیر چھوڑو۔" ساہر نے لاپروائی سے کہا۔

"تم ثمر کو بتا کر فوراً واپس آؤ۔ تب تک میں روٹیاں بنا لیتی ہوں پھر کھانا کھاتے ہیں۔" ساہر نے

کہا۔

"ہدیہ کارٹون دیکھ رہی ہے۔ عادل کو میں ساتھ لے جاتی ہوں۔" اس نے دائیں پہلو پر تقریباً" عادل کو لادا اور جھٹ پٹ باہر نکل گئی۔ ساہر نے مسکراتے ہوئے اسے جاتے دیکھا۔ پھر اسی طرح مسکراتی ہوئی کچن میں آگئی۔

مسکراہٹ اس کے لبوں سے جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔ وکٹری پوائنٹ کے قریب پہنچ جانے والا انسان جو محسوس کر سکتا ہے' ساہر وہی محسوس کر رہی تھی اور چشم تصور سے شفا کو خوشی خوشی شمر کو اپنے ٹرپ پر جانے کی اطلاع دیتے دیکھ رہی تھی۔

پھر اس نے اسی تصور کی آنکھ سے **عمیر** کو دیکھا جن کی پیشانی پر غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں لکیریں ابھر آئی تھیں اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

ساہر کو شرمساری محسوس ہوئی کہ بہرحال وہ **عمیر** کو تکلیف پہنچانا نہیں چاہتی تھی اور دقت یہ تھی کہ **عمیر** کو تکلیف پہنچائے بغیر وہ اپنے مقصد تک رسائی بھی حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ ناچار ضمیر کا بوجھ اسے اٹھانا ہی پڑ رہا تھا۔

"مجھے تم سے ہمدردی محسوس ہو رہی ہے شفا! کیونکہ یہ میرا سیکنڈ لاسٹ اسٹروک ہے۔" آٹے سے سنے ہاتھ پرات میں جھاڑتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں شفا کو مخاطب کیا۔

"میں تمہیں **عمیر** کی نظروں میں اتنا خوار کر دوں گی شفا! کہ **عمیر** تو **عمیر** 'تم دوبارہ زندگی میں میرے سامنے بھی نظریں نہیں اٹھا سکو گی۔"

اس کے لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک تھی۔ لیکن اسے احساس تک نہیں ہو رہا تھا اس پل اس کا چہرہ کس قدر مکروہ لگ رہا ہے۔

☼ ☼ ☼

"میرے پاس جوگرز کا ایک بھی جوڑا نہیں ہے۔" سمیر نے فون پر تقی کو بیزاری اور پریشانی سے بتایا۔

"میں ادھار کے سخت خلاف ہوں۔ مجھ سے نہ مانگنا۔" تقی نے بے مروتی سے کہہ دیا۔ سمیر جھنجھلا گیا۔

"تقی! تو انتہائی کمینہ انسان ہے یار!"

"آپ کا حسن نظر ہے جناب!" وہ کمال ڈھٹائی سے بولا تھا۔

"پہلے کبھی تیرے جوگرز مانگے ہیں؟ اونسے رہنا لوز رالنک روڈ تک جاتا ہے۔ میں تیری طرف آ رہا ہوں۔"

"صرف جوگرز ہی بخشے ہوئے ہیں۔ ورنہ ہاسٹل میں تو تو میری بنیانیں بھی نہیں چھوڑتا تھا۔ خیر میں اسٹور پر ہوں۔ ادھر ہی آجا۔"

پچیس منٹ بعد سمیر اسٹور پہنچ گیا۔ تقی ابا کے اسسٹنٹ کو اپنی سیٹ پر بٹھا کر اور تاکید کر کے سمیر کے ساتھ ہو لیا۔

"ابا کا فون آجائے تو سنبھال لینا۔ زیادہ پوچھیں تو کہہ دینا میں نماز پڑھ رہا ہوں۔" وہ اچھی طرح سمجھا کر نکلا۔ رضی کے سمجھانے کا اتنا اثر تو ہوا تھا کہ اس نے فارغ اوقات میں اسٹور آنا شروع کر دیا تھا۔ یوں لودھی صاحب کو دوپہر میں گھر جا کر آرام کرنے کا موقع بھی مل جاتا تھا اور تقی کو اچھی مصروفیت بھی مل گئی تھی۔

"اچھا! تو ہاسٹل میں میں تیری بنیانیں نہیں چھوڑتا تھا۔" سمیر نے بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا اور تقی حسب عادت ہنس دیا۔

"تو نے تو دل سے ہی لگالی ہے میری بات۔ یونہی کہہ دیا تھا۔"

"یار!" اس نے بائیک پر بیٹھتے ہوئے زوردار طریقے سے سمیر کی کمر تھپتھپائی۔

"اچھا ہوا تو نے اپنے الفاظ واپس لے لیے۔ ورنہ میں تو گھر سے ان صابنوں اور ٹوتھ پیسٹوں کا حساب کر کے آیا تھا جو تو مفت میں اڑاتا رہا تھا۔" ان دونوں نے بہ یک وقت قہقہہ لگایا۔ ہاسٹل میں گزرے دن جو یاد آگئے تھے۔

چند منٹ خاموشی سے گزرے۔ پھر تقی نے کہا۔

"یار! سمیر ایک بات تو بتاؤ۔"

"پوچھو۔"

"یار! میں ابا کا کیا کروں؟" اس نے مسکینی سے پوچھا۔ سمیر ذرا سا چونکا۔ پھر بولا۔

"اب کیا ہوا؟"

"کچھ نیا تو نہیں۔ وہی پرانی باتیں ہیں۔ پر ابا کبھی کبھی مجھے بہت ہرٹ کر دیتے ہیں۔ اسٹور یا گھر پر کوئی آجائے۔ میری شکایتیں بطور خاص کرتے ہیں۔ جیسے دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ مجھے لگتا ہے ابا پر دن میں پانچ بار میری برائی فرض ہو گئی ہے۔ اب تو مجھے شک سا ہونے لگا ہے کہ میں ابا کا بیٹا ہوں یا ابا کے شریکوں کا۔" وہ بچوں کی طرح بسور رہا تھا۔

"بات یہ ہے تقی! کہ تم اپنے ابا کی باتوں کو محسوس زیادہ کرتے ہو۔ ورنہ دنیا کے کون سے ابا ہیں' جو اپنے بیٹے کو باتیں نہ سناتے ہوں۔ اب میرے ابو کو ہی دیکھ لو کتنی دوستی ہے مجھ سے۔ لیکن ڈانٹنے پر آئیں تو اگلا پچھلا سارا حساب ایک منٹ میں برابر کر دیتے ہیں۔ بزرگوں کے ساتھ ساری بات دراصل جنریشن گیپ کی ہوتی ہے۔ جنریشن گیپ جتنا زیادہ ہوتا ہے "عموماً" کمیونیکیشن گیپ بھی اتنا ہی بڑھ جاتا ہے۔ تمہارا اور ابا کا زیادہ مسئلہ ہی یہ ہے کہ تم دونوں کے درمیان کمیونیکیشن نہ ہونے کے برابر ہے۔ جو وہ سوچتے ہیں تم نہیں سمجھتے اور جو تمہارے خیالات ہیں' وہ ابا نہیں سمجھتے۔ میرا مشورہ مانو' ابا کے ساتھ تھوڑا وقت گزارا کرو۔ انہیں سمجھنے کی کوشش کرو گے تو مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔"

"ہاں! دن کی جو چند گھڑیاں ابا کے طعنوں کے بغیر گزرتی ہیں۔ پھر وہ بھی ان کے طعنوں کی سنگت میں گزریں گی۔" اس نے سلگ کر کہا۔ "اور جب اتنے طعنے ملیں گے تو تنگ آکر خودکشی تو میں کر ہی لوں گا۔ تو ایسا کر سمیر! مجھ پر ابھی سے فاتحہ پڑھ لے۔"

"تم ابا کی خوشی کا خیال کرو۔" سمیر نے ایک اور مشورہ دیا۔

"اب تو انہیں خوش کرنے کے لیے بس "نرگس" بن کر ناچنا ہی رہ گیا ہے۔ ورنہ باقی تو سب کوششیں میں کر چکا۔"

سمیر نے ہاتھ پیچھے لے جا کر زوردار گھونسا اسے رسید کیا۔

"آنٹی صحیح کہتی ہیں' برکتوں والا ہو گا وہ دن۔ جب تم سوچ سمجھ کر بولنا سیکھو گے۔ اور یہ اپنے کارناموں کو چار سے ضرب دے کر بتانا بھی چھوڑ دو۔ اچھی طرح خبر ہے کہ ابا کو خوش کرنے کی کتنی کوششیں کی ہیں تم نے۔" اس نے جھاڑ کر رکھ دیا۔

"تو کیا کروں؟ اپنی قربانی کر کے انہیں زنگر بنا کر کھلا دوں؟ ممکن ہے وہ خوش ہو جائیں۔"

"ہمیشہ وہ بات کرنا' جو ناممکنات میں سے ہو۔ او بھائی میرے! اسٹور پر جا کر زیادہ سے زیادہ وقت گزارا کر۔"

"اب ذرا سی بات پر خفا ہو کر ڈانٹنے لگتے ہیں' سارے ملازمین اور کسٹمرز کے سامنے۔"

"انہیں چائے بنا کر پلایا کرو۔" ایک اور نادر مشورہ۔

"اس سے کیا ہو گا؟" تقی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میں نے سنا ہے دل تک جانے کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔"

"گدھے۔ وہ مشورہ عورتوں کو دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ شوہروں کے دل تک رسائی حاصل کر سکیں۔"

"اللہ کے گھر میں دیر ہے اندھیر نہیں۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم بھی کوشش کر دیکھو۔ کیا پتا ابا کا دل نرم پڑ جائے۔"

"تم مہربانی کر کے اپنے نادر مشورے اپنے پاس ہی رکھو۔ صرف اتنا کرنا! جب تمہاری کمپنی میں آسامیاں نکلیں تو مجھے انفارم کر دینا۔ دو تین جگہوں پر تو میں پہلے ہی سی وی دے چکا ہوں۔ ایک جگہ انٹرویو بھی دیا ہے۔ اللہ کرے! جاب مل جائے تو ابا کے طعنوں سے جان چھوٹے۔"

"تمہارا ارادہ جاب کرنے کا تھا تو پہلے بتاتے۔ ابھی

پچھلے دنوں ہماری کمپنی کے اکاؤنٹس میں اتنی اچھی ویکنسی نکلی تھی۔ مجھے پتا ہوتا تو تمہیں پہلے ہی بتا دیتا۔" سمیر کو رنج ہوا۔

"پتا کرنا۔۔۔ ہوسکتا ہے ابھی اپائنٹمنٹ نہ ہوئی ہو۔" تقی نے جلدی سے کہا تھا۔

"ہاں! پتا کرتا ہوں۔ بلکہ ایسا کرنا۔ اپنی سی وی مجھے میل کردینا۔ چانس ہوا تو سیٹ کروادوں گا۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا! اگر میرے ریفرنس سے تمہیں جاب ملی تو تگڑا سا ڈنر کروانا پڑے گا۔"

"بھوکے 'ندیدے! ڈنر تو میں نے ویسے بھی دے دینا تھا۔" تقی کچھ زیادہ ہی حاتم طائی بنا۔

"ہوں! اچھی بات ہے۔۔۔ اور سنو! ابا کی باتوں پر پریشان یا ہرٹ ہونا چھوڑ دو۔ بزرگ تو ڈانٹتے ہی ہیں۔ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا کرو۔۔۔ ابو جن دنوں زیادہ ہی میرے "ابوجی" بن رہے ہوتے ہیں۔ میں بھی یہی کرتا ہوں۔" سمیر نے شرارت سے کہا۔

"ویسے تقی! جاب مل گئی تو یونیورسٹی کا کیا کروگے؟ سمسٹر ڈراپ کروگے کیا؟"

"نہیں! ڈراپ تو نہیں کروں گا ان شاء اللہ شاید فریز کروالوں یا ایوننگ میں ٹرانسفر کروالوں۔ نوکری ملے تو پھر دیکھتے ہیں کس طرح مینیج ہوتا ہے۔ لیکن اب بس ابا کے طعنے نہیں سنے جاتے۔"

جس وقت سمیر نے بائیک روکی 'تقی مستحکم لہجے میں کہہ رہا تھا۔



ان دونوں کی چپقلش نئی نہیں تھی۔

اگر کبھی ساہر سنجیدگی سے بیٹھ کر سوچتی تو اسے ایسا لگتا تھا کہ دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے لیے ناپسندیدگی تو تقریباً" اسی روز پیدا ہوگئی تھی 'جس روز ساہر بیاہ کر عمیر کی زندگی میں آئی تھی۔

شادی کی رات وہ سجے سجائے کمرے میں بیٹھی عمیر کا انتظار کررہی تھی کہ شفا کمرے میں آئی اور بیٹھ کر اس سے باتیں کرنے لگی۔ ساہر کو اس کی باتیں سننا اچھا لگ رہا تھا۔ کیونکہ اس کی باتوں میں بہت معصومیت تھی۔ وہ چھٹی کلاس میں تھی اور اس کی باتوں کا محور عمیر 'سہیلیاں اور اس کا اسکول تھا۔

تھوڑی دیر بعد عمیر کمرے میں آئے اور وہ بھی شفا سے باتیں کرنے لگے۔

عمیر اور ساہر کی پسند کی شادی تھی اور یہ ان کی زندگی کی سب سے خوب صورت رات تھی۔ پسند کی شادی نہ بھی ہوتی تو بھی یہ رات دولہا 'دلہن کے لیے اتنی خاص ہوتی ہے کہ وہ دیر تک اپنے دل کے ارمان ایک دوسرے کے سامنے بیان کرنا چاہتے ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ساہر اور عمیر کو خوشی اور ایکسائٹمنٹ کے مارے نیند نہ آتی۔ لیکن نیندیں شفا بیگم کی اڑی ہوئی تھیں۔ پتا نہیں کون کون سی باتیں تھیں۔ جو اسے یاد آرہی تھیں اور وہ آج ہی نئی نویلی بھابھی سے کرلینا چاہتی تھی۔

رات کے تین بج چکے تھے۔ ساہر تو خیر دلہناپے کا لحاظ کرکے چپ تھی۔ عمیر بھی بول نہیں پارہے تھے بالآخر انہوں نے شفا سے جاکر سونے کے لیے کہا۔ وہ منہ بسورتی ہوئی رخصت ہوئی تھی۔ تب عمیر نے شرمندہ شرمندہ سی نظریں اس پر ڈالیں۔

"تم کہتی تھیں ناں! شفا کو تم سے ملوانے کیوں نہیں لاتا۔۔۔ اسی لیے نہیں لاتا تھا۔ مجھے پتا تھا یہ بول بول کر تمہارے کان کھاجائے گی۔"

ساہر نے مسکرا کر نظریں جھکالیں۔ عمیر اس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گئے۔

اگلی صبح ویسی ہی تھی 'جیسی روایتی شادیوں کی صبح ہوتی ہے۔ ناشتا 'رشتہ دار خواتین کی کمرے میں یلغار' شور ہنگامہ۔

جس وقت شفا سو کر اٹھی 'عمیر اور ساہر ناشتا کرچکے تھے اور عمیر اسے اپنی خالاؤں 'پھوپھیوں اور کزنز کے نرغے میں چھوڑ کر خود کہیں غائب ہوچکے تھے۔

"آؤ شفا! یہاں اپنی بھابھی کے پاس بیٹھو۔" شفا کو کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر کسی نے کہا تھا۔

"یہ ساہر بھابھی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ارے! اتنی سی دیر میں بھول گئیں؟" سب ہنس دیے۔ خود ساہر بھی محظوظ ہوئی تھی۔

شفا جواب دینے کے بجائے اور ساہر کے پاس بیٹھنے کے بجائے سامنے صوفے پر جاکر بیٹھ گئی اور اسے الجھن بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ ساہر کی توجہ اس قدر بٹی ہوئی تھی کہ وہ شفا پر دھیان دے سکی 'نہ اس کی آنکھوں کی الجھن تک پہنچ سکی۔

"ایسے ہی عمیر بھائی ان کو اجالا کہتے ہیں۔۔۔ اونہہ۔۔۔ یہ تو اتنی کالی ہیں 'شام کو تو ٹیوب لائٹ جلائے بغیر نظر بھی نہیں آئیں گی۔"

اچانک شفا نے نخوت سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ پیچھے کمرے میں سب کے قہقہے بکھر گئے۔ صرف ساہر تھی 'جو خاموش تھی۔ خفت سے اس کا چہرہ بری طرح بگڑ گیا تھا۔

وہ کالی تو ہرگز نہیں تھی۔ ہاں! اس کی رنگت گندمی تھی اور جلد بہت صاف ستھری تھی 'جس کی وجہ سے خوب صورت لگتی۔ لیکن شفا نے اچھی خاصی رنگت کو کالا کہہ کر لطیفہ بنا دیا تھا۔ اوپر سے عمیر کے خاندان والے بھی خدا جانے کس قسم کی حس مزاح رکھتے تھے۔ تقریب ولیمہ کے اختتام تک بھی یہی بات دہرائی جاتی رہی اور خوب خوب محظوظ ہوا گیا۔

رات تک عمیر کے کان میں بھی شفا کے کمنٹس پڑ چکے تھے۔ جب وہ کمرے میں آئے تو وضاحت دینے لگے۔

"شفا کو میں نے دراصل بہت پیار سے رکھا ہے۔ کبھی کسی بات پر ڈانٹا نہیں۔ شاید اسی لیے وہ تھوڑی کی منہ پھٹ ہوگئی ہے۔ لیکن میں نے اسے ڈانٹا ہے۔ پلیز! تم اس کی کسی بات کا برا مت ماننا۔"

"میں نے تو آپ کو کچھ بھی نہیں کہا عمیر!" ساہر نے سادگی سے کہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ لیکن کہو گی تو مجھے اچھا لگے گا۔" عمیر نے محبت سے کہا۔

"ہمارے ماں باپ کا انتقال تو کئی سال پہلے ہی ہوگیا تھا۔ یہ تو تم جانتی ہو۔ لیکن یہ نہیں جانتیں کہ شفا کو تقریباً" میں نے ہی پالا ہے۔۔۔ میں اسے بہن نہیں بیٹی سمجھتا ہوں اور بیٹی سمجھنے کے باوجود میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میں اس کی زندگی میں ماں کی کمی پوری نہیں کرسکا۔ ساہر! میں چاہتا ہوں 'یہ کمی تم پوری کرو۔ شفا دل کی بہت اچھی ہے۔ تم اسے تھوڑی سی محبت دوگی تو وہ تمہاری غلام بن جائے گی۔"

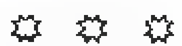
"آپ کیوں چاہتے ہیں کہ میں شفا کو اپنا غلام بناؤں؟"

ساہر نے ہنس کر کہا۔ "میں اسے اپنی دوست بناؤں گی جناب! اور بالکل بے فکر رہیں۔ شفا آپ کے لیے اہم ہے تو میرے لیے بھی ہے۔ بلکہ میرے لیے ہر وہ رشتہ اہم ہے عمیر! جسے آپ اہمیت دیتے ہیں۔۔۔ آپ دیکھیے گا میرے اور شفا کے درمیان مثالی نند بھابھی والا تعلق ہوگا۔"

"تھینک یو ساہر! تھینک یو سوچ۔" عمیر نے اس کے ہاتھ پر بوسہ دیتے ہوئے تشکر بھرے لہجے میں کہا۔

اور ساہر جو یہ سوچ رہی تھی کہ اس کے اور شفا کے درمیان مثالی نند بھابھی والے تعلقات قائم ہوجائیں گے 'شفا ایک ایک کرکے اس کی ہر توقع پر پانی ڈالتی چلی گئی۔ ساہر کے میکے میں اس کی کزنز اور سہیلیاں اس پر رشک کرتی تھیں کہ اپنے گھر میں جارہی ہے 'جہاں ساس سسر کی کوئی جھنجھٹ نہیں۔ ایک چھوٹی سی نند ہے 'جسے قابو کرنا کیا مشکل ہوگا۔

کسی کو کیا خبر تھی کہ یہ چھوٹی سی نند اسے ناکوں چنے چبوا رہی ہے۔



پہلے پہل شفا اس سے بدتمیزی کرتی 'زبان چلاتی۔ ہر بات کا الٹا سا جواب دینا اپنا فرض سمجھتی۔ اس کا موڈ ہوتا تو بات کرتی۔ ورنہ جواب ہی نہ دیتی۔ عمیر کے آفس سے آتے ہی وہ ان سے چپک جاتی تھی۔ جب تک وہ جاگتی رہتی 'ساہر کو ان سے بات کرنے کا موقع

بھی بمشکل مل پاتا۔ شادی کے شروع دنوں میں اسے عمیر کے ساتھ اکیلے کہیں باہر جانے کا موقع بھی تین یا چار بار ملا ہوگا۔ کیونکہ جیسے ہی عمیر اسے باہر لے جانے کا نام لیتے شفا صاحبہ اس سے بھی پہلے تیار ہو کر کھڑی ہو جاتیں۔

ساہر نے ایک آدھ بار عمیر سے گلہ بھی کیا جواب میں عمیر نے اسے یہ کہہ کر خاموش کر دیا۔

"شفا کو گھر پر اکیلا تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ میں جانتا ہوں تم میرے ساتھ اکیلی جانا چاہتی ہو لیکن تمہیں بھی سمجھنا چاہیے۔"

تھک ہار کر اس نے عمیر سے فرمائش کرنا ہی چھوڑ دیا۔ جبکہ محض شفا کی تنہائی کے خیال سے ان لوگوں کو اپنا ہنی مون ٹرپ بھی منسوخ کرنا پڑا تھا۔ گو کہ ساہر کو اس بات پر خاصا اعتراض تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ شفا چند روز کے لیے کسی رشتہ دار کے گھر بھی رہ سکتی ہے۔

"میں نے سوچا تھا شفا کو ثروت خالہ کے یہاں چھوڑ دوں گا۔ لیکن انہیں سیالکوٹ شفٹ ہونا پڑ رہا ہے۔ کسی اور کے یہاں میں شفا کو نہیں چھوڑ سکتا۔ کوئی اور اتنا قریبی رشتہ دار ہے ہی نہیں۔"

ساہر سر پیٹ کر رہ گئی۔ اس کے پاس آپشن تھا کہ شفا کو اس کی امی کے یہاں بھی چھوڑا جا سکتا ہے لیکن عمیر کا کیا کرتی جو شفا کے معاملے میں کوئی "اگر مگر لیکن" سننے کے روادار نہ تھے۔ ان کے لیے شفا کی ہر بات اولیت رکھتی تھی اور وہ کہہ چکی تھی کہ خالہ کے علاوہ کسی اور کے گھر رہنا اسے منظور نہیں ہے۔

یہاں تک جب شفا نے عمیر کے ساہر کو "اجالا" کہہ کر پکارنے کی عادت کو وقتاً فوقتاً "مذاق کا نشانہ بنانا" شروع کیا تو عمیر نے اسے اجالا کہنا ہی چھوڑ دیا۔ بات اتنی بھی بڑی نہیں تھی۔ لیکن دل یو جھل ضرور ہوا۔

صرف یہی نہیں شکایات کا ایک سلسلہ تھا جو ہر گزرتے دن کے ساتھ عمیر کے لیے ساہر کے دل میں شفا کی وجہ سے طویل ہوتا جا رہا تھا۔ دل والی ہر گرہ نظر انداز کی جا سکتی تھی۔ اصل سامنا اسے اس وقت کرنا پڑا جب نئی شادی کے انداز ایک طرف رکھ کر اس نے سارے گھر کا [illegible] اپنے ہاتھ میں لیا۔ شفا کو اس کے ہر کام میں [illegible] نظر آتیں۔ وہ اس کے ہر کام میں مین میخ نکال کر زچ کرنے کی کوشش کرتی۔ اسے ساہر کی فون [illegible] لگتیں۔ حتیٰ کہ اس کے نئے کپڑے پہننے پر [illegible] اعتراض رہتا۔

ساہر نے اس کی ہر بری اور ناپسندیدہ عادت کو کم عمری کی نا سمجھی اور نادانی سمجھ کر نظر انداز کیا [illegible] ایک وقت آیا جب ساہر کو اندازہ ہوا کہ شفا کم [illegible] شک تھی۔ لیکن نا سمجھ یا نادان ہرگز نہیں تھی۔ وہ کسی بھی بات کو توڑ مروڑ کر کچھ اس طرح سے عمیر کے سامنے پیش کرتی کہ کوئی غلطی نہ ہونے کے باوجود ساہر مجرم بن جاتی اور پھر اسے عمیر کی [illegible] سنتا پڑتیں۔

پھر یہ ان ہی دنوں کی بات ہے۔ جن دنوں وہ پہلی مرتبہ تخلیق کے عمل سے گزر رہی تھی۔ عجیب سا چڑچڑا پن اور بے زاری آگئی تھی مزاج میں۔ [illegible] معمولی باتوں پر دیر تک کڑھتی۔ لیکن شفا کی [illegible] بات پر بہت زیادہ غصہ آنے کے باوجود خود پر قابو رکھتی تھی۔ مگر جب عمیر مستقل اسی کو باتیں سنائے جاتے تو وہ جھنجلا جاتی۔ ایک روز تو حد ہی ہو گئی۔ ساہر کی طبیعت صبح سے خراب تھی اور اس پر سے عمیر کی باتیں۔

"آپ کیا چاہتے ہیں عمیر! شفا کو گود میں لے کر بیٹھا کروں میں؟ نوالہ بنا کر اس کے منہ میں ڈالا کروں؟"

"میں پاگل نہیں ہوں کہ تم سے یہ سب کہوں۔" عمیر نے اس سے زیادہ غصے میں کہا۔ "لیکن تم اس کے پاس تو بیٹھ سکتی ہو۔ وہ اسکول سے آ کر سارا دن اکیلی بیٹھی رہتی ہے۔ گھر میں لوگ ہی کتنے ہیں کہ ایک کا منہ مشرق اور دوسرے کا مغرب کی طرف رہے۔"

"میں اس کے پاس جا کر بیٹھتی ہوں۔ لیکن وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی جائے تو میں کیا کروں؟"

"تم بھی دوسرے کمرے میں چلی جاؤ۔"

"یعنی آپ چاہتے ہیں میں آپ کی بہن کے پیچھے پیچھے پھروں۔ اس کے ناز نخرے دیکھوں؟"

"ساہر!" عمیر نے اکتاہٹ کے مارے بالوں میں انگلیاں پھنسائیں۔ "میں مانتا ہوں شفا بدلحاظ ہے۔ یہ بھی مانتا ہوں کہ وہ تم سے زبان چلاتی ہے۔ لیکن وہ بچی ہے۔ تم اسے پیار سے سمجھاؤ گی تو تمہاری ہر بات مانے گی۔ وہ ہمیشہ سے تنہائی کا شکار رہی ہے۔ شادی ہو کر تم اس گھر میں آؤ اس کا مجھ سے زیادہ شفا کو شوق تھا لیکن تمہارے آنے کے بعد تو وہ اور تنہا ہو گئی ہے۔"

"اب یہ جرم بھی آپ میرے کھاتے میں ڈال دیں عمیر! اگر آپ ہمیشہ مجھے سمجھانے کے بجائے بھی کبھار شفا کو بھی سمجھا لیں تو یقیناً گھر کا ماحول بہتر ہو سکتا ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے میں اس کو نہیں سمجھاتا؟"

"میرے سامنے تو کبھی نہیں سمجھایا۔ ہاں! مجھے اس کے سامنے ضرور ڈانٹتے ہیں۔"

"ساہر! تمہیں اندازہ ہے میں شفا کے لیے کتنا پریشان ہوں۔ وہ ایسی نہیں تھی جیسی اب ہو گئی ہے بدتمیز، بدلحاظ، منہ پھٹ۔ بچے جب بڑے ہو رہے ہوتے ہیں تو ان کے مزاج میں تبدیلی آتی ہے۔ لیکن بڑوں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ بچوں کے دماغ میں اس وقت پڑنے والی گرہوں کو کھولیں۔ بچوں کو ایک بھرپور اور مثبت شخصیت بننے میں مدد دیں۔ اگر بڑے ہی انہیں تنہا چھوڑ دیں تو ان کی شخصیت بگڑے گی نہ کہ سنورے گی۔"

"میرے بچے ہوں گے تو میں انہیں تنہا نہیں چھوڑوں گی۔" آج وہ بہت ہی جھنجلا گئی تھی۔

"گویا تم شفا کو اپنا کچھ نہیں مانتیں؟"

"شفا بھی مجھے اپنا کچھ نہیں مانتی۔"

"غلط بیانی مت کرو ساہر! وہ تو اتنی ایکسائیٹڈ تھی ہماری شادی کے لیے کہ بھابھی گھر میں آئے گی تو اسے ایک دوست مل جائے گی۔"

"میں نے بھی سوچا تھا اکلوتی نند کو دوست بنا کر رکھوں گی۔"

"لیکن تم نے دشمن بنا لیا۔"

"میں نے دوست بنانے کی کوشش ہی کی تھی۔ وہ دشمن بن گئی۔"

"یعنی ساری غلطی اسی بچی کی ہے؟"

"جی نہیں! ساری غلطی میری ہے۔" اس نے سلگ کر کہا۔ "لو خدارا! آپ اسے بچی کہنا تو بند کریں عمر کے حساب سے بچی ہو سکتی ہے۔ لیکن عقل تو کسی پختہ عمر کی عورت جتنی ہے اس کے پاس۔"

"میری بہن کے بارے میں اس انداز میں بات مت کرو۔" عمیر نے بلند آواز میں کہا۔ انہیں ساہر کا انداز بہت برا لگا تھا۔

"تمہیں اتنی سی بات کیوں سمجھ میں نہیں آ رہی کہ شفا تنہائی کا شکار ہو کر اگریسو ہو گئی ہے نیگیٹو لے رہی ہے۔ یہ اسی تنہائی کا غبار ہے جو بدتمیزی اور زبان درازی کی صورت میں سامنے آ رہا ہے۔"

"عمیر! مجھے تنہائی کا فلسفہ نہ سمجھائیں۔ میں پہلے ہی بے زار ہوں۔"

عمیر نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا۔ "شفا آج سارا دن روتی رہی ہے ساہر! کیا تم نے اس سے ایک بھی بار پوچھا وہ کیوں رو رہی ہے؟"

"کمال ہے عمیر! اس کی روئی ہوئی آنکھیں آپ کو آفس سے آتے ہی نظر آ گئیں۔ میں نے آفس فون کر کے بتایا تھا میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کمر میں اتنا درد ہے کہ کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا۔ پاؤں بری طرح سوج گئے ہیں اور آپ نے ایک بھی بار میرا حال پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ الٹا آپ چاہتے ہیں میں اپنی تکلیف بھول کر شفا سے پوچھتی وہ کیوں رو رہی تھی؟"

ساہر کو سخت صدمہ پہنچا تھا۔

"تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔" عمیر نے کہا۔

"جس عورت میں اتنی عقل نہیں کہ ایک تیرہ سال کی

بچی سے اپنا مقابلہ نہ کرے۔ اس سے کسی عقل مندی کی توقع ہی فضول ہے۔" وہ تپائی کو ٹھوکر مارتے باہر نکل گئے۔

بے بسی کے احساس سے ساہر رونے بیٹھ گئی اور بہت دیر تک روتی رہی۔ عمیر سے اگلے کئی روز تک بول چال بند رہی۔ وہ شفا کو سارا وقت دینے لگے تھے۔ ساہر جب بھی دونوں کو ہنستا دیکھتی' اس کا دل جل کر خاک ہو جاتا تھا۔ ایسا لگتا' وہ دونوں محض اسے دکھانے کو ہنستے ہیں۔

اسے بہن بھائی کی محبت پر اعتراض نہیں تھا۔ اعتراض صرف اس بات پر تھا کہ اس کی بھی تو اس گھر میں کوئی حیثیت ہے' جسے شفا تسلیم کرنے کو تیار نہ تھی اور عمیر اس سے تسلیم کروانا چاہتے بھی نہیں تھے۔ کم از کم ساہر کو ایسا ہی لگتا تھا۔ وہ تو اسے گھر لا کر ہی بھول گئے تھے۔ یا شاید ساہر کو وہ ملازمہ کی حیثیت سے زیادہ دینا ہی نہیں چاہتے تھے' جو بہ وقت ضرورت گھر کی حفاظت بھی کرے اور ان کی بہن کا دل بھی بہلائے۔

ساہر بار بار متضاد خیالات کا شکار ہوتی۔

☼ ☼ ☼

ان دونوں کے درمیان چھڑی ہوئی سرد جنگ ہدیہ کی پیدائش کے ساتھ خود بخود ختم ہو گئی تھی۔ گو کہ عمیر نے رسماً" تو کیا غیر رسماً" بھی اس سے اپنے رویے کے لیے معذرت کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ لیکن ساہر کے لیے یہی بہت تھا کہ ان کا موڈ ٹھیک ہو گیا۔ وہ ہدیہ کی پیدائش پر بہت خوش تھے اور اس کا بہت خیال رکھنے لگے تھے۔ عمیر تو عمیر شفا بھی بہت خوش تھی۔ سارا سارا دن ہدیہ کو گود میں اٹھائے پھرتی۔ بیشتر وقت ساہر کے کمرے میں ہی گزارتی۔ ساہر نے شکر ادا کیا تھا اس کے رویے کی تبدیلی پر۔ پھر اس کی امی نے بھی اسے شفا کے معاملے میں بہت سمجھایا تھا۔

"تم کیا چاہتی ہو ساہر! کسی دن غصے میں آکر عمیر تمہیں شفا کے لیے چھوڑ دے؟ کیا اسی نے اپنے تایا ابا سے لڑ کر عمیر سے شادی کی۔" اس کی امی نے بڑی مہارت سے اس پاتھ ڈالا تھا۔ چھ بہن بھائیوں میں ساہر تیسرے نمبر پر تھی اور اس کی دادی جان سے مشابہت کی بنا پر اسے بہت پیار کرتے تھے۔ جب ان کے دوسرے بیٹے نے جنم لیا تو وہ بیٹی کے خواہش مند تھے لیکن خدا نے ان کی قسمت میں بیٹا لکھا تھا۔ اس وقت تایا ابا نے رسمی تو نہیں البتہ غیر رسمی طور پر اسے گود لے لیا تھا۔ یوں ساہر نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ان کے گھر ہی گزارا تھا۔ وہ اپنے سگے ابا سے زیادہ تایا ابا کے قریب تھی۔ ان سے لڑ جھگڑ بھی لیتی' لاڈ بھی اٹھواتی اور فرمائشیں بھی کر لیتی تھی۔ صرف تایا ابا نہیں اس گھر میں سب اس سے پیار کرتے تھے۔ ساہر کے منہ سے بات نکلے اور اس گھر میں پوری نہ کی جائے' یہ ممکن ہی نہ تھا۔

لیکن جس وقت عمیر سے شادی کا سلسلہ شروع ہوا' تایا ابا ظالم سماج بن کر کھڑے ہو گئے۔

ایک تو یہ کہ وہ پسند کی شادی کے ویسے ہی خلاف تھے۔ (وہ کیوں خلاف تھے' اس کی وضاحت انہوں نے کبھی نہیں کی تھی) دوسرے وہ ساہر کو خود سے دور بھی نہ جانے دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے پہلے کہا۔ وہ ساہر کی شادی خاندان میں ہی کریں گے۔ پھر آہستہ آہستہ انہوں نے سب کے کانوں میں ڈالنا شروع کر دیا کہ دراصل وہ ساہر کی شادی اپنے بڑے بیٹے سے کر کے ہمیشہ کے لیے اسے اپنے گھر میں رکھنا چاہتے ہیں۔

ساہر کے لیے یہ خیال ہی سوہان روح تھا۔ کیونکہ تایا ابا کو اس نے ہمیشہ بے حد احترام دیا تھا۔ ان کی حیثیت اس کے ابا سے بھی بڑھ کر تھی۔ اسی طرح تایا ابا کے بیٹے اس کے لیے سگے بھائیوں سے بڑھ کر تھے۔ ان سے تو شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پھر اس کے دل میں عمیر کے لیے جذبے بھی بہت خاص تھے۔ ان کے علاوہ کسی سے شادی کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ تایا ابا کے علاوہ سب اس کے ہم نوا

تھے۔ سب نے مل کر بہت زور لگایا کہ وہ اپنی ضد چھوڑ دیں۔ لیکن وہ کسی کی بات سننے پر راضی ہی نہ ہوئے' کجا کہ بات ماننا۔

ساہر کو پہلی بار احساس ہوا تھا کہ ہمیشہ اس کی ہر بات مان لینے والے اور اس کے آگے ڈھال بن جانے والے تایا ابا کس قدر ضدی تھے۔ انہوں نے غصے میں ساہر سے کہا کہ اگر وہ ان کا فیصلہ نہیں مان سکتی تو اپنے باپ سے شادی کروانے کے لیے کہے اور دوبارہ اپنی شکل بھی انہیں نہ دکھائے۔ جب اتنی محبت دینے کے باوجود ساہر ان کی حکم عدولی کی ہمت رکھتی ہے تو وہ بھی اس سے قطع تعلقی کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

ساہر کو دکھ بھی ہوا' غصہ بھی آیا' لیکن تایا ابا کی ضد کے لیے عمیر سے دستبرداری اسے منظور نہ تھی۔ سو وہ اپنے گھر آگئی۔ یہاں امی اور ابو کو اس کی عمیر سے شادی پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ حتیٰ کہ تائی جان اور ان کے بیٹے بھی راضی تھے۔ سو باہمی رضامندی سے اس کی شادی ہو گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ تایا کے گھر سے کوئی شریک نہ ہوا۔ کیونکہ تایا ابا نے سب کو پابند کر رکھا تھا کہ کوئی شادی میں شریک ہوگا' نہ دوبارہ ساہر سے ملے گا۔

تایا ابا ضدی تھے تو وہ ضد میں ان سے چار قدم آگے تھی۔ دوبارہ مڑ کر تایا ابا کے پاس نہ گئی۔ شادی تو ہو گئی' لیکن ایک پھانس اس حوالے سے مستقل اس کے دل میں چبھتی تھی۔

اب امی اسی بات کا حوالہ دے رہی تھیں کہ جس عمیر کے لیے اتنا پیار کرنے والے تایا ابا کو چھوڑ دیا' کیا وہ چاہتی ہے' اب وہی عمیر اپنی بہن کے لیے اسے چھوڑ دے۔

ساہر ان کی بات سن کر بری طرح دہل گئی تھی۔

"کس طرح کی باتیں کر رہی ہیں امی! آپ تو مجھے ڈرا رہی ہیں۔"

"میں تمہیں ڈرا نہیں رہی ساہر! تصویر کا وہ رخ دکھانے کی کوشش کر رہی ہوں' جس کی طرف سے تم نے جان بوجھ کر آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔" امی نے کہا۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"تم خود ہی تو کہتی ہو عمیر نے شفا کو بیٹی کی طرح پالا ہے۔ وہ اس سے اتنی محبت کرتا ہے' جتنی کوئی باپ اپنی بیٹی سے کر سکتا ہے۔ تمہیں شاید نہیں پتا کہ ہمارا مذہب اور قانون مرد کو اجازت دیتا ہے کہ وہ بیوی کو طلاق دے کر لاتعلق ہو جائے' لیکن ہمارے مذہب اور قانون میں ایسی کوئی اجازت نہیں ہے' جس کی رو سے ایک بھائی اپنی بہن سے لاتعلق ہو سکے۔ تمہیں سمجھ لینا چاہیے ساہر! اگر تمہارے اور شفا کے اختلافات اور جھگڑے حد سے بڑھے اور عمیر کی بے زاری کا باعث بنے تو اس کی پہلی ترجیح تمہیں طلاق دینا ہوگی۔ بہن کو نہیں چھوڑے گا وہ۔ ہاں! اس کا ضمیر مردہ ہو جائے تو بات دوسری ہے۔"

"ایسے تو مت کہیں امی! عمیر مجھے نہیں چھوڑ سکتے۔ بہت محبت کرتے ہیں وہ مجھ سے۔" اس نے دہل کر کہا۔

"جب ذہنی سکون ہی نہ ملے تو محبت کس کام کی۔" امی غالباً" اس کی ہر خوش فہمی کو منہ کے بل گرانے کا ارادہ کر کے آئی تھیں۔

"پھر بھی امی! اتنی چھوٹی سی بات پہ۔"

"چلو! تم نے یہ تو مانا کہ بات چھوٹی ہے۔" امی نے گہری سانس بھر کر کہا۔ "تو چھوٹی باتوں کو بڑا کیوں بنا رہی ہو ساہر! دور اندیش کب بنو گی تم؟"

"امی! میں چھوٹی بات کو بڑا نہیں بنا رہی' شفا بنا دیتی ہے۔ سارا قصور اسی کا ہے۔" اس نے روہانسی ہو کر کہا۔

"وہ بچی ہے ساہر! ہو سکتا ہے وہ بچپنے میں کچھ غلط کر رہی ہو' لیکن تم تو بڑی ہو' اس سے زیادہ عقل مند ہو۔ معاملے کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کیا کرو۔ اس سے دوستی کرو' وہ تمہاری ساری باتیں ماننے لگے گی۔"

"آپ بھی مجھے ہی سمجھا رہی ہیں۔ عمیر کو بھی میں ہی غلط لگتی ہوں۔"

"بات صحیح یا غلط لگنے کی نہیں ہے۔ بات معاملہ فہمی کی ہے۔ تم سے ایک نند نہیں سنبھالی جا رہی۔ لڑکیوں کو تو بھرے پرے سسرال میں جگہ بنانا پڑ جاتی ہے۔ ساس' جیٹھانی' دیورانی' شفا جیسے کئی محاذوں پر لڑنا پڑتا ہے۔ شفا کب تک ہے تمہارے ساتھ؟ کچھ سال گزریں گے تو وہ اپنے گھر کی ہو جائے گی۔ پھر اس گھر پر تم ہوتی راج کرنا ہے۔ لیکن ان چند سالوں میں تم اسی طرح عمیر کی بہن سے بے زاری ظاہر کرتی رہیں تو عمیر کی نظروں میں ساری زندگی کے لیے اپنی قدر کھو دو گی۔ وقت ابھی تمہارے ہاتھ میں ہے ساہر! مرد کو مٹھی میں کرنے کا بہترین گر یہی ہوتا ہے کہ اس سے وابستہ افراد سے محبت کی جائے' ان کی عزت کی جائے' تمہیں تو صرف شفا سے تعلقات بہتر کرنا ہیں۔ ذرا تصور کرو تمہاری ساس حیات ہوتیں اور تین' چار نندیں اور ہوتیں تو تمہارا کیا بنتا؟" امی نے اسے رسان سے سمجھایا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"صرف تین' چار سال مشکل ہیں ساہر! انہیں تحمل سے گزار لو۔ عمیر کے ساتھ ساتھ شفا کے دل میں بھی تمہاری محبت مستحکم ہو گئی تو آئندہ کی زندگی کے لیے میں تمہیں گارنٹی دیتی ہوں کہ تمہارے لیے سکون ہی سکون ہوگا۔"

بات کر کی تھی' اس کی سمجھ میں آگئی۔ کچھ خود بھی صلح جو طبیعت کی مالک تھی اور کچھ شفا کے مزاج میں بھی تبدیلی آ رہی تھی' سو اگلے مہینے سکون سے گزرنے لگے۔



اس روز تقی کو پھر ابا کی ناراضی کا سامنا کرنا پڑا۔ ناراض تو خیر وہ چوبیس گھنٹے رہتے ہی تھے۔ اس روز اچھی خاصی ڈانٹ بھی پڑ گئی۔ وہ بھی صبح صبح۔

ہوا کچھ یوں کہ پچھلی رات وہ کسی وجہ سے دیر سے سویا اور الارم لگانے کے باوجود صبح مقررہ وقت پر آنکھ نہیں کھل سکی۔ نتیجتاً" ساقی کے فون پر فون آ رہے تھے۔

"جلدی پہنچ خبیث! گاڑی آگئی ہے۔ سب لوگ پہنچ چکے ہیں۔ سامان بھی لوڈ ہو چکا۔ صرف تمہارا انتظار ہے۔ پندرہ منٹ میں نہ پہنچے تو میں بتا رہا ہوں' تمہیں چھوڑ کر ہم روانہ ہو جائیں' وغیرہ وغیرہ۔"

وہ ہر پندرہ منٹ بعد فون کر کے یہی دھمکی دے رہا تھا۔ اس کے علاوہ سمیر' ثاقب (جسے سب ساقی کہتے تھے۔) مبشر' حسان اور سر ارسلان بھی اس چھوٹے سے ٹرپ کا حصہ تھے۔ سر ارسلان ان سے یونیورسٹی میں ایک سال سینئر تھے۔ اعزازی طور پر انہوں نے کچھ عرصہ ان لوگوں کو پڑھایا تھا۔ اسی "کچھ عرصہ" کا لحاظ کر کے وہ سب انہیں سر کہہ کر مخاطب کر لیتے تھے۔ لیکن اس کے علاوہ انہوں نے خود پر سارا ادب و احترام خود پر حرام کر لیا تھا۔

تقی نے اپنا سامان لا کر باہر رکھا اور عجلت میں ناشتا کرنے بیٹھ گیا۔

"امی آپ نے برگر بنا دیے؟"

"ہاں! فلاسک میں چائے بھی تیار کر دی ہے۔"

"کہاں کی تیاری ہے؟" لودھی صاحب نے سامان پر تنقیدی نظریں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

یہ تو اتوار کا دن تھا اور ڈائننگ ٹیبل پر سب ہی موجود تھے۔

"دوستوں کے ساتھ کچھ دن کے لیے مری جا رہا ہوں۔" تقی نے جواب دیا۔

"مجھے ایک بات بتاؤ تقی! آخر تمہاری یہ عیاشیاں کب ختم ہوں گی؟" بنا الٹی میٹم دیے ابا شروع ہو گئے۔

اس کے نکمے پن کے ایک تازہ ترین قصے کے ساتھ پچھلے کئی قصے دہرائے گئے۔ اس کے دوستوں کو بھی بیچ میں گھسیٹا گیا۔ اسے ناکارہ اور ہڈ حرام کہا گیا جو اب تک باپ بھائی کے ٹکڑوں پر پل رہا تھا۔

تقی کا چہرہ احساس توہین سے سرخ ہو گیا۔

"میری پڑھائی مکمل ہونے دیں۔ کر لوں گا نوکری۔"

"وہ تو کبھی ختم ہوگی ہی نہیں۔ ظاہر ہے بنا ہاتھ پیر

ہلاسے روٹی مل جاتی ہو تو نوکری کی کیا ضرورت ہے۔" ابا نے ترخ کر کہا۔

تقی نے غصے سے ہاتھ مار کر پلیٹ پرے کھسکادی۔

"یہ لیں! انہیں کھاتا آپ کی روٹی۔" وہ تیزی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ امی کچھ جز کر اور کچھ گھبرا کر آوازیں دینے لگیں۔

"مت بلاؤ اسے۔ ان ہی چونچلوں نے اس کا دماغ ساتویں آسمان تک پہنچایا ہوا ہے۔" اس نے ابا کو کہتے سنا۔ اپنے کمرے میں آکر اس نے اپنی دو تین چیزیں سمیٹیں اور کمرے سے باہر آگیا۔

"تقی! اب ناراض ہو کر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں آکر چپ چاپ ناشتا کرو۔" امی نے سختی سے کہا۔ وہ جانتی تھیں ناشتا اس کی کمزوری تھا۔ باقی چاہے سارا دن بھوکا رہ لے۔ لیکن ناشتا اسے بہترین چاہیے ہوتا تھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" ہاتھ میں پکڑی شرٹ بیگ میں ٹھونستے ہوئے اس نے کہا۔

"تقی! ضد مت کرو۔ چلو! شاباش۔ بیٹھ کر ناشتا کرو۔" رضی نے پیار سے کہا۔

"ضد نہیں کر رہا بھائی! لیکن اب واقعی بھوک نہیں ہے، ابا کو کھلا دیں۔"

"کس قدر بدتمیز ہو رہے ہو تم۔ ایسا بھی آخر کیا کہہ دیا انہوں نے۔" امی نے فوراً ابا کی حمایت کرتے ہوئے اسے جھڑکا۔

"آپ نے نہیں سنا، جو انہوں نے کہا؟" اس نے جو کر کہتے ہوئے کہا۔ "یا آپ کو صرف میری باتیں سنائی دیتی ہیں، جو اتفاق سے ہمیشہ ہی قابل اعتراض ہوتی ہیں؟"

"تمہاری یہی باتیں انہیں غصہ دلاتی ہیں۔" امی نے جھنجلا گئیں۔

"انہیں تو میری ہر بات ہی غصہ دلاتی ہے۔ کوئی نئی بات کریں۔" وہ جارحانہ انداز میں تسمے باندھنے لگا۔

"میں جا رہا ہوں۔ دعا کریں وہاں کسی کھائی میں گر جاؤں اور واپس ہی نہ آؤں۔ لودھی صاحب کو میری شکل نظر آئے گی نہ ان کا سکون برباد ہو گا۔"

"کیا الٹی سیدھی ہانک رہے ہو۔" امی بری طرح دہل گئیں۔

"الٹی سیدھی نہیں ہانک رہا، بڑے دل سے دعا کر رہا ہوں۔ لیکن واپس آ بھی گیا تو آکر اپنا کوئی بندوبست کر لوں گا۔ لودھی صاحب کو دوبارہ زحمت نہیں دوں گا۔" آج وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گیا تھا۔

"خدارا! آہستہ بولو۔ وہ اپنے کمرے میں ہیں۔ تمہارے منہ سے لودھی صاحب سن لیا تو اور غصہ کریں گے۔ تمہیں تو شاید تمیز نے چھو کر گزرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ کتنی مرتبہ سمجھا چکی ہوں، ابا کہا کرو۔ باپ ہیں وہ تمہارے۔ کوئی دوست نہیں ہیں کہ لودھی صاحب کہہ کر پکارو۔"

"جی ہاں! ابا ہیں وہ میرے۔ بدقسمتی سے اللہ ایسے جلاد صفت ابا ہمارے سارے دشمنوں کو ایک ایک دے۔ آمین۔"

اس نے بیگ اٹھایا اور تیر کی طرح باہر نکل گیا۔

امی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"دیکھ رہے ہو رضی! یہ دن بدن کس قدر بدتمیز ہوتا جا رہا ہے؟"

"کم سے کم گھر سے نکلتے ہوئے تو اس کا موڈ خراب نہ کیا کریں امی!" رضی نے بے زاری سے کہا۔ "ابو کو بھی پتا نہیں تقی سے کیا چڑ ہے۔ ہر وقت دل جلانے والی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ سارا زمانہ ہی تعلیم مکمل کر کے ملازمت کرتا ہے، تقی بھی کر لے گا۔ آخر اس میں اتنے اعتراض کی کیا بات ہے۔ مجھے تو لگتا ہے ابا کی باتیں اسے زیادہ ہٹ دھرم بنا رہی ہیں۔"

"اور وہ اسٹور والا قصہ؟"

"ہاں! اس میں بہرحال تقی کی غلطی ہے۔ لیکن اسے طریقے سے بھی سمجھایا جا سکتا تھا۔ اس کے واپس آنے کا انتظار کر لیتے۔ کم سے کم صبح صبح اس کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"تم تو ہمیشہ تقی کی سائیڈ لیا کرو۔ ان ہی باتوں نے اسے بگاڑا ہوا ہے۔"

"غلط بات نہیں کریں امی! میں تقی کے سامنے چاہے وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو، کبھی اس کی سائیڈ نہیں لیتا کہ اسے اور شہہ ملے گی۔ البتہ آپ ہمیشہ ابا کی طرف داری کرتی ہیں، چاہے وہ سامنے ہوں یا نہ ہوں۔ آخر ہم سب مل کر صرف تقی کو ہی کیوں باور کروانا چاہتے ہیں کہ وہ غلطی پر ہے؟ کوئی ابا کو ان کی غلطی کیوں نہیں بتاتا؟"

"بس اسی کی کسر رہ گئی تھی کہ تم بھی مجھے ہی الزام دو۔ ایک وہ ہیں، جنہیں یہی لگتا ہے تقی کو میں نے بگاڑا ہے اور تمہیں لگ رہا ہے۔ تمہارے ابا کو میں نے بگاڑا ہے۔ مجھے ہی دیوار سے سر پھوڑ لینا چاہیے۔"

وہ سنگ کر بولیں، مگر رضی کو ہنسی آگئی۔ انہوں نے بات ہی ایسی کی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس کی شادی کی تیسری سالگرہ تھی۔

ساہر نے عمیر سے فرمائش کی تھی کہ وہ عمیر کے ساتھ پورا دن گزارنا چاہتی ہے۔ لنچ اور ڈنر کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں ان کے ساتھ کرنا چاہتی ہے۔ واپسی پر آپ مجھے شاپنگ کروایے گا، پھر ہم گھر واپس آجائیں گے۔

وہ کئی روز سے سارا پروگرام ترتیب دے رہی تھی۔ عمیر کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ لیکن وقت یہ تھی کہ شفا کی بھی اسی روز چھٹی تھی۔

"وہ بے چاری گھر پر اکیلی کیا کرے گی؟ شاپنگ تو میں تمہیں کسی روز کروا دوں گا۔ بلکہ آج رات کو ہی میرے ساتھ چل کر اپنی پسند کا گفٹ لے لینا، لیکن ڈنر لنچ کا پلان تمہیں ڈراپ کرنا پڑے گا۔ گھر میں ہی کچھ اچھا سا بنا لینا یا اگر موڈ نہیں تو میں ٹیک اوے کروا لوں گا۔"

"اتنا تکلف کرنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ جب گھر میں بیٹھ کر ہی کھانا ہے تو میں بنا بھی لیتی ہوں۔" اس نے سرد مہری سے کہا اور ناراضی سے باہر نکل گئی۔

عمیر نے اسے آواز بھی دی۔ مگر اس کا موڈ بری طرح خراب ہو چکا تھا۔ شادی کے تین سال گزر جانے کے باوجود شفا کی حیثیت ساہر سے زیادہ مستحکم تھی۔ عمیر کے لیے وہ ساہر سے زیادہ اہم تھی۔

کہیں نہ کہیں سے وہ ان دونوں کے درمیان آہی جاتی تھی اور نظر انداز کرنے کے باوجود ساہر کا موڈ خراب ہو جاتا تھا۔ گو کہ ان تین سالوں میں ان دونوں کے تعلقات میں بہت بہتری بھی آئی تھی۔ لیکن کبھی کبھار شفا اسے اتنا زچ کر دیتی تھی کہ ساہر کا دل چاہتا اسے اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دے۔ لیکن چونکہ حسرت ان غنچوں پہ۔ اس لیے وہ دل مسوس کر رہ جاتی اور امی کی نصیحتوں کو یاد کر کے شفا کی حرکتوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتی۔

وہ کچن میں آکر برتن پٹخ پٹخ کر اپنی بھڑاس نکال رہی تھی کہ شفا، ہدیہ کو گود میں اٹھائے کچن میں آگئی۔

"کیا کر رہی ہیں بھابھی؟"

"کچھ نہیں کر رہی۔ آپ حکم فرمایے، کیا کروں۔" ساہر کا دل جلا ہوا تھا۔ اس نے سرد مہری سے کہا۔ کڑھنے اور برداشت کرنے کے باوجود کبھی کبھار اس کی شفا سے بحث ہونے لگی تھی۔ کیونکہ شفا کی بدتمیزیوں کے جواب میں اب وہ خاموش رہنے کے بجائے منہ توڑ جواب دے کر اپنا دل ہلکا کر لیتی تھی۔

"حکم کیا کرنا ہے، بس میرا پاستا کھانے کا دل چاہ رہا ہے۔ وہ بنا دیں مہربانی ہو گی۔" شفا نے بھی حسب عادت پتھر پھوڑے تھے۔

"لنچ میں آج پاستا ہونا چاہیے۔" اس نے آرڈر جاری کیا اور الٹے قدموں باہر نکل گئی۔

ساہر عمیر کے رویے سے جلی بیٹھی تھی۔ شفا کی بات پر جل کر بالکل ہی بھسم ہو گئی۔

اس کے بعد اس نے خوب دل لگا کر لنچ تیار کیا۔ ہر وہ چیز بنائی جو اسے اور عمیر کو پسند تھی۔ لیکن کوئی بھی ایسی چیز بنانے سے گریز برتا، جو شفا کو پسند ہو سکتی تھی۔

ڈائننگ ٹیبل پر شفا نے سارے ٹیبل کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"پاستا کہاں ہے؟"
"میں بہت تھک گئی تھی سو پاستا نہیں بنایا۔" ساہر نے اپنی پلیٹ میں بریانی نکالتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔
"میرے لیے تو کچھ بھی بناتے ہوئے آپ ہمیشہ ہی تھک جاتی ہیں۔" شفا نے فوراً جتایا۔
"ہاں! آج سے پہلے تو تمہارے لیے میں نے کچھ بنایا ہی نہیں۔ تمہارے لیے تو ہر روز کھانا باہر سے ہی آتا ہے۔" ساہر نے بھی جتانے میں ایک منٹ نہیں لگایا تھا۔
"پاستا نہیں بنانا تھا تو آپ پہلے ہی انکار کر دیتیں۔" شفا نے دوبدو کہا۔
"میں نے کہا نا میں تھک گئی تھی، ورنہ ضرور بنا دیتی۔"
ساہر نے اس کی تلملاہٹ کے جواب میں سکون سے جواب دیا۔
"جی ہاں! جیسے میں آپ کو جانتی نہیں۔"
"شفا!" عمیر نے مداخلت کی۔ "ٹیبل پر اتنا کچھ موجود ہے تم اس میں سے کچھ کھا لو۔"
"بھائی! آپ کو پتا ہے میں ان میں سے کچھ نہیں کھاتی۔ آج مجھے پاستا ہی چاہیے تھا۔"
"ساہر نے لنچ میں اتنی ورائٹی رکھی ہے۔ تمہیں کچھ تو ضرور پسند آئے گا۔ چکھ کر تو دیکھو! ساہر رات میں پاستا بنا دے گی۔" عمیر نے مفاہمت بھرے انداز میں کہا۔ لیکن ساہر اس روز کسی اور ہی موڈ میں تھی۔ اس نے ترنت انکار کر دیا۔
"میں تھک گئی ہوں۔ رات میں بھی نہیں بناؤں گی۔"
"اب کیا کہیں گے بھائی؟" شفا کو جیسے موقع چاہیے تھا۔ اس نے فوراً جتا دیا۔ عمیر بری طرح بھڑک اٹھے۔
"شفا! خاموشی سے بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔" انہوں نے غضب ناک ہو کر کہا۔
"مجھے نہیں کھانا۔" شفا کرسی کھسکا کر اٹھنے لگی۔
عمیر نے گلاس زور سے ٹیبل پر پٹخ دیا۔
"بدتمیزی مت کرو اور چپ چاپ بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔ اب اگر یہاں سے ہلو گی تو تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔" عمیر کی آواز بلند اور غضب ناک تھی۔ شفا تو شفا، ساہر بھی سہم گئی۔ لیکن دل ہی دل میں اسے بڑی ٹھنڈ پڑی تھی۔ صبح سے دماغ میں جو آگ سلگ رہی تھی اس کی بہن کے ہی ہاتھوں ٹھنڈا یخ پانی انڈیلا گیا تھا۔ سکون سا آ گیا۔
"تمہاری پسند کی چیز نہیں بنی تو کون سی قیامت آ گئی؟ ایک دن اپنی پسند کے بغیر کھانا کھا لو گی تو مر جاؤ گی؟ ہر چیز میں ضد، ہر بات میں بحث۔ ساہر بڑی ہے تم سے۔ کبھی تمیز سے بھی پیش آیا کرو۔
زندگی عذاب بنا کر رکھ دی ہے میری تم دونوں نے۔ کھانا بھی سکون سے کھانا نصیب نہیں ہوتا۔"
عمیر نے غصے سے پلیٹ پرے دھکیلی اور اٹھ کر گھر سے ہی باہر نکل گئے۔ وہ دونوں ہکا بکا رہ گئیں۔ عمیر کو غصہ آ جاتا تھا۔ لیکن ایسا رویہ پہلی بار سامنے آیا تھا۔
"ہو گئی آپ کی تسلی...؟ پڑ گئی مجھے ڈانٹ؟ بھائی کھانا کھا کر بھی نہیں گئے۔ کیسی بے حس ہیں آپ۔" شفا نے ملامتی انداز میں کہا۔
"تمہیں اتنی پروا تھی تو چپ چاپ کھا لیتیں۔ کیا ضرورت تھی بھائی کو غصہ دلانے کی؟" ساہر کے تیز انداز نے اسے اور سلگا دیا۔
"آپ اچھا نہیں کر رہیں بھابھی! آپ کی وجہ سے بھائی نے مجھے اتنی زور سے ڈانٹا ہے۔"
"کون اچھا کر رہا ہے، کون نہیں... اس کا فیصلہ تم رہنے دو۔"
شفا دھپ دھپ کرتی چلی گئی۔ ساہر پہلے تو دھیرے دھیرے ہی کھاتی رہی، پھر برتن سمیٹنے لگی۔ اسے عمیر کی فکر ہو رہی تھی۔ اس روز اتنا کھانا بننے کے باوجود کسی نے بھی نہیں کھایا۔
عمیر کا انتظار کرتے کرتے اسے ملال نے گھیر لیا۔
"آخر کیا ہو جاتا اگر وہ آج بھی نظر انداز کر دیتی۔ اگر

اس بار بھی عمیر اس کی خواہش شفا کی وجہ سے رد کر دیتے تو کون سی نئی بات تھی۔ امی ٹھیک ہی کہتی تھیں عورت کو تو کتنا کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ میں نے عمیر کو کیوں خفا کر دیا۔ وہ بھی آج کے دن... اور شفا... مجھے پاستا بنا دینا چاہیے تھا...." وہ دیر تک سوچتی رہی۔
شام تک عمیر کی واپسی ہوئی۔
اسے اتفاق کہا جائے یا بدقسمتی، لیکن جس وقت انہوں نے ڈور بیل بجائی شفا اور ساہر دونوں ہی ٹیرس پر تھیں۔ شفا نے پہلے دوڑ لگائی۔ وہ اتنی عجلت میں بھاگی تھی کہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور پہلی سیڑھی سے لڑھکتی صحن میں جا گری۔
ساہر حواس باختہ نیچے آئی۔ اس نے پہلے دروازہ کھولا۔ پھر آ کر شفا کو اٹھایا۔ اس کے ہاتھ پاؤں پر بری طرح خراشیں آئی تھیں اور سیڑھیوں پر رکھا گملا ٹوٹنے سے اس کی پنڈلی سے بری طرح خون بہنے لگا تھا۔
"کیا ہوا ہے شفا!" عمیر بھی بھاگے چلے آئے۔
"سیڑھیوں سے گر گئی ہے۔" ساہر نے اسے اٹھاتے ہوئے جواب دیا تھا۔
شفا نے روتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔
"بھابھی جھوٹ بول رہی ہیں عمیر بھائی! انہوں نے مجھے سیڑھیوں سے دھکا دیا ہے۔"
ساہر کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔
"کیا بکواس کر رہی ہو شفا؟"
"انہوں نے مجھ سے بدلہ لینے کے لیے ایسا کیا ہے۔ دوپہر میں بھی آپ کے جانے کے بعد مجھے ڈانٹ رہی تھیں کہ آپ میری وجہ سے بھوکے پیٹ چلے گئے۔ اب میں گیٹ کھولنے آ رہی تھی کہ انہوں نے مجھے دھکا دے دیا۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
اس سے قبل کہ ساہر اپنی صفائی میں کچھ کہتی، عمیر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک زوردار تھپڑ اس کے دائیں گال پر رسید کر دیا، دوسرا تھپڑ بائیں گال پر لگا۔
"میرے سامنے میری بہن کو تکلیف پہنچا رہی ہو، میری غیر موجودگی میں تم کیا کرتی ہو گی۔" عمیر نے نفرت سے کہا۔ پھر شفا کو ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ ساہر وہیں کسی پتھر کے مجسمے کی طرح کھڑی رہی، اس کا چہرہ احساس توہین سے سرخ ہو رہا تھا۔
عمیر وہ انسان تھے جن کے لیے اس نے اپنے اتنے محبت کرنے والے تایا ابا کو چھوڑا تھا۔ عمیر وہ انسان تھے جن کے لیے وہ دنیا کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ عمیر وہ انسان تھے جن کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتی تھی اور عمیر ہی وہ انسان تھے جنہوں نے اپنی بہن کے جھوٹ پر اعتبار کرتے ہوئے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔
ساہر کو اپنی عزت نفس ٹوٹ کر بکھرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اور پہلی بار ہی اسے شفا سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ناولٹ



آمنہ ریاض



عبدالباقر لودھی اپنے منجھلے بیٹے تقی کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت سے سخت نالاں ہیں اور اسے ہر وقت بے پرواہی کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔ تقی کو شوبز میں کام کرنے کا شوق ہے جبکہ لودھی صاحب اس کام کے سخت مخالف ہیں۔ دونوں باپ بیٹے میں اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ رمضی اور جری سے البتہ باقر صاحب کو کوئی شکایت نہیں۔

شفا کو عمیر نے والدین کے بعد باپ بن کر پالا ہے۔ وہ عمیر کی بے حد لاڈلی ہے مگر عمیر کی بیوی ساہر کو اس سے شدید جلن ہے وہ عمیر سے جھوٹ بول کر اسے شفا سے بدظن کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ عمیر کو اپنی بیوی پر پورا یقین ہے۔

ساہر اور عمیر کی شادی کے ابتدائی دنوں میں شفا ساہر سے بہت بدتمیزی کیا کرتی تھی۔ وہ اسے ہر وقت عمیر کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتی اور جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر اسے عمیر سے ڈانٹ پڑوا دیتی۔ رات کے کھانے پر پاستا بنانے پر اس نے ساہر سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا اور سیڑھیوں سے حادثاتی طور پر گر جانے کا الزام ساہر پر لگا دیا کہ ساہر نے اسے دھکا دیا ہے۔ اس بات پر عمیر ساہر کو دو تھپڑ مار دیتا ہے۔ ساہر کو بہت دکھ ہوتا ہے۔ شفا خود بھی گنگ ہو جاتی ہے۔
تقی کے گہرے دوست عمیر کے ابا اپنی پسند سے اس کی منگنی کر دیتے ہیں۔

۳

تیسری قسط



"بذریعہ ٹرین راولپنڈی 'لوکل وین سے آگے مری۔"

انہوں نے اپنا ٹرپ ترتیب وار پلان کیا تھا اور چونکہ ان میں سے کوئی بھی پہلی بار وہاں نہیں جا رہا تھا اس لیے انہوں نے کم سے کم مری تک کے لیے کسی ٹور کمپنی کی مدد نہیں لی تھی بلکہ تمام کام آپس میں بانٹ لیے تھے۔

سمیر نے مری میں ان کی رہائش کے ساتھ ساتھ گاڑی اور گائیڈ کا انتظام کیا تھا' جو انہیں ناران کاغان سے آگے جھیل سیف الملوک تک لے جاتا۔ وہاں سے ان سب کا ارادہ آنسو جھیل اور پیر چناسی جانے کا تھا۔ پہاڑی علاقے میں گاڑی چلانے کی ذمہ داری ثاقی نے لی تھی۔ وہ چار سدہ کا پلا بڑھا تھا اور پہاڑی علاقوں میں اس طرح گاڑی چلا لیتا تھا جس طرح گھر کی چار دیواری میں بچے ڈنکی کار دوڑائے پھرتے ہیں۔ ناران میں ان کا ارادہ کیمپنگ کا تھا۔ کیمپنگ سے متعلق سامان کا انتظام تقی نے کرنا تھا جبکہ اشیائے خورد و نوش کا ڈپارٹمنٹ حسان اور طلحہ نے سنبھال لیا تھا۔ باقی بچے سرار سلان۔۔۔ تو انہوں نے سینئر یلی کا فائدہ لیتے ہوئے کوئی بھی ذمہ داری قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ وین ابھی اسٹیشن پر پہنچی ہی تھی کہ ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے سرار سلان نے گردن موڑ کر اپنی لیڈر شپ کا اعلان کر دیا تھا۔

"چلو بھئی سارے لڑکے بیبے بچے بن کر میری بات غور سے سن لیں۔ میں نے اس ٹرپ کے لیے کچھ اصول و ضوابط مقرر کیے ہیں' جو سب دھیان سے ذہن نشین کر لیں کیونکہ جس نے ان اصولوں کی خلاف ورزی کی' اسے گروپ سے باہر نکال دیا جائے گا۔"

"آبجیکشن سر جی!" تقی نے سب سے پہلے ہاتھ اٹھایا تھا۔ "پہلے تو ذرا اس بات پر روشنی ڈالیں کہ آپ نے یہ اصول و ضوابط کس خوشی میں طے کیے ہیں؟"

"کیونکہ میں اس گروپ کا لیڈر ہوں اور ہر لیڈر نظم و ضبط قائم رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ اصول ضرور طے کرتا ہے۔" فلسفیانہ انداز میں فرمایا گیا۔

"لیکن ہم میں سے تو کسی نے آپ کو ووٹ نہیں دیا' پھر آپ کیسے لیڈر بن گئے؟" تقی نے ہی کہا تھا۔

"کرسی خالی تھی لیڈر کی۔ تو میں نے سوچا رضا کارانہ طور پر میں ہی یہ کرسی سنبھال لوں۔۔۔ تم بونگوں میں تو کوئی اتنا باصلاحیت ہے نہیں۔۔۔ تو ذرا احساس ذمہ داری ملاحظہ کرو۔" اکڑ کر ارشاد فرمایا گیا۔

"اسے احساس ذمہ داری نہیں' ڈکٹیٹر شپ کہتے ہیں سر جی!" یہ طلحہ تھا۔

"ڈکٹیٹر شپ بھی تو اصول دنیا ہے بیٹا جی! میں جو کہہ رہا ہوں' ماننا تو تمہیں پڑے گا۔"

"ہم جمہوریت کے قائل عوام ہیں۔ کالے کوٹ پہن کر آپ کی ڈکٹیٹر شپ کے خلاف بغاوت بھی کر سکتے ہیں۔" حسان نے مکاری ہنسی کے ساتھ دھمکایا۔

"پھر تو سوچنا پڑے گا۔" سرار سلان نے مایوسی سے کہا تھا پھر سب کا مشترکہ قہقہہ گونجا اور بالآخر یہ زبردستی کی لیڈری تسلیم کر لی گئی اور سر جی خوشی خوشی اپنی رول بک کھول کر بیٹھ گئے۔

"کسی نے بیمار نہیں ہونا' رول نمبر ون۔۔۔ جس نے یہ حماقت کی میں نے اسے اٹھا کر دریائے ستلج میں پھینک دینا ہے۔۔۔ بولو منظور ہے کہ نہیں؟"

"منظور منظور۔" یک زبان ہو کر آواز آئی۔

"کوئی جھگڑا نہیں کرے گا' رول نمبر ٹو۔۔۔ اور رول نمبر تھری یہ ہے کہ جہاں جانا ہے گروپ کی شکل میں جانا ہے' کوئی "گواچی گاں" (گمشدہ گائے) کی طرح اکیلا پھرتا نظر نہ آئے مجھے۔"

پانچ سر سعادت مندی سے اثبات میں ہلتے رہے۔

"فورتھ اینڈ لاسٹ رول۔۔۔ لڑکیوں کو دیکھ کر کسی نے شوخا نہیں ہونا۔ نہ ہی خود کو ٹام کروز اور بریڈ پٹ کا جانشین سمجھ کر انہیں متاثر کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا ہے بلکہ ان کی طرف دیکھنا بھی نہیں ہے۔"

اصولی طور پر تو یہ اصول بھی سعادت مندی سے قبول کر لیا جانا چاہیے تھا لیکن دس آنکھیں بری طرح سر ارسلان کو گھور رہی تھیں۔

"او بھائی ڈرائیور۔۔۔ ذرا گاڑی روک دے سائیڈ پر۔" طلحہ نے آواز لگائی تھی۔ "ایسا ہے کہ رول فالو کرنے سے بہتر ہے میں اس سیر و تفریح پر ہی فاتحہ پڑھ لوں۔۔۔ گاڑی روک دو بھائی! اس سے زیادہ خوش تو ہم اپنے علاقے کی فیملی پارک میں ہی ہو لیں گے۔"

"بالکل ٹھیک۔" حسان نے طلحہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "اور میں آپ کو بتا دوں سر جی! اس قدر واہیات رول بنانے پر میں کالا کوٹ پہنے بغیر ہی آپ کے خلاف احتجاج کر سکتا ہوں۔"

"حسان بھائی! قدم بڑھاؤ' ہم تمہارے ساتھ ہیں۔" سمیر کی آواز سب سے بلند تھی۔

"او ہو' جذباتی قوم کے جذباتی نوجوانو! پہلے پوری بات تو سن لو۔ میرے کہنے کا مطلب تھا لڑکیوں کو متاثر کرنے کے سارے طریقے پرانے ہو چکے ہیں۔ میں تمہیں نئے طریقوں سے متعارف کرواؤں گا۔" تحمل و بردباری سے کہا۔ "میں تم لوگوں کو ایسے ایسے لیٹسٹ طریقوں سے متعارف کرواؤں گا کہ عش عش کر اٹھو گے۔"

"مجھے آپ کے کسی لیٹسٹ طریقے کی ضرورت نہیں ہے۔" سمیر نے ناک چڑھا کر نخوت سے کہا۔

"کیوں بھئی۔۔۔ آپ کے پاس کوئی گیدڑ سنگھی ہے جسے سنگھا کر آپ۔۔۔؟" سرار سلان کے اندر کا استاد جاگ اٹھا تھا غصے سے پوچھا۔

"میں بتاتا ہوں۔" تقی نے کہا۔ "سمیر نے پاپولر ملک کی خواتین رائٹرز کے تمام ناولز پڑھ رکھے ہیں۔ ہر ناول میں لڑکیوں کو متاثر کرنے کے کم سے کم بھی دو تین آئیڈیاز تو ضرور مل جاتے ہیں اور اتفاق سے وہ سارے آئیڈیاز سمیر کو ازبر ہیں۔ اس لیے اسے کسی مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس بات پر ایک قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"میں نہیں جا رہا تم لوگوں کے ساتھ۔" سمیر منہ بنا کر بولا۔ اس بات پر دوسرا قہقہہ لگا تھا۔ اسی طرح ہنسی مذاق کرتے وہ لوگ اسٹیشن پہنچ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"یہ چکن ڈشز چکھ کر دیکھو۔۔۔ میری بھابھی نے بنائے ہیں۔" ریسٹ ہاؤس پہنچ کر فرح نے ڈشز والا جار فردا" فردا" سب کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

پائن کے درختوں میں گھرا ہوا ریسٹ ہاؤس پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا۔ اس ریسٹ ہاؤس کی خاص بات یہ تھی کہ یہاں سے پورا شہر ایک ویو میں دکھائی دیتا تھا۔ قدیم طرز تعمیر پر مشتمل یہ عمارت بہت خوب صورت تھی۔ لکڑی کی چھتیں' لکڑی کے شہتیر' لکڑی کے فرش' لکڑی کے زینے' بالکونیوں کے آگے کو جھکے ہوئے دلفریب ڈیزائین والے چھجے جن سے زمانہ قدیم کی نفاست جھلکتی تھی۔

عمارت کے چاروں طرف قدرتی سبزے کی بہتات تھی لیکن اندر سبزے کی ایک پتی بھی دکھائی نہ دیتی تھی۔ کمروں کی دیواریں خالی تھیں۔ البتہ مین ہال کی دیواروں پر بہت خوب صورت پینٹنگز لگی ہوئی تھیں اور چھت سے فانوس لٹک رہا تھا' جس میں مشعل کی شکل کے الیکٹرک بلب نصب تھے کاریڈورز میں لکڑی کا بہت اعلیٰ کام تھا جبکہ ہال اور کاریڈورز میں آرائشی مورتیاں بھی رکھی گئی تھیں۔ جنہیں دیکھتے ہی ثمر نے ناپسندیدگی کا سرٹیفکیٹ بھی جاری کر دیا تھا۔

طویل سفر نے ان سب کو تھکا دیا تھا۔ چار چار لڑکیوں کو ایک ایک کمرا الاٹ کیا گیا تھا۔ ان چاروں نے شکر ادا کیا کہ ان کا کمرا ایک ہی ہو گا اور کسی اور لڑکی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

ثمر اور حرم آتے ہی جو بیڈ پر گریں تو اب تک اٹھنے کا نام نہ لیا۔ شفا اور فرح نہ صرف ریسٹ ہاؤس کا ایک چکر لگا آئی تھیں بلکہ انہیں یہ بھی پتا چل چکا تھا کہ کون کون سے گروپ کس کس کمرے میں ٹھہرے ہیں۔ اب شفا کھڑکی کھولے دوربین آنکھوں سے چپکائے نیچے وادی میں جھانک رہی تھی جبکہ فرح اپنا سوٹ کیس کھول کر بیٹھ گئی تھی۔

"ڈشز تو بہت مزے کے ہیں فرح! تمہاری بھابھی کے ہاتھ میں تو بہت ذائقہ ہے۔۔۔ تمہارے تو بھئی مزے ہیں۔ ہر روز مزے مزے کی چیزیں کھانے کو

لتی ہوں گی۔" حرم نے ڈونٹ کھاتے ہوئے کہا۔

"میری بھابھی سال میں ایک بار کچن میں قدم رنجہ فرماتی ہیں اور خدا! جھوٹ نہ بلوائے تو اس قدر بکواس کھانا بناتی ہیں کہ ہم باقی کے تین سو چونسٹھ دن اسی کوشش میں گزار دیتے ہیں کہ وہ دوبارہ کچن میں جانے کی زحمت ہی نہ کریں۔" فرح نے مزے سے کہا۔

"تو یہ ڈونٹس کیا آسمان سے اترے ہیں؟" ثمر نے تعجب ناسمجھی سے پوچھا۔

"ایک یہی واحد چیز ہے جو وہ ڈھنگ کی بنا لیتی ہیں۔ اور وہ میں منتیں کر کے بنوا کر لائی ہوں۔ ورنہ اس سال کا چکر تو وہ کئی روز پہلے ہی لگا چکی تھیں۔"

"مجھے روایتی نند کے جلنے کی بو آ رہی ہے۔" حرم نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا تھا۔

"میں کیوں جلوں گی یار!" فرح نے کہا۔

"تمہیں شاید پتا نہیں ہے کہ بھابھی وہ واحد مخلوق ہوتی ہے جو کتنی بھی سلیقہ مند اور سگھڑ کیوں نہ ہو۔ اس کے کام میں نفاست اور ہاتھ میں ذائقہ ہرگز نہیں ہوتا۔" فرح نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"اور تمہیں یقیناً یہ نہیں پتا کہ نند وہ مخلوق ہوتی ہے جس کو جتنی بھی محبت اور خلوص دے لو، وہ جھگڑالو، فسادن اور غاصب ہی رہتی ہے۔" حرم نے دوبدو کہا۔

"اب تم کیوں جل رہی ہو؟" ان تینوں نے بیک وقت حرم کی طرف دیکھا تھا۔

"اتفاق سے میں تین عدد چڑیل صفت نندوں کی بھابھی ہوں جنہوں نے میری رخصتی سے پہلے ہی میری ناک میں دم کر کے رکھا ہوا ہے۔" حرم نے جتنی بے چارگی سے کہا تھا۔ اتنا ہی بے ساختہ ان تینوں کا قہقہہ تھا۔

"ویسے یہ بات مجھے آج تک سمجھ میں نہیں آئی کہ بھابھیوں کے منہ سے نند کی اور نندوں کے منہ سے بھابھیوں کی برائی ہی کیوں نکلتی ہے؟ آخر ایسی کیا خامی ہے اس رشتے میں جو وہ دونوں ایک دوسرے کی برائی کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں؟" فرح نے سوٹ کیس کھلا چھوڑ دیا تھا اور بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔

"یار! رشتے میں برائی نہیں ہوتی، ساری بات دراصل مفادات کی ہوتی ہے۔" ثمر نے کہا تھا۔ "اگر بھابھی کے مفادات زیادہ ہوں گے تو وہ نند کی برائی کرے گی اور اگر نند کے مفادات زیادہ ہوں گے تو اسے بھابھی کی برائی کرتی نظر آئے گی۔ ورنہ اسی رشتے میں بہت محبت سے بھی رہتے ہیں لوگ۔" ثمر کا تجزیہ صاف اور ستھرا تھا۔

"ثمر بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔" شفا نے ثمر کی بات میں ہاں ملاتے ہوئے کہا تھا۔ "نند بھابھی کا رشتہ خوامخواہ بدنام کیا ہوا ہے لوگوں نے۔ میری اور ساہر بھابھی کی مثال تم لوگوں کے سامنے ہے۔ ہم دونوں کے تو ایسے کوئی اختلافات نہیں ہیں جن کی خاطر ہم دونوں ہر وقت ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے نظر آئیں۔ کوئی ایسی بات ہو بھی جس میں ہمارا کلیش ہو رہا ہو تو ہم دونوں کمپرومائز کر لیتے ہیں اور جھگڑا ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ ہم نند بھابھی تو بہت محبت سے رہ رہے ہیں۔"

"اپنی مثال نہ دو شفا! تمہارا گھر جو جنت کی عملی تصویر بنا ہوا ہے تو اس میں سارا کمال تمہاری ساہر بھابھی کا ہے۔ وہ تو بالکل فرشتہ صفت ہیں۔ عام انسانوں والی باتیں تو ان میں ہیں ہی نہیں۔ میں تو کہتی ہوں انہیں انسان کہنا بھی زیادتی ہے انہیں تو دیوی کہنا چاہیے۔ شکر ادا کیا کرو تم لوگ ہندوستان میں نہیں رہتے ورنہ جتنی تمہاری بھابھی میں خصوصیات ہیں۔ بت پرستوں نے تو ان کی مورتی بنا کر ان کی پوجا شروع کر دینی تھی۔"

شفا نے ثمر کو دیکھا اور سب سمجھ گئی۔ البتہ حرم اور فرح تعجب سے پوچھ رہی تھیں۔

"واقعی شفا!" شفا نے خاموشی سے رخ کھڑکی کی طرف موڑ لیا۔

"شفا تو اپنی بھابھی کی تعریف میں پورا قصیدہ لکھ سکتی ہے۔" ثمر نے جل کر لیکن بظاہر مسکرا کر کہا تھا۔

"ثمر! میری بھابھی کے بارے میں کچھ نہ کہو۔ میں ان کی تعریفیں بے وجہ نہیں کرتی۔ وہ دنیا کی بیسٹ بھابھی ہیں۔" شفا نے سادگی سے کہا تھا۔

"اور یہ بیسٹ بھابھی خوش قسمت بھی بہت ہیں کہ انہیں تم جیسی چغد نند ملی ہے۔" ثمر نے سابقہ انداز میں کہا۔ شفا اسے دیکھ کر رہ گئی اور ثمر کو شاید اس کی شکل دیکھ کر ترس آ گیا تھا۔ تب ہی موضوع بدل دیا۔

شفا آہستہ سے کھڑکی بند کر کے نیچے وادی میں بل در بل بچھی اور دھند میں لپٹی سڑک کو دیکھنے لگی۔

وہ جانتی تھی ثمر ساہر بھابھی کو کچھ خاص پسند نہیں کرتی۔ اکثر ان کے خلاف بولتی اور شفا کو ان کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتی تھی لیکن شفا کے دل میں ان کے لیے اتنا احترام اور محبت موجود تھی کہ اس پر کوئی بات اثر نہ کرتی۔

گو کہ بھابھی واقعی بہت اچھی تھیں لیکن ان کے بارے میں اچھا سوچنے میں کسی قدر ہاتھ شفا کی شرمساری کا بھی تھا۔ یہ وہ احساس تھا جسے شفا اپنی سہیلیوں سے بھی ڈسکس نہیں کر سکتی تھی۔ وہ انہیں کیسے بتاتی کہ نند اگر اس کے جیسی ہو تو بری بھی ہو سکتی ہے۔



ٹرین کی روانگی سے قبل سارا سامان از سر نو چیک کیا گیا کہ کچھ رہ نہ جائے۔ پتا چلا سمیر چھ ڈائجسٹ اور تین سفرنامے ساتھ لے جا رہا ہے۔

"جہلم اسٹیشن سے جب ہم نان پکوڑے لیں گے تو انہی رسالوں کے صفحوں کو بطور دسترخوان استعمال کیا جائے گا۔" حسان نے اطمینان سے سمیر کی دکھتی رگ چھیڑ دی تھی۔

"خبردار! جو کسی نے میرے ڈائجسٹوں کو بری نظر سے دیکھا۔" سمیر تڑپ کر آگے بڑھا تھا۔ "یہ ڈائجسٹ میں سفر کے دوران تم لوگوں کی بے کار باتوں کی بوریت سے بچنے کے لیے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ تم لوگوں نے پڑھنے ہوں تو مانگ لینا۔ دو عقل والی باتیں تم لوگ بھی سیکھ لو گے لیکن وحشیانہ طریقے سے پھاڑنے کی اجازت میں ہرگز نہیں دوں گا۔"

"ہمیں زنانہ ڈائجسٹ پڑھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔۔۔ یہ شوق تمہیں ہی مبارک ہو۔"

"ہونہہ۔" سمیر نخوت سے بیگ کی زپ بند کرنے لگا۔

اسے کتب بینی کا شوق بچپن سے تھا۔ جس عمر میں لڑکے گلی اور اسپن پر ہاتھ صاف کر رہے ہوتے ہیں، وہ اپنی باجیوں کی الماری سے رضیہ بٹ اور بشریٰ رحمن کے ناول چوری کر کے پڑھا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ جہاں اس کا یہ شوق اسے اعلیٰ ادبی رجحانات کی طرف لے گیا اور اسے خواتین کے مشہور ماہناموں کے مطالعے میں مزا آنے لگا وہیں اسے اپنے دوستوں کی طرف سے اکثر مذاق کا نشانہ بھی بننا پڑا لیکن آفرین ہے سمیر کی مستقل مزاجی اور استقلال پہ۔ مجال ہے جو ایک بھی بار اس نے ڈائجسٹ نہ پڑھنے کا سوچا ہو۔ تقی تو سب کو سمجھاتا۔

"تم لوگ سمیر کو ٹوکنا چھوڑ دو میں تو کہتا ہوں تم لوگ بھی ڈائجسٹ پڑھا کرو۔ اس سے پتا چلتا ہے لڑکوں کو کس طرح کے انداز اور طور طریقے اپنانے چاہئیں۔ ان میں موجود کہانیوں سے لڑکوں کو اپنی پرسنالٹی امپروو کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔" وہ جتنی سنجیدگی سے کہتا تھا اتنی ہی سمیر کو آگ لگ جاتی تھی۔ وہ ایک بار اسے بتا بیٹھا تھا فرحت اشتیاق اور نبیلہ ابر راجہ اس کی پسندیدہ مصنفین ہیں۔

"ان دونوں کے ہیروز میں مجھے اپنی جھلک نظر آتی ہے۔" تقی کی وجہ پوچھنے پر سمیر نے اترا کر بتایا تھا۔

"اچھا۔۔۔ تو ان دونوں کے ہیروز چغد ہوتے ہیں؟" تقی نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

"جی نہیں۔۔۔ وہ تو بہت باکمال اور ہینڈسم نوجوان ہوتے ہیں جیسے کہ میں ہوں۔" سمیر نے بدک کر کہا۔ تقی ہنس ہنس کر دوہرا ہو گیا تھا۔ اور اس کے بعد تو جیسے اس نے سمیر کی چھیڑ ہی بنا لی تھی۔ سمیر لاکھ چڑتا لیکن تقی کو کون روکے بھلا۔ گو کہ اسے پڑھنا بڑا مشکل کام لگتا تھا لیکن صرف اور صرف سمیر کو چڑانے کے لیے

اس نے متعلقہ مصنفین کے ایک دو ناول پڑھ ڈالے تھے۔ بخشا تو خیر وہ پہلے بھی نہیں تھا مگر اس کے بعد تو بس حد ہی ہو گئی۔ بعض مرتبہ تو سمیر سر پکڑ کر بیٹھ جاتا تھا کہ اس کے سامنے یہ بات کی کیوں۔

سمیر نے بیگ کی زپ بند کر کے سیٹ کے نیچے ٹھونس دیا۔ انہوں نے سفر کی دعا با آواز بلند پڑھ کر سفر کا آغاز کیا۔ ٹرین وسل بجا کر ہولے ہولے ہنسری پر آگے کی طرف کھسکنے لگی تھی بتدریج اس نے رفتار پکڑی۔ اور بہت تیزی سے کھڑکیوں سے باہر مناظر گزرنے لگے۔

وہ لوگ کچھ دیر آپس میں خوش گپیوں میں مصروف رہے پھر صبح کی سستی نے ان سب کو گھیر لیا۔ سر ارسلان اور طلحہ برتھ پر چڑھ گئے۔ ثانی اور حسان نے وہیں سیٹوں پر پیر پھیلائے اور ستانے لگے۔ سمیر نے "منہ دل کعبے شریف" میں منہ گھسا لیا۔ تقی بے زاری سے بیٹھا رہا' پھر دروازے میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ ہوا زور زور سے اس سے ٹکراتی تھی۔ مکان' بازار' گاڑیاں' خاک میں اٹے میدان' کھیت' درخت سب پیچھے کی طرف دوڑے جاتے تھے۔ وہ بے مقصد وہاں بڑی دیر تک کھڑا گزرتے مناظر کو دیکھتا رہا پھر سمیر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا وہ چونک کر پلٹا۔

"تو کیا پرانی فلموں کی ہیروئنز والے پوز مار رہا ہے؟" سیدھی بات تو ان دوستوں کے درمیان گویا حرام ہی تھی۔ تقی نے نفی میں سر ہلایا اور باہر دیکھنے لگا۔

"تقی! تجھے پتا ہے نا' میں اچھا فیس ریڈر نہیں ہوں۔۔۔ بتا تو سہی ہوا کیا ہے؟" سمیر نے زور دے کر کہا۔

"کچھ خاص نہیں یار۔۔۔ بس میری قسمت ہی خراب ہے۔" اس نے نروٹھے پن سے جواب دیا۔

"واہ۔ پہلے تو صرف ہیروئنوں والے پوز مار رہے تھے اب تو ڈائیلاگز بھی بول رہے ہو۔"

"شٹ اپ سمیر!" تقی نے چڑ کر کہا پھر اسی چڑچڑاہٹ کے ساتھ سارا قصہ اس کے گوش گزار کر دیا۔

"کل اسٹور پر ابا نے چار بار فون کر کے میرے بارے میں پوچھا۔ توقیر نے چاروں بار کہہ دیا میں نماز پڑھ رہا ہوں۔ پانچویں بار فون کرنے کے بجائے ابا بہ نفس نفیس میری خبر لینے پہنچ گئے کہ ایسی کیا مصیبت آئی کہ میں نفلی نمازیں پڑھتا جا رہا ہوں لیکن میں اسٹور پر ہوتا تو ملتا نا۔ اس پر مصیبت یہ ہوئی کہ دو ملازمین کا جھگڑا ہو گیا۔ ابا جس وقت پہنچے دونوں گتھم گتھا ہو رہے تھے ابا نے وہاں تو معاملہ سنبھال لیا مگر صبح مجھے اتنی باتیں سنائی ہیں کہ کیا بتاؤں۔۔۔"

"غلطی تو ہوئی ہے تقی!" سمیر نے قدرے شرمندگی سے کہا تھا کیونکہ اسے پتا تھا تقی کی گت درگت بنی ہو گی اور وہ بھی محض اس لیے کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔

"مان گیا تھا میں۔۔۔ معافی بھی مانگی۔۔۔ لیکن ابا!"

"اچھا چھوڑ دو اب اس بات کو۔" سمیر نے اس کا ذہن بٹانا چاہا۔

"اب چھوڑنا نہیں ہے۔" تقی نے قطعیت سے کہا۔ "میں نے سوچ لیا ہے' اب نوکری تو ڈھونڈنا ہی پڑے گی۔ روپیہ کما کر ابا کے ہاتھ پر رکھوں گا تو شاید انہیں میری قدر آئے۔ اگلی بار ابا نے ڈانٹا۔۔۔ بلکہ واپس جا کر ہی میں گھر چھوڑ دوں گا۔ جہاں دن رات ذلیل ہونا پڑے' مجھے وہاں رہنا ہی نہیں ہے۔" وہ بہت زیادہ جذباتی ہو رہا تھا۔ سمیر نے تائید میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے جو تم مناسب سمجھو۔" اس نے تقی کا کندھا تھپتھپا کر کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کم سے کم اس وقت تقی کو سمجھانے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا' تب ہی اس نے یہ کام کسی اور وقت کے لیے ٹال دیا اور تقی کا دل بہلانے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔



جس وقت عمیر بھائی کی شادی ہوئی' وہ بہت چھوٹی تھی۔ اسے صحیح اور غلط کا فرق نہیں پتا تھا۔ اپنے بچپنے کی جذباتیت کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن کر اس نے بھابھی کو بہت تنگ کیا تھا۔

دراصل عمیر بھائی صرف اس کے بھائی ہی نہیں تھے وہ اس کی زندگی کا ہر رشتہ تھے۔ بھائی' بہن' ماں' باپ' دوست لیکن ساہر بھابھی کے آتے ہی جیسے سب چھوٹنے لگا تھا۔ ان کی توجہ بھابھی کی طرف رہنے لگی تھی یہ بھی نہیں کہ انہوں نے شفا کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا تھا بس یہ ہوا تھا کہ ان کی توجہ جس کا مرکز پہلے شفا ہوتی تھی' اب اس توجہ کو بھابھی نے تقسیم کر دیا تھا۔

اور یہی بات شفا کو کھٹکتی تھی۔

وہ بچی تھی لیکن بھابھی بچی نہیں تھیں' انہیں جلد ہی شفا کی چالاکیاں سمجھ میں آنے لگیں لیکن یہ ان کا بڑا پن ہی تھا کہ وہ اس کی بدتمیزیوں پر تحمل کا مظاہرہ کرتیں۔ کبھی کبھی ان کی برداشت جواب بھی دے جاتی لیکن اکثر و بیشتر وہ ان جھگڑوں کو ٹال دیتیں جن کے لیے شفا بڑی ہوشیاری سے فضا قائم کرتی تھی۔

ایسے میں شفا اور زیادہ جھنجلاتی اور پہلے سے زیادہ بدتمیزیوں پر اتر آتی۔

عمیر بھائی سے دوری کی بنا پر اس کی زندگی میں خلا پیدا ہو گیا تھا۔ اسے اپنا آپ بہت تنہا لگتا۔ قریبی رشتوں کی تو پہلے ہی کمی تھی اس کی زندگی میں۔ ساہر بھابھی نے عمیر بھائی کو بھی چھین لیا۔

تنہا بیٹھ کر وہ جانے کیا کیا سوچتی۔

اس روز بھابھی کی کوئی سہیلی ان سے ملنے آئی ہوئی تھیں' جن کے سامنے شفا نے جان بوجھ کر بدتمیزی کی انتہا۔ سہیلی کے جانے کے بعد بھابھی نے ایک جھلائی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ شفا پہلے تو دل ہی دل میں خوش ہوتی رہی کہ اس نے بھابھی کی بے عزتی کروا دی پھر اسے شرمندگی محسوس ہونے لگی۔ اسے اپنے دل میں اٹھتی شرمندگی سے بھی اکتاہٹ ہو رہی تھی۔ دل اور دماغ کی کشمکش سے وہ بری طرح اکتا گئی۔ یہاں تک اسے تنہائی اور اکیلے پن نے گھیر لیا اور وہ بیٹھ کر رونے لگی۔ اسے امی بہت شدت سے یاد آ رہی تھیں۔ پہلی بار اس نے سوچا کاش اس کی کوئی بہن بھی ہوتی۔

لیکن اس روز کے آنسوؤں کا فائدہ یہ ہوا کہ اگلے کئی روز تک عمیر بھائی اسے بھرپور ٹائم دیتے رہے۔ گو کہ وہ دیکھ رہی تھی کہ بھائی بھابھی کے درمیان کوئی کھٹ پٹ چل رہی ہے لیکن اس کے لیے یہی بہت تھا کہ بھائی اس کی طرف متوجہ رہنے لگے ہیں۔

ہدیہ کی پیدائش کے بعد اس کے دل میں ساہر بھابھی کے لیے موجود ناپسندیدگی میں کسی قدر کمی آئی تھی۔ اسے چونکہ ہدیہ اچھی لگتی تھی اس کی وجہ سے ساہر بھابھی بھی تھوڑی سی اچھی لگنے لگی تھیں۔ کچھ یہ بھی تھا کہ بھابھی کا رویہ بھی اس کے ساتھ بہت اچھا رہنے لگا تھا۔ وہ جھگڑے پہلے بھی ٹالتی تھیں اب اور زیادہ کوشش کرتیں۔ شفا کوئی سلگانے والی بات کرتی بھی تو سہہ لیتیں۔ سخت رد عمل نہ کرتیں۔

لیکن اتنی ساری باتوں کے باوجود شفا کے دل میں ان کے لیے بہت گنجائش پیدا نہ ہوئی تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ تنہائی پسند ہو گئی تھی۔ ساہر بھابھی سے جھگڑے بھی کم ہو گئے تھے لیکن ختم نہیں ہوئے تھے۔ جب بھی جھگڑا ہوتا شدید ہوتا اور اس کی خوشی کی انتہا نہ رہتی' جب بھائی اس کا ساتھ دیتے۔

کبھی کبھار وہ محض بھائی کو اپنا ساتھ دیتا دیکھنے کے لیے بھابھی سے جھگڑا کرتی تھی اور چونکہ فطرتاً بری نہیں تھی' اس لیے بعد میں شرمندہ بھی ہوتی۔ ساہر بھابھی سے اس کی کدورت درست سہی لیکن اس نے کبھی یہ نہیں چاہا تھا کہ عمیر بھائی ان پر ہاتھ اٹھائیں۔

ان کی شادی کی سالگرہ والے روز کسی معمولی سی بات پر بحث ہو گئی تھی جس کی بنا پر بھائی نے اسے بری طرح جھڑک دیا تھا۔ شفا کو پہلے ہی ساہر بھابھی پر غصہ آ رہا تھا ان کے سامنے ڈانٹ پڑنے پر احساس توہین کے مارے بالکل ہی ہتھے سے اکھڑ گئی۔

اب اسے تب تک سکون نہیں آتا تھا' جب تک اس کے سامنے بھابھی کو بھی ڈانٹ نہ پڑ جاتی۔ اسی

لیے اس نے سیڑھیوں سے گرنے کے بعد جھوٹ بول دیا کہ ساہر بھابھی نے اسے دھکا دیا ہے۔ جس وقت وہ جھوٹ پر جھوٹ بول رہی تھی' اسے اپنی غلط بیانی کی بدصورتی کا احساس تک نہ ہوا تھا۔

لیکن جیسے ہی عمیر بھائی نے انہیں تھپڑ مارا' شفا دنگ ہو کر خاموش ہو گئی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بھائی بھابھی پر ہاتھ بھی اٹھا سکتے ہیں۔



شفا کئی روز تک شرمندگی کا شکار رہی۔ اس میں ساہر سے نظریں ملانے کی ہمت بھی نہیں رہی تھی۔ ان کی اتری ہوئی صورت اور روئی ہوئی آنکھیں مستقل اس کے دل پر کچوکے لگاتی رہیں تب اس نے دل کڑا کر کے ان سے معافی مانگ لی۔

"آئی ایم سوری۔۔۔ مجھے غصہ ضرور آ گیا تھا لیکن میں یہ نہیں چاہتی تھی کہ بھائی آپ پر ہاتھ اٹھائیں۔۔۔ میری وجہ سے بھائی نے بہت غلط کیا۔ انہیں آپ کو مارنا نہیں چاہیے تھا۔ پلیز! مجھے معاف کر دیں۔" وہ اس کے کمرے میں دودھ کا گلاس رکھنے آئی تھیں۔

تب شفا نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

"میں نے دودھ کا گلاس رکھ دیا ہے۔ ساتھ ہی میڈیسن بھی رکھی ہے کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بتا دو۔"

اس کی بات کے جواب میں ساہر بھابھی نے نرمی لیکن لاتعلقی سے پوچھا تھا۔ انہوں نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔ ویسے بھی شفا نوٹ کر رہی تھی کہ اس واقعہ کے بعد سے بھابھی کے انداز میں عجیب سی سرد مہری اور لاتعلقی آ گئی تھی گو کہ وہ شفا کا پورا خیال رکھ رہی تھیں اس کے کھانے پینے' پہننے اوڑھنے کا خیال رکھتیں روزانہ سہارے سے چلانے کی پریکٹس بھی کرواتیں اور دوا کا بھی پورا خیال رکھتیں لیکن اس کے علاوہ وہ شفا سے کوئی بات نہ کرتیں۔

وہ بھابھی سے زیادہ اور گھر کے ایک فرد کے برعکس کسی نرس کی طرح اس کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔

"بھابھی! میں آپ سے ایکسکیوز کر رہی ہوں۔"

"میں نے سن لیا ہے۔۔۔ کوئی کام ہو تو آواز دے لینا۔" وہ آہستگی سے کہہ کر باہر نکل گئی۔

شفا بے دم سی ہو کر بیٹھی رہی۔ اس کی معذرت کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

دن اسی طرح گزرنے لگے۔ گھر کا ماحول عجیب سا ہو گیا تھا۔ سارا دن خاموشی چھائی رہتی۔ ساہر بھابھی وقتاً" فوقتاً" اس کے کمرے میں آ کر اس کی ضروریات کے متعلق پوچھ لیتیں لیکن کچھ دیر اس کے پاس بیٹھنے کا تردد ہرگز نہ کرتیں۔ عمیر بھائی اور ان کے درمیان بول چال بند تھی۔ اس بار ناراضی زیادہ طویل ہو گئی تھی۔ عمیر بھائی بھی جھنجلائے پھرتے زیادہ وقت گھر سے باہر ہی گزارتے اور گھر آ کر ہدیہ پر غصہ اتارتے۔

شفا شرمندگی کے بوجھ تلے دن بہ دن دب رہی تھی' جو بھی ہوا سارا قصور اسی کا تھا۔

پھر اسی دوران سیالکوٹ سے ثروت خالہ چلی آئیں۔ وہ ان کی سگی خالہ تھیں۔ عمیر بھائی اور شفا کی ان سے بہت دوستی تھی۔ وہ تین روز کے لیے آئی تھیں۔ پہلے چپ چاپ دو روز تک گھر کے ماحول کا جائزہ لیتی رہیں تیسری رات شفا کا پیچھا لیا۔ اگلی صبح ان کی روانگی تھی۔

"گھر میں کیا بات ہوئی ہے۔ عمیر اور ساہر تو مجھے کچھ بتا نہیں رہے اب تم ہی اگلو۔۔۔ اور سنو! مجھ سے جھوٹ مت بولنا۔"

ثروت خالہ سے دوستی بھی تھی اور کچھ وہ اپنا دل بھی بوجھل کیے بیٹھی تھی سو ایک سانس میں ساری بات سچ سچ بتا دی۔

"شفا! مجھے یقین نہیں آ رہا۔۔۔ تم اتنی بری حرکت کیسے کر سکتی ہو۔" ثروت خالہ نے ہمدردی کے بجائے اس کے خوب لتے لیے تھے۔

"میں ایسا نہیں چاہتی تھی خالہ جان! بس بے ساختگی میں میرے منہ سے جھوٹ نکل گیا۔" اس نے شرمندگی سے کہا۔

"بیٹا! جھوٹ انسان بے ساختگی میں بھی تب ہی بولتا ہے' جب اس کے دل میں کسی کے خلاف عناد ہو۔" خالہ تو جرح کرنے لگی تھیں۔

"مجھے ساہر بھابھی اچھی نہیں لگتیں۔" اس نے سر جھکا کر شرمندگی سے کہا تھا۔

"کیوں؟"

"پتا نہیں۔"

"کسی کو ناپسند کرنے کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوتی ہے۔" ثروت خالہ نے کہا۔ "کیا ساہر تم سے برے طریقے سے پیش آتی ہے؟"

"نہیں۔" اس نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

"کیا وہ تمہارا خیال نہیں رکھتی؟"

"رکھتی ہیں۔"

"تم سے جھگڑا کرتی ہے؟"

"نہیں۔۔۔ میں کرتی ہوں۔"

"پھر وہ کیوں تم کو ناپسند کرنا چاہیے۔"

"وہ بھی مجھے ناپسند کرتی ہیں۔"

"تم نے کیسے اندازہ لگایا؟"

"مجھے ایسا لگتا ہے۔"

"میں تین دن سے آئی ہوئی ہوں۔ میں نے تو اس دوران ساہر کے رویے میں ایسی کوئی بات نہیں دیکھی جس سے پتا چلے وہ تمہیں ناپسند کرتی ہے۔ البتہ تمہارا رویہ ضرور قابل گرفت لگا ہے مجھے۔"

شفا سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی رہی۔

"تمہارے پاس ساہر کو ناپسند کرنے کی کوئی ٹھوس وجہ ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"انہوں نے عمیر بھائی کو مجھ سے چھین لیا۔ کیا انہیں ناپسند کرنے کے لیے یہ وجہ کافی نہیں ہے۔" اس نے تیز لہجے میں کہا۔

ثروت خالہ اس کی بات سن کر دنگ رہ گئیں پھر انہوں نے تحمل سے کہا۔

"نہیں۔۔۔ یہ وجہ کافی نہیں ہے۔"

"خالہ جان! عمیر بھائی میرے بھائی تھے' ساہر بھابھی نے انہیں میرا نہیں رہنے دیا۔ شادی سے پہلے وہ ایسے نہیں تھے۔ وہ دیر تک مجھ سے باتیں کرتے تھے۔ میرے ساتھ بیٹھتے تھے۔ مجھے آؤٹنگ پہ لے جاتے تھے۔ میرے اسکول کی میری فرینڈز کی باتیں سنتے تھے۔ مجھے پڑھائی میں مدد دیتے تھے۔۔۔ لیکن جب سے ساہر بھابھی آئی ہیں وہ ایسا کچھ نہیں کرتے۔ میں کہتی ہوں آؤٹنگ کے لیے چلیں۔ میرے ساتھ کیرم کھیلیں تو وہ انکار کر دیتے ہیں اور ساہر بھابھی کہیں تو فوراً" راضی ہو جاتے ہیں۔"

وہ بولتی چلی گئی۔ تلخ لہجے میں اس نے اپنے بوجھل دل کی ساری بھڑاس خالہ کے سامنے نکال دی۔ اس کے شکووں اور اعتراضات سے بچپنا جھلکتا تھا۔

"ساہر بھابھی نے میرے ساتھ بہت برا کیا ہے۔ میرے پاس عمیر بھائی کے سوا اور تھا ہی کون' انہیں بھی بھابھی نے مجھ سے دور کر دیا۔ ابھی صرف دور کیا ہے۔ مجھے لگتا ہے' کسی دن وہ بھائی کو مجھ سے بہت دور بھی لے جائیں گی اتنی دور کہ پھر ان تک میری رسائی بھی ممکن نہیں ہو گی۔۔۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود میں اپنی اتنی غلطی ضرور مانتی ہوں کہ مجھے ایسا جھوٹ ہرگز نہیں بولنا چاہیے تھا کہ بھائی بھابھی پر ہاتھ اٹھاتے۔"

"چلو یہ بھی غنیمت ہے کہ تمہیں اپنی کسی غلطی کا احساس تو ہے۔" ثروت خالہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"ورنہ بھائی کو خود سے دور کرنے والی حرکتیں تو تم خود کر رہی ہو۔۔۔ میں تو آج تک اپنی بیٹیوں کو تمہاری مثال دیتی ہوں کہ کس قدر سمجھ داری سے تم نے گھر اور رشتوں کو سنبھالا ہوا ہے لیکن یہاں آ کر پتا چلا تم نے تو حد کی ہوئی ہے۔ سارا خاندان جانتا ہے کہ تم نے ساہر کا ناک میں دم کیا ہوا ہے۔۔۔ یہ ساری باتیں ساہر نے تو خاندان میں نہیں پھیلائیں' ظاہر ہے جو رشتہ

دار گھر آتے جاتے رہے۔ انہوں نے تمہارے رویے سے خود ہی اندازہ لگا لیا کہ تمہارے اور ساہر کے درمیان تعلقات کس قدر کشیدہ ہیں۔"

"آپ کیسے کہہ سکتی ہیں ساہر بھابھی نے خاندان میں باتیں نہیں پھیلائیں؟" شفا کو یہ سن کر دھچکا لگا تھا کہ خاندان میں بھی سب اسی کو برا کہہ رہے ہیں۔

"یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے میں نے۔ اتنا تو انسان کو پہچان ہی سکتی ہوں کہ وہ فطرتاً" کیسا ہے۔ ساہر غیر خاندان سے آئی ہے لیکن وہ اچھے مزاج کی لڑکی ہے۔ یہاں وہاں بیٹھ کر نند کی برائی نہیں کر سکتی۔ پھر ہمارے خاندان میں وہ جانتی ہی کتنے لوگوں کو ہے کہ ان سے بے فکر ہو کر گفتگو کرے یا تمہارے خلاف ان کے کان بھرے۔"

"آپ بھی ان ہی کی سائیڈ لے رہی ہیں — شاید بُرے مزاج کی لڑکی تو میں ہی ہوں۔"

"کس نے کہا کہ تم بُری ہو۔" ثروت خالہ نے پیار سے اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔

"بس تم نا سمجھ ہو.... تمہیں بات سمجھ لینا چاہیے کہ جو بہنیں اپنے بھائیوں کی بیویوں کی عزت نہیں کرتیں۔ انہیں بہانے بہانے سے زچ کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں تو ایک وقت آتا ہے جب وہ بھائی بھی اپنی بہنوں کی عزت کرنا چھوڑ دیتے ہیں — تمہیں خوف ہے کہ ساہر عمیر کو تم سے دور نہ لے جائے اور مجھے ڈر ہے اگر تم اسی طرح ساہر کو تنگ کرتی رہیں' عمیر سے اس کی جھوٹی سچی شکایتیں لگاتی رہیں تو عمیر تم سے خود ہی دور نہ ہو جائے۔"

"آپ مجھے ڈرا رہی ہیں خالہ!" اس نے دہل کر کہا۔

"ڈرا نہیں رہی' سمجھا رہی ہوں۔"

"لیکن کیا سمجھا رہی ہیں؟ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" اس نے سر ہاتھوں میں گراتے ہوئے لاچاری سے کہا۔

ثروت خالہ مسکرائیں اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے پیار سے تھپکتے ہوئے بولیں۔

"سنو شفا! ہوتا دراصل یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں ہر رشتے کے اعتبار سے محبت کا الگ الگ خانہ رکھا ہوتا ہے۔ یعنی ماں کی محبت کا خانہ الگ' باپ کا الگ' بہن بھائیوں اور دوستوں کی محبت کا الگ — اسی طرح بیوی کی محبت کا خانہ بھی الگ ہوتا ہے — مرد ماں اور بہنوں کی محبت کا کوٹہ بیوی پر نہیں لٹا سکتا' نہ بیوی کے حصے کی محبت ماں بہنوں پر نچھاور کر سکتا ہے یہ قانون قدرت ہے۔"

"مطلب؟" وہ الجھی۔

"مطلب یہ کہ عمیر کے دل میں شفا کی محبت کا خانہ الگ ہے اور ساہر کی محبت کا الگ — لیکن چونکہ تمہیں عمیر کی توجہ میں کمی بیشی کا پہلا تجربہ تھا اس لیے تمہیں ساہر سے پرخاش ہو گئی کہ شاید وہ عمیر کو تم سے دور لے جا رہی ہے اور تم یہ بات سمجھ نہیں پائیں — لیکن وقت ابھی تمہارے ہاتھ میں شفا! عمیر کو اس کی بیوی سے متنفر کرنے کی کوششیں بند کر دو — ایسا نہ ہو کل کو جب عمیر کو پتا چلے کہ تم جھوٹ بولتی رہی ہو تو وہ تم سے نفرت کرنے لگے۔

ساہر بہت اچھی لڑکی ہے' پہلے دن سے تمہارے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آرہی ہے۔ اس کی قدر کرو شفا! اتنی اچھی بھابھیاں قسمت سے ملا کرتی ہیں — میری مانو اس سے اپنی غلطیوں کے لیے معافی مانگ لو۔ اچھی لڑکی ہے وہ — دونوں مل جل کر رہو تاکہ عمیر بھی پرسکون ہو کر اپنی ملازمت اور کاروبار پر دھیان دے سکے۔"

شفا کے لیے یہ باتیں نئی تھیں۔ اس وقت وہ نویں کلاس میں تھی اور اس کے پاس اتنی سمجھ بوجھ نہیں تھی کہ کسی گائیڈ لائن کے بغیر یہ عقل والی باتیں سمجھ پاتی۔ اب تک اس کے ذہن و دل پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ثروت خالہ کی باتیں اسی اندھیرے میں مشعل بن کر ذہن و دل کو روشن کر گئی تھیں۔



ساری رات شفا کے لیے سوچ کے کئی روزن کھول گئی تھی۔ وہ ساری رات سوچتی رہی اور پھر اسے احساس ہوا ثروت خالہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ عمیر بھائی کی توجہ تقسیم ہونے کی بنا پر وہ ساہر بھابھی سے بیر باندھ کر بیٹھ گئی تھی ورنہ بھابھی نے تو ہمیشہ اس کے ساتھ رویہ بہترین ہی رکھا تھا۔ وہ خود تھی جو بلاوجہ جھگڑوں کے بہانے ڈھونڈتی تھی۔

عمیر بھائی کو ہمیشہ کے لیے کھو دینے کے ڈر سے اور اپنی ساری غلطیوں کو تسلیم کر لینے کے بعد اس نے پکا عہد کیا تھا کہ وہ دوبارہ بھابھی کو تنگ نہیں کرے گی اور اپنی ہر بدتمیزی کے لیے ان سے معافی مانگ لے گی۔

اگلی صبح جب ثروت خالہ رخت سفر باندھے کھڑی تھیں۔ اس نے خالہ سے گلے ملتے ہوئے ان کے کان میں چپکے سے کہا۔

"میں نے سوچ لیا ہے دوبارہ بھابھی کو تنگ نہیں کروں گی اور ان سے معافی بھی مانگ لوں گی لیکن میں ایک بار پہلے بھی معافی مانگ چکی ہوں مگر بھابھی کے رویے میں تبدیلی نہیں آئی۔"

"وہ اس لیے کہ عمیر اس سے خفا ہے۔ جب تک عمیر کی خفگی ختم نہیں ہو گی' ساہر کا موڈ بھی ٹھیک نہیں ہو گا۔ تم ساہر سے معافی مانگ لو اور عمیر کو بتاؤ کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی تھی کہ ساہر نے تمہیں دھکا دیا ہے — دیکھنا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

ثروت خالہ اسے سمجھا بجھا کر گھر کا ماحول درست کرنے کا طریقہ بتا کر چلی گئیں۔ شفا نے اسی وقت عمیر بھائی کو سب کچھ بتا کر ساہر بھابھی سے معافی مانگ لی۔

"میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا عمیر بھائی! دراصل میں بھابھی سے بدلہ لینا چاہتی تھی' اسی لیے میں نے کہہ دیا کہ انہوں نے مجھے سیڑھیوں سے دھکا دیا ہے۔"

وہ ایک ایک کر کے عمیر کو اپنی ساری کوتاہیوں سے آگاہ کرتی چلی گئی۔

عمیر ہکا بکا رہ گئے تھے۔

"تمہیں پتا ہے تمہاری وجہ سے میں نے کتنی بار ساہر کی انسلٹ کی ہے۔" عمیر بھائی نے جو اسے ڈانٹنا شروع کیا تو تب تک ڈانٹتے رہے جب تک روتے روتے اس کی ہچکیاں نہیں بندھ گئیں' پھر ساہر بھابھی ہی بیچ میں آئیں اور عمیر بھائی کو خاموش کروا دیا۔

"اس بے چاری کو اور کتنا ڈانٹیں گے — بس بھی کریں اب۔" انہوں نے شفا کے آنسو پونچھے' بال سمیٹے اور بہت پیار سے کہا۔

"جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب کوئی پرانی بات نہیں ہو گی بلکہ آج سے ہم اچھی فرینڈز بن کر رہیں گی۔"

شفا کے دل میں ساہر بھابھی کی قدر اور بھی بڑھ گئی تھی۔ اس کے بعد سب ٹھیک ہوتا چلا گیا۔ اس کے اور بھابھی کے تعلقات واقعی بہترین ہو چکے تھے۔ ثمر اکثر اسے بھابھی کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتی لیکن شفا نے جب ایک بار انہیں تعصب کی نگاہ سے دیکھنا بند کیا تو اسے بھابھی کی اچھائیاں ہی دکھائی دینے لگیں۔ ایسی کوئی برائی یا ان کی طرف سے کوئی ناانصافی اسے دکھائی ہی نہیں دیتی تھی کہ وہ کوئی برا ردعمل کرتی۔

البتہ عمیر بھائی اس کی طرف سے کچھ شکوک کا شکار ہو گئے تھے۔ سو جب بھی موقع ملتا اس کی برین واشنگ کرتے۔ شفا کو ان کا سمجھانا برا نہیں لگتا تھا جتنی اس سے غلطیاں سرزد ہو چکی تھیں وہ سمجھتی تھی ان کو مدنظر رکھتے ہوئے عمیر بھائی کا فکر مند رہنا جائز تھا۔

وہ ابھی کھڑکی میں ہی کھڑی تھی کہ ثمر نے اس کا کندھا زور سے ہلا دیا۔

"مراقبہ توڑ کر میری بات سن لو۔"

"تم سے تو میں اچھی طرح نمٹوں گی ثمر! کیا ضرورت تھی فرح اور حرم کے سامنے ساہر بھابھی کے بارے میں اتنا بولنے کی — وہ پتا نہیں کیا سمجھ رہی

ہوں گی۔" اس نے جھنجلاتے ہوئے کہا تھا۔

"اس غور طلب سوال کا جواب میں فرصت سے دوں گی۔ فی الحال چینج کرکے فافٹ ہال میں چلو۔ لنچ سرد ہوچکا ہوگا اور مجھے یقین ہے لڑکیاں کھانے پر ٹوٹ بھی پڑی ہوں گی۔۔۔ پلیز جلدی کرو۔۔۔ مجھے بوٹیوں کے بغیر چکن پلاؤ کھانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔"

ثمر نے اتنا شور مچایا کہ شفا بڑبڑا کر بغیر کپڑے لیے ہی باتھ روم میں گھس گئی پھر جھنجلاتی ہوئی باہر نکلی تو ثمر دوربین آنکھوں سے لگائے مزے سے ہنس رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"شفا نظر نہیں آرہی۔ میں کب سے آیا ہوا ہوں کہاں ہے وہ؟" عمیر نے ساہر کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

ساہر نے اس صورت حال کے لیے بڑی پلاننگ کی ہوئی تھی' جلدی سے گھبراہٹ کے تاثرات چہرے پر سجا کر بولی۔

"وہ' وہ سو رہی ہے۔"

توقع کے عین مطابق عمیر نے اس کی گھبراہٹ کو فوراً نوٹس کرلیا تھا۔

"یہ سونے کا کون سا وقت ہے؟"

"کالج سے آئی تو تھکی ہوئی تھی تب سے سو رہی ہے۔ پہلے ہم کھانا کھا لیتے ہیں پھر میں اسے اٹھا دوں گی۔" اس نے جلدی سے کہا اور کچن کی طرف مڑ گئی۔

عمیر کو اس کے انداز نے چونکا دیا تھا۔ انہوں نے چند لمحے سوچا پھر بدیہ سے شفا کو جگانے کے لیے کہا۔

"میں آپ سے کہہ تو رہی ہوں عمیر! میں کھانا کھا کر شفا کو جگا دوں گی۔"

"ابھی جگانے میں کیا مسئلہ ہے بھئی؟" عمیر ذرا سا جھنجلا گئے۔

"عمیر!" ساہر نے بے بسی سے کہا۔ "آپ پلیز پہلے کھانا کھالیں پھر میں آپ کو ساری بات بتاتی ہوں۔" اس نے منت بھرے انداز میں کہا تھا۔

"تم دونوں کا جھگڑا ہوا ہے؟" عمیر نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ ساہر نے بے بسی سے بالوں میں انگلیاں پھنسالیں بولی البتہ کچھ نہیں۔

"شفا!" عمیر نے اسے مستقل خاموش پا کر شفا کے کمرے کی طرف پیش قدمی کی۔ ساہر ایک دم ان کے سامنے آگئی۔

"عمیر پلیز! ادھر نہ جائیں۔"

"کیوں ادھر گولہ باری ہو رہی ہے؟" عمیر نے دوبارہ شفا کو آواز دیتے ہوئے کہا۔

"عمیر! شفا اپنے کمرے میں نہیں ہے۔" ساہر نے بیچارگی سے کہا۔ "وہ کالج ٹرپ کے ساتھ مری چلی گئی ہے۔"

عمیر چند لمحے کے لیے کچھ بول نہیں سکے۔ "میرے منع کرنے کے باوجود۔۔۔"

"میں نے اسے منع کیا تھا۔ یہ بھی بتایا تھا کہ آپ نے سختی سے منع کیا ہے لیکن اس نے میری بات نہیں مانی۔ کہنے لگی عمیر بھائی کے کان آپ نے بھرے ہوں گے۔ آپ دونوں تو چاہتے ہی نہیں کہ میں چند دن سکون سے گزاروں۔۔۔ عمیر بھائی آئیں گے تو میں ان سے خود بات کرلوں گی۔ آپ ہم دونوں بہن بھائیوں کے درمیان نہ آیا کریں۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا۔" عمیر نے بے یقینی اور جھنجلاہٹ سے کہا۔ "تم سے جھگڑا اپنی جگہ لیکن شفا میری بات نہیں ٹال سکتی۔"

"اب آپ بھی مجھے الزام دے دیں۔۔۔ شفا کی نظر میں تو میں پہلے ہی بری ہوں۔" ساہر نے روہانسی ہوکر کہا۔

"اتنا اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ منتیں تک کرلیں مگر مجال ہے جو اس نے میری بات پر کان دھرے ہوں۔"

"بات شفا کی ہوتی ہے درمیان میں تم کہاں سے آجاتی ہو۔" عمیر نے بھڑک کر کہا اور سیل فون اٹھا کر شفا کو نمبر ڈائل کرنے لگے۔

"میں شفا کو فون کرتا ہوں۔"

"کوئی فائدہ نہیں ہے عمیر! آپ کے فون کرنے سے وہ واپس نہیں آئے گی۔ اسے آپ کی بات کا اتنا پاس ہوتا تو جاتی ہی نہیں۔"

"تو پھر کیا کروں میں۔" عمیر کا دماغ جیسے غصے اور صدمے سے پھٹ رہا تھا۔

"آپ مجھ پر کیوں چلا رہے ہیں؟" ساہر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

عمیر گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئے انہوں نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ساہر! میں کیا کروں۔ شفا کو کیا ہو گیا ہے میں سمجھ ہی نہیں پا رہا۔ میں جتنی اس سے محبت کرتا ہوں' جتنا اس کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہوں' وہ اتنا مجھ سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ پہلے بات مان لیتی تھی اب سننا بھی گوارا نہیں کرتی۔۔۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے وہ مجھے اپنا کچھ سمجھتی ہی نہیں ہے۔۔۔ جیسے امی ابو کی ڈیتھ ہو چکی ہے شاید شفا نے مجھے بھی مرا ہوا سمجھ لیا ہے۔"

"خدارا عمیر! اتنی بری بری باتیں مت سوچیں۔" ساہر نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے نرمی سے کہا تھا۔ "شفا کم عمر ہے نا سمجھ ہے پھر اس کی دوستیاں بھی ایسی ہیں جو اسے بغاوت پر اکساتی رہتی ہیں شفا کو محبت کی ضرورت ہے عمیر! توجہ چاہیے اسے۔ محض آپ کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ایسی حرکتیں کرتی ہے۔ یقین مانیں محبت سے سمجھائیں گے تو آپ کی ہر بات سمجھ لے گی۔"

"کب تک میں یہی سمجھتا رہوں کہ وہ کم عمر ہے' کب تک سمجھوں نا سمجھ ہے' کب تک میں یہی سمجھوں کہ امی ابو کی موت نے اس کی زندگی میں خلا پیدا کر دیا ہے جسے میں اپنی پوری کوشش کے باوجود بھر نہیں پایا۔۔۔ میں تھک چکا ہوں ساہر! خود کو سمجھا سمجھا کر۔" عمیر نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

"آپ شفا کو آ لینے دیں۔۔۔ اس بار میں اسے سمجھاؤں گی۔"

"تم بھی اپنی سی کوششیں کر چکیں۔ اب تو شفا کو میں ہی سمجھاؤں گا۔" عمیر نے گہری سانس بھرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں کھانا لگاتی ہوں۔" ساہر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"رہنے دو مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"عمیر! کھانا تو کھا لیں۔ کھانے سے کیسی ناراضی؟"

عمیر ان سنی کر کے بیڈ روم میں چلے گئے۔

ساہر چند لمحے بیٹھی رہی پھر گہری سانس بھر کر اٹھی اور بچوں کا بکھراوا سمیٹنے لگی۔

عمیر کی بڑی بری عادت تھی۔ گھر آتے ہی جب تک بہن کو نہ دیکھ لیتے انہیں سکون نہیں آتا تھا۔ ساہر کو اس عادت سے سخت چڑ تھی لیکن آج اسی عادت کا فائدہ حاصل کیا تھا اس نے شفا کے معذرت کر لینے کے باوجود اس کے دل سے کدورت دور نہیں ہوئی تھی۔

عمیر کے مارے ہوئے ان دو تھپڑوں نے اس کی عزت نفس پر اتنی گہری ضرب لگائی تھی کہ اس کا سارا وجود پھوڑے کی طرح دکھنے لگا تھا۔ اس نے اسی روز تہیہ کر لیا تھا کہ تب تک اس درد کو ختم ہونے نہیں دے گی جب تک شفا کو عمیر سے ویسے ہی دو تھپڑ نہیں پڑوا لیتی۔

تب تک سکون سے نہیں بیٹھے گی جب تک اسے عمیر کی نظروں میں نہیں گرا دیتی۔ عمیر نے شفا کے جھوٹ پر یقین کر کے ساہر کی بے عزتی کی تھی۔ اب عمیر کو ساہر کے جھوٹ پر یقین کر کے شفا کو بے عزت کرنا تھا۔

اب تک ساہر نے اپنی عادت اور فطرت کے برخلاف بہت کمپرومائز کیا تھا۔ اس نے شفا کی ہر بدتمیزی ہر بدتمیزی کو نظر انداز کیا تھا لیکن اس جھوٹ کو نظر انداز کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ اس کے دل و دماغ میں غم و غصہ اس بری طرح بھر چکا تھا کہ کبھی کبھار اس کا دل چاہتا اس کے پاس جادو کی چھڑی آ جائے اور وہ اس چھڑی کو گھما کر شفا کو اپنی اور عمیر کی زندگی سے غائب کر دے لیکن اپنی خواہش پوری کرنے کا یہ شارٹ کٹ اسے میسر نہیں تھا اس لیے اس نے وہی کیا جو کر سکتی تھی۔ اس نے بے حد ہوشیاری سے شفا کے گرد شکنجہ کسنا شروع کر دیا تھا۔

بظاہر اس نے شفا اور عمیر کی معذرت کو کھلے دل سے قبول کر لیا تھا ثروت خالہ کی نصیحتوں پر بھی سعادت مندی سے سر ہلاتی رہی تھی لیکن اس کے دل میں کیا کینہ پنپ رہا تھا کوئی نہیں جانتا تھا۔ شفا کا عمیر کے سامنے اپنی غلطیاں تسلیم کر لینے کے بعد گو کہ اسے زیادہ تردد بھی نہیں کرنا پڑا تھا عمیر نے جیسے ہر بات کے لیے خود بخود شفا کو قصور وار سمجھنا شروع کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ وقتاً" فوقتاً" معصوم بن کر اور شفا کی ہمدردی کی آڑ میں عمیر کے کان بھرنے لگی تھی۔

وہ عمیر کو شفا کی نام نہاد بدتمیزیوں کی فرضی رپورٹ سناتی۔ اس کی سہیلیوں خصوصاً" ثمر کے بارے میں جھوٹے قصے سنا کر متنفر کرتی۔ دوسری طرف وہ شفا کو ثمر سے ملنے پر اکساتی رہتی۔ ساہر نے ایسے بہت سے کام کیے جن کے ذریعے عمیر پر ثابت کر سکے کہ شفا کے نزدیک عمیر کی حیثیت اب نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ صرف ایک بار شفا کو عمیر کی نظروں میں گرا ہوا دیکھنا چاہتی تھی اور اس کے لیے اپنی تمام تر محنت صرف کر رہی تھی۔

انتقام نے جیسے اسے اندھا کر دیا تھا اور جب انسان اندھا ہو جاتا ہے تو اسے اچھائی' برائی' صحیح' غلط میں فرق دکھائی دینا بھی بند ہو جاتا ہے۔ ساہر کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

سمیر نے اپنے کسی دور کے رشتہ دار کے قریبی دوست کے یہاں رہائش کا بندوبست کیا تھا۔ اسی دوست نے ناران کے لیے وین اور گائیڈ فراہم کرنا تھا۔ جس وقت یہ لوگ وہاں پہنچے تو ایک خوب صورت شام آسمان سے ٹوٹ کر شہر کی گود میں آ گری تھی اور سرمئی بادلوں سے ڈھکا آسمان پہاڑوں پر جھک رہا تھا۔ لیکن چونکہ وہ سب راستہ بھر ہلے گلے میں مصروف رہے تھے اس لیے تھکن ان پر حاوی تھی اور کوئی بھی موسم کی خوب صورتی پر دھیان نہ دے پا رہا تھا' پھر بہت ہی نامساعد صورت حال یوں در پیش ہوئی کہ صاحب خانہ اپنے بال بچے اور بوریا بستر سمیٹ کر پشاور جا بیٹھے تھے۔ فون کرنے پر پتا چلا سمیر نے انہیں نومبر کی سترہ کو پہنچنے کا عندیہ دیا تھا جبکہ آج ستمبر کی سترہ تھی۔ سب نے اپنے سر پیٹ لیے گو کہ پیٹنا سمیر کو چاہیے تھا۔

"سمیر کو خچر کے آگے ڈال دو۔" سمیر بھٹے سے بھٹے خرید رہا تھا جب حسان نے سوچ بچار کے بعد کہا۔

"خچر نے کیا غلطی کی ہے جو اسے ایسی سزا دی جائے۔" یہ طلحہ تھا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" حسان نے کہا۔ "پھر ایسا کرو سمیر کو اٹھا کر کھائی میں پھینک دو۔"

سمیر نے اسے بری طرح گھورا۔ "میری کوتاہی اتنی بھی سنگین نہیں۔"

"ایک کام لگایا تھا تمہارے ذمے۔ وہ بھی پورا نہ ہو سکا۔"

"میں نے تو ستمبر ہی کہا تھا وہ نومبر سمجھے تو اس میں میرا کیا قصور؟"

"ڈائجسٹ کا پیچھا چھوڑ کر اگر دو روز پہلے فون کر دیا ہوتا تو کون سی قیامت آ جاتی؟" تقی نے جل کر کہا تھا۔

"تو پرابلم یار! ہوٹلز' ریسٹ ہاؤسز تو یہاں جگہ جگہ بکھرے پڑے ہیں' ہم بھی کوئی سستا سا ہوٹل ڈھونڈ لیتے ہیں۔" سرار سلان نے کہا۔

"ہوٹل بھی مل جائیں گے۔ ہوٹل میں کمرے بھی مل جائیں گے لیکن وہ سستے ہرگز نہیں ہوں گے۔" تقی نے سامان اٹھاتے ہوئے کہا۔

"جیب پر اضافی بوجھ منظور ہے لیکن میں بتا دوں پیدل مارچ ہرگز برداشت نہیں ہو گا۔ تھکن سے میرا برا حال ہے۔" حسان نے دھمکی دی۔

"جی نہیں' جیب پر بھی اضافی بوجھ نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ ہم سب لوگ برسر روزگار ہو میں نہیں

___" تقی نے کہا۔

"اچھا بھئی بے فکر رہو۔" سر ارسلان نے قصہ سمیٹا۔

تھوڑی سی تلاش کے بعد انہیں ایک ہوٹل میں جگہ مل ہی گئی۔

"اب میرے حصے کا خرچ بھی تو اٹھائے گا۔" چونکہ تقی کی جیب برداشت نہیں کر پا رہی تھی' اس لیے اس نے سمیر سے کہا۔

"کیسے خبیث دوست ملے ہیں مجھے۔" سمیر نے کیلا چھیلتے ہوئے دانت پیس کر کہا' پھر اپنے احتجاج کا کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہوتے دیکھ کر ارد گرد کا جائزہ لینے لگا۔ ریسٹ ہاؤس کا انٹیریر اور ایکسٹیریر بہت بہترین تھا ریسپشن سے چند فٹ ادھر دوسری منزل کی طرف جاتا ہوا زینہ تھا جبکہ داہنی طرف ہال کا بڑا سا منقش دروازہ تھا۔

جس وقت وہ جائزہ لینے میں مشغول تھا۔ چند لڑکیاں آگے پیچھے ہال سے نکلیں اور ریسپشن کے قریب کھڑی ہو کر دھیمی آواز میں باتیں کرنے لگیں۔

لڑکوں میں کھلبلی مچ گئی۔ زاہد خشک تو یچ بات ہے ان میں سے کوئی بھی نہیں تھا' سو چپکے چپکے سب نے پوری نظریں ڈال لیں' ساتھ ہی ایک دوسرے کو وکٹری کے نشان بنا کر بھی دکھا دیے۔ واحد سمیر تھا جو ایک تو دیوار پر لگے ایک لینڈ اسکیپ میں گم تھا' اس لیے حسان کی کہنیاں بھی اس طرف متوجہ نہ کر سکیں دوسرے نئی نئی نسبت طے ہونے کا خمار بھی سر کو چڑھا ہوا تھا' سو وہ اخلاقی طور پر خود کو پابند تصور کر رہا تھا۔

"کمال کی شہزادیاں ہیں مگر بے حد بدذوق ___ مجال ہے جو کسی ایک نے بھی نظر اٹھا کر غلطی سے ہی ہماری طرف دیکھ لیا ہو۔" چند منٹ بعد ثاقی نے جل کر سرگوشی کی۔

"تم لوگ جو ہو انہیں نظریں اٹھا اٹھا کر بلکہ دیدے پھاڑ پھاڑ کر گھورنے کے لیے۔" آنکھیں بے شک لینڈ اسکیپ کی طرف تھیں لیکن کان تو سب سن رہے تھے اور دل تو بہت ہی مچل رہا تھا۔ بھئی منگنی ہو جانے کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہوتا ناں کہ انسان کی حس لطیف مر جائے۔

"ہاں جی آپ نے تو کبھی کسی کو دیکھا ہی نہیں ہوا ٹینا قاسم والا قصہ مجھے اب تک یاد ہے۔ کہو تو سنا دوں؟" ثاقی نے مزے سے کہا تھا۔

"کھسیانا بلا کھمبا نوچے۔" سمیر گنگنایا اور تقی سلگ گیا۔

"سمیر کے بچے! مجھے پہلے ہی بہت غصہ ہے تم پہ۔ اب گردن مروڑ دوں گا۔"

"سیز فائر' سیز فائر۔" سر ارسلان بروقت مداخلت کی تھی۔ "دکھاسیانے ٹھیک ہی کہتے تھے زن' زر' زمین ہیں ہی فساد کی جڑ ___ جن پر نظر پڑتے ہی دو دوست آپس میں جھگڑنے لگے۔ ان پر اب کوئی دھیان نہیں دے گا۔"

سب نے سعادت مندی سے سر ہلا دیے۔ ریسپشنسٹ نے کارروائی پوری کرنے کے بعد انہیں چابیاں دے دی تھیں۔ سب اپنا اپنا سامان اٹھا کر زینے کی طرف بڑھے' تب ہی ان لڑکیوں میں سے ایک نے با آواز بلند کہا۔

"ثمر! جلدی آؤ بھئی' ہم کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

سمیر کا ڈسٹ بن میں کیلے کا چھلکا اچھالتا ہاتھ ہوا میں ہی ٹھٹک گیا۔ اس نام سے چند روز قبل ہی تو خاص تعلق جڑا تھا۔ چونک جانا کچھ ایسا غیر متوقع عمل نہیں۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا اور پھر ___ بقول شاعر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

ارد گرد کی ___ آوازیں بھنبھناہٹوں میں بدل گئیں۔ منظر پر صرف "وہ" باقی رہ گئی جو روشنی کے رتھ پر سوار ہال کے دروازے سے نکل رہی تھی۔

آف وائٹ اور بلیک کنٹراسٹ کے لباس میں ملبوس سرو قد' بیضوی چہرہ' بڑی بڑی غلافی آنکھیں' اس کے بال بے حد لمبے اور سیاہ تھے اور کچھ لٹیں چہرے کے اطراف میں لاپروائی سے جھول رہی تھیں۔

سمیر بے خودی کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔ اسی پل اس سراپا حسن نے اپنی گھنی پلکیں اٹھا کر سمیر کی طرف دیکھا۔ سمیر پہلے ہی رعب حسن سے صم بکم کھڑا تھا' رہی سہی کسر اس ایک نظر نے پوری کر دی۔ اس کے دل نے غش کھایا اور پورے قد سے اس پری کے قدموں میں جھک گیا۔ اسی پل اس پری کے چہرے پر بے چینی کے تاثرات نمایاں ہوئے۔ وہ بری طرح لڑکھڑائی' اس سے پہلے کہ گر جاتی اس نے دیوار کا سہارا لے کر خود کو گرنے سے بچا لیا۔

"اف ___" ساتھ ہی وہ پیر پکڑ کر نیچے بیٹھ گئی۔

سمیر کے ارد گرد پھیلا ہوا فسوں چھٹ گیا۔ وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔ ثمر کی سہیلیاں اس کے گرد گھیرا ڈالے کھڑی تھیں اور وہ خود کراہتی ہوئی سمیر کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔ پہلے تو سمیر ان نظروں کا مطلب سمجھا نہیں اور جب سمجھا تو اس کا دل چاہا خود کو پیٹ ڈالے۔

"کیا ہوا؟" تقی چند سیڑھیاں اتر کر واپس آیا۔ سمیر گھبرایا گھبرایا تھا۔ وہ ثمر کو دیکھنے میں اتنا مشغول تھا کہ ہاتھ میں پکڑا کیلے کا چھلکا ڈسٹ بن میں گرنے کے بجائے عین اس جگہ گرا جہاں چند منٹ بعد اس پری کا پیر پڑنے والا تھا۔ اور اب وہ شرمندہ شرمندہ سا کھڑا تھا جبکہ ثمر اسے غضب ناک نظروں سے گھور رہی تھی۔

تقی نے وہیں کھڑے کھڑے صورت حال کا جائزہ لیا' پھر سمیر کا بازو کھینچ کر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

"جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب یہاں کھڑے ہو کر ایک پاؤں پر چلہ بھی کاٹ لو تو کچھ نہیں ہو سکتا۔" تقی نے آواز دبا کر کہا۔

"میں ایکسکیوز تو کر سکتا ہوں۔" سمیر نے بے چارگی سے دہائی دی۔

"اور وہ تو جیسے معاف کر ہی دے گی۔" تقی نے برجستہ کہا۔

"جتنی بری طرح اس کا پاؤں مڑا ہے اور جتنے غصے سے وہ تمہیں گھور رہی ہے' ان سب باتوں کے ساتھ وہ تمہارا سر تو پھاڑ سکتی ہے' معاف ہرگز نہیں کرے گی۔ اس لیے اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ صبح معافی مانگ لینا تب تک اس کا غصہ بھی کچھ کم ہو چکا ہو گا۔"

"لیکن تقی ___!" وہ کہتا رہ گیا لیکن تقی نے ایک نہ سنی اور اسے کمرے میں لا کر ہی چھوڑا۔ جہاں ٹرپل بیڈ لگے تھے اور یہ کمرا انہیں ثاقی کے ساتھ شیئر کرنا تھا۔

☼ ☼ ☼

"احمق گدھا۔"

ثمر کو جتنی گالیاں ازبر تھیں۔ کمرے میں پہنچنے تک اور تکلیف کی شدت سے مسلسل کراہتے ہوئے اس لڑکے کو دے ڈالی تھیں۔

"بس کر دو ثمر! کیوں اس بے چارے کو گالیاں دیے جا رہی ہو۔ ہو سکتا ہے اس نے جان بوجھ کر چھلکا نہ پھینکا ہو۔" شفا نے حسب عادت تصویر کے مثبت پہلو کی طرف اس کی توجہ دلانا چاہی اور اسے بیڈ پر بٹھا کر اس کے سوجے پیر کا جائزہ لینے لگی۔ کیلے کے چھلکے سے پھسلنے سے وہ سنبھل گئی تھی لیکن اس کوشش میں اس کا پیر ایک مورتی سے ٹکرا گیا تھا' جس کے لیے یہاں آتے ہی ثمر ناپسندیدگی کا اظہار کر چکی تھی۔ اس کے انگوٹھے کا ناخن آدھے سے زیادہ اکھڑ چکا تھا اور خون تیزی سے بہہ رہا تھا اور سوجن بھی شروع ہو گئی تھی۔

"بے چارہ ___ وہ تقریباً" چیخی تھی۔ "خبیث کہو خبیث ___ بدتمیز پہلے مجھے گھور رہا تھا ___ لوفر نہ ہو تو ___ پھر اس نے چھلکا میرے راستے میں پھینک دیا ___ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی یہ حرکت۔"

"جب دیکھ ہی لیا تھا تو سائیڈ سے ہو کر نہیں گزر سکتی تھیں۔ تم نے ضرور چھلکے پر پاؤں رکھنا تھا۔" شفا نے اکتا کر کہا کہ وہ ثمر کے مسلسل بولنے سے چڑ رہی تھی۔

"میں نے بتایا ناں وہ مسلسل مجھے گھور رہا تھا میں نے بھی جواباً" گھورنا چاہا کہ کچھ تو شرمندہ ہو گا لیکن اس فضول آدمی نے اسی وقت کیلے کا چھلکا میرے راستے

میں پھینک دیا اور بے دھیانی میں میرا پاؤں اس پر پڑ گیا ۔۔۔ پتا نہیں آج کل کے لڑکوں کو کیا ہوتا جا رہا ہے ۔ کوئی تمیز تہذیب تو جیسے ان کے اندر باقی رہی ہی نہیں ہے ۔۔۔ میرے ہاتھ لگے ذرا یہ لڑکا ۔۔۔ اس کی بوٹیاں کر کے پہاڑی کوؤں کو نہ کھلا دیں تو میرا نام بھی ثمر نہیں ۔" اس نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے اس طرح کہا گویا ان مٹھیوں میں اس لڑکے کی گردن ہو ۔

شفا کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی ۔

"تم اس کی بوٹیاں پہاڑی کوؤں کو کھلانا یا اس کی ہڈیوں کا سوپ بنا کر اہل مری کی دعوت کر دینا لیکن خدارا اس وقت چپ ہو جاؤ ۔ میں تمہارے پاؤں کی بینڈیج کر دیتی ہوں ۔ بینڈیج کا سامان ہے میرے پاس لیکن اس سے پہلے یہ خون روکنا ضروری ہے جو تمہاری زبان کی رفتار سے بھی زیادہ تیزی سے بہہ رہا ہے ۔" شفا اپنے بیگ سے فرسٹ ایڈ کا سامان نکالنے لگی ۔

"حرم ! ذرا ریسپشن سے پتا کرو ڈیٹول یا پایوڈین مل سکے تو لے آؤ ۔" اس نے حرم سے کہا ۔

"ریسپشن تک جانے کے لیے تو لمبا چکر لگانا پڑے گا ۔ نوشین کہہ رہی تھی اس کے پاس پایوڈین ہے ۔ حرم ! ایسا کرو نوشین سے مانگ لاؤ ۔" فرح نے کہا نوشین اس وقت ان کے ساتھ تھی جب ثمر کو چوٹ لگی ۔

"نوشین کی روم میٹس بہت بدتمیز لڑکیاں ہیں ۔ اسکول کے زمانے سے میری ان کے ساتھ کھٹ پٹ چل رہی ہے اس لیے مورل سپورٹ کے لیے تم میرے ساتھ چلو ۔"

حرم نے کہا تو فرح فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی ۔ چند منٹ بعد وہ دونوں پایوڈین لے آئیں ۔ ان کے پاس الیکٹرک راڈ موجود تھی اس کی مدد سے نیم گرم پانی کا بندوبست کیا ۔ اس میں پایوڈین ملا کر زخم صاف کیا پھر احتیاط سے ٹوٹا اکھڑا ہوا ناخن کاٹ کر شفا نے اس پر بینڈیج کر دی ۔

"اب تم آرام کرو ۔" اس نے کسی قابل ڈاکٹر کی طرح ہدایت کی تھی ۔ "زیادہ چلنے جلنے سے زخم پر پس پڑنے کا خدشہ ہے ۔"

"اب میں تم لوگوں کے ساتھ کل نہیں جا سکوں گی ۔۔۔ پنڈی پوائنٹ ، کشمیر پوائنٹ اور پتریاٹہ ۔۔۔ میں کبھی نہیں دیکھ سکوں گی ۔" اس کے اشتعال پر اب مایوسی کی لہر پھیل چکی تھی ۔

"تم نہیں جاؤ گی تو ہم بھی نہیں جائیں گے ۔" حرم نے باقی دونوں کی بھی نمائندگی کی تھی ۔ "ہزار بار کی دیکھی ہوئی جگہیں ہیں ۔ اب کیا خاص بن گیا وہاں جو ہم بھاگ بھاگ کر جائیں ۔"

"میرے لیے اپنا پروگرام خراب کرو گی تم لوگ ؟"

"ہرگز نہیں ۔" شفا نے قطعیت سے کہا ۔

"تو پھر ؟"

"صبح تک تم اچھی بھلی ہو جاؤ گی ان شاء اللہ ۔۔۔ پین کلر بھی کھا لو ۔" اس نے ٹیبلٹ حرم کی ہتھیلی پر رکھی ۔ حرم نے اسے منرل واٹر کی بوتل دی ۔ ثمر نے گولی پھانکی اور ایک گھونٹ کے ساتھ حلق میں اتار لی ۔ تب ہی نوشین اس کی خیریت معلوم کرنے آ گئی ۔

"اب کیسا ہے پاؤں ؟ زیادہ درد تو نہیں ہو رہا ؟"

"بینڈیج کر دی ہے صبح تک ٹھیک ہو جائے گا ۔" ثمر کے بجائے شفا نے ہی جواب دیا تھا ۔

"کوئی ٹیبلٹ بھی کھا لو ۔ صبح ہم نے اتنا گھومنا ہے ثمر کو تو بڑی دقت ہو گی ۔" نوشین نے کہا ۔

"میں نے کھا لی ہے ۔ ان شاء اللہ صبح تک ٹھیک ہو جائے گی ۔ اللہ سے اچھی امید رکھنا چاہیے ۔"

"ہاں یہ تو ہے ۔" نوشین فرح کے ساتھ کمبل میں گھس کر بیٹھ گئی اور اپنی جیکٹ کی جیب سے مونگ پھلی کا پیکٹ نکال کر تینوں کے درمیان میں رکھا اور خود مونگ پھلیاں کھانے لگی ۔

"تم لوگ بھی آ جاؤ ۔" فرح تو بغیر کہے اس کا ساتھ دینے لگی تھی ۔ نوشین نے باقیوں کو بھی دعوت دی پھر اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھنے لگی ۔

"تم لوگوں نے لڑکے دیکھے ؟"

فرح اس کا اشارہ سمجھ گئی تھی ۔ چہک کر بولی ۔

"ہم کیا تمہیں شکل سے وہ لگتی نظر آتی ہیں جو لڑکے وکیھتی پھریں گی ؟"

اس بات پر نوشین دل کھول کر ہنسی ۔

"مجھے تم لوگوں کی کورذوقی سے یہی امید تھی کہ کسی لڑکے پر نظر ڈالنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی ہو گی مگر میں نے تو فوراً سب کا جائزہ لے لیا تھا اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو چھ کے چھ شکل و صورت کے بہترین ہیں لیکن ان میں جس کے پھسلنے ہوئے چھلکے سے ثمر سلپ ہوئی وہ تو اتنا ہینڈسم ہے کہ کیا بتاؤں ۔ ایمان سے بالکل فرحت اشتیاق کے کسی ناول کا ہیرو لگ رہا تھا ۔۔۔ کیوں ثمر ! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں ۔ تم نے تو اسے غائبانہ کہا تھا ۔"

"میں نے اسے دیکھا نہیں تھا گھورا تھا اور میرا دل چاہ رہا تھا اس کی گردن توڑ کر اسی کے ہاتھ میں پکڑا دوں ۔۔۔ یہ تو ہوئی ایک بات ۔۔۔ دوسری بات یہ کہ میں نے آج تک فرحت اشتیاق کے کسی ناول میں بندر جیسے ہیرو کا ذکر نہیں پڑھا ، تمہیں پتا نہیں وہ کس اینگل سے ناول کا ہیرو لگا ہے ۔" ثمر نے تڑخ کر کہا احتیاط سے اٹھی اور بمشکل زخمی پیر گھسیٹتی واش روم میں چلی گئی ۔

"میرا خیال ہے اس کے پیر پر نہیں بلکہ دماغ پر چوٹ لگی ہے ۔" نوشین نے ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کھسیانی ہو کر کہا پھر خود ہی ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنس پڑی ۔

☼ ☼ ☼

وہ سب ہی تھکے ہوئے تھے ، سو کھانا کھا کر سونے کے لیے لیٹ گئے ۔ یوں بھی صبح جلدی بیدار ہو کر ان سب کو گلیات کی طرف نکلنا تھا ۔ اب سب گہری نیند سو رہے تھے ۔ تقی تو لگتا تھا صدیوں بعد سونے لیٹا ہے تب ہی اس قدر گہری نیند کی کیفیت اس پر طاری تھی حالانکہ ثاقی کے خراٹوں نے کمرے میں طوفان مچا رکھا تھا پھر بھی وہ گہری نیند سو رہا تھا ۔ صرف سمیر تھا جس نے کروٹیں بدلتے آدھی رات گزار دی تھی ۔

اسے ثاقی کے خراٹے کچھ نہ کہہ رہے تھے بس ایک منظر تھا ۔ ایک چہرہ تھا جو آنکھیں بند کرتے ہی سامنے آ جاتا اور سونے نہ دیتا تھا ۔ سمیر کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلتی غائب ہوتی رہی پھر ذہنی و قلبی کشمکش سے گھبرا کر اٹھ بیٹھا ۔ جب یہ کشمکش زیادہ شدید ہوئی تو آؤ دیکھا نہ تاؤ ساتھ والے پلنگ پر بے سدھ سوئے تقی کو جھنجھوڑ ڈالا ۔

"کیا ہوا ۔۔۔ کیا ہوا ؟" تقی تھا اس افتاد پر حواس باختہ ہو کر اٹھ بیٹھا ۔

"مجھے محبت ہو گئی ہے تقی !" سمیر نے بے چارگی سے کہا ۔ سمیر نے آنکھیں پٹپٹا کر چند لمحے اسے دیکھا جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو ۔

"در فٹے منہ ۔" تقی نے پورے دل اور پورے ہاتھ سے اس پر لعنت بھیجی اور سر تک کمبل تان کر لیٹ گیا ۔ اس عزت افزائی پر سمیر کو خاموشی سے جا کر لیٹ جانا چاہیے تھا لیکن اس نے پھر تقی کا کندھا ہلایا ۔

"میری بات سن تو تقی ! میں سچ کہہ رہا ہوں مجھے واقعی محبت ہو گئی ہے ۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

سمیرا حمید



گرمیوں کے دن تھے اور وہ پچھواڑے جانے کے بجائے اوپر چھت پر آگئی۔ چھت کے بنیرے نہیں تھے۔ چارپائی پر بیٹھتے ہی اس نے دور تک پھیلے ہوئے پچھواڑے میں لگے لسوڑے کے درخت کے پاس مچلتی ہوئی سدرہ کو دیکھا اور دیکھتی ہی رہی۔

سات دن ہوئے تھے اس کی شادی ہوئے اور اس کا شوہر آج ہی اسے لے کر اس کے میکے آیا تھا۔ درخت کے پاس اٹھکیلیاں کرتے وہ دونوں نہ جانے کون کون سی کہانیاں سنا رہے تھے۔ وسیع پچھواڑے کو عبور کرتی سدرہ کی ہنسی کی ہلکی سی آواز اسے چھت پر بھی سنائی دے رہی تھی۔ صدیق لسوڑے کے درخت پر چڑھنے کی کوشش کرتا اور سدرہ نیچے سے اس کی ٹانگ کھینچ دیتی اور پھر ہنستی ہی چلی جاتی نئی نئی شادی میں ہنسی بلاوجہ ہی آتی ہے۔

گھومتی ہوئی دنیا میں اسے جیسے صرف سدرہ ہی نظر آرہی تھی۔

اچانک سدرہ کی نظر اوپر چھت پر اس پر پڑی سدرہ کی ہنسی کم ہوتے ہوئے تھم گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ ایک بار پھر صدیق کی ٹانگ کھینچتی۔ وہ اوپر چڑھتے چڑھتے خود ہی ایک دم سے نیچے آگرا اور اتنی زور سے گرا کہ اندرونی کمروں سے بھابھی اور دوسرے لوگ بھاگتے ہوئے اس کی طرف آگئے۔ چھت سے بھاگتی ہوئی وہ بھی اس کی طرف لپکی۔

سدرہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ ”تو رہن دے مائی!“

بھابھی اور گھر کے دوسرے افراد نے کچھ غصے کچھ خوف سے سدرہ کو گھور کر دیکھا جیسے وہ ہر بار اسے گھورا کرتے تھے لیکن اس کے چہرے پر وہی تاثر قائم رہا۔ اس کی آنکھوں اور انداز میں غصہ اور نفرت صاف دکھائی دے رہے تھے۔ صدیق کراہ رہا تھا اور سدرہ کی آنکھوں سے آنسو باہر آنے کو تھے۔

سدرہ کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت اسے اچھی نہیں لگی۔ غصہ وہ اکثر اس پر اتار لیا کرتی تھی۔ اپنے کپڑوں کے پھٹ جانے، جل جانے، گم ہو جانے، کہ بے ڈھنگا سلنے پر بھی، کھیر میں چینی کم ہو جانے، بازار سے چیزیں ٹھیک نہ ملنے، گندم میں کیڑے پڑ جانے اور اپنے پراندے کی بے ڈھنگی گرہ پر بھی تلملاتی ہوئی اسی کے پاس آتی۔ وہ سو بھی رہی ہوتی تو اس کا لحاف اٹھا کر اسے جلی کٹی سناتی۔ کبھی چلا چلا کر اور کبھی رو رو کر اپنا غصہ نکالتی۔

”تو چاہتی ہی نہیں تھی کہ میں رخسانہ کی شادی میں جاؤں۔ یہ دیکھ! میرے کپڑے جلے تو جلے، میرا ہاتھ بھی سوچ کیا لنگڑی ہو گئی ہوں میں۔ اب خوش ہے تو؟ پڑ گئی ٹھنڈ؟ لڑکیوں کی شادی کی خبر سنتے ہی تو پاگل ہو جاتی ہے نا۔ اچھا کیا رخسانہ کی اماں نے تجھے نہیں بلایا ورنہ تو اس کے باراتی بھی نگل جاتی۔ جل جاتے وہ بیاہ جاتے۔ لے مر اب میں نہیں جاؤں اس کی شادی میں تیرے ساتھ مل کر بین ڈالوں گی۔“

کتنی چھپ چھپ کر تیاریاں کی تھیں لیکن پھر بھی ایک کپڑا نہ بچا اور جوتیوں کے لیے پہلے پیسے کم ہو گئے اب پاؤں جل گیا۔ اگر ابھی بھی میں نے جانے کا خیال دل سے نہ نکالا تو یا میں جل کر مر جاؤں گی یا میرا منہ بھی تیری منہ کی طرح جلے منہ ہو جائے گا۔ کہیں جانے کے قابل ہی نہ رہے گا۔ اللہ جانے تجھے کب ٹھنڈ پڑے گی۔ بہت سوں کے ارمان تو راکھ کر دیے۔

مائی! تو ہماری جان کب چھوڑے گی؟ ہر لڑائی کا اختتام اس ایک جملے پر ہوتا جان چھوڑنے سے اس کا مطلب مرنا قطعی نہیں ہوتا تھا۔

لیکن صدیق کے گرنے پر اس نے کچھ نہیں کیا۔ رات کو وہ اس کے پاس آئی۔

”میں جا رہی ہوں مائی!“ اس نے ایسے کہا جیسے بہت جھجکتے بول رہی ہو۔

”رہنا نہیں؟ تو تو رہنے آئی تھی؟“

”یہ کہہ رہے ہیں گھر چلتے ہیں پھر کبھی آجائیں گے۔“ بھابھی نے پر تنگ کی۔ ”کہا سنا معاف کرنا۔“

”رہ جاتی۔“ مائی کی آواز لرزنے لگی۔

”رہ لوں گی پھر کبھی۔“ اس نے ایسے کہا جیسے کہا ہو۔

”ہونہہ!“

”یہ لے۔“ اس نے دوپٹے کی گرہ کھول کر ایک پچاس اور ایک بیس کا نوٹ اس کی طرف بڑھایا۔

چارپائی سے اٹھ کر اس کا ماتھا چوما اور کھڑی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس کا ماتھا چوما۔

”رہن دے مائی! یہ لاڈ پیار ہمیں راس نہیں آتے تجھ سے۔ ہمیں تو تیری ساڑھ راس ہے۔“

سنبھلا کرتے کرتے بھی وہ کہہ ہی گئی۔ مائی کے ادھ جلے چہرے پر سیاہ رنگ آکر گزرنے لگے۔

جب وہ جوان تھی تو وہ سدرہ کے باپ کو نہلایا کرتی تھی۔ وہ اس کا سب سے چھوٹا بھائی تھا اور سدرہ اس کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی۔ ورنہ بڑے دو بھائیوں کے تو پوتے کے بچے بھی جوان ہونے کو تھے۔ گھر بھرا پڑا تھا بھائیوں کی اولادوں کی اولادوں سے۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ مائی کو کچھ کہہ جائے۔ کچھ ڈرتے تھے، کچھ احترام کرتے تھے، کچھ محبت اور بہت سارے ہمدردی۔

ایک سدرہ تھی جو کم ہی لحاظ کرتی تھی۔ وہ ان پچاس پچاس لوگوں میں سے شاید اکیلی تھی جس نے مائی کو خود بخود ہی سمجھنا شروع کر دیا تھا۔

جہاں دوسروں کو ”چپ، تمہیں نہیں پتا“ کہہ کر خاموش کروایا جاتا تھا وہاں سدرہ ”جانتی ہوں میں اس مائی کو“ کہہ کر سب کو خاموش کروا دیا کرتی تھی۔

وہ اندر ہی اندر اس سے خار نہیں کھاتی تھی بلکہ دکھاتی بھی تھی۔ وہ اس سے محبت بھی کرتی تھی اور نفرت بھی۔ وہ اس کی اکلوتی پھوپھی تھی اور اسے پیاری بھی ایسی جیسی کہ ”عموماً“ پھوپھیاں ہوتی ہیں۔

”مائی روئی ہوگی بہت؟“ ہر نئے نئے جوان ہونے والوں کی طرح اس نے بھی یہ سوال سب سے اور بہت بار پوچھا۔ بتانے والے کی شکل بتا دیتی کہ مائی کتنا روئی ہوگی۔

”نہیں ترس نہیں آیا؟“

”بہت محبت کرتی ہوگی۔“

”کیا ابھی بھی کرتی ہے؟ یاد تو آتا ہوگا؟“

”اچھا تو پھر بہت نفرت کرنے لگی ہوگی اس سے۔ اسی لیے ایسی ہو گئی ہے۔“

”ہائے یہ اپنی مائی ہے... اپنی وہ مڑی...“

وہ بلیک اینڈ وائٹ تصویر نہ صرف اس نے خود دیکھی بلکہ گھوم پھر کر ہر اس شخص کو دکھائی جو مائی سے خار کھاتا تھا۔

”مائی اتنی خوبصورت تھی؟“ دیکھنے والے تصویر پکڑے شک میں مبتلا ہو جاتے کچھ تصویر ہاتھ میں چھپا کر ایک نظر مائی کو اور ایک نظر تصویر کو دیکھے جاتے اور حیران ہوتے جاتے۔ ”یہ مائی ہے؟“



وہ مائی ہی تھی' جہاں دوسروں میں کبھی غصہ' کبھی نفرت' کبھی لڑائی تھی جہاں وہ سب کے سب خوشی' ضرورت' لحاظ' احترام' پیار اور ابہام سے بھرے پڑے تھے وہاں مائی میں ایک ہی چیز بہت تھی وہ کڑواہٹ تھی اور بہت زیادہ تھی وہ کالی زبان والی تھی۔ وہ بیٹھے' کھڑے' لیٹے' سونے سے جاگتے' خوشی' مرگ' اندر باہر کسی بھی وقت شروع ہوجاتی تھی' پہلے وہ ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہتی' کبھی لمحوں کے لیے' کبھی گھنٹوں کے لیے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو کر ضبط سے باہر آنے کو ہوتیں' اس کا ادھ جلا منہ اور سیاہ ہوجاتا اور اس کا وجود پھنکارنے لگتا۔۔۔

جیسے ایک بار دھوپ سینکتے ہوئے وہ سب مالٹے کھا رہے تھے' امانت مشین کا ہینڈل گھما گھما کر مالٹے کا جوس نکال رہا تھا۔ کالی مرچ چھڑک کر وہ باری باری سب کو گلاس بھر بھر دے رہا تھا' مائی گھنٹے سے مشین کے ہینڈل کے ساتھ ساتھ اپنی آنکھیں گھمارہی تھی ایک طرف رخ کیے جیسے وہ سب سے بے نیاز تھی۔

"تو مرجائے شمیم اختر۔۔۔"

اس کا رخ اپنی بڑی بھابھی کی طرف تھا جو گندم صاف کررہی تھی۔

'ٹولی لنگڑی ہوجائے' بیوہ ہوجائے' تیرا منہ کالا ہوجائے' تیری قبر میں کیڑے پڑیں۔ تیرے جنازے کے پیچھے کتے روئیں' تیری شکل پر پھٹکار پڑے' لعنت ہو تجھ پر' چیل کوے تیرا مردار کھائیں۔ تیری۔۔۔"

سانس لیے بغیر وہ بکتی ہی چلی گئی۔ سب منہ اٹھا کر اسے دیکھنے لگے۔ ساگ کاٹتے کاٹتے منجھلی بھابھی کی بہو جس کی شادی کو ایک مہینہ ہی ہوا تھا اپنی انگلی کاٹ بیٹھی' بڑی بھابھی کی دو بہوئیں جو ہاتھ سے گندم صاف کررہی تھیں' ہاتھ روک کر تشویش سے اپنی ساس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"دمڑیے! خدا کا خوف کر۔۔۔" وہ چھاج پھینک کر لپک کر اس کے پاس آئی اور اسے بری طرح سے جھنجھوڑا۔ یہ سوال تو اب پرانا ہوچکا تھا کہ "میں نے کیا کیا" یا "میں نے کیا کہا۔"

وہ دمڑی تھی۔ وہ کسی وقت بھی کسی پر بھی شروع ہوجاتی تھی ایک دم سے ابل پڑتی تھی۔

شمیم اختر اس کے سر پر کھڑی اسے جھنجھوڑتی رہی لیکن اس کی زبان نہیں رکی۔ دھوپ سینکتے سب کو سانپ سونگھ گیا۔ دمڑی بددعاؤں پر بددعائیں دیے جارہی تھی اور کوئی اسے خاموش نہیں کرواسکتا تھا' اتنے سالوں میں کہاں کوئی کرواسکا تھا۔

رات سوتے ہوئے شمیم اختر کے پیٹ میں ایسا درد اٹھا کہ اسے ایمرجنسی میں اسپتال لے جانا پڑا۔ بال بال بچ گئی۔ پتے کا' جو پھٹنے ہی والا تھا' آپریشن ہوا' اسپتال میں دمڑی ان کے ساتھ ساتھ رہی۔ چار دن تک آنکھ جھپکے بغیر وہ ان کی خدمت کرتی رہی۔

"اب تو خوش ہے دمڑیے!" تیسرے دن انہوں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ "تو ہماری بنی ہی نہیں۔" شمیم اختر نے اپنے آنسو صاف کیے "تیرے آگے ہاتھ جوڑ جوڑ کے بھی تھک گئے ہم۔"

دمڑی انہیں آنسو صاف کرتے دیکھے جارہی تھی۔ ایسی باتیں سنتے ہوئے وہ مردوں کی طرح ہوجاتی تھی۔

مہینہ بھر پہلے بھی وہ ایسے ہی ہوگئی تھی جب وہ چار سال کی منزہ کو گھورے جارہی تھی اور گندی گندی گالیاں اور بددعائیں دے رہی تھی۔ بھابھی اس کے منہ پر رگڑ رگڑ کر صابن لگارہی تھیں' صابن لگے ہاتھوں سے ہی وہ بھاگ کر اس کے پاس آئی اور ہاتھ جوڑ کر رونے لگی۔

"نہ میری بہن۔۔۔ نہ۔۔۔ اس بچی کا کیا قصور ہے۔ نہ دمڑیے! خدا کا واسطہ ایسا نہ بول۔"

پر وہ بولتی ہی چلی گئی۔ صابن آنکھوں میں جانے سے منزہ زور زور سے رونے لگی' پر بھابھی پھر بھی دمڑی کو ہی چپ کروانے کی کوششیں کرتی رہیں۔ منزہ کی ماں اندر سے گرتی پڑتی آئی۔ دو دن پہلے ہی اس کے گھر بیٹے کی ولادت ہوئی تھی۔ دیوار کا سہارا لے کر وہ منزہ تک آئی اور اس پر پانی ڈالنے لگی۔

کمزوری اور نقاہت سے وہ خود کو سنبھالتے سنبھالتے بھی منزہ پر اس زور سے گری کہ منزہ اس کے نیچے دب گئی' اس کا منہ کھرے کی ہٹی سے اس زور سے لگا کہ اس کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے اور منہ خون سے بھر گیا' ماتھے پر ایک کٹ پڑگیا اور آنکھ کی ہڈی پر اتنا شدید نیلو آیا کہ وہ سانس لینا اور رونا بھول گئی۔

بھابھی سے پہلے دمڑی منزہ کے پاس پہنچی اور لپک کر اسے سینے سے لگالیا۔

وہ دمڑی تھی۔ سب اس سے عاجز اور بے زار تھے لیکن وہ کیا کرتے' وہ ان کی مائی تھی۔ جب نئی نئی سدرہ کی ماں بیاہ کر آئی تو وہ اس سے بہت خار کھاتی تھی تب وہ صرف دمڑی تھی' مائی نہیں تھی۔

اس نے اس کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا۔ شروع دنوں کی چڑ اور خار وقت کے ساتھ ساتھ پیار اور ہمدردی میں بدلنے لگی کیونکہ وہ اتنی ہی بے ضرر تھی جتنی کہ ایسی عورتیں ہوتی ہیں۔ جنہوں نے شادی نہ کی ہو اور وقت سے پہلے ہی بوڑھی لگنے لگی ہوں۔

جیسے بڑے دو بھائی اور بھابھیاں اس کا خیال رکھتے تھے' وہ بھی رکھنے لگی۔ اس دن دمڑی باورچی خانے میں مٹی کے چولہے کے پاس بے وجہ بیٹھی تھی۔ کھانا کب کا کھایا جاچکا تھا' دودھ بھی ابل لیا تھا' لکڑی کے تخت کوئلے ابھی بھی گرم تھے' جنہیں وہ کبھی تنکوں سے اور کبھی ہاتھ سے کرید رہی تھی۔ ان میں سے جو ہلکی ہلکی چنگاری اٹھ رہی تھی وہ اس کی آنکھوں میں دکھائی دے رہی تھی۔ کافی دیر سے وہ یہی کچھ کررہی تھی۔

عشاء کی نماز پڑھ کر سب اپنے اپنے کمروں میں بند ہوچکے تھے۔ صرف راحت تھی' جو صحن میں ٹہل ٹہل کر اپنے شوہر کا انتظار کررہی تھی۔ باورچی خانے کے بغلی اور کھلے دروازے سے دمڑی کبھی کبھی آنکھ اٹھا کر اسے بھی دیکھ لیتی تھی۔ راحت کا پیٹ بڑھا ہوا تھا' اس کے پیٹ پر نظر پڑتے ہی دمڑی کی آنکھوں کی چنگاری جاگ اٹھی اور کچھ آنسو نکل کر جلتے بجھتے کوئلوں پر گرے۔

"دمڑیے! سونا نہیں ہے۔ اتنی ٹھنڈ ہے کیوں بیٹھی ہے یہاں۔۔۔" راحت اپنے شوہر کے لیے کھانا گرم کرنے آئی تھی۔ اس کی آواز' اس کی چال' اس کا انداز سب کچھ دلربا تھا۔ دمڑی نے آنکھ بھر کر اسے دیکھا۔ اس کی ایک ایک ادا کو جانچا' جیسے اس کی شرم و حیا اور مسرت کے ذائقے کو چکھنا چاہتی ہو۔ راحت نے اس کی طرف دیکھا اور ڈر گئی۔

"کیا ہوا ہے۔ ایسے کیا دیکھ رہی ہو"

"تو۔۔۔ تیرا پیٹ مردہ ہوجائے۔۔۔"

یہ وہ آخری الفاظ تھے' جو آگ کی طرح راحت کے کانوں میں پڑے دمڑی ساتھ ساتھ گرم کوئلے اس پر اچھال رہی تھی۔۔۔ راحت منہ کھولے اسے دیکھنے لگی۔ وہ وحشی لگ رہی تھی۔ دمڑی کا یہ روپ دیکھ کر اس کے جیسے تن بدن میں آگ ہی لگ گئی۔ اس نے پہلے صرف سنا ہی تھا۔۔۔

سات ماہ کے بچے کو جنم دے کر وہ کئی دن تک روتی رہی اور جس دن بچہ اٹھائیس دن کا ہو کر مرگیا' اس دن اس نے بھی دمڑی کے ہی انداز میں اسے بددعائیں دیں' اس نے اپنی جھولی پھیلائی اور اسے کوسنے لگی۔

"تیرا ککھ نہ رہے دمڑیے!"

"اس کے پاس ہے ہی کیا جو ککھ ہوگی اف۔۔۔" بڑی بھابھی نے آہ بھری۔

وہ چھوٹی تھی۔ پہلا بچہ تھا۔ غم سہہ نہ سکی۔ نہ وہ اسے معاف کرسکتی تھی نہ بھول سکتی تھی۔ دمڑی کی شکل دیکھتے ہی اسے کوسنے دینے لگتی۔ پھر جھر جھر رونے لگتی۔

کئی سال ایسی کشمکش میں گزر گئے کہ یا اس گھر میں دمڑی رہے گی یا وہ۔ وہ ناراض ہو کر میکے گئی۔ کئی عیدیں گزر گئیں مگر وہ نہیں آئی' اس کا بھائی سوکھ کر کانٹا ہوگیا۔ کبھی دمڑی کے آگے رو لیتا' کبھی اس کی منت کرتا۔ کبھی صبر کرجاتا' کبھی بے صبرا ہو کر باؤلا ہوجاتا۔۔۔

آخر دمڑی ہی راحت کو لے کر آئی۔ دونوں میں کیا بات ہوئی۔ کوئی نہیں جانتا تھا لیکن نہ صرف راحت واپس آگئی تھی بلکہ پہلے ہی کی طرح دمڑیے کا خیال رکھنے لگی تھی۔

آنے والے ہر دن ہر پہر کے ساتھ وہ دمڑی بنتی گئی۔ بہت سوں کو اس کی زبان کی کاٹ سہنی پڑی۔ کوئی چھوٹا ' بڑا ' اپنا ' غیر ' رشتے دار ' پڑوسی ' ملنے جلنے والا سلام دعا والا ' پھیری والا ' سبزی والا ' بس والا ' رکشے والا ایسا نہیں تھا ' جو اتنے سالوں میں اس کی زبان کی زد میں نہ آیا ہو۔ لوگوں کے لیے اس کی ادھ جلی شکل سے زیادہ اس کی زبان بد صورت تھی۔

عام دنوں میں وہ اپنے آپ میں گم رہتی ' اپنے کام سے کام رکھتی رضائیوں گدوں میں تگندے ڈالنے پر آتی تو سردیوں سے گرمیاں آجاتیں اور ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے گھر تک آتے آتے موسم بدل جاتے۔ کسی کی چارپائی کی بنائی ' کبھی گندم صاف کرنا اور کبھی گندم کے بڑے بڑے ڈرم دھوپ میں دھو دھو کر چکائی ' کوئی ساگ کاٹنے کو دے جاتا اور کوئی بے کار پرانے اونی سوئٹروں کے گولے بنانے کو دے جاتا۔ کام کوئی سا بھی ہوتا۔ وہ انکار نہیں کرتی تھی حتیٰ کہ ایک بار سدرہ نے اسے چھلوں پر دھاگا لپیٹنا سکھا کر رات دن اس سے چھلے بنوائے۔

سب کچھ ٹھیک تھا کہیں خرابی تھی تو اس کی ہولناک زبان میں جب جب اس کی زبان کی زد میں کوئی آتا۔ اس موقع پر سب کا جی چاہتا کہ دمڑی کا گلا ہی دبا دے۔

"منحوس ' کالی زبان والی۔"

پھر اس کی تاریخ کھنگالی جاتی

اس کا ماضی دہرایا جاتا۔ کیوں ' کب اور کیسے۔۔۔

بڑی دو بھابھیاں سسکیاں بھرتیں۔ ان کی اولاد جیسی تھی دمڑی ' اور ان کی اولاد یا اولاد کی اولاد اسے برا بھلا کہتے تو ان سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔

"مائی ایسے کیوں کرتی ہے؟" نوید نے بری طرح پاؤں پٹخے۔

"شادی ہی کر دیتے مائی کی۔" قدسیہ نے فرخندہ کے کان میں گھس کر کہا۔

"وہ مردوں سے نفرت کرتی ہوگی۔" فرخندہ نے بھی سرگوشی ہی کی۔

"اگر مردوں سے نفرت کرتی تو گھنٹہ گھنٹہ بھر مردوں کے سروں میں مالش نہ کرتی۔"

"ایسی شکل والی سے کون شادی کرتا۔"

"اماں بتا تو رہی تھی ایک دن کہ مسجد کے مولوی صاحب جو حافظ بھی تھے۔ کتنا اصرار کرتے رہے تھے۔"

"مائی کو مولوی پسند نہیں ہوں گے۔" فرخندہ نے بری سی شکل بنا کر کہا۔

وہ سب کمرے میں ٹولیاں بنائے ایک دوسرے سے لیکن ایک ہی سوچ رہے تھے۔ مائی کو۔۔۔ سب کے پاس کوئی نہ کوئی قصہ ہوتا سنانے کے لیے۔ کوئی بھاگاں کی نویلی دلہن کے بالوں کے جل جانے کا قصہ سناتا تو کوئی دولہا نے احمد کی آنکھ کے پھوٹ جانے کا۔۔۔ کوئی تانے میں گر گیا تو کسی کی چھت گر گئی۔

"اس کی نظر کھا جاتی ہے۔" وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے۔۔۔

"خود تو ہے ہی دمڑی ' دوسروں کو بھی بنا کر ہی چھوڑے گی۔"

وہ سب اس کے کام بھول جاتے۔ اس کی خدمت سالوں پر پھیلی اس کی خاموشی۔۔۔ یاد رکھتے تو وہ بددعائیں جو دمڑی جھولی پھیلا پھیلا کر انہیں دیتی۔ ان کی گودیں اجاڑ دیتی ' وجود جلا دیتی۔ وہ عورت تھی لیکن اس کا دل ڈائن کا تھا۔۔۔

خاندان کے وہ سب بڑے جن کے سامنے وہ پل کر جوان ہوئی تھی۔ اسے دیکھ دیکھ کر آہیں بھرتے۔

انہیں اس کی کرب بدہ بھاؤں پر حیرت ہوتی تھی نہ افسوس۔ اور وہ لوگ جو اسے ڈھلتی عمر سے جانتے تھے۔ اس سے دبتے بھی تھے ' خوف زدہ بھی تھے اور اس کے ہمدرد بھی تھے۔

خاندان میں ' پاس پڑوس میں ہونے والی شادیوں میں اسے خاص طور پر بلایا جاتا۔ ویسے بھی لوگ ڈرتے تھے کہ اگر دمڑی کو نہ بلایا تو کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے۔ اس کے لیے خاص طور پر کپڑے بنوائے جاتے۔ شادی کی رسومات میں تو خیر دمڑی کبھی بھی

شرکت نہیں کرتی تھی۔ سارا وقت شادی والے گھر کے کاموں میں جتی رہتی۔ یا الگ کسی کونے میں پڑی رہتی۔

دلہن کی شادی میں اسے کوئی نہ کوئی سونے کی چیز بنا کر دی جاتی چاہے وہ باریک لونگ ہی کیوں نہ ہو لی۔ کتنی ہی تو نہیں ' جھمکیاں اسے ملیں مگر کسی نے ایک بار بھی اسے پہنے نہیں دیکھا۔ ملنے والی چیزوں کو وہ ایک دوسری نظر بھی نہیں دیکھتی تھی۔

ننھے بچے سنبھالنے کو اس کے حوالے اس کے کمرے میں سلا جاتے۔ وہ اکثر انہیں اٹھ اٹھ کر دودھ گرم کر کے دیتی۔ ایک رات جب سب اپنے اپنے کمروں میں دبکے پڑے تھے کہ اس کی چیخوں سے سہم کر اٹھ گئے۔ مائی کے کمرے میں سوئے چھوٹے بڑے بچے الگ رو رہے تھے۔۔۔

سب کے سب مائی کے کمرے کی طرف بھاگے۔ ویسی ہی چیخیں تھیں جو اس سے پہلے سب نے اس کے جلنے پر سنی تھی۔۔۔ بھائیوں ' بھابھیوں کی سانسوں میں وہ جیسے پھنس گئی۔ جیسے دل پھٹا جا رہا ہو۔ اپنا منہ کھرچ کھرچ کر اس نے لہو لہان کر لیا تھا۔ شام کے ہی قصے میں اس کا بڑا بھائی سن سوچ سے مرتے مرتے بچا تھا جب لکڑیوں سے کھینچ کر انہیں زمین پر لٹایا گیا تو لگا جیسے دفنانے کے لیے میت کو لٹایا ہو۔ پل کے پل۔۔۔ اسی بھائی نے اس کا کھرچا منہ چومنا شروع کر دیا۔

مائی کی ان دہلا دینے والی چیخوں اور حالت کے بعد پھر کوئی بچہ اس کے کمرے میں نہیں سویا۔ ماؤں نے جب انہیں جلدی سلانا ہوتا تو وہ کہتیں۔ "سو جاؤ ورنہ مائی کے کمرے میں سلا دوں گی" اور بچہ جھٹ سے سو جاتا۔

"کیسی عورت تھی دمڑی اور کیسی ہو گئی۔"

☆ ☆ ☆

وہ اپنے پھوپھی زاد کے بیٹے کی شادی میں شرکت کے لیے آئی تھی۔ باقی گھر والوں میں سے صرف بڑے بھائی اور بھابھی ہی آئے تھے۔ وہ آنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی طبیعت کچھ مکدر سی تھی لیکن اسے بلانے والوں نے اتنا اور اس طرح اصرار کیا کہ اسے آنا ہی پڑا۔ احاطے سے ڈھولکی بجنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ عورتیں ہنس بھی رہی تھیں اور گا بھی رہی تھیں۔ نہ جانے ایسے موقعوں پر انہیں اتنی شرارتیں کیسے سوجھتی ہیں کہ ہنسی کے فوارے ہی بند نہیں ہوتے۔ کوئی نہ کوئی چٹکلہ چھوڑ دیتا اور وہ گانا چھوڑ کر ہنستی رہتیں۔ بچے بھی شور کر رہے تھے اور مردانہ جھنجھناہٹ بھی کانوں میں پڑ رہی تھی۔

مائی کی چچا زاد ' پھوپھی زاد ' تایا زاد جو اس کی ہم عمر تھیں ' بنی ٹھنی بیٹھی ٹپے پر ٹپہ گا رہی تھیں۔۔۔ بیٹوں اور شوہروں کی کمائی سے بنے زیورات سے لدی پڑی تھیں۔ اپنی عمروں کا روپ ان سب کے پاس تھا۔ وہ سب کی سب لڑکیاں بالیاں بنی ڈھولکی ایسے بجا رہی تھیں جیسے کچھ دن بعد ہی ان کی بھی شادی ہو۔ دور پیڑھی پر بیٹھی مائی بے خیالی میں انہیں دیکھے جا رہی تھی۔ اسے ان کے گانوں یا ڈھولکی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

جب ان کے فضول ہنسی مذاق ضرورت سے زیادہ بڑھ گئے تو وہ اٹھ کر سب سے کونے والے کمرے میں آکر لیٹ گئی۔ یہاں ان سب کی آوازیں نہیں آرہی تھیں۔ ان سب میں سبز رنگ کا سوٹ پہنے ایک عورت سب سے زیادہ دلربا لگ رہی تھی۔ وہ کون تھی دمڑی نہیں جانتی تھی۔ آج پہلی بار ہی دمڑی نے اسے دیکھا تھا لیکن وہ جو کوئی بھی۔ اس کی اداؤں پر سے نظر نہیں ہٹ رہی تھی۔ ایسے ہی جیسے کسی کو نئی نئی محبت ہو گئی ہو۔۔۔ ایسے ہی جیسے کبھی دمڑی ہوا کرتی تھی۔

کمرے میں آکر اس نے اپنی آنکھیں رگڑیں۔ ادھ جلے چہرے سے ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ وہ لحاف میں دبک گئی۔ کچھ دیر میں ہی اس کا وجود کانپنے لگا۔ بخار تو نہیں تھا اسے لیکن وہ بے حال سے بے حال ہو گئی اور سسک سسک کر رونے لگی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سبز سوٹ والی گھومنے لگی۔ وہ لپک لپک کر

ڈھونگی بچاری بھی تھی اور مہندی لگے ہاتھوں سے اپنی ہنسی روکتی تھی۔ وہ دمڑی کی ہم عمر ہو گی لیکن وہ ملی نہیں تھی۔

اسے کمرے میں کسی کے آنے کی چاپ سنائی دی۔ لحاف سے اس نے اپنا پورا منہ باہر نکال کر دیکھا۔

وہ گھوڑا بوسکی پر واسکٹ پہنے وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"سفینہ!" کمرے میں اس سے نظریں ملتے ہی حیرت زدہ آواز گونجی۔

"سفینہ!" یہ نام اس نے اتنی صدیوں بعد سنا کہ اسے لگا کسی اور کو پکارا ہے۔

سفینہ تو وہ تب تھی جب وہ اس کا انتظار کر رہی تھی اور تب جب وہ ایک ہی تھی پوری کی پوری۔ ادھ جلی نہیں تھی۔

وہ اسے دیکھتا ہی رہا۔

وہ اس کا تایا زاد تھا یوسف۔ بچپن سے وہ ایک ساتھ کھیل کود کر بڑے ہوئے تھے ایک ہی گھر میں 'پھر ان کے گھر دور ہو گئے لیکن ان کے دل ایک ہی تھے

خاندان کی تقریبات میں وہ اس سے کترایا کرتی تھی۔ بڑے ناراض جو ہوتے تھے۔ وہ دونوں ہر پیارے رشتے دار کی شادی میں لازمی شرکت کرتے تاکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے مل سکیں۔

ان دنوں وہ سفینہ تھی۔ دودھ جیسی سفید' بڑی بڑی سیاہ آنکھیں لیے وہ خود کو شیشے میں یوسف کی نظروں سے' اس کے مسقط سے بار بار دیکھتی تھی۔ وہ اس کے حسن کے قصیدے پڑھتا تھا اور اسے اپنا یہ حسن اسی کے لیے بھاتا تھا۔

ان دونوں کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں آتے ہی شادی کی تاریخ رکھ دی گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ جلتی بجھتی آگ کو پھونکیں مار مار کر جلا رہی تھی اس کا سر نیچے زمین کے ساتھ لگا ہوا تھا جب منجھلا بھائی مٹی کے تیل کی کپی چولہے کے عین اوپر بنے

کارنس پر رکھتے رکھتے تیل گرا بیٹھا۔ اپنے رنگ و روغن کے کام کو سمیٹ کر احتیاطاً "تیل تو بچوں کی پہنچ سے دور رکھنے آیا تھا۔ کپی کارنس پر ہی پڑی لڑھکتی رہی اور اس کا تیل تل کی طرح گرتا رہا......

اس کی چیخوں سے اماں باؤلی ہو گئی۔ دنوں انہیں ہوش نہیں آیا۔ سفینہ جل گئی۔ سفینہ جل گئی۔ اس کی پلکیں اور بھنویں بھی جل گئی تھیں۔

جل تو ارمان بھی گئے تھے سارے کے سارے' بچپن کے محبت کے۔ وعدوں کے..... سب کے سب۔

پنچایتیں اکٹھا کی گئیں۔ منتیں کی گئیں' واسطے دیے گئے' رشتے داری' خونی رشتے یاد دلائے گئے' خدا خوفی' دریا دلی' اجر۔ نیکی' جنت۔ سب یاد دلائے گئے پر تایا نہ مانے.....

خاندان کے بڑوں نے کیا کیا نہیں کیا' لیکن کوئی بھی نہیں مانا' اس کا ادھ جلا یا منہ تھا جو ہر بازی مات کر رہا تھا۔

"اس کی تو کوئی دمڑی بھی نہیں دے گا۔ میں اپنا ہیرے جیسا بیٹا کیسے دے دوں؟" تائی نے بھری پنچائیت میں چمک چمک کر کہا۔

"نہ ہم راضی نہ ہمارا بیٹا۔"

سننے والوں نے یہ جملہ اتنی بار دہرایا کہ وہ سفینہ سے دمڑی ہو گئی۔ اس کی ماں نے بھی سینے پر ہاتھ مار مار کر کہا۔

"نی دمڑیے! تیرا ککھ نہیں رہیا۔"

تازہ زخموں سے اس کا منہ' آدھا سر' گردن اور سینے کا کچھ حصہ چھلا پڑا تھا۔ وہ خود کو شیشے میں اپنی نظروں سے نہیں دیکھ سکتی تھی تو یوسف کی نظروں سے کیسے دیکھتی۔ اس نے یوسف کو ہزار بہانے بنا کر بلایا اپنی بھابھیوں کو بار بار بھیجا۔ وہ ہر بار اپنی مایوس شکل لے کر آ جاتیں' روتیں اور اسے سمجھاتیں کہ یوسف کبھی نہیں آئے گا۔

لیکن اس کی ایک ہی رٹ تھی کہ یہ سب تائی کی وجہ سے ہو رہا ہے' یوسف کی وجہ سے نہیں۔"

یوسف کو بچپن سے جانتی ہے۔ وہ تو اس کے مذاق سے جھینپنے پر بھی جلتا کوئلہ ہاتھ میں پکڑ لیتا تھا' ورنہ یوسف ایسا نہیں ہے۔

اسے اپنے جلے ہوئے حسن کی ذرہ برابر پروا نہیں تھی بے شک وہ ساری کی ساری جل جاتی۔ نہ ہی حسن کے کھنا جانے پر افسوس تھا۔ سب کچھ جل بھی جاتا مگر وہ محبت کیسے جلتی۔

"سفینہ ہے ناتو؟" یوسف نے دیر تک گھورتے رہنے کے بعد پوچھا۔ وہ چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اگر محبت کا تعلق عمر' وقت' زمانے یا حالات سے ہوتا تو اس کا دل یوں نہ دھڑک رہا ہوتا۔

وہی پرانی لے۔ وہی سُر تال۔

وہ شہر علاج کے لیے گئی تھی' جب تائی نے جھٹ پٹ یوسف کی شادی کر کے اسے واپس مسقط روانہ کر دیا۔ دونوں بھائی بہانے سے اسے شہر لے گئے۔ اس کی اماں چند مہینوں میں ہی غش کھا کھا کر مر گئی اس کے کلیجے میں اتنا بڑا دل نہیں تھا کہ وہ روتی بلکتی سفینہ کو آنکھ بھر کر دیکھتی۔

"بڑی عجیب عجیب باتیں سنی ہیں تیرے بارے میں۔" وہ کبھی آنکھیں پھیلا کر اور کبھی سکیڑ کر اس کے جلے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے سیدھا کھڑا تھا ڈھلتی عمر میں بھی شہزادہ لگ رہا تھا۔ ویسا ہی جوان اور خوبصورت۔ وہی روشن اور چمک دار آنکھیں۔

"سنا ہے تیری زبان انگارہ بن چکی ہے۔ لعنتی اور منحوس' تیری شکل سے بھی زیادہ کریہہ اور غلیظ۔ اللہ سچ کہتی تھی تو قسمت کی طرف سے پھٹکاری گئی ہے۔"

اس کی آواز میں ان سب سے زیادہ رعونت تھی جو اس کی زبان کا شکار ہوئے تھے۔ شاید وہ ان سب کا بدلہ لینے آیا۔

ہاتھ مار کر اس نے قمیص کا دامن جھاڑا اور کوٹ کو ایسے کھینچا جیسے کسی کو ہاتھ سے اشارہ دیا ہو کہ چل جا دفعان ہو۔

سفینہ کے اندر الجھی ساری کی ساری سسکیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔

"مجھے کریہہ کہہ رہے ہو۔" اس کی لرزتی آواز پاتال سے آئی۔

"کوئی نماز روزہ کرتی۔ خدا خوفی کرتی۔ توبہ تلا۔ مگر تو نے تو دوسروں کا ناس مارنا شروع کر دیا۔"

اس کی آنکھوں سے سبھی لوگوں کی نفرت جھلکنے لگی۔ وہی آنکھیں جو کچھ دیر پہلے روشن اور چمک دار تھیں۔

سفینہ کا باقی ماندہ وجود بھی جل کر راکھ ہو گیا۔

"تو دس کا ہار آیا۔ تمہاری آہیں میں نے انہیں...

اس نے [illegible] سے اسے گھورا۔ "تو میرا کیا بگاڑ لے گی۔ [illegible] مجھے دیکھ' خدا کا کتنا کرم ہے مجھ پر۔ شکر ہے اس کی ذات پاک کا۔" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر عقیدت سے کہا اور پھر کوٹ کو نیچے کھینچا۔

"چودھویں کا چاند ہے میری بیوی۔ تجھے تو کسی کیے کی سزا ملی ہے۔"

اس کی نگاہوں میں سبز سوٹ والی سما گئی جس میں سفینہ کا حسن جھلک رہا تھا اور یوسف کی محبت.....

"تم سے محبت کی سزا ملی ہے۔" آہ کی طرح آخری بددعا جیسے اس کے ہونٹوں سے نکلی.....

یوسف کی شکل ایسے بگڑی جیسے الٹی کرنے والا۔

صبح سویرے بھابھی نے ہی اسے دیکھا۔ اپنی آواز دبائے بڑے بھائی کے ساتھ پچھلے دروازے سے چند اور لوگوں کی موجودگی میں وہ اسے لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے.....

وہ شادی والے گھر میں دمڑی کی موت کا سوگ پھیلانا نہیں چاہتے تھے۔ جو اپنی زندگی میں ککھ تھی اس کی موت کیا ہو گی.....

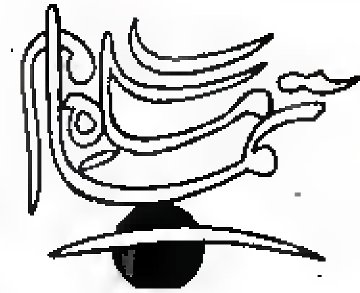
کبھی زندگی میں اس نے اپنی کسی سہیلی سے کہا تھا۔

"جس پل میرے دل سے یوسف کی محبت نکلے گی اسی پل میرا دم نکل جائے گا۔"

☼

ناولٹ

آمنہ ریاض



عبدالباقر لودھی اپنے منجھلے بیٹے تقی کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت سے سخت نالاں ہیں اور اسے ہر وقت بدحرامی کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔ تقی کو شوبز میں کام کرنے کا شوق ہے جبکہ لودھی صاحب اس کام کے سخت مخالف ہیں۔ دونوں باپ بیٹے میں اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ رمضی اور جری سے البتہ باقر صاحب کو کوئی شکایت نہیں۔

شفا کو عمیر نے والدین کے بعد باپ بن کر پالا ہے۔ وہ عمیر کی بے حد لاڈلی ہے مگر عمیر کی بیوی ساحر کو اس سے شدید جلن ہے وہ عمیر سے جھوٹ بول کر اسے شفا سے بدظن کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ عمیر کو اپنی بیوی پر پورا یقین ہے۔

ساحر اور عمیر کی شادی کے ابتدائی دنوں میں شفا ساحر سے بہت بدتمیزی کیا کرتی تھی۔ وہ اسے ہر وقت عمیر کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتی اور جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر اسے عمیر سے ڈانٹ پڑواتی۔ رات کے کھانے پر پاستا بنانے پر اس نے ساحر سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا اور سیڑھیوں سے حادثاتی طور پر گر جانے کا الزام ساحر پر لگا دیا کہ ساحر نے اسے دھکا دیا ہے۔ اس بات پر عمیر ساحر کو دو تھپڑ مار دیتا ہے۔ ساحر کو بہت دکھ ہوتا ہے۔ شفا خود بھی گلٹی ہو جاتی ہے۔

تقی کے گہرے دوست سمیر کے ابا اپنی پسند سے اس کی منگنی کر دیتے ہیں۔

۴

چوتھی قسط



"تو کون سا پہلی بار ہوئی ہے۔" کمبل میں سے ترخ کر آواز آئی۔

"یہ والی پہلی بار ہی ہوئی ہے یعنی پکی اور سچی والی محبت..... جیسی لیلیٰ نے مجنوں سے کی تھی' رومیو نے جولیٹ سے کی تھی۔ قسم سے۔"

"نہ تو تو رہنے دے سمیر! نہ تیرے دعوے..... سال میں دوبار ایسی محبتیں تجھے ہوتی ہی رہتی ہیں' اس لیے اب میرے کان کھانا بند کر اور مجھے سونے دے۔" کمبل لحظہ بھر کو ہٹا' تقی کا سر باہر نکلا آواز آئی اور پھر غڑاپ سے کمبل میں غائب۔

"حد ہو گئی ہے یار! میں نئی نئی محبت کا بوجھ دل میں اٹھائے پھر رہا ہوں اور تجھے نیند کی پڑی ہے۔ کم سے کم یہی پوچھ لے وہ ہے کون۔" اس نے گہری سانس بھر کر کہا۔

"لو بھلا اس میں پوچھنے والی کون سی بات ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" کمبل بولا۔

"اچھا تو بتاؤ بھلا۔" سمیر نے ماہر استاد کی طرح جائزہ لینا شروع کیا۔

"تو ابھی اس لڑکی کو بھولا نہیں ..... جس کی راہ میں پلکیں بچھانے کے بجائے تو نے کیلے کے چھلکے بچھائے تھے..... نام البتہ بھول گیا ہے تو۔"

"واللہ اسے کہتے ہیں دوستی۔ تم مجھے مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔" سمیر اس ولائیت بھرے جواب پر جھوم اٹھا تھا۔ "مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں..... جس طرح تم اس لڑکی کو دیدے نکال کر گھور رہے تھے اس سے کسی احمق کو بھی اندازہ ہو سکتا تھا کہ تم اس لڑکی کی محبت میں مبتلا ہو اور اگر نہیں ہو تو عنقریب ہونے والے ہو۔"

"ایں۔" سمیر پرجوش ہوا۔ "پھر تو اسے بھی پتا چل گیا ہو گا۔"

"نہیں..... کیونکہ جس طرح وہ تمہیں گھور رہی تھی اسے دیکھ کر لگتا تھا وہ تمہاری گردن چبا جانا چاہتی ہے۔"

"وہ تو ظاہر ہے بھئی۔ میری وجہ سے اسے اتنی گہری چوٹ لگی..... غصہ تو آیا ہو گا لیکن میں صبح ایکسکیوز کر لوں گا۔"

"میں بہت فریش ہو کر تمہاری درگت بنتے دیکھنا چاہتا ہوں سمیر! اور اس کے لیے ضروری ہے کہ میں نیند پوری کر لوں۔ سو تم اب اپنے بیڈ پر دفع ہو جاؤ اور مجھے سونے دو۔" تقی نے ایک بار پھر چہرے سے کمبل ہٹا کر کہا تھا۔

"میرا دل کہہ رہا ہے تقی! یہ وہی ثمر ہے جسے ابو نے میرے لیے پسند کیا ہے۔" سمیر پر اس کی التجا کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا وہ اپنا آدھا بوجھ تقی پر ڈالے نیم دراز ہو گیا تھا۔ بازو سینے پر باندھ لیے تھے اور آنکھیں چھت سے لگی تھیں۔

"کیا ضروری ہے پورے پاکستان میں اس نام کی ایک ہی لڑکی ہو۔" تقی نے تحمل سے کہا۔

"نہیں' ضروری تو نہیں ہے لیکن میرا دل کہہ رہا ہے۔" سمیر نے آس و نراس بھرے لہجے میں کہا۔

"چار تھپڑ لگا دل کو..... جو آدھی رات کو ایسی الٹی سیدھی بکواس کر رہا ہے۔" تقی نے سلگ کر کہا۔ سمیر جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھا اور خفگی سے بولا۔

"حد ہو گئی بھئی..... دوست کی چار باتیں بھی تجھ سے نہیں سنی جاتیں تقی! مجھے تو لگتا ہے تیرے پاس دل ہی نہیں ہے' جو کسی کے جذبات کو سمجھ سکے۔"

"نہیں ہے دل تو نہ سہی..... اب کیا آدھی رات کو بیٹھ کر اس بات کا غم مناؤں۔" تقی نے لاپروائی سے بولتے ہوئے کمبل جھاڑا۔

"اور اگر بالفرض یہ وہی لڑکی ہے جسے انکل نے تمہارے لیے پسند کیا ہے تو مجھے انکل کی خود غرضی پر بڑا افسوس ہو رہا ہے۔ کہاں وہ شکل سے ہی ذہین لگنے والی لڑکی..... اور کہاں تجھ جیسا ڈفر..... بیٹے سے محبت اپنی جگہ لیکن انکل کو کچھ تو سوچنا چاہیے تھا۔ میں چونکہ بہت حساس طبیعت کا مالک ہوں اس لیے اپنی اسلامی بہن پر یہ ظلم و زیادتی ہونے نہیں دے سکتا۔ میں

نے سوچ لیا ہے ظالم سماج بن کر تیری شادی میں رکاوٹ ضرور ڈالنی ہے۔"

"تقی! تو میرا ہی دوست ہے ناں۔" سمیر اس کے نصیحیانہ پر تجھے میں پڑ گیا۔

"دوست تو تیرا ہی ہوں لیکن کسی انسان پر ظلم ہونے نہیں دوں گا..... آخر کل کو میں نے اللہ میاں کو بھی منہ دکھانا ہے۔" ادائے بے نیازی سے فرمایا گیا۔

سمیر نے تکیہ اسے کھینچ مارا پھر ہنسا اور آکر اپنی جگہ پر لیٹ گیا۔ بازو کا حلقہ بنا کر سر کے گرد رکھا اور نیم تاریک چھت کو گھورتے ہوئے اسے مخاطب کر بیٹھا۔

"تم کون ہو..... کوئی پری یا کسی دیومالائی داستان کا دلکش' فسوں خیز کردار..... آسمان کے سینے پر چمکتا ہوا چاند یا آسمان کا وہ سب سے روشن ستارہ..... جس کی تابانی چاند کی روشنی میں بھی ماند نہیں پڑتی..... خدا جانے تم کون ہو..... اس کائنات سے کہیں فاصلے پر ..... جب اس جسم کی قید سے ماورا تھے ہم' ہماری روحیں ایک دوسرے سے ضرور ملی ہوں گی تب ہی تو میرا دل تمہاری طرف کھنچ رہا ہے۔ میں لاکھ خود کو یقین دلانے کی کوشش کر لوں کہ یہ محبت نہیں محض کشش ہے پھر بھی میرا دل تمہارا ہی نام لیوا ہے۔" نیند کی وادی میں اترنے سے پہلے اس نے جو آخری بات سوچی وہ یہی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟"

ساہر نے عمیر کو سوچ میں گم دیکھ کر پوچھا۔ گو کہ یہ سوال غیر ضروری تھا۔ اتنی دیر سے عمیر سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہے تھے اور یہ بات ان کی پریشانی یا ذہنی الجھن کی علامت تھی۔ چھ سال کی رفاقت میں اتنا تو وہ جان ہی چکی تھی' پھر اب تو سامنے کی بات تھی کہ ان کی پریشانی کا سبب کیا ہے۔

رات کا آغاز تھا کھلی کھڑکی سے باہر رات چپکے چپکے اتر رہی تھی۔

"آپ شفا کو فون کیوں نہیں کر لیتے۔" ساہر نے عمیر کی مسلسل خاموشی سے اکتا کر ہمت کر کے کہا۔

"تم خود ہی تو کہہ رہی تھیں' فون کرنے سے وہ فوراً واپس نہیں آجائے گی۔" عمیر نے سنجیدگی سے لیکن دھیمے لہجے میں یاد دلایا۔

"واپس نہیں آئے گی لیکن آپ کی تسلی تو ہو جائے گی کہ وہ خیریت سے ہے۔" ساہر نے کہا۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے' میں پریشان نہیں ہوں۔" عمیر نے سگریٹ ایش ٹرے میں رگڑی۔ ساہر ہنس دی جیسے بچے کی بات پر ہنسا جاتا ہے۔

"پریشانی آپ کے چہرے پر لکھی ہے۔"

عمیر کھڑکی بند کر کے بیڈ پر آکر بیٹھ گئے تھے۔ ساہر نے نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ عمیر نے ایک نظر اسے دیکھا۔ اس نظر میں ان کی بے بسی تھی۔

"شفا نے بہت غلط حرکت کی ہے۔"

"وہ آئے گی تو آپ اسے ڈانٹ لیجیے گا۔ اس طرح پریشان ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔" عمیر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں نے سوچ لیا ہے اب شفا کو کس طرح سمجھانا ہے۔ اس بچے کے کان تو تھوڑا کھینچنے ہی پڑیں گے۔"

ان کا انداز پرسوچ تھا۔ ساہر نے چونک کر انہیں دیکھا جیسے ان کی سوچ پڑھنا چاہ رہی ہو پھر خفیف سا سر جھٹک کر بولی۔

"اچھا جو آپ کو مناسب لگے۔ وہ تو اپنی فرینڈز کے ساتھ انجوائے کر رہی ہو گی آپ ہیں کہ سوچ سوچ کے بے حال ہیں۔" اس نے پیار سے ان کا ہاتھ تھپتھپایا۔

عمیر نے سر ہلایا اور اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئے۔

"ذرا کھڑکی بند کر دینا۔" انہوں نے جاتے جاتے کہا تھا' ساہر نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کھڑکی تو میں ایسی بند کروں گی کہ دوبارہ کبھی کھلے گی ہی نہیں۔" اس نے گھٹنوں پر ہتھیلیوں کا بوجھ ڈال کر اٹھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی ایسی بھرپور مسکراہٹ جو اس کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی۔

ریسٹ ہاؤس کے ٹیرس پر صبح سویرے کی چمکیلی تیز لیکن ٹھنڈی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان کا رنگ بے تحاشا نیلا تھا اور اس پر سفید روئی کے گالوں جیسے بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔

تقی نے گرل سے جھانک کر دیکھا۔ وادی نشیب میں اور ناقابل رسائی دکھائی دیتی تھی۔ سمیر اسے کھوجتا ہوا اوپر آیا تھا۔ اس کا موڈ بے حد خوشگوار تھا اور وہ دھیمی آواز میں کوئی ہٹ نمبر گنگنا رہا تھا لیکن جس وقت اس نے آخری سیڑھی پر قدم رکھا۔ تقی گرل کی دیوار پر ایک پاؤں ٹکائے دونوں ہتھیلیاں گرل پر جمائے خطرناک حد تک آگے کو جھکا ہوا تھا۔ سمیر دھک سے رہ گیا۔ اسے ایک پل میں تقی کے عزائم سمجھ میں آگئے تھے۔

"تقی!" وہ سرعت سے اس کی طرف لپکا اور دونوں بازوؤں میں اسے جکڑ کر تیزی سے پیچھے کی طرف کھینچ لیا۔

"نہیں تقی!۔۔۔ نہیں۔ میں تجھے حرام موت مرنے نہیں دوں گا۔" وہ بری طرح چیختے ہوئے تقی کو اس کے اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ٹیرس پر موجود دیگر لوگ ان کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ بلکہ دو تین تو سمیر کی مدد کے خیال سے آگے بھی آ گئے تھے۔

"دماغ تو خراب نہیں ہو گیا سمیر! میں کیوں حرام موت مروں گا؟" تقی اس افتاد پر بری طرح گھبرا گیا۔ اس نے خود کو سمیر سے چھڑوانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"خودکشی کرنے والا حرام موت ہی مرتا ہے۔" سمیر بدستور اسے دبوچے ہوئے تھا۔

"اس۔" تقی چونکا پھر جھنجلایا۔ "تو پاگل ہو گیا ہے سمیر! خودکشی کریں میرے دشمن۔ میں تو نیچے وادی میں جھانک رہا تھا۔"

"ارے۔" سمیر کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اس نے بے یقینی سے تقی کو دیکھا۔ "تو یہاں سے چھلانگ نہیں لگانے لگا تھا؟"

"مجھے کیا پاگل کتے نے کاٹا ہے' جو اتنی بلندی سے چھلانگ لگا کر ہاتھ بازو تڑواؤں گا۔" تقی نے جھنجلائے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔" سمیر سر کھجانے لگا۔ "میں تو سمجھا تم ابا کے ناروا سلوک سے گھبرا کر خودکشی کرنے لگے ہو۔" اتنے اطمینان سے فرمایا گیا کہ تقی کے آگ ہی لگ گئی۔ اس نے گھور کر ان اکا دکا لوگوں کو دیکھا' جو سمیر کی مہربانی سے تماشا دیکھنے لگے تھے۔ اس نے غصے اور شرمساری سے رخ بدلا اور گرل پر آگے کو جھک کر پھر سے نیچے جھانکنے لگا۔

وادی میں قدرتی خوب صورتی جا بجا بکھری ہوئی تھی۔ گھاس سے ڈھکی ڈھلوانیں' ہری بھری فصلوں کے قطعات' ان کھیتوں کے درمیان خود بخود ابھر آئی پیچ در پیچ پگڈنڈیاں' ان پگڈنڈیوں پر آزادانہ سرگشت کرتی بکریوں کے ریوڑ' ان ریوڑوں سے لاپروا چرواہے' ننھے منے کچے پکے مکانات' سانپ کی طرح بل در بل بچھی سڑکیں اور سڑکوں پر رواں اکا دکا ٹریفک۔

یہاں ایسا بہت کچھ تھا۔ جس پر سمیر کی بکواس باتوں سے بچنے کے لیے غور کیا جا سکتا تھا۔ سمیر نے اسے لاتعلق دیکھ کر خود بھی وادی میں جھانکنا شروع کر دیا۔ لیکن یہ کوئی ایسا دلچسپ مشغلہ نہیں تھا۔

"جیسی تم نے شکل بنا رکھی ہے ناں۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی اس غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے کہ تم یہاں خودکشی کے ارادے سے کھڑے ہو۔" بالآخر سمیر نے ہی اکتا کر خاموشی کو توڑا تھا۔ ایک تو یہ کہ اسے تقی کی طرف سے کسی قدر تشویش لاحق تھی۔ دوسرے بہت دیر تک خاموش رہنا اس کے لیے خاصا مشکل کام تھا۔

"ہوا کیا ہے تقی۔۔۔ کوئی پریشانی ہے؟"

تقی نے گرل چھوڑ کر رخ بدلا اور گرل سے داہنا شانہ لگا کر دور خلا میں گھورنے لگا۔ وہ عجب تذبذب کا شکار تھا۔

"یار سمیر! کل ابا سے ڈانٹ کھا کر میں بہت غصے میں آ گیا تھا۔" آخر کار اس نے بلی تھیلے سے باہر نکالنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

"اب شرمندہ ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔۔۔ واپس جا کر ایکسکیوز کر لینا۔" سمیر نے اپنے حساب سے مشورہ دیا۔

"بات یہ نہیں ہے۔" تقی نے بالوں میں داہنے ہاتھ کی انگلیاں پھنسائیں۔

"پھر؟"

"پھر یہ کہ غصے میں آ کر میں نے جاثم سے کہہ دیا میں اس کے ڈرامے میں کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے بتا ہی دیا کہ یہی وہ بات تھی' جو غصہ اترنے کے ساتھ ہی اسے پریشانی میں مبتلا کرنے لگی تھی۔ سمیر نے بے ساختہ سر پر ہاتھ مارا۔

"تیری عقل کہاں تھی اس وقت؟"

"بس یار! غصہ آ گیا تھا۔" تقی نے منہ لٹکا کر کہا۔

"ٹھیک ہے! کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" چند منٹ بعد کچھ سوچتے ہوئے سمیر نے کہا۔ "واپس جا کر جاثم کو منع کر دینا یا ابھی فون کر دو۔" اس نے تجویز دی۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔ کل غصے میں آ کر میں کانٹریکٹ سائن کر بیٹھا ہوں۔ انکار کی صورت میں جاثم کیس کر دے گا۔" تقی مایوسی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"کانٹریکٹ کی ساری شقیں پڑھی تھیں؟ کیا اس میں کوئی ایسی شق تھی کہ تیرے انکار کی صورت میں قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔" اب سمیر کو بھی تشویش ہوئی۔

"میں نے بلینک پیپر پر دستخط کر کے دیے ہیں جاثم کو۔ اس لیے اس شق کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"تقی!" سمیر بری طرح جھنجلا گیا۔ "تیرے پاس عقل ہے کہ نہیں؟ بلینک پیپر پر سائن کر کے دینے کا مطلب کیا ہوتا ہے تو جانتا ہے؟"

"یار! میری کون سی دولت جائیداد ہے۔ جسے جاثم اپنے نام لکھوا لے گا۔" تقی نے لاپروائی سے کہا۔ "ابا جس طرح قائل کرتا ہے۔ صرف یہ سوچ۔۔۔ آگے کیا کرتا ہے۔"

"کرنا کیا ہے؟" سمیر نے کندھے اچکا کر کہا۔ "جو بھی پہلی کھائی نظر آئے 'فوراً' سے پہلے اس میں کود کر خودکشی کر لینا۔ ویسے بھی چند روز بعد تو نے ابا کے ہاتھوں قتل ہو ہی جانا ہے تو چلو یوں ہی سہی۔" سمیر طنزیہ گویا ہوا۔

"جتنی تیری شکل بری ہے ناں! اس سے زیادہ بری تو باتیں کرتا ہے۔ حالانکہ کبھی کبھار تو انسان بھول کر ہی کوئی اچھی بات کر لیتا ہے۔ لیکن نہ جی۔" تقی کی جان جیسے جل کر خاک ہی ہو گئی تھی۔

"ابھی تو کاسٹنگ شروع ہوئی ہے۔ ریکارڈنگ' مارکیٹنگ' پروموشن کے بعد بھی کوئی پراجیکٹ آن ایئر ہونے میں اچھا خاصا ٹائم لگ جاتا ہے۔۔۔ مجھے لگتا ہے تب تک تو میں ابا کو منا ہی لوں گا۔" تقی نے نروٹھے پن سے کہا۔

"ان شاء اللہ۔" سمیر نے با آواز بلند کہا۔ لیکن اس کا انداز دعا سے زیادہ طنزیہ لگتا تھا۔ اسی وقت ہوا زور سے چلی۔ اس ہوا میں جنگلی پھولوں کی مہک اور خنکی بھی تھی۔ سمیر نے اس ہوا کی خوشگواریت کو اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہوئے بے ارادہ گردن موڑی۔ اسی وقت ثمر اپنی سہیلیوں کے ہمراہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اوپر آئی تھی۔ سمیر کے دل میں خوشی پھیل گئی اور آنکھوں میں روشنی سی اتر آئی۔ جبکہ اس پر نظر پڑتے ہی ثمر کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

سمیر نے رخ موڑا اور تقی کی اوٹ میں ہو کر گرل سے نیچے جھانکنے لگا۔ تقی پرسوچ تاثرات کے ساتھ چہرے پر بمشکل مسکراہٹ سجائے نیچے پگڈنڈیوں پر دوڑتے مقامی بچوں کو ہاتھ ہلا رہا تھا۔

"تقی! لک ایٹ یور لیفٹ سائیڈ۔" سمیر نے چپکے سے سرگوشی میں کہا۔

تقی نے بنا چونکے کسی معمول کی طرح بائیں طرف دیکھا۔ ٹیرس کے انتہائی کونے پر رکھی میز کرسیوں پر کچھ لڑکیاں بیٹھ رہی تھیں اور گرل پر نیلے پروں والا پرندہ بیٹھا اپنے پروں میں چونچ گھما رہا تھا۔

"واہ۔" تقی نے بے ساختہ کہا۔ "کتنا خوب صورت پرندہ ہے ناں۔"

"پرندہ۔" سمیر جھنجلایا۔ "گدھے! ادھر تمہاری ہونے والی بھابھی بیٹھی ہے جاکر سلام کر کے آؤ۔"

"ہونے والی بھابھی ــــ جوڈی فوسٹر مری میں کیا کر رہی ہے؟"

"جوڈی فوسٹر نہیں ثمر۔" اس نے زور دے کر کہا۔

"اوہ! اچھا اچھا ــــ" تقی نے مسکراہٹ دبائی۔ "ویسے بھابھی جان جتنی محبت بھری نظروں سے تمہیں گھور رہی ہیں۔ انہیں دیکھ کر لگتا ہے عنقریب تمہاری گردن ان کے ہاتھوں میں اور جسم نیچے وادی میں پڑا ہوگا۔ اس لیے بہتر ہوگا منہ چھپا کر یہاں سے بھاگ چلو۔" تقی کا نیک مشورہ ــــ سمیر نے اپنے تئیں چپکے سے اسے دیکھا۔ اتنے فاصلے کے باوجود ثمر کی آنکھوں سے نکلنے والی آگ کی چنگاریاں اس تک آ رہی تھیں۔ سمیر نے گڑبڑا کر دوبارہ تقی کی اوٹ لی تھی۔

"تقی کیا پتا یہ وہی والی ثمر ہو جس سے ابو نے میری منگنی کی ہے۔" دل کی خواہش زباں پر مچلی تھی۔

"ہاں! ہونے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" تقی نے کہا۔ "لیکن میرا خیال ہے ایسا ہوگا نہیں۔ اس لیے تم اس لڑکی کے خواب دیکھنے کے بجائے اس کے متعلق سوچو جس سے انکل نے تمہاری منگنی طے کی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

"میں نے پتا کیا ہے یہ گروپ کوئین میری کالج سے آیا ہے۔"

"پھر؟" تقی نے پوچھا۔ "ثمر بھابھی بھی کوئین میری میں پڑھتی ہیں کیا؟"

"پتا نہیں۔" سمیر نے مایوسی سے کہا۔ "امی ابو نے مجھے اس بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا.... اور سچی بات ہے میں نے کچھ پوچھا بھی نہیں۔ یہی سوچا کہ ابو نے میری بھلائی کا فیصلہ کیا ہوگا۔"

"شاباش ــــ تو نے بھی تو بھائی مشرقی بہن کی حد کر دی۔ کم سے کم یہی پوچھ لیا ہوتا جس کی قسمت، تیرے ساتھ پھوڑی جا رہی ہے وہ رہتی کہاں ہے کرتی کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔"

سمیر نے قسمت والی بات پہ اسے بری طرح گھورا۔

"ہاں! تو مجھے کیا پتا تھا، منگنی کے فوراً بعد مجھے میرے خوابوں کی ملکہ مل جائے گی۔" سمیر جھنجلاتے ہوئے بولا۔

"پہلے تو یہ غلط فہمی دور کر لو کہ وہ تمہیں مل گئی ہے ــــ وہ تمہیں ابھی صرف نظر آئی ہے۔" تقی نے اطمینان سے اس کے سارے خواب ملیامیٹ کیے۔

"اور ہاں! اب حسرت بھری آہیں بھی بھرنا بند کر دو۔ دیکھ لینا، ثمر بھابھی اس والی ثمر سے کہیں زیادہ اچھی ہوں گی.... چلو اب نیچے چلتے ہیں۔ دیکھیں باقی لڑکے کیا کر رہے ہیں۔" تقی اس کا ہاتھ دبوچ کر اس طرح سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ جیسے کوئی چھوٹا سا بچہ ساتھ لے جا رہا ہو۔ سمیر دلی سے اس کے ساتھ گھسیٹتا چلا گیا۔ لیکن دل اور آنکھیں بھٹک بھٹک کر اسی کی طرف جا رہی تھیں۔

معاً اس کے ذہن میں کوندا سا لپکا۔ اس نے بے ساختہ تقی کا بازو دبوچا۔

"مجھے یاد آیا تقی! اپنے جس دوست کی بیٹی سے ابو نے میری منگنی طے کی ہے۔ وہ کئی سال پہلے واہ کینٹ میں رہتے تھے۔ اگر کسی طرح اس ثمر کے ویٹر اباؤٹس کا پتا چل جائے تو ــــ"

"یار سمیر! پورے شہر میں اس نام کی کئی لڑکیاں ہوں گی۔" تقی جھنجلا کر بولا۔ "تو ایک کام کر ــــ اگر اتنا تجسس ہو رہا ہے تو پہلے انکل آنٹی سے ثمر بھابھی کے ویئر اباؤٹس کے بارے میں پوچھ لے۔ پھر اس لڑکی سے جاکر کنفرم کر لینا۔ تیری الجھن ختم ہو جائے گی۔"

"واقعی پوچھ لوں؟" سمیر نے خوش ہو کر پوچھا۔ "حیرت ہے ایسا عقلمندی والا خیال مجھے کیوں نہیں آیا۔"

"عقل ہوتی تو عقل والا خیال آتا ــــ اب چلو۔" سمیر سعادت مندی سے اس کے ساتھ چل دیا۔ یہ الگ بات کہ جاتے جاتے بھی ثمر پر نظر ڈالنا نہیں بھولا تھا۔

✡ ✡ ✡

"یہ لڑکا مجھے اتنا برا لگا ہے کہ دوبارہ میرے سامنے آیا تو میں اس کا سر ہی توڑ دوں گی شاید۔" ان دونوں لڑکوں کو سیڑھیوں پر غائب ہوتا دیکھ کر ثمر نے دانت کچکچاتے ہوئے اپنی ہمجولیوں سے کہا۔

"اب اس سے تمہاری شان میں کیا گستاخی سرزد ہو گئی؟" فرح نے اپنے موبائل پر کھٹا کھٹ ایس ایم ایس ٹائپ کرتے ہوئے کہا۔ وہ جب سے ٹیرس پر آئی تھی اسی کام میں مصروف تھی۔

"کوئی ایک گستاخی؟" ثمر حسب سابق چڑ کر بولی۔ "تم نے دیکھا نہیں کس طرح مجھے گھور رہا تھا؟ جتنی دیر کھڑا رہا بار بار اس کی نظریں ہماری طرف اٹھتی رہیں۔"

"ایک تو تمہیں اپنے بارے میں خوش فہمی بہت ہے ثمر!" فرح نے ناک سکوڑی۔ "یہ بھی تو ہو سکتا ہے اس کی نظریں بار بار ہماری طرف مجھے دیکھنے کے لیے آ رہی ہوں۔ آخر کو اس گروپ میں تمہارے علاوہ بھی کوئی خوب صورت ہے۔" اس نے دل و جان سے اتراتے ہوئے کہا تھا۔ گو کہ یہ ایسا بیان تھا جس پر ثمر کے علاوہ باقی دونوں لڑکیاں بھی اعتراض کر سکتی تھیں۔ لیکن کوئی خاص رد عمل فوری طور پر ظاہر نہ ہو سکا کیونکہ شفا تو سر جھکائے مراقبے میں گم تھی۔ ہاں! حرم نے ضرور تائیدی مسکراہٹ اچھال دی تھی۔

"بالکل بالکل ــــ اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ لڑکا بھینگا ہو۔ دیکھتا فرح کو ہو اور تمہیں لگا ہو کہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔" اس بات پر وہ چاروں قہقہہ لگا کر ہنس دیں۔

فرح نے موبائل میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"یار! ویسے تعصب کی عینک اتار کر دیکھا جائے تو وہ اچھا خاصا ہینڈسم ہے۔ میں تھوڑی سی بھی آزاد خیال ہوتی ناں تو اب تک ضرور اس سے ہیلو ہائے کر چکی ہوتی۔"

"پھر شکر کرو کہ تم آزاد خیال نہیں ہو۔ کیونکہ ایسے بدتمیز لڑکے کے ساتھ دوستی گانٹھتے دیکھ کر مجھے اس کے بجائے تمہارا سر توڑ دینا تھا۔" ثمر نے دانت کچکچائے۔

تب ہی اس کی نظر شفا پر پڑی۔ دونوں ہتھیلیوں میں چہرہ لیے وہ خدا معلوم کس سوچ میں گم تھی۔

"تم کہاں گم ہو؟" ثمر نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے عمیر بھائی یاد آ رہے ہیں۔" شفا نے پل بھر کو اسے دیکھا اور اداسی سے بولی۔ ثمر کو ہنسی آ گئی۔

"ابھی اپنے گھروں سے نکلے ابھی بمشکل چوبیس گھنٹے ہوئے ہیں اور تمہیں عمیر بھائی یاد بھی آنے لگے۔" اس کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

شفا کو برا لگا۔ ویسے بھی وہ پہلی بار گھر والوں سے اتنا دور ہوئی تھی۔

"عمیر بھائی اپنے میٹنگ کے سلسلے میں گھر پر نہیں تھے۔ میں ان سے مل بھی نہیں سکی تھی گھر پر بھی تو ساہر بھابھی اور بچوں کی موجودگی میں اتنا فیل نہیں ہوا کہ بھائی دور ہو گئے ہیں۔ لیکن اب ــــ" وہ روہانسی ہو گئی۔

"کم آن شفا! اب بڑی ہو جاؤ۔ آخر کب تک تم اپنے بھائی اور بھابھی کے پروں تلے چھپی رہو گی۔" ثمر کی یہ بات شفا کو ہر پچھلی بات سے زیادہ بری لگی تھی۔ وہ اپنی ناگواری چھپا نہیں سکی۔

"بڑے ہو جانے یا اپنے بڑوں کے پروں سے نکل جانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ انسان انہیں یاد کرنا یا ان کی کمی محسوس کرنا ہی چھوڑ دے۔"

"عمیر بھائی تو چلو پھر بھی ٹھیک ہیں۔ لیکن ساہر بھابھی...."

"پلیز ثمر! ــــ" شفا نے تیزی سے اس کی بات قطع کی۔ "ساہر بھابھی کے بارے میں کچھ مت کہو۔ میں ان کے خلاف ایک لفظ نہیں سنوں گی۔" ثمر اس کے لہجے اور انداز پر خفیف سی ہو گئی۔ جبکہ حرم اور فرح الگ خاموش۔

"اچھا! ٹھیک ہے بھئی۔ تمہاری پیاری بھابھی کے بارے میں میں کچھ نہیں کہتی۔ جھگڑا تو ہم بھی نہیں

جاہیے۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں بات سمیٹ دی۔

"چلو اٹھو۔ میڈم احسان سے چل کر پوچھتے ہیں۔ اس ٹوٹے پیر کے ساتھ مجھے پنڈی پوائنٹ جانے کی اجازت تو نہیں ملی۔ تم لوگوں کا پروگرام بھی میری وجہ سے خراب ہوا۔ ممکن ہے مال روڈ تک جانے کی اجازت مل جائے۔" ثمر کے لہجے میں شفا کی تلخی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ دوسرے اسے یہ احساس بھی ہو گیا تھا کہ حرم اور فرح کے سامنے اسے ساہر بھابھی کا باب کھولنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ جبکہ شفا کی ان سے وابستگی سے نہ صرف وہ واقف تھی۔ بلکہ پچھلی رات شفا اسے منع بھی کر چکی تھی۔

شفا بھی خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ساہر بھابھی کی برائیاں کرتے رہنے سے قطع نظر ثمر اس کی بہترین دوست اور بچپن کی ساتھی تھی۔ وہ چپ چاپ ان تینوں کے ساتھ چل دی۔

☆ ☆ ☆

تھوڑی سی سوچ بچار کے بعد سمیر اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ثمر سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے اسے اماں سے بات کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہی تھیں جو کچھ جتانے پر آمادہ ہو جاتیں اور اسے کسی طعنے کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ بڑے بھائیوں یا ابو سے کچھ بھی پوچھنے کی صورت میں اسے بہت باتیں سننا پڑ سکتی تھیں۔

گو کہ اس کا گھرانہ کوئی بہت روایتی قسم کا نہیں تھا۔ جو روایات کی پاسداری کے چکر میں اس طرح کے معاملات میں رازداری برتتا۔ دراصل معاملہ کچھ یوں تھا کہ اس کی اپنے ابو اور چاروں بڑے بھائیوں کے ساتھ بے حد بے تکلفی تھی۔ لیکن ان سب کی ڈیمانڈ تھی۔ اگر وہ ثمر کے متعلق کچھ بھی جاننا چاہتا ہے یا اس کی تصویر دیکھنے میں اسے دلچسپی ہے تو انہیں بندو خان میں اچھا سا لنچ یا ڈنر کروانا ہو گا۔ سمیر ابو کے اعلا ذوق کا دل سے قائل تھا۔ سو اس نے بڑے آرام سے کہہ دیا۔

"آپ لوگ مجھے تصویر دکھائیں۔ نہ اس کے متعلق کچھ بتائیں۔ میں شادی والے روز ہی اسے دیکھ لوں گا۔ لیکن یہ بھول جائیں کہ میں آپ لوگوں کو لنچ کراؤں گا۔"

"سوچ لو برخوردار! ایسا نہ ہو کہ کل کو تمہیں پچھتانا پڑے۔" ابو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں! یہ بھی یاد رکھنا کہ اگلی بار کچھ پوچھو گے تو ہم بتائیں گے بھی نہیں۔" سراج بھائی نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا۔

"آپ بے فکر رہیں۔ میں کچھ پوچھوں گا بھی نہیں۔" اس وقت تو اس نے بڑے نخرے سے کہہ دیا تھا۔ لیکن اب سوچ رہا تھا کہ انسان کو بولتے ہوئے تھوڑا سوچنا چاہیے۔

بہرحال اب ابو یا بھائیوں سے کچھ بھی پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ کسی معمولی سے سوال کو بھی پوچھنے کے نتیجے میں اسے خوب ہی مذاق کا نشانہ بننا پڑتا اور یہ وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا۔

بھابھیوں سے اس کی کوئی خاص بے تکلفی نہیں تھی۔ شائستہ آپا جوان بھائیوں میں سب سے بڑی تھیں وہ سعودی عرب میں مقیم تھیں اور سچ بات ہے ان سے سمیر کی بے تکلفی نہ ہونے کے برابر تھی۔ باقی بچیں واحد اماں۔ سو اب ہر آس امید انہی سے وابستہ تھی۔ تب ہی وہ کال ملاتے ہوئے ریسٹ ہاؤس کی سیڑھیوں پر آ کر بیٹھ گیا۔

اس کے عین سامنے سرمئی اور سیاہ پتھروں سے بنی روش تھی جو داہنی سمت میں ہلکا سا خم کھاتی ریسٹ ہاؤس کے پھاٹک تک چلی گئی تھی۔ روش کے دونوں طرف قد آور درخت تھے جن کی شاخیں پتوں سے لدی ہوئی تھیں جب ہوا چلتی تو درخت جھولیاں بھر بھر کے پتے روش پر اچھال دیتے تھے۔

"ہیلو اماں! السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔۔۔ کیسے ہو سمیر! اچھا ہوا تم نے فون کیا۔ میں تو خود تمہیں فون کرنے والی تھی۔ یہ نیلوفر کا حال سنو۔۔۔ مجھے کیا کہہ گئی ہے۔"

اماں بڑے بھیا کی بیگم کی کسی بات پر جلی بیٹھی

تھیں۔ اس کے فوراً بعد جو انہوں نے بھابھی کی برائیاں کرنا شروع کیں تو چپ ہونے کا نام ہی نہ لیا۔ سمیر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ ہر دو تین جملوں کے بعد وہ گفتگو کا رخ بدلنے کی کوشش کرتا۔ ہر بار اماں سے مات کھاتا۔ یوں بھی انہیں اپنی چاروں بہوؤں سے اتنی شکایتیں تھیں کہ چند جملوں میں ان کا بیان ناممکن تھا۔ اور یہ اب کی بات نہ تھی۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا۔ یہی دیکھ رہا تھا۔ چونکہ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ سو اماں کا لاڈلا بھی تھا اور چپ چاپ ان کی سن بھی لیتا تھا۔ شاید اسی لیے اس کی اپنی بھابھیوں سے زیادہ بے تکلفی بھی پیدا نہ ہو سکی تھی کہ وہ اسے اماں کا جاسوس قرار دیتی تھیں۔ اسے اس الزام پر کوئی خاص اعتراض نہ تھا۔ کیونکہ جب وہ چھوٹا تھا واقعی بھابھیوں کی جاسوسی کیا کرتا تھا۔

"اماں! آپ کے نئے سمدھیوں کے کیا حال ہیں؟" بالآخر اس نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا اور اماں کو بری طرح اس گستاخی پر تاؤ آیا۔

"ٹھیک ہی ہوں گے۔ انہیں کیا ہونا ہے اور تم تو ذرا شرم لحاظ سیکھ لو سمیر! میں بھی سوچ رہی تھی آج تمہیں اتنی لمبی بات کرنے کا خیال کیسے آ گیا۔ اور تو اور ان عزیز رشتہ داروں کے احوال بھی پوچھ رہے ہو جن کا عام حالات میں تمہیں نام بھی یاد نہیں رہتا۔ لیکن یہ ساری تمہید اپنے سسرالیوں کے متعلق بات کرنے کے لیے باندھی جا رہی تھی۔"

"یہ بات نہیں ہے اماں! میں نے تو یوں ہی۔۔۔" وہ کچھ کر کچھتایا۔ شرمندگی ہوئی سو الگ۔

دراصل اماں کو ابو کے سارے دوستوں بشمول انکل سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔ پھر سمیر کی دلہن وہ اپنی پسند سے لانا چاہتی تھیں۔ اپنی چاروں بڑی بہوؤں کے چناؤ میں ہوئے جو کوتاہیاں ان سے سرزد ہوئی تھیں انہوں نے اعلان کر رکھا تھا، سمیر کے معاملے میں ان غلطیوں کا اعادہ نہیں کریں گی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ ڈھونڈ ڈھانڈ کر سمیر کے لیے لڑکی پسند کرتیں ابو نے انکل کی بیٹی سے اس کا رشتہ طے کر دیا۔

اماں کو اس بات کا بڑا قلق تھا وہ سمیر سے بھی خفا تھیں کہ اس نے اپنے ابو کے اس فیصلے کے خلاف احتجاج کیوں نہیں کیا۔ جبکہ سمیر کو اس بات پر ہرگز کوئی اعتراض نہ تھا کہ اماں یا ابو میں سے کوئی بھی اس کے لیے لڑکی پسند کرتا۔

اماں نے اسے اپنے سسرالیوں سے متعلق سوال پوچھنے پر اتنی باتیں سنائیں کہ اس نے مطلوبہ معلومات لیے بغیر فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

مال روڈ پر دن کے دوسرے پہر میں معمول کا رش تھا۔

مسز احسان نے ان کی توقعات کے برعکس نہ صرف انہیں مال تک جانے کی اجازت دے دی تھی۔ بلکہ وہ خود بھی ان کے ساتھ آ گئی تھیں۔ کیونکہ تنہا بیٹھ کر وہ اچھا خاصا اکتا گئی تھیں۔

"اگر ثمر کو زخمی پیر کے ساتھ چلنے پھرنے میں دقت نہیں ہے تو مجھے مال روڈ تک جانے میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

بلا کا رش۔ اس پر داہنی سمت سے آسمان پر تیزی سے بادل امڈے چلے آ رہے تھے۔ آن کی آن چمکدار صبح سرمئی دوپہر میں بدل گئی تھی۔ ہوا کے تیز جھونکے ان کے وجود سے ٹکراتے تھے۔

وہ لوگ کچھ دیر ونڈو شاپنگ کرتی رہیں۔ اس دوران مسز احسان نے ثمر سے اس کی چوٹ کے متعلق استفسار کر لیا اور ثمر تو جیسے منتظر ہی بیٹھی تھی۔ اس نے ایک پل کی بھی تاخیر کیے بغیر کل پیش آنے والے حادثے کی تمام تر تفصیلات من و عن ان کے گوش گزار کر دیں۔ مسز احسان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"تمہیں ہمیں پہلے بتانا چاہیے تھا۔ میں ریسٹ ہاؤس کی انتظامیہ سے اس بدتمیز لڑکے کی شکایت کرتی۔" انہوں نے غصے سے کہا۔ وہ کالج کی طرف سے اس ٹرپ کی ہیڈ مقرر کر کے بھجوائی گئی تھیں۔ کچھ

اور ٹیچرز بھی ساتھ آئی تھیں۔ جبکہ میل اسٹاف میں چند جونیئر کلرک ان کے ساتھ تھے۔

"دوبارہ وہ لڑکا نظر آئے تو مجھے بتانا..... ایسے کان کھینچوں گی کہ طبیعت سیٹ ہو جائے گی۔ بتاؤ! ان بدتمیز لڑکوں نے تو ہر جگہ کو خالہ جی کا گھر سمجھ لیا ہے۔ جہاں جس کے ساتھ جیسا چاہیں سلوک کر سکتے ہیں۔" مسز احسان مستقل بول رہی تھیں۔

کچھ دیر وہ لوگ اکٹھے شاپنگ کرتی رہیں۔ پھر حرم اور فرح ایک ہینڈ میڈ گرم شالوں کی دکان میں گھس گئیں۔ مسز احسان کو گفٹ آئٹمز میں زیادہ دلچسپی محسوس ہو رہی تھی' سو وہ دوسری سمت میں چلی گئیں۔ شفا اور ثمر ایک کافی اسپاٹ سے کولڈ کافی لینے رک گئی تھیں۔

"تمہارے موبائل میں کتنا کریڈٹ ہے شفا؟" کافی کے ڈسپوزیبل کپ کو ہاتھوں میں پکڑے گرم شالوں کی دکان کی طرف جاتے ہوئے ثمر نے پوچھا تھا۔

"میرا موبائل تو کل سڑک پر گر کر ٹوٹ گیا تھا۔ اس لیے اس میں کریڈٹ ہو' تب بھی کوئی فائدہ نہیں۔ تم گھر فون کرنا چاہ رہی ہو؟ آؤ! اس سامنے والے پی سی او سے کر لیتے ہیں۔" ثمر کے زخمی پیر کی وجہ سے وہ خود بھی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہی تھی۔ ثمر نے خاموشی سے کافی کا ایک چھوٹا سا گھونٹ بھرا۔ پھر اپنے گلے میں اسکارف کی طرح ایک طرف ڈالے ہوئے پاؤچ سے سیل فون نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"میں اپنے لیے نہیں تمہارے لیے پوچھ رہی تھی۔" اس نے سادگی سے کہا۔ "تمہیں عمیر بھائی اور ساہر بھابھی یاد آ رہے تھے۔ گھر فون کر کے ان کی خیریت معلوم کر لو۔"

شفا نے لحظہ بھر کے لیے گردن گھما کر اسے دیکھا اور نرمی سے اس کا سیل فون والا ہاتھ پیچھے ہٹا دیا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔"

"تم کب تک خفا رہو گی؟" ثمر کا لہجہ نروٹھا سا تھا۔

"میں خفا نہیں ہوں ثمر!"

"میں جو کہتی ہوں تمہارے بھلے کے لیے ہی کہتی ہوں۔" ثمر نے رسان سے سمجھانے کی کوشش کی۔ "تمہیں کیا لگتا ہے شفا! میں تمہاری دشمن ہوں؟"

"اور تمہیں ایسا لگتا ہے کیا کہ ساہر بھابھی میری دشمن ہیں؟" شفا نے ایک خوش رنگ سواتی شال پر ہاتھ پھیرتے ہوئے الٹا اس سے سوال کیا۔ ثمر نے گہری سانس بھری اور ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"میں نے یہ نہیں کہا کہ ثمر بھابھی تمہاری دشمن ہیں۔ لیکن میں کیا کروں۔ وہ مجھے تمہارے ساتھ مخلص نہیں لگتیں۔ اسی لیے میں کہتی ہوں تم ان کی طرف سے محتاط رہا کرو۔"

"ساہر بھابھی میرا بہت خیال رکھتی ہیں۔ میرے کھانے پینے کی انہیں فکر رہتی ہے۔ ہر سیزن میں وہ اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنے سے پہلے میرے لیے خریدتی ہیں۔ میرے ساتھ محبت سے پیش آتی ہیں۔ جبکہ عمیر بھائی سے میری خاطر جھگڑا بھی کر لیتی ہیں۔ تم مجھے بتاؤ ثمر! ایک انسان کو اپنا خلوص ظاہر کرنے کے لیے اور کیا کرنا چاہیے؟" شفا نے ہوا سے اڑتے اپنے بالوں کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

ثمر بڑی دیر تک خاموشی سے اچانک برسنے والی بارش میں بھیگتی سڑک کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے سبھاؤ سے کہا۔

"ہاں! تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ایک انسان کو اپنا خلوص ظاہر کرنے کے لیے یہی سب کرنا چاہیے... جو ساہر بھابھی کر رہی ہیں۔ پھر بھی میرا مشورہ ہے کہ تم ان کی طرف سے محتاط رہا کرو۔ ان کی ہر بات پر لبیک کہنے سے پہلے تھوڑی سی اپنی عقل بھی استعمال کر لیا کرو۔ معصومیت ممکن ہے کسی دور میں اچھی چیز سمجھی جاتی ہو۔ لیکن محبت اور بناوٹ میں فرق کرنا انسان کو ضرور آنا چاہیے۔"

معاً" بادل زور سے گرجے اور آناً" فاناً" چھاجوں چھاج مینہ برسنے لگا۔ ثمر کا آخری جملہ اس شور میں

دب گیا تھا اور شفا اشتیاق سے بارش دیکھنے لگی تھی۔ کیونکہ پہاڑوں پر برستی اس بارش کو دیکھنا اسے اپنے شہر میں ہرگز نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔

ثمر نے اپنی بات سے زیادہ بارش میں اس کی دلچسپی دیکھ کر مایوسی سے نفی میں سر ہلایا اور خود بھی بارش دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔ اسے یقین تھا کسی نہ کسی دن اللہ ساہر بھابھی کے معاملے میں شفا کو ضرور عقل دے دے گا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی' اس دن کو آنے میں ابھی بہت دن لگنے تھے۔

☼ ☼ ☼

سرار سلان کو صبح صبح بخار نے آلیا۔ اب کیفیت کچھ یوں تھی کہ چلنے پھرنے سے بے زار ہوئے بیٹھے تھے۔ نقاہت سے برا حال تھا۔ دو قدم چلتے تو چار قدم لڑکھڑاتے تھے۔ اس پر "احساس لیڈری" ایسا زور آور کہ اندر سے جانے کا نام ہی نہ لے رہا تھا۔ حلق سے آواز بھی پوری نکل رہی تھی۔

"میں بتا رہا ہوں' اگر اس بخار کے ساتھ آگے نہیں جا سکتا تو کوئی بھی نہیں جائے گا۔" ان کا اشارہ پلان کی طرف تھا' لڑکوں پر مایوسی چھا گئی۔ سارا پلان چوپٹ ہو رہا تھا۔

"ٹھیک ہے سر جی! آپ آرام فرمائیں۔ ہم مال روڈ تک کا چکر ہی لگا لیتے ہیں۔" ساقی نے ساتھ ہی حسان کے کان میں سرگوشی کی۔ "مال کا کہہ کر نکلتے ہیں۔ نیو مری تک بھی ہو آئیں گے۔ ان کو کون بتائے گا۔" لیکن جس طرح بیماری کے باوجود سر جی کا دماغ پورا کام کر رہا تھا۔ یعنی بولنے چالنے اور احکامات صادر کرنے کی صلاحیت عروج پر تھی۔ ٹھیک اسی طرح سننے کی حس ضرورت سے کچھ زیادہ ہی تیز کام کر رہی تھی۔

"جو میری اجازت کے بغیر نیو مری تک جائے اللہ کرے۔ اللہ کرے اس کے منہ پر چیچک کے داغ پڑ جائیں۔"

"اللہ کا واسطہ سر جی!" ساقی تڑپ کر بولا۔ "بندہ بد دعا دیتے ہوئے ذرا سا سوچ سمجھ تو لیں۔ کچھ مہینے بعد میری شادی ہے۔ خدانخواستہ میرے منہ پر چیچک کے داغ پڑ گئے تو بیوی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔"

تیر نشانے پر لگا تھا۔ سرار سلان نے منہ کھول کر بلند و بانگ مصنوعی قہقہہ لگایا۔

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔ کوئی ضرورت نہیں جانے کی۔ چپ چاپ بیٹھ کر میری تیمارداری کرو اور ڈھیروں نیکیاں کماؤ۔"

"تیمارداری کے بجائے کوئی ایسا بندوبست نہ کر لوں کہ سب آپ کی تعریف کریں؟ سب کو اپنے ارد گرد بیٹھا کر رکھنے کا آپ کا شوق بھی پورا ہو جائے گا۔" ساقی اور جل کر بولا۔

"حد ادب لڑکے! اس گستاخی پر میں تمہیں کڑی سزا دے سکتا ہوں۔"

"اس سے زیادہ کی ہمیں آپ سے امید بھی نہیں ہے۔ پورے سمسٹر میں آپ ہمیں اچھے گریڈز تو دے نہیں سکے۔ چلیں اب سزا ہی دے دیں۔ ویسے بھی اب تو ہمیں سی۔ جی۔ پی۔ اے گھٹنے کا خدشہ بھی نہیں ہے کہ آپ کی ہر بری بھلی مانیں۔" ساقی نے تمسخر اڑایا۔ سب اس کے ہم نوا بن گئے۔ بے چارے سر جی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ لیکن جب جانے کا وقت آیا تو حسان اور تقی سر جی کے ہم نوا بن گئے۔

"ٹیچر کی حیثیت سے نہ سہی' دوست کی حیثیت سے ہمیں ان کے پاس ضرور رکنا چاہیے۔"

لیکن تقی کو سمیر نے زبردستی گھسیٹ لیا۔

بارش کچھ دیر پہلے موسلادھار برس رہی تھی۔ اب کن من جاری تھی۔ آسمان ہنوز بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور ہوا زبردست تھی۔

مال روڈ پہ وہی سب تھا جو ہمیشہ سے ہوتا ہے۔ دوسری منازل پر بنے ہوئے ریسٹورنٹ جن کی کھڑکیاں

سڑک کی طرف کھل رہی تھیں تفریح کے لیے آئے ہوئے افراد، غیر ملکی سیاح، اوٹ پٹانگ حلیے والے ہپی، چھوٹے چھوٹے کافی اور فوڈ پوائنٹس اور دونوں طرف بنی ہوئی سجی سجائی دکانیں۔

ایسی ہی ایک دکان کے سامنے ثمر اور اس کی سہیلیاں نظر آگئیں۔ سمیر کے دل کی بے تاب و مشتاق کلی فوراً" کھل اٹھی۔ البتہ چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔

"میں نے امی کو فون کیا تھا۔ لیکن انہوں نے مجھے ثمر کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ وہ تو یوں بھی ثمر کی پوری فیملی کے بہت خلاف ہیں۔ پتا نہیں شادی کے بعد ثمر کے ساتھ ان کا گزارہ کیسے ہوگا۔"

"ابھی بیوی گھر میں آئی نہیں اور فکر مندی کا یہ حال ہے۔" تقی نے اسے بری طرح گھورا۔ "تمہیں اتنا تجسس ہے تو جا کر پوچھ کیوں نہیں لیتے کہ وہ انگیجڈ ہے یا نہیں؟"

"یہ کس طرح ممکن ہے یار!" سمیر نے افسردگی سے کہا۔

"اس میں ناممکن کیا ہے؟۔۔۔ یہ پکڑو۔" تقی نے زبردستی اپنی چھتری اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ "یہ چھتری لے جا کر اسے دو۔ بارش ہو رہی ہے۔۔۔ اور میرا نہیں خیال ان لوگوں کے پاس چھتری جیسی کوئی چیز ہے۔ وہ تمہارے اس اقدام سے ضرور خوش ہوگی۔ پھر تم اس سے جو پوچھنا چاہو پوچھ لینا۔" تقی نے منٹوں میں اس کی پریشانی کا حل اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

"مار پڑ جائے گی تقی!" سمیر نے تذبذب سے چھتری کو دیکھا۔

"خواہ مخواہ میں پڑ جائے گی۔۔۔ پیچھے ہم تیرے دوست نہیں کھڑے تجھے بچانے کے لیے؟" تقی نے جذباتی انداز سے کہا۔ "کیوں دوستو! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

"کیا؟" وہ سب یک زبان بولے۔

"وہ جو سامنے لڑکی کھڑی ہے سمیر کا خیال ہے یہ اس کی ہونے والی منگیتر ہے۔ میں نے کہا تم اس سے جا کر پوچھ لو۔ لیکن سمیر کا خیال ہے اسے مار پڑ جائے گی۔" تقی کی سنجیدگی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"لو! ایسے ہی پڑ جائے گی۔" طلحہ نے جھٹ کہا۔ "ہم جو ہیں تیرے کھرو جوان دوست۔"

"مجال نہیں کسی کی کہ ہمارے ہوتے تجھے ہاتھ بھی لگا دے۔ ہاتھ کاٹ کر پھینک دوں گا۔" ساجی تو ہاتھ کاٹنے کے لیے پرجوش بھی ہو گیا تھا۔ وہ تو تقی نے زبردستی روکا۔ ورنہ دو چار لوگوں کے ہاتھ تو مفت میں ٹوٹ ہی چکے ہوتے۔

"اچھا۔" سمیر نے مرے مرے انداز میں کہا۔ اسے اپنے دوستوں کے خلوص پر ذرا بھی شک نہیں تھا اور دل بھی چاہ رہا تھا کہ پوچھ لینا چاہیے۔ تاکہ یہ آئے روز اس کی کیفیت تو ختم ہو۔ من کی مراد بر آئی تو لڈی ڈال لیں گے مایوسی ہوئی (جلنے والے کا منہ کالا) تو چند روز حسرت سے آہیں بھر لیں گے۔

"دیکھو! تم لوگ قریب ہی رہنا۔" سمیر نے کہا۔ بالآخر اس نے ثمر سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دوستوں نے یقین دہانی کروائی کہ وہ اس کی مدد کے خیال سے چاق و چوبند اور ہوشیار رہیں گے۔

سمیر دل کڑا کر کے مخالف سمت میں بڑھنے لگا۔ تینوں کی پر اشتیاق نظریں اس کے تعاقب میں تھیں۔

☼ ☼ ☼

فرح اور ثمر ایک بک اسٹال کے پاس کھڑی تھیں۔ بک اسٹال بھی کیا تھا۔ ایک مقامی بچہ چھوٹی سی میز اور باسکٹ میں اخبار اور رسالے رکھے بیٹھا تھا۔ ثمر کے ہاتھ میں تازہ اخبار تھا۔ فرح ڈائجسٹ کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔ شفا اور حرم خدا جانے کدھر تھیں۔ جبکہ مسز احسان ابھی سامنے والی دکان میں گھسی تھیں۔ معاً" فرح کی کہنی ثمر کی پسلیوں میں لگی۔

"بی دیکھو۔۔۔ فرحت اشتیاق کے ناول کا ہیرو آگیا۔"

"کہاں۔۔۔ کدھر؟" ثمر نے پرجوش ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ کل کی بات بھول بھال چکی تھی۔ سمیر پر نظر پڑتے ہی اس کے جوش پر پانی پڑ گیا۔

"یہ کسی بی کلاس موری کا ہیرو تو ہو سکتا ہے۔ لیکن فرحت اشتیاق کے ناول کا ہیرو ہرگز نہیں۔۔۔ اونہہ لوفر لفنگا۔" اس نے اخبار جھاڑتے ہوئے با آواز بلند کہا۔ مقصود یہ تھا کہ چند قدم ادھر کھڑا سمیر بھی سن لے۔ فرح اس کی بات سن کر ہنسی۔

"جانے بھی دو ثمر! ہیرو تو ہیرو ہی ہوتا ہے۔ کیا لوفر کیا گریس فل۔" اس نے ایک دوسرا میگزین اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اور یہ تو مجھے بہت ہی اچھا لگ رہا ہے۔ اچھی شکل و صورت، بہترین ڈریسنگ، زبردست پرسنالٹی۔ دیکھو! ذرا ڈائجسٹ کے ہیرو کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ تم دیکھنا! ابھی یہ اپنی چھتری بھی تمہاری خدمت میں پیش کرے گا۔ تاکہ تم اس بارش میں بنا وقت ریسٹ ہاؤس پہنچ سکو۔۔۔ ایک اچھے ہیرو کی نشانی یہی تو ہوتی ہے۔ وہ بنا کہے ہیروئن کی پریشانی بھانپ لے اور اس کی پریشانی کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔" فرح کے انداز میں شرارت جھلک رہی تھی۔

ثمر نے دیکھا۔ سمیر بظاہر ایک اخبار پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر دبی دبی سی مسکراہٹ تھی۔ گویا وہ فرح کی ساری بات سن چکا تھا۔ ثمر کو تو آگ ہی لگ گئی۔

"چپ کرو فرح۔۔۔ اور چلو یہاں سے۔"

"ایک منٹ۔" سمیر نے سرعت سے کہا۔ مبادا وہ چلی جائے۔

"دیکھیے! جی! جو بھی ہوا میں اس کے لیے بہت شرمندہ ہوں۔ لیکن وہ صرف ایک حادثہ تھا۔ یقین کیجیے میں آپ کو چوٹ پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔" سمیر نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"زیادہ ڈراما کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ثمر نے حسب عادت تڑخ کر کہا۔ "تم جیسے فضول لڑکوں کی ان چیپ حرکتوں کو میں خوب سمجھتی ہوں۔ پہلے معذرت کرو گے۔ پھر دوستی کے لیے راہ ہموار کرو گے اور پھر۔۔۔"

"ارے! آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں تو صرف آپ کی مدد کرنے آیا ہوں۔۔۔" بوکھلاہٹ بھرے انداز میں کہتے ہوئے اس نے غیر محسوس انداز میں چھتری والا ہاتھ بھی آگے کر دیا۔

فرح کو اپنے اندازے کی سو فیصد درستی پر ہنسی آئی۔ جسے اس نے موقع کی نزاکت بھانپ کر فوراً" روک لیا۔ ثمر کی آنکھیں تو آنکھیں، منہ بھی کھلا رہ گیا۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ لفظوں کی گولہ باری کر کے ہی سمیر کو بھسم کرتی۔ اس کے عقب سے ایک موٹا تازہ ہاتھ کہنی تک برآمد ہوا اور اس ہاتھ نے چھتری جھپٹ لی۔

دور کھڑے سمیر کے دوستوں نے دیکھا۔ ڈرامائی انٹری دینے والی ان خاتون کے چہرے پر گامے پہلوان جیسی کرختگی تھی۔ انہوں نے چند جملوں کا تبادلہ سمیر کے ساتھ کیا۔ پھر وہ چھتری جو سمیر نے بڑے چاؤ کے ساتھ پیش کی تھی اس کو پکڑ کر اسی پر پل پڑیں۔ دو تین دکان دار اپنے گھونسے لہراتے ان کا ساتھ دینے پہنچ گئے۔

بے چارے سمیر کو اپنا بچاؤ کرنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ جب مدد کی آس میں دوستوں کی طرف دیکھا تو وہ اس طرح غائب ہو چکے تھے کہ گویا ہی گدھے کے سر سے سینگ غائب ہوتے ہوں گے۔ سمیر نے ایک دکھ بھری "آہ" بھری اور مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق خود کو ان سب کے بے رحم ہاتھوں کے حوالے کر دیا۔

☼ ☼ ☼

لڑکیوں کی واپسی دلچسپ قصے کے ساتھ ہوئی۔ باقی گروپس پتریاٹہ سے واپس آ چکے تھے۔ انہیں مزے لے لے کر تفصیلات بتائی گئیں۔ مسز احسان اور ثمر کی بہادری پر خوب خوب داد ملی۔ صرف فرح اور شفا تھیں۔ جنہوں نے ثمر کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

''تمہیں کیا ضرورت تھی جھوٹ بول کر اس لڑکے کو مار پڑوانے کی؟''

''جھوٹ؟'' ثمر کو حیرانی ہوئی۔ ''میں نے جھوٹ تو نہیں بولا۔ تمہارے سامنے ہی تو مسز احسان کو ساری بات بتائی تھی۔''

''لیکن ثمر! آج تو اس نے کوئی ایسی قابل اعتراض حرکت نہیں کی تھی۔'' فرح نے کہا۔ ''الٹا وہ تو معافی ہی مانگ رہا تھا۔''

''معافی نہیں مانگ رہا تھا۔ معافی مانگنے کا ڈراما کر رہا تھا۔ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اپنی حرکت پر شرمندہ ہے۔ ورنہ اس کے دل میں جو تھا' وہ اس کے چہرے پر لکھا ہوا تھا۔'' ثمر نے جذباتی پن سے کہا۔

''تم نے دلوں کا حال جاننا کب سے شروع کر دیا؟'' شفا نے تحمل سے پوچھا۔

''وہ کہہ رہا تھا۔ وہ اپنی حرکت پر شرمندہ ہے تو تمہیں اس کی بات کا یقین کر لینا چاہیے تھا۔ بات کو طول دینے کی کیا ضرورت تھی۔ معافی مانگ رہا تھا تو معاف کر دیتیں۔ اتنے لوگوں کے سامنے اسے بھی تماشا بنایا اور تم خود بھی تماشا بنیں۔ کل کو ہم لوگ مال روڈ پر نکلیں گے تو کوئی یہ تھوڑا ہی کہے گا کہ اس لڑکے کی پٹائی ہوئی تھی۔ سب تمہاری طرف بھی انگلیاں اٹھائیں گے کہ یہ ہے وہ لڑکی' جس کی وجہ سے اس لڑکے کو مار پڑی تھی۔'' شفا کا انداز ناصحانہ تھا۔

ثمر چند منٹ خاموش رہی۔ پھر اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''کل تک لوگ بھول بھی چکے ہوں گے۔''

''لیکن کیا وہ لڑکا بھی بھول چکا ہو گا؟'' شفا نے ایک دم پوچھا۔ اس کی آواز اور جملہ کسی چھری کی طرح اس کے اعصاب پر لگا تھا۔

''ساہر بھابھی کہتی ہیں لڑکے بہت ضدی ہوتے ہیں۔ ان سے جھگڑے مول نہیں لینے چاہئیں۔ کسی بات پر ضد میں آ جائیں تو بدلہ ضرور لیتے ہیں۔'' شفا کا انداز اچھا خاصا ڈرانے والا تھا۔ ثمر بری طرح چڑ گئی۔

''چلو! اب آدھی رات کو تم ساہر بھابھی کی نصیحتوں کا پنڈورا بکس کھول کر بیٹھ جاؤ۔''

''ان کی کوئی نصیحت تمہارے بھلے کی بھی ہوتی ہے۔ اس لیے کبھی کبھی تم بھی دھیان دے لیا کرو۔'' شفا نے سابقہ انداز میں کہا۔

''ان کی ساری نصیحتیں تمہارے بھلے کی ہی ہوتی ہیں۔ اس لیے تم ہی ان پر دھیان دیا کرو۔'' اس نے سارے بال سمیٹ کر اونچی سی پونی ٹیل بناتے ہوئے کہا۔

''اور مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔ تمہیں اس چغد سے اتنی ہمدردی کیوں محسوس ہو رہی ہے؟'' پونی میں ربر بینڈ ڈالتے ہوئے اس نے تیکھے پن سے کہا۔

''عقل کی اندھی! مجھے اس سے نہیں تم سے ہمدردی ہو رہی ہے۔ بلکہ میں تمہارے لیے فکر مند ہوں۔ اگر اس لڑکے نے ضد میں آ کر تمہیں کوئی نقصان پہنچایا تو ـــ''

''تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گی۔''

''ثمر! خدا کا خوف کرو۔'' شفا اس کی بلند آواز سے خائف ہوئی۔

''تو تمہارا کیا خیال ہے' میرا دل خوف خدا سے عاری ہے؟ نہیں شفا بی بی! خوف خدا بہت ہے اس دل میں۔ خدا کا خوف نہ ہوتا تو اب تک وہ میرے ہاتھوں قتل ہو چکا ہوتا اور اس کی لاش کسی کھائی میں پڑی ملتی ـــ وہ تو شکر ادا کرے کہ میں نے اللہ کے واسطے اسے بخش دیا۔ ورنہ اس بے حس معاشرے کا سر پھرا مرد اس قابل ہرگز نہیں ہے کہ عورت کو ستا کر سکون کا سانس لے ـــ میں اس معاشرے سے ایسے مردوں کا قلع قمع کر دینا چاہتی ہوں' جو عورت کو پیر کی جوتی سمجھتا ہے۔''

ثمر کا ولولہ انگیز بیان' شعلہ بیانی اور تہس نہس کر دینے کا جذبہ عروج پر تھا۔ شفا' حرم اور فرح ہکا بکا منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھیں۔



تقی' طلحہ اور ساقی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوئے جا رہے تھے۔ ان کے مردانہ جناتی قہقہوں سے در و دیوار لرز رہے تھے۔ ہر دو چار منٹ کے بعد وہ موقع کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے۔ پھر ان میں سے کسی ایک کی نظر سمیر کے بکھرے ہوئے اور سوجے ہوئے چہرے پر پڑ جاتی اور قہقہے ایک مرتبہ پھر سے ابل پڑتے۔

سمیر کی حالت تو اس غبارے جیسی ہو رہی تھی جس میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہوا بھر گئی ہو اور ہوا کے تصادم سے بھی اس کے پھٹنے کا خدشہ ہو۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا' کسی بھی آن پھٹ جائے گا اور یہی سوچ کر تقی کو زیادہ ہنسی آ رہی تھی۔ سمیر کی خونخوار نظروں کا مرکز بھی وہی تھا۔

''میں نے کل سے بہت دعائیں کی تھیں کہ یہ وہی لڑکی ہو' جس سے ابو نے میرا رشتہ طے کیا ہے ـــ لیکن اب مجھے اپنی ساری دعاؤں پر پچھتاوا ہو رہا ہے۔ اب دعا کر رہا ہوں' یہ لڑکی کوئی بھی ہو' بس شکیل انکل کی بیٹی نہ ہو ـــ اللہ ان لڑکیوں کو ذرا سی اچھی شکل کیا مل جاتی ہے۔ ان کے تو دماغ ہی ساتویں آسمان پر پہنچ جاتے ہیں۔''

''عشق کے غبارے سے ہوا تو چھتری کی پہلی ضرب لگتے ہی نکل گئی تھی اور اب وہاں غم و غصہ بھرا ہوا ہے۔''

''ان لڑکیوں کے دماغ ساتویں آسمان پر پہنچانے میں کچھ ہم لڑکوں کا بھی تو ہاتھ ہوتا ہے۔ ذرا اچھی شکل دیکھی نہیں کہ جی جان سے عاشق ہو گئے۔'' تقی نے پھر بول کر اپنی شامت کو دعوت دی۔

سمیر نے گردن موڑ کر اسے یوں گھورا۔ جیسے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچا چبا کر تھوک دینا چاہتا ہو۔

''میرا دل چاہ رہا ہے تقی! تجھے قتل کر دوں۔'' وہ رو دینے کو تھا۔

''سو بسم اللہ ـــ لیکن فرد جرم سے ضرور آگاہ کر دینا۔'' وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی ڈھیٹ تھا۔

''تم نے مجھے اس سے بات کرنے کا مشورہ دیا تھا۔'' سمیر نے زور دے کر کہا۔

''میں نے مشورہ دیا تھا۔ تمہیں گود میں اٹھا کر اس کے سامنے تو نہیں لے گیا تھا کہ اس سے بات کرو۔'' تقی نے متبسم لہجے میں کہا۔

''بات کچھ یوں ہے سمیر صاحب! میں مشورہ نہ دیتا' تب بھی تمہیں اس سے بات کرنا ہی تھی۔ کیونکہ اس وقت تک تمہاری آنکھوں پر تازہ تازہ عشق کی پٹی بندھی ہوئی تھی ـــ ویسے غلطی تمہاری بھی نہیں ہے۔ تاریخ گواہ رہی ہے کہ جس نے بھی ایسا افلاطونی عشق کیا ہے۔ اول اول مار ضرور کھائی ہے۔ اس لیے تمہیں بھی ایک آدھ مار سے دلبرداشتہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ بقول غالب ـــ ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔'' وہ بڑے ناصحانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

''ارے! لعنت ہے ایسے عشق پر ـــ'' سمیر تڑپ اٹھا اور جوش جذبات میں کچھ زیادہ ہی اچھل پڑا۔ پھر پچھتایا کہ ہلنے جلنے سے جسم میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

''جو بیچ سڑک پر جوتے پڑوا دے۔ ساتھ بھی ایسا ونٹی تھا استانی جی کا کہ کیا ہی کسی ہیوی ویٹ ریسلر کا ہوتا ہو گا ـــ مار مار کر میری ہڈیوں کا بھرتا بنا دیا ـــ لیکن دیکھ لینا' میں بھی جب تک بدلہ نہیں لے لوں گا' سکون سے نہیں بیٹھوں گا۔'' پر عزم گھونسا لہرایا گیا۔

''کیا کرو گے؟'' احسان کا لہجہ اشتیاق سے بوجھل تھا۔

سمیر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے انتظار کرنے کا کہا۔ احتیاط سے اٹھا۔ تکلیف سے ڈولتا اپنے سفری بیگ سے ایک شاپنگ بیگ نکال لایا۔

''یہ لو۔'' اس نے شاپنگ بیگ تقی کی طرف اچھال دیا۔ جسے اس نے مہارت سے کیچ کیا۔ تجسس

سے بے حال وہ سب اس شاپنگ بیگ پر جھک گئے۔ اندر سے ایک ہیلووین ماسک نکلا۔ جسے سمیر نے ٹیکسلا کی ایک ڈیوٹی فری شاپ سے خریدا تھا۔

"اس کا کیا کرنا ہے؟" ساقی نے پوچھا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" سمیر نے خباثت سے آنکھیں مٹکائیں اور جھک کر رازداری سے انہیں اپنا پلان سمجھانے لگا۔ جسے سن کر سب سے پہلے تقی بدکا تھا۔

"یہ پکڑو اپنی سوغات۔" اس نے ماسک سمیر کے سامنے پٹخ دیا۔

"میں ایسا کچھ بھی نہیں کروں گا۔" اس نے قطعیت سے کہا۔

"تمہارے تو اچھے بھی کریں گے بچو جی! الٹے سیدھے مشورے دے سکتے ہو۔ دوست کی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے اتنا سا کام نہیں کر سکتے؟"

"دوست کوئی تھوڑی سی مار کھا کے فوت نہیں ہو گیا کہ میں سلطان راہی کی طرح گنڈاسا لے کر میدان میں اتر جاؤں اور چن چن کر دوست کے قاتلوں کو مکوڑوں کی طرح مسل کر رکھ دوں۔"

"ہو گئی تیری بکواس؟" اس کے خاموش ہوتے ہی سمیر نے طنزیہ پوچھا۔ "جتنا مرضی اعتراض کر لے تقی! یہ کام تو کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ سمجھ آج سے تیری میری دوستی ختم۔"

"ایسی دوستی کا ختم ہو جانا ہی بہتر ہے، جو مجھے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کی ترغیب دے۔" تقی نے بے مروتی سے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر تو اس لڑکی سے میرا بدلہ نہیں لے گا تو میں تجھ سے بدلہ لوں گا اور تیرے ڈرلنا سائن کرنے کی بات ابا کو بتا دوں گا۔" سمیر نے آواز دبا کر کہا کہ باقی دوست تقی کے اس کارنامے سے ناحال نا واقف تھے۔ تقی تھجکے میں پڑ گیا۔ اسے سمیر سے اس ڈھٹائی کی توقع نہیں تھی۔

"یہ تو سراسر بلیک میلنگ ہے۔" اس نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

"ہے تو سہی۔" سمیر کی مسکراہٹ دل جلانے والی تھی۔ "فیصلہ بہرحال تمہیں ہی کرنا ہے۔ میری حالت ایسی نہیں رہی کہ مار کھانے کے بعد جا کر بدلہ لوں۔ میرا نمائندہ بن کر تمہیں ہی جانا پڑے گا۔ میں نے ان لڑکیوں کے ساتھ آئے ہوئے میل اسٹاف کے ایک فرد کو کہتے سنا تھا کہ کل شام یہ لوگ بیرچٹاسی روانہ ہو جائیں گے۔ ہمارے پاس صرف آج کی رات ہے۔ جو کرنا ہے "آج کی رات ہی کرنا ہو گا۔" سمیر نے پراسرار انداز میں تقریباً" حکم ہی جاری کیا تھا۔

تقی نے تھوک نگل کر خشک ہوتا حلق تر کیا اور مدد طلب نظروں سے باقی احباب کو دیکھا۔ وہ سب تماشائیوں کا سا اشتیاق چہرے پر سجائے اس کے جواب کے منتظر تھے۔ تقی برا پھنسا تھا۔

"تم لوگ ہی کچھ بولو۔ تم لوگوں کے عزیز دوست کو ایسے آتش فشاں کے دہانے پر دھکیلا جا رہا ہے، جو کسی بھی لمحے پھٹ سکتا ہے۔" اس نے سب کو آس و امید بھری نظروں سے دیکھا۔

"کوئی کچھ نہیں بولے گا۔ آخر میری دفعہ بھی تو سب خاموش رہے تھے۔" سمیر نے تو کمینگی کی حد کی ہوئی تھی۔

"اچھا! میں اکیلا تو تو تمہیں چھوڑ کر نہیں بھاگا تھا۔ یہ ساقی اور طلحہ بھی تو میرے ساتھ تھے۔" اس نے کہنا چاہا، طلحہ نے فوراً" ٹوک دیا۔

"ہمارے تو نام بھی مت لینا۔ سمیر کے درست طریقے سے بکنگ نہ کروانے پر ہمیں جو خجل خوار ہونا پڑا۔ ہم تو اس کی سزا کے طور پر وہاں سے بھاگے تھے اس لیے ہم پر تو سمیر کا کوئی قرض واجب الادا نہیں ہے۔"

"درست۔" سمیر نے کہا۔ "چونکہ اس لڑکی کی خدمت میں چھتری پیش کرنے کا مشورہ تم نے ہی دیا تھا۔ اس لیے یہ کام بھی تمہیں ہی کرنا پڑے گا۔"

اس کا دل دہل رہا تھا کہ وہ برا پھنسا تھا۔

☼ ☼ ☼

اور یہ محض اتفاق ہی تھا کہ اس رات بارہ بجے

صرف چند منٹ قبل ثمر کو یاد آیا کہ وہ اپنا بیش قیمت کیچر ڈائننگ ہال میں بھول آئی ہے۔

"کیا افتاد آ گئی ہے ثمر! ایک معمولی سا کیچر ہی تو ہے صبح دیکھ لینا۔ وہیں کہیں کرسیوں کے پاس گرا ہو گا۔"

شفا نے ثمر کو ہڑبڑاہٹ کے عالم میں بستر سے نکلتے دیکھ کر کہا۔ شام والا اختلاف بھلائے وہ دونوں باہم شیر و شکر ہو کر بستر میں گھسی باتیں کرنے میں مصروف تھیں۔ فرح اور حرم سو چکی تھیں۔

"یار! وہ کوئی معمولی کیچر نہیں تھا۔ اس میں اصلی "سفائیر" لگا ہوا تھا۔ میرے بہنوئی پہلی ویڈنگ اینی ورسری پر ثانیہ کے لیے سڈنی سے لے کر آئے تھے۔ میں اس سے ادھار مانگ کر لائی ہوں۔ خدانخواستہ کیچر گم ہو گیا تو ثانیہ تو مجھے قتل کر دے گی۔" ثمر نے اپنی بہن کا نام لیتے ہوئے جلدی جلدی بتایا۔

"کیچر کس کلر کا ہے؟"

"بلیک۔"

"اچھا! ٹھیک ہے۔ اب تم بیٹھ کر میرا انتظار کرو۔ میں ابھی کیچر لے کر واپس آ رہی ہوں۔"

شفا دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ دو طرفہ بنے ہوئے کمروں کی درمیانی راہداری میں ملگجی روشنی۔ لیکن گہری خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

عمیر بھائی اچھی طرح جانتے تھے۔ شفا پہلی بار گھر سے اتنا دور گئی ہے۔ لیکن پورے دو دن گزر جانے کے باوجود انہوں نے ایک کال کر کے اس کی خیریت معلوم کرنے کی زحمت تک گوارا نہیں کی تھی۔ ہاں! اسما اور بھابھی کی کالز اسے مسلسل آتی رہی تھیں۔

عمیر بھائی کے رویے پر غور کرتے ہوئے وہ ڈائننگ ہال کی طرف چل پڑی۔ اپنے خیالات میں وہ اس حد تک مگن تھی کہ اپنے عقب میں پراسرار چرچراہٹ کے ساتھ کھلنے والے دروازے کی طرف بھی اس کا دھیان نہیں گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

دروازہ پراسرار چرچراہٹ کے ساتھ تقریباً" ایک بالشت جتنا کھل گیا تھا۔ اندر بالکل اماوس کی رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور تاریکی کے پردے پر الو کے جیسی دو سفید آنکھیں گول گول گھوم رہی تھیں۔

دروازہ مزید کھلا اور اندر سے بے حد احتیاط کے ساتھ سرکتا ایک سر برآمد ہوا۔ جس کی پیشانی کے ساتھ ایک خوفناک چہرہ لگا ہوا تھا۔ کالا سیاہ رنگ، بے حد بڑی اور تقریباً" ڈھائی انچ تک باہر کو نکلی ہوئی لال انگارہ سی وحشت ناک آنکھیں، موٹے موٹے بدوضع ہونٹ، جو کانوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ منظر غار

اس پر مسکراہٹ کا گمان ہوتا تھا۔ پھر ان لمبے لمبے دانتوں پر نظر جاتی، جو بے حد سرخ اور گندے تھے اور دل بند ہونے لگتا۔

اس خوفناک چہرے کے ذرا سے نیچے تقی کا منہ لگا ہوا تھا اور اس طرح تقی کو دیکھ کر سب دوستوں نے تقی کی بلائیں لے ڈالی تھیں۔ سمیر نے تو فرط جذبات سے اسے گلے ہی لگالیا تھا۔

"پہلی بار تمہارا اصلی روپ دکھائی دیا ہے تقی!" سب کی متفقہ رائے تھی۔ بہرحال تقی نے اس خوفناک چہرے کے ساتھ گردن گھما کر محتاط انداز میں لابی کا جائزہ لیا۔ کمروں کے بند دروازوں کے آگے ہیبت ناک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ اس علاقے میں جنگلی بھیڑیوں کے گھسنے کا امکان تو نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی تقی کے کانوں میں بھیڑیوں کے رونے کی آوازیں گونج رہی تھیں اور اس کا دل پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

معاً" لابی کے کنارے پر اسے ایک سبز آنچل غائب ہوتا دکھائی دیا تقی نے سٹپٹا کر منہ اندر کھینچ لیا اور دروازہ بند کردیا۔

"کیا ہوا؟" سمیر نے ٹارچ جلاتے ہوئے پوچھا۔ بوجوہ کمرے کی لائیٹس انہوں نے بند کر رکھی تھیں۔ یہ کمرہ باقی کمروں سے الگ تھلگ تھا اور اس کی لوکیشن ایسی تھی کہ مصیبت پڑنے پر بالکونی کی کھڑکی سے بنا کسی دقت کے فرار ہوا جاسکتا تھا۔ سمیر نے ریسٹ ہاؤس کے ملازم کو تھوڑے پیسے دے کر اس کمرے کی چابی رازداری سے حاصل کی تھی۔ ایڈونچر کے مارے ساقی اور حسان بھی ان کے ساتھ آئے تھے۔

"کیا ہوا ہے تقی؟" سمیر نے اس کی مستقل خاموشی پر چڑ کر دوبارہ پوچھا۔ تقی دیوار سے چپکا کھڑا تھا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ دل پر رکھا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر حواس باختگی کی پرچھائیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

"وہ ڈائننگ ہال کی طرف جارہی ہے۔"

"ویری گڈ۔" سمیر خوش ہوا۔ "مجھے پتا تھا، وہ کسی بھی وقت اپنے کمرے سے ضرور نکلے گی اور یہی وقت اسے خوفزدہ کرکے بدلہ لینے کے لیے بہترین ہوگا۔"

"لیکن تمہیں کیسے پتا تھا، وہ کمرے سے نکلے گی؟" حسان نے پوچھا۔

"یار! میں نے اس کا **کیچر** ڈائننگ ہال کے دروازے کے پاس گرتے دیکھا تھا۔ یہ لڑکیاں سب کچھ بھول سکتی ہیں، اپنے سنگھار کا سامان کبھی نہیں بھولتیں۔ اسی لیے مجھے آئیڈیا تھا۔ وہ اپنا **کیچر** ڈھونڈنے کسی بھی وقت ضرور نکلے گی۔" سمیر کہہ رہا تھا اور تقی کا دل جیسے سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ اسے اپنے دل کی دھڑکن کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔

"دروازہ بند نہیں کرنا تھا تقی! وہ ابھی واپس آجائے گی اور تب تمہیں ایک دم اس کے سامنے جانا ہے۔ میں دروازہ کھولتا ہوں۔ لیکن یاد رکھنا! جوں ہی وہ پہنچنے لگے گی اور تمہیں احساس ہو کہ کسی کمرے کا دروازہ کھلنے لگا ہے تو ایک لمحہ ضائع کیے بغیر واپس آجانا۔ ہم بالکونی سے فرار ہوجائیں گے۔" سمیر نے ایک ہاتھ میں ٹارچ پکڑے، دوسرے ہاتھ سے دروازے کی ناب گھماتے ہوئے اسے ہدایات دیں۔

"مم۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے سمیر!" تقی نے منمنا کر کہا۔

"شرم کر تقی۔" سمیر نے فوراً" نہ صرف اسے گھورا۔ بلکہ لتاڑا بھی۔ "جتنی خوفناک تیری شکل ہے۔ کوئی بہت حوصلہ مند انسان بھی دیکھ لے تو خوف کے مارے پہلی فلائیٹ پکڑ کر اللہ کے پاس پہنچ جائے اور تو ڈر بھی رہا ہے...... حد ہوگئی بزدلی کی۔ اور کچھ نہیں تو اپنی اس بھوتوں والی شکل کا ہی بھرم رکھ لے۔"

"ہاں! تو میرا بھی بھوت بننے کا پہلا تجربہ ہی ہے۔ کوئی پیدائشی بھوت تو ہوں نہیں کہ ڈروں بھی نہیں۔" تقی نے چڑ کر کہا۔

سمیر اسے نظرانداز کیے باہر جھانک رہا تھا۔

"آگئی..... آگئی۔" سمیر نے بعجلت اس کا ماسک سیٹ کیا۔

"اسٹینڈ بائی پوزیشن میں آجا تقی! اب سب کچھ تیرے ہاتھ میں ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا سمیر! آخر اس لڑکی کو اس طرح ڈرا کر تجھے ملے گا کیا؟"

"سکون ملے گا میرے دل کو۔ جب اس پھنے خان کی سوتیلی ماسی کے سارے کس بل نکل جائیں گے اور خوف کے مارے اس کی گھگھی بندھی ہوگی تو میرے سینے میں ٹھنڈ پڑ جائے گی۔"

وہ حد سے زیادہ پریقین و پرجوش تھا۔ جبکہ تقی کو کئی طرح کے خدشات نے گھیر رکھا تھا۔ سمیر تقی کو ٹس سے مس نہ ہوتا دیکھ کر یکایک غصے میں آگیا۔ ایک آن میں اس نے تقی کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا اور سرعت سے باہر کی جانب دھکیل دیا۔

تقی اس کی تمام تر کمینگیوں سے واقف ہونے کے باوجود ایسی حرکت کی توقع نہیں کررہا تھا۔ اس کا خیال تھا سمیر آن اسپاٹ اسے ذہنی طور پر تیار ہونے کے لیے کچھ منٹ تو ضرور دے گا۔ لیکن سمیر نے چونکہ ایسا کچھ نہ کیا تھا۔ اس لیے وہ لابی کے عین درمیان میں لڑکھڑاتا ہوا پہنچا تھا۔

دوسری جانب شفا اپنی ہی جھونک میں تھی۔ ایک اجالی مکروہ چہرے والے وجود کو اپنے سامنے اچانک اور ناچتا دیکھ کر اس کے حلق سے چیخیں ابل پڑی تھیں۔

تقی پہلے ہی بوکھلایا ہوا تھا۔ ثمر کی جگہ اس کی سہیلی کو دیکھ کر وہ بالکل ہی حواس باختہ ہوگیا اور اسی حواس باختگی میں سارا منصوبہ اس کے دماغ سے اڑنچھو ہوگیا وہ قطعی فراموش کر بیٹھا کہ یہاں ڈرنے کے لیے نہیں بلکہ ڈرانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ نتیجتاً" وہ لوگ جو شفا کی چیخیں سن کر بیدار ہونے سے رہ گئے تھے انہیں تقی کی بے سری چیخوں نے جاگنے پر مجبور کردیا۔

سمیر، ساقی، حسان اور طلحہ نے صورت حال کی نزاکت کو بھانپا اور منظر سے غائب ہونے میں ایک بھی لمحہ نہیں لگایا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر انہوں نے ٹن [illegible] اور پانی کی بوتل میز پر رکھی اور انتظار کرنے لگے تاکہ مار کھائی ہوئی حالت میں جب تقی واپس آئے تو اسے ٹھنڈا کرنے کا بندوبست کیا جاسکے۔

☆ ☆ ☆

وہ دونوں حلق پھاڑ کر چیخ رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے چیخیں مارنے میں ایک دوسرے کو مات دینے کی کوشش کر رہے ہوں اور اپنی اس کوشش میں انہوں نے ریسٹ ہاؤس کے در و دیوار ہلا کر رکھ دیے تھے۔

اسی اثنا میں بھاگتے، دوڑتے، لکڑی کا زینہ عبور کرتے قدموں کی آواز سنائی دینے لگیں اور گویا تقی کی تمام حسیات جاگ اٹھیں۔ کمروں کے تالے کھل رہے تھے۔ اس نے حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آنکھیں بند کرکے چیخیں مارتی شفا کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے گھسیٹا اور غڑاپ سے کمرے میں گھس کے مقفل کردیا۔

شفا کی چیخیں رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ تقی نے بمشکل اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کی آواز بند کی۔ یہ بھی شکر تھا کہ سمیر ٹارچ یہیں چھوڑ گیا تھا۔ جو کمرے میں داخل ہوتے ہی تقی کو پاؤں کے پاس پڑی مل گئی تھی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے ٹارچ جلائی۔ روشنی چہرے پر براہ راست پڑنے سے اس کی ہیبت ناک نقوش اور بھی واضح ہوگئے تھے۔ شفا خوف سے مرنے والی ہورہی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہوتی، تقی نے تیزی سے ٹارچ والے ہاتھ سے اپنا ماسک اتار دیا۔ شفا کی خوف سے پھیلی ہوئی آنکھوں میں حیرانی نظر آنے لگی۔ پھر وہاں ناسمجھی تیرنے لگی۔ لیکن وہ پرسکون ضرور ہوگئی تھی۔

"کون ہو تم؟" اس نے تقی کا ہاتھ زبردستی پیچھے ہٹاتے ہوئے غرا کر پوچھا۔

"دیکھو! میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا...... پلیز تم چیخنا نہیں۔" تقی کی زیادہ تر توجہ باہر سے آتی آوازوں کی طرف تھی۔ لیکن اس نے منت بھرے انداز میں کہا۔

بھوت کو سامنے پاکر شفا جس خوف کا شکار ہوئی تھی

وہ اس کی انسانی شکل پر آواز سن کر دور ہو گیا۔ وہ ایک دم غصے میں آ گئی۔

"میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔ تم ہو کون بدتمیز آدمی؟" وہ غرائی۔ لیکن آواز بلند ہونے سے پہلے ہی تقی نے دوبارہ اس کے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھ دیا۔

"اب تمہارے منہ سے ایک بھی آواز نکلی تو میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔" تقی نے دانت پیستے ہوئے اسے دھمکایا۔ شفا نے معاملے کی نزاکت سمجھ کر مزاحمت ترک کر دی۔

ان دونوں کے کان دروازے سے باہر دھیمی ابھرتی آوازوں کی طرف لگے ہوئے تھے۔ تقی گاہے بگاہے اس پر بھی نظر ڈال لیتا تھا۔ جس کی بڑی بڑی آنکھوں میں ہراس اور بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ اتنی احمقانہ، غلطی اور پریشان کن صورت حال میں بھی تقی نے اعتراف کیا کہ اس کی اماوس کی رات جیسی سیاہ آنکھیں بے حد خوب صورت تھیں اور ان پر جھکتی اٹھتی پلکوں کی جھالر اتنی گھنی تھی کہ ایک دوبار تقی کے دل میں خیال ابھرا "وہ اصلی بھی ہیں یا نہیں۔

اسی اثنا میں باہر سے آنے والی آوازیں ماند پڑ گئیں۔ شفا نے اس کی گرفت نرم پڑتے ہی خود کو اس سے آزاد کروایا۔ لیکن جوں ہی وہ دروازہ کھولنے لگی، تقی نے ہاتھ پکڑ کر اسے پیچھے کی طرف کھینچ لیا۔

"کیا تم پاگل ہو گئی ہو۔ بے شک آوازیں آنا بند ہو گئی ہیں۔ لیکن وہ لوگ قریب ہی ہوں گے۔ ہم دونوں کو کمرے سے نکلتا دیکھ کر تمہاری پوزیشن بھی مشکوک ہو جائے گی۔" تقی نے مصالحانہ انداز میں کہا تھا۔ لیکن شفا بری طرح چڑ گئی۔

"اگر تمہاری اس حرکت کی وجہ سے کسی نے میری طرف انگلی اٹھائی تو میں۔ میں تمہیں قتل کر دوں گی۔" اس نے پھر غرا کر کہا۔

تقی خاموشی سے بیڈ پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ شفا نے اسے یوں اطمینان سے بیٹھا دیکھ کر پیر پٹخا۔

"تم ہو کون؟" شفا نے دانت پیس کر پوچھا۔

"تقی۔ سمیر کا دوست۔"

"کون سمیر؟" وہ از سر نو چڑ گئی۔

"وہی سمیر۔ جس کو تمہاری سہیلی نے کل بلاوجہ مار پڑوائی تھی۔" تقی نے عقدہ کھولا۔

"او۔" شفا کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔ "وہ غلطی ہو گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی مار پڑنا چاہیے تھی۔"

"دیکھو۔ میں یہاں تمہاری سہیلی کو ڈرانے کے لیے کھڑا ہوا تھا۔" تقی نے کسی قدر شرمساری سے بتایا۔ "سمیر اس سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ لیکن مار کھا کر اس سے چلا نہیں جا رہا تھا تو اس نے زبردستی مجھے بھیج دیا۔ لیکن پتا نہیں تم کہاں سے آ گئیں اور سب گڑبڑ ہو گیا۔ سنو! تم اب اپنی سہیلی کو جسٹی فائی مت کرنا۔ اسے سمیر کو مار تو بہر حال نہیں پڑوانا چاہیے تھی۔"

"تو پھر کیا اس کی تصویر کھنچوا کر فریم کروا لینا چاہیے تھی؟" شفا کو پتنگے لگ گئے۔

"شکر کرو! تمہارے دوست کو صرف مار پڑی ہے۔ میں ثمر کی جگہ ہوتی تو ایسا فضول سوال پوچھنے پر لٹے الٹا لٹکا دیتی۔" غصے کی حالت میں وہ یکسر مختلف شفا بن گئی تھی۔

"اس میں فضول کیا تھا؟" تقی نے سادگی سے پوچھا۔ "وہ صرف یہی جاننا چاہ رہا تھا کہ وہ کہیں کمٹڈ یا انگیجڈ تو نہیں ہے۔ لیکن تمہاری سہیلی نے اس کا پورا سوال بھی نہیں سنا۔"

"اچھا ہوا پورا سوال نہیں سنا۔ وہ سن لیتی تو سچ مچ تمہارے دوست کو الٹا لٹکا دیتی۔ کسی نے اسے اتنی تمیز نہیں سکھائی کہ لڑکیوں سے اتنی ذاتی نوعیت کے سوال نہیں پوچھا کرتے؟"

تقی نے کندھے اچکا کر اسے دیکھا۔

"میں سمجھ نہیں پا رہا۔ آخر اس میں اتنا برا ماننے کی کیا بات ہے؟ پتا نہیں تم لڑکیاں ذرا ذرا سی بات کو اتنا کا مسئلہ کیوں بنا لیتی ہو؟"

"اس لیے۔ کیونکہ ہمیں ذرا ذرا سی بات کو انا کا مسئلہ بنانا اچھا لگتا ہے۔" شفا نے جیسے الفاظ چبائے

ہوئے سرد مہری سے کہا تھا۔ "اب تم اٹھ کر دروازہ کھولو گے یا میں چیخ چیخ کر سب کو اکٹھا کروں؟"

"میں دروازہ کھول دیتا ہوں۔ لیکن تمہیں میری معذرت قبول کرنا ہوگی۔ یہ جو بھی ہوا' وہ محض ایک حادثہ تھا اور۔۔۔ اور سمیر کی بے وقوفی۔۔۔ تمہیں اتنی دیر کمرے میں روکنے کے لیے بھی میں شرمندہ ہوں۔ لیکن اگر میں ایسا نہ کرتا تو ہم دونوں بری طرح پھنس جاتے۔" اس نے یکبک آئی سے لابی کا طائرانہ جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا۔

"میرا خیال ہے، تم میری بات سمجھ گئی ہو گی۔۔۔ ہم دونوں کی پوزیشن اچھی خاصی آکورڈ ہو سکتی تھی۔" اس نے پوری تسلی کے بعد دروازہ کھولتے ہوئے کہا تھا۔

"اور تمہارا کیا خیال ہے، اب میری پوزیشن کلیئر ہو گی؟۔۔۔ محترم! آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے میں پچھلے تیس منٹ سے اپنے کمرے سے غائب ہوں۔ میری فرینڈز نے اب تک میری غیر موجودگی کی خبر ہاری ٹیچرز تک پہنچا دی ہو گی اور وہ لوگ یقیناً مجھے ڈھونڈ رہی ہوں گی۔" شفا نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"میں ان لوگوں کو کیا جواب دوں گی کہ میں اب تک کہاں تھی۔"

تقی کی شرمساری میں اضافہ ہوا تھا۔

"میں شرمندہ ہوں۔۔۔"

"تمہاری شرمندگی کا مجھے کیا فائدہ ہے؟" شفا نے بیڈ پر پڑا ماسک جھپٹ کر اٹھایا اور تقی کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتی دروازے کی طرف لپکی۔

"اپنے کمرے میں جا کر سامان پیک کرنا شروع کر دو۔ صبح ہوتے ہی میں تمہارا وہ حشر کرواؤں گی کہ تم اور تمہارے دوست یاد رکھو گے۔" دروازے کا ہینڈل گھماتے ہوئے اس نے کڑے تیوروں کے ساتھ کہا۔

"اچھا! لیکن کم سے کم یہ تو بتاتی جاؤ کہ تمہاری دوست کمپٹلڈ یا میرڈ تو نہیں ہے؟" تقی نے جلدی سے پوچھ ہی لیا۔

"نہ انگیجڈ نہ کمپٹلڈ۔" شفا نے مڑ کر اسے دیکھا۔ "وہ میرڈ ہے الحمد اللہ۔" اس نے دانت کچکچا کر کہا اور دروازہ تقریباً" اس کے منہ پر مار کر چلی گئی۔

"ہک ہا۔۔۔ اتنا کھٹراگ بھی پھیلایا۔ شرمعکیا ہوئی سوالگ۔۔۔ اور لڑکی بھی شادی شدہ نکل آئی۔ لعنت ہے بھئی۔۔۔ تیری قسمت ہی خراب ہے سمیر!" تقی مایوسی سے کہتا بیڈ پر گر گیا۔

☆ ☆ ☆

کچھ عجیب نا قابل فہم سی خاموشی ان سب کے درمیان پھیلی ہوئی تھی۔

جس کے جہاں سینگ سمائے' وہ وہیں سوچ بچار میں مصروف ہو گیا۔ سب سے برا حال سر ارسلان کا تھا' جو بخار سے تپتا چہرہ لیے کمرے میں دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں چکر کاٹ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں غصہ اور چہرے پر فکر مندی تھی۔

"سمیر! کم سے کم مجھے تم سے ایسی احمقانہ حرکت کی توقع نہیں تھی۔" ایک دم انہوں نے رک کر ناراضی سے اسے دیکھا۔

"ان سب میں سے کوئی ایسا بے وقوفانہ پلان بناتا' کہ ماسک چڑھا کر لڑکی کو ڈرایا جائے تو میں مان لیتا۔ لیکن تم۔۔۔ تم تو۔۔۔"

"تم تو سر کی کلاس کے سب سے لائق اسٹوڈنٹ تھے۔ تم نے ایسا ویک پلان کیسے بنا لیا۔" ایک دم ساقی نے جل کر کہا تھا۔ اس کی بات پر جہاں سب کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ پھیل گئی' وہیں سر نے خفیف سا ہو کر اسے گھورا۔

"تم چپ رہو نالائق۔" پھر کچھ خیال آنے پر بولے۔ "حیرانی مجھے اس بات پر ہے کہ تم لوگ تقی کو اتنی کریٹیکل سچویشن میں اکیلا چھوڑ کیسے آئے؟"

"ہم کب چھوڑ کر آئے تھے۔" سمیر نے تیزی سے کہا۔ "جیسے ہم بھاگے تھے' ہمارا خیال تھا' ہمارے پیچھے وہ بھی آ جائے گا۔ لیکن وہ پتا نہیں کس کے انتظار میں کھڑا رہا۔۔۔ اور میں جب سے آیا ہوں' دیکھ رہا ہوں' آپ مسلسل تقی کی فکر میں ہلکان دکھائی دیتے ہیں سر!

جی! جبکہ میری ہڈیوں کا سرمہ بننے میں بس کسر ہی رہ گئی تھی اور آپ نے مجھ سے اظہار افسوس تک نہیں کیا۔" سمیر نے منہ بسور کر کہا۔

"وہ اس لیے گدھے! کیونکہ جب تم مار پیٹ کا ہار گلے میں لٹکا کر آئے تو میں سو رہا تھا۔ مجھے تو اصل قصے کا بھی ابھی پتا چلا ہے۔ اگر مجھے خواب میں ہی خبر مل جاتی کہ تم تقی سے کیا کروانے لگے ہو تو فوراً" تمہیں روک دیتا۔۔۔ اب تمہاری اس حرکت کی وجہ سے ہم سب نظروں میں آ جائیں گے اور اگر خدانخواستہ! تقی پکڑا گیا تو وہ اتنا اچھا تو ہرگز نہیں ہے کہ تن تنہا مار کھاتا رہے۔۔۔ ہمارے نام تو ضرور لے گا' وہ اور اس کے بعد ہڈیاں سینکوانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" بات قابل غور تھی۔ سب کے دل کو لگی۔

"اب کرنا کیا ہے؟" طلحہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

"میں تو کہتا ہوں' سامان سمیٹ کر یہاں سے بھاگ چلو۔" حسان نے تیزی سے کہا۔ "تقی کی نشان دہی کے بعد متوقع مار سے بچنے کا یہی ایک طریقہ ہو سکتا ہے۔"

"مجھے تم سے اسی آئیڈیے کی توقع تھی۔" ارسلان نے جل کر کہا۔

"ظاہر ہے سر جی! حسان کی آدھی عمر اسی طرح بھاگتے دوڑتے گزری ہے۔ وہ بھی گرلز کالج کے عین سامنے۔" ساقی نے شرارت سے کہا۔ حسان نے کوئی کرارا سا جواب دینے کے لیے پنجے تیز کیے ہی تھے کہ ارسلان نے سب کو باجماعت جھاڑ کے رکھ دیا۔

"خبردار! اب کوئی نہیں بولے گا۔۔۔ مجھے سوچنے دو۔"

تب ہی دھاڑ کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اور تقی گرتا پڑتا اندر داخل ہوا۔

"ہٹ جاؤ۔۔۔ ہٹ جاؤ۔" وہ دھپ سے بیڈ پر گر گیا۔ سب اس کے ارد گرد ہو گئے۔ بظاہر تو ٹھیک ٹھاک لگ رہا تھا۔ مار پیٹ کے کوئی خاص نشانات بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے اور جب یہی بات سمیر نے

پوچھی تو وہ اسی پر الٹ پڑا اور سارا قصہ کہہ سنایا۔

"بندہ انتقام میں اتنا بھی اندھا نہ ہو کہ اپنے دشمن کو بھی نہ پہچان سکے۔ وہ لڑکی میرے بارے میں پتا نہیں کیا سوچ رہی ہوگی۔" تقی کے سر پر فکر سوار تھی۔

"لو جی۔" ارسلان نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا۔ "اسے یہ فکر مارے دے رہی ہے کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی۔ حالانکہ اس کی کوئی گنجائش چھوڑی ہے تم لوگوں نے؟؟"

"ساری غلطی میری ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا اسے اٹھا کر کھائی میں پھینک دو۔ اگر تب ہی سب نے میری بات مان لی ہوتی تو ابھی یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا۔" حسان منمنایا۔ کیونکہ موردِ الزام اسے بھی ٹھہرایا جا رہا تھا۔

"اب میرا کیا ہوگا؟" تقی کو اپنی فکر سب سے زیادہ تھی۔ "جتنے خطرناک تیوروں کے ساتھ وہ دھمکی دے کر گئی ہے۔ مجھے یقین ہے وہ ضرور میرا کچومر نکلوائے گی۔"

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔ جو کہ تم لوگوں کے ہر بکواس پلان سے زیادہ بے ضرر اور کارآمد ثابت ہوگا۔۔۔ کام نہ بھی کیا تو مار ہرگز نہیں پڑوائے گا۔" ارسلان نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ساتھ ہی اپنا پلان ان سب کے گوش گزار کر دیا۔

ان سب نے ہمہ تن گوش ہو کر سنا اور سب سرجی کی فہم و فراست پر عش عش کر اٹھے۔

"واہ سرجی! واہ۔۔۔ مان گئے آپ کو۔ آپ پڑھائی کے میدان میں ہی نہیں، چالاکیوں میں بھی ہمارے استاد ہیں۔" ان سب کی باہمی رائے بس یہی تھی۔

☆ ☆ ☆

دوسری جانب شفا کی سہیلیاں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

گو کہ اسے کمرے سے نکلے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ لیکن باہر اچانک ابھرنے والی چیخ و پکار اور شفا کی عدم دستیابی نے انہیں بھی خدشات میں ڈال دیا تھا۔ وہ تذبذب کا شکار تھیں کہ اب کیا کیا جائے۔ لیکن شکر کہ اسی وقت شفا آگئی اور اس نے سارا قصہ کہہ سنایا۔

"اتنی دیر تک تم اس ہینڈسم کے ساتھ کمرے میں اکیلی تھیں؟؟" حرم نے دبے دبے جوش کے ساتھ اچانک پوچھا۔ "تم دونوں نے کیا باتیں کیں؟"

"جس طرح کی صورت حال تھی۔ تمہارے خیال میں گالیاں دینے کے سوا کوئی بات ہو سکتی تھی؟؟" شفا نے چڑ کر کہا۔

"کیوں نہیں ہو سکتی تھی؟ بلکہ یہ کوئی فلم یا ڈراما ہوتا تو اتنی دیر میں لڑکا لڑکی کو آپس میں محبت بھی ہو سکتی تھی۔ تم صرف باتوں کا پوچھ رہی ہو۔" حرم نے پُریقین لہجے میں کہا۔ وہ تھوڑا فلمی مزاج رکھتی تھی۔ ہر چیز میں فلمی رومانس ڈھونڈنے کی کوشش کرتی۔

"تھوڑی سی فلمی سچویشن کری ایٹ ہو جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سب کچھ فلمی ہو۔" فرح نے اپنا سر پیٹ ڈالا۔

"اور ان فضول لڑکوں میں سے کسی سے محبت کرنے کا تو تم لوگ سوچنا بھی نہیں۔ صبح ہوتے ہی ان سب کو مسز احسان سے مار نہ پڑوائی تو میرا نام بھی ثمر نہیں۔" ثمر نے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اچھا بھئی۔۔۔ اب تو جو بھی کرنا ہے صبح ہی کرنا ہے نا۔۔۔ تو چلو! ابھی سو جاتے ہیں۔۔۔ پہلے ہی بے وقت نیند سے اٹھنے کی وجہ سے میرا سر پھٹ رہا ہے۔" فرح نے واپس کمبل میں گھستے ہوئے کہا۔

ٹھیک پینتالیس منٹ بعد ان کے کمرے کا دروازہ احتیاط سے بجا۔

رات کے اس پہر کون ہو سکتا ہے؟ انہوں نے اور بھی احتیاط سے دروازہ کھولا۔ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ لابی دور تک خالی پڑی تھی۔ البتہ دروازے کے بالکل سامنے فرش پر رومال کی چھوٹی پوٹلی پڑی تھی۔

کھول کر دیکھا۔ اندر ثمر کا کیچر اور کاغذ کا پرزہ تھا۔ جس پر بڑے حروف میں "سوری" لکھا ہوا تھا۔

"چلو! اب یہ نیا ڈراما شروع ہو گیا۔ میں کہتی ہوں ابھی چلو۔ مسز احسان سے کہہ کر ابھی ان لوگوں سے بات کرتے ہیں اور انہیں باہر نکلواتے ہیں۔ حد ہو گئی یار! نیم تہذیب کسی چڑیا کا نام ہے یا نہیں۔" ثمر فوراً ہی تپ گئی۔

"خدارا ثمر! اتنا غصہ مت کیا کرو۔ مجھے لگتا ہے کسی روز پریشر ککر کی طرح پھٹ جاؤ گی تم۔" شفا نے کیچر اس کے ہاتھ میں دیا اور کاغذ موڑ کر کے ڈسٹ بن میں اچھال دیا۔

"سو جاؤ اب۔" وہ بستر میں گھس گئی۔ لیکن ثمر کی آنکھوں میں اب نیند کہاں؟ وہ ساری رات پلاننگ کرتی رہی کہ ان لڑکوں کو اب سزا کس طرح دلوانی ہے۔

☆ ☆ ☆

ثمر کی ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ لیکن شفا نے اس کی ساری پلاننگ پر پانی پھیر دیا۔

"معافی مانگ تو چکا ہے وہ۔ اب کس لیے اس لڑکے کی شکایت لگائیں؟ ویسے بھی ہمارے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں جس سے ثابت کیا جا سکے کہ اسی نے رات کو مجھے ڈرایا تھا۔" شفا نے تحمل سے کہا۔ لیکن ثمر اسے ٹال مٹول کر تا دیکھ کر چڑ گئی۔

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو کہ کس طرح ثابت کرنا ہے۔ بس تم میرے ساتھ چلو۔"

"ثمر! کیا ضرورت ہے یار۔۔۔ وہ دو بار معافی مانگ چکا ہے۔ ایک بار وہاں کمرے میں۔۔۔ ایک بار لکھ کر۔"

"اور تمہیں کیسے پتا اس نے سچے دل سے معافی مانگی تھی؟" ثمر چڑ کر جرح کرنے لگی۔

"مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ اس نے بے دلی سے معافی نہیں مانگی۔" شفا نے سابقہ انداز میں کہا۔ وہ لوگ لابی سے گزر کر ہال کی طرف جا رہی تھیں۔

"میں نے زندگی میں ایک سبق سیکھا ہے ثمر! جب کوئی معافی مانگ رہا ہو تو بنا اس بات پر دھیان دیے کہ اس کے دل میں سچ مچ کی شرمندگی ہے یا نہیں اسے معاف کر دینا چاہیے۔ کیونکہ اس وقت اللہ گیند ہمارے کورٹ میں ڈال دیتا ہے کہ ہماری مرضی ہم اس گیند کو کس طرح کھیلیں۔ تو کیا ہمارے لیے بہتر نہیں کہ ہم گیند کو اللہ کی مرضی کے مطابق کھیلتے ہوئے اس بندے کو معاف کر دیں جو اپنی غلطی پر شرمندگی ظاہر کر رہا ہے؟ کیونکہ معاف کر دینا اللہ کے نزدیک بڑا احسن عمل ہے اور دلوں کا حال بھی صرف اللہ ہی جانتا ہے۔۔۔ ویسے بھی جو انسان دوسروں کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو معاف کرنے کا حوصلہ نہ رکھتا ہو اسے یہ امید بھی ترک کر دینا چاہیے کہ اللہ اس کی بڑی غلطیوں کو معاف کرے گا۔۔۔ ہم چاہتے ہیں کہ اللہ ہماری بڑی بڑی کوتاہیوں کو معاف کر دے اور خود دوسرے انسانوں کی چھوٹی چھوٹی غلطیاں بھی نظرانداز نہیں کر پاتے۔۔۔ یہ تو بڑا دوغلا طرزِ عمل ہے بھئی۔"

"توبہ ہے شفا! تم سے تو انسان بات ہی نہ کرے۔ پورا لیکچر ہی سننا پڑ جاتا ہے۔" ثمر قائل ہوئی یا نہیں۔ لیکن اتنا ضرور کہہ گئی۔

شفا ہنس دی۔ اس کے لیے یہی بہت تھا کہ ثمر نے بددلی سے ہی سہی۔ لیکن اپنا ارادہ ترک کر دیا ہے۔

اور اپنے کمرے کی دانستہ اوٹ لے کر کھڑے تقی نے صرف اس کی ہنسی ہی نہیں سنی تھی پوری بات بھی سنی تھی اور وہ اچھا خاصا متاثر بھی ہوا تھا۔

"شکل سے تو محترمہ بونگی لگتی ہیں۔ لیکن بات عقل والی کرتی ہیں۔"

شکر گزاری کے احساس سے سرشار گہری سانس لیتے ہوئے اس نے دعا کے انداز میں چہرے پر ہاتھ پھیرے اور باقی سب کو مصیبت ٹل جانے کی نوید سنانے چل دیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

آمنہ ریاض



باقر لودھی اپنے منجھلے بیٹے تقی کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت سے سخت نالاں ہیں اور اسے ہر وقت بدحواسی کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔ تقی کو شوبز میں کام کرنے کا شوق ہے جبکہ لودھی صاحب اس کام کے سخت مخالف ہیں۔ دونوں باپ بیٹے میں اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ رمشی اور جری سے البتہ باقر صاحب کو کوئی شکایت نہیں۔

شفا کو عمیر نے والدین کے بعد باپ بن کر پالا ہے۔ وہ عمیر کی بے حد لاڈلی ہے مگر عمیر کی بیوی ساہر کو اس سے شدید جلن ہے وہ عمیر سے جھوٹ بول کر اسے شفا سے بدظن کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ عمیر کو اپنی بیوی پر پورا یقین ہے۔

ساہر اور عمیر کی شادی کے ابتدائی دنوں میں شفا ساہر سے بہت بدتمیزی کیا کرتی تھی۔ وہ اسے ہر وقت عمیر کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتی اور جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر اسے عمیر سے ڈانٹ پڑوا دیتی۔ رات کے کھانے پر پاستا نہ بنانے پر اس نے ساہر سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا اور سیڑھیوں سے حادثاتی طور پر گر جانے کا الزام ساہر پر لگا دیا کہ ساہر نے اسے دھکا دیا ہے۔ اس بات پر عمیر، ساہر کو ڈھیر تھپڑ مار دیتا ہے۔ ساہر کو بہت دکھ ہوا ہے۔ شفا خود بھی گنگ ہو جاتی ہے۔

تقی کے گہرے دوست سمیر کے ابا اپنی پسند سے اس کی منگنی کر دیتے ہیں۔

ناولٹ



شفا عمیر کو ساری بات بتا کر ان سے اور سماہر سے اپنی پچھلی تمام باتوں پر معافی مانگ لیتی ہے۔ عمیر اسے معاف کر دیتے ہیں مگر ماہر شفا سے بیر باندھ لیتی ہے اور غلط بیانی کر کے دونوں بہن بھائی میں غلط فہمیاں پیدا کرتی رہتی ہے۔ اسی طرح وہ عمیر کے منع کرنے کے باوجود جھوٹ بول کر شفا کو کالج ٹرپ پر بھجوا دیتی ہے۔

کاسٹنگ ڈائریکٹر جاشم ــــ تقی کو اپنے ڈرامے میں لیڈنگ رول کی آفر کرتا ہے۔ تقی اپنے ابا کی وجہ سے تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔

تقی اور سمیر بھی اپنے دوستوں کے ہمراہ مری جاتے ہیں اور اسی ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرتے ہیں جہاں شفا کا گروپ ٹھہرا ہوتا ہے۔ وہاں سمیر کو تمر پر اپنی منگیتر کا گمان ہوتا ہے۔ ٹرپ کے دوران دونوں گروپوں کے درمیان ہلکے پھلکے ٹاکرے ہوتے رہتے ہیں۔

۵
پانچویں قسط

"اب تو میڈیکل سائنس نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ پندرہ منٹ کا غصہ انسان کا اتنا خون جلا دیتا ہے جتنا خون تین دن کی خوراک سے بھی نہیں بن پاتا۔ میں چونکہ ایک عقل مند انسان ہوں اور مجھے اپنا خون عزیز بھی بہت ہے اسی لیے میں غصے سے دور رہتا ہوں۔ ابا جو ہیں غصے سے دوستی کرنے کے لیے۔ آپ نے دیکھا نہیں امی! غصہ کر کے ابا نے اپنا چہرہ خوف ناک کر لیا ہے۔ رنگ توے کی طرح کالا اور بال ــ بالکل فارغ البال یعنی نہ ہونے کے برابر۔"

"خیر! اب تم اتنی بھی سبے تکی نہ ہانکو۔ ہاں میں مانتی ہوں' ان کے بال تھوڑے جھڑ گئے ہیں لیکن بالکل ختم تو نہیں ہوئے اور کچھ تو بیماریوں کا بھی اثر ہے۔ اتنی سرخ و سفید رنگت ہے کہ کیا ہی کسی کشمیری کی رنگت ایسی ہوگی۔" امی نے فوراً الودھی صاحب کی حمایت لی۔

"خدارا کسی کشمیری کے سامنے بھول کر بھی نہ کہہ دیجیے گا۔ میں تو یہ مبالغہ آرائی سہ گیا۔ کیا پتا کشمیری کو برا ہی لگ جائے۔" تقی نے فوراً "انہیں بڑی سنجیدگی سے خبردار کیا۔ کہنا مشکل تھا کہ وہ سنجیدہ ہے بھی یا نہیں۔

"اور ابا کی جوانی کی بھی آپ نے خوب کہی۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں موئنجو داڑو کے نوادرات بھی ابا کی جوانی سے نئے ہوں گے۔" وہ سادگی سے بول رہا تھا۔ اس کے انداز اور جملوں کے سجاؤ سے بالکل پتا نہ چلتا تھا کہ شرارت پر آمادہ ہے۔ بس آنکھیں تھیں جو اس کا پول کھول رہی تھیں۔ امی نے مسکراہٹ دباتے ہوئے ایک چپت رسید کی۔

"اب اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔" وہ کندھا سہلانے لگا۔ "اور میں کون سا جھوٹ بول رہا ہوں' خدا جانے وہ کون سا سنہری دور ہوگا جب ابا جوان ہوتے ہوں گے۔ اللہ جھوٹ نہ بلوائے بھئی میں تو جب سے پیدا ہوا ہوں انہیں ایسا ہی دیکھ رہا ہوں۔ آپ تو مجھے قبل از مسیح کی نہیں لگتیں امی! البتہ ابا کے بارے میں شک ہے۔"

"بس آتے ہی شروع ہو جایا کرو۔" امی نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تقی اطمینان سے ان کی گود میں سر رکھے حسب عادت بے تکی ہانک رہا تھا۔

جس طرح صابن کا جھاگ پڑے پڑے خود بخود بیٹھ جاتا ہے اسی طرح مری میں چند دن گزار کر اس کا غصہ بھی ختم ہو گیا تھا۔ اسے غصہ آتا بھی کم تھا اور اتر بھی جلدی جاتا تھا پھر وہ ہوم سک بھی بہت تھا۔ گھر آ کر اس نے باقاعدہ ایک ایک کمرے میں جھانک کر دیکھا تھا۔ یہ اس کی بڑی عجیب سی عادت تھی۔ وہ صرف گھر والوں سے ہی نہیں گھر کی چار دیواری کے لیے بھی اداس ہو جاتا تھا۔

اب جب سے آیا تھا امی کی گود میں سر رکھے لیٹا لاڈ اٹھوا رہا تھا۔ وہ جب بھی اٹھ کر جانے کی کوشش کرتیں' ہاتھ پکڑ کر پھر بٹھا لیتا۔ ساتھ ساتھ اپنی تعریفیں اور ابا کی بدتعریفی بھی جاری تھی۔

"اچھا اب خاموش رہو اور کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔" معاً امی نے آواز دبا کر کہا۔ وہ ان کے انداز سے سمجھ گیا کہ ابا کہیں نزدیک ہی موجود ہیں۔

رگ شرارت جو عموماً ابا کی موجودگی میں یوں بھی مچلتی ہی رہتی تھی' اب تو پھر اتنے دن کے بعد سامنا ہوا تھا پھر جب سے آیا تھا' دیکھ رہا تھا ابا اسے قصداً "نظر انداز کر رہے ہیں' سو اس وقت وہ سوئی ہوئی رگ اور بھی بری طرح پھڑک اٹھی۔

"ہائی! اللہ خیر کرے۔ دشمنوں کی طبیعت ناساز لگ رہی ہے۔" بڑا فکر مندی والا انداز تھا۔ امی کسی لور جھونک میں تھیں' سمجھ نہ سکیں۔

"کس کی شامت آئی کہ تم سے دشمنی کر بیٹھا؟"

"ابا کی بات کر رہا ہوں۔ اور کسی میں اتنی ہمت کہاں کہ آپ کے شیر جوان سے دشمنی مول لیتا پھرے۔" بڑا اکڑ کر بتایا لیکن امی کی گھوری نے سیدھا کر دیا۔

"جب سے آیا ہوں دیکھ رہا ہوں' چپ چپ ہیں۔ نہ کوئی طعنہ۔ نہ کوئی برائی۔ کہیں ابا سدھر تو نہیں گئے؟" اتنی فکر مندی تھی اس کے لہجے میں کہ ایک پل کو امی بھی مخمصے میں پڑ گئیں' پھر بگڑ کر بولیں۔

"وہ بگڑے ہوئے کب تھے جو سدھریں گے۔ بگڑے ہوئے تو تم ہو پتا نہیں کب سدھرو گے۔"

"کبھی نہیں ان شاء اللہ۔" اس نے بھی دانت نکالتے ہوئے ڈھٹائی کی حد کر دی۔

"تم کہنا تمہاری ان ہی باتوں پر انہیں اعتراض ہوتا ہے کیا علاج کریں تمہارا؟"

"میرے پاس ایک حل ہے۔" اس نے سنجیدگی سے سینے پر بازو باندھتے ہوئے کہا تھا۔ "آپ ابا سے کہیں مجھے عاق کر دیں۔"

امی ششدر رہ گئیں۔ اس نئے مطالبے کے پیچھے خدا جانے اس کی کیا منطق تھی۔

"آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں مذاق کر رہا ہوں۔ میں سو فیصد سنجیدہ ہوں آپ ابا سے کہیں وہ مجھے عاق کر دیں۔" وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور امی کی طرف رخ کر کے چوکڑی لگا کر اصرار کرنے لگا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تقی!" امی نے جھنجلا کر کہا۔

"دماغ خراب نہیں ہوا۔ میں بڑی لوجیکل بات کر رہا ہوں۔" اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"دراصل میں نے کچھ روز پہلے دور جاہلیت کے بہت بڑے شاعر کا قصہ پڑھا ہے۔ جو شاہی خاندان کا فرد بھی تھا اور اس کا نام امراؤالقیس تھا۔ امی! میں شاعر ہوں نہ ہی شاہی خاندان کا فرد۔ پھر بھی مجھے اپنی زندگی امراؤالقیس سے ملتی ہوئی لگتی ہے کیونکہ امراؤالقیس کے ابا میاں حجر صاحب میرے ابا کی طرح اپنے بیٹے کو بہت نالائق سمجھتے تھے اور اسی نالائقی کی پاداش میں انہوں نے اسے عاق کر دیا تھا' پھر ہوا کچھ یوں کہ جب حجر صاحب قتل ہوئے تو ان کے لائق فائق' ہونہار بیٹے تو رو دھو کر ایک طرف ہو بیٹھے اس وقت صرف امراؤالقیس تھا جس نے اپنے ابا کے قاتلوں کو ان کے انجام تک پہنچانے کا ذمہ لیا اور باقی کی ساری زندگی اسی کوشش میں بسر کر دی۔" ابھی یہی

تک پہنچا تھا کہ جملہ بروقت کہا۔

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ جب میں قتل ہوں گا تو رضی اور جری رو دھو کر بیٹھ جائیں گے لیکن اس وقت تم وہ کھوٹے سکے ہو گے جو میرے قاتلوں کو ان کے انجام تک پہنچاؤ گے؟"

آواز کیا تھا، جھوٹا رو ہی تھا لیکن تقی کو بہت زور زور کی گدگدی ہونے لگی 'ڈھٹائی' تو اس میں اتنی تھی کہ بار بار ابا کو سلگا کر لطف لیتا۔ ابھی بھی گو کہ ان کے تیور پہچان رہا تھا لیکن پھر بھی دانت نکالتے ہوئے زور زور سے اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"جی جی ابا! میں ایسا ہی کروں گا۔ اور دیکھیے گا اس وقت آپ کو مجھ پر کتنا فخر محسوس ہو گا۔"

"قبر میں لیٹ کر تم پر فخر محسوس کروں گا؟" انہوں نے سابقہ سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی ہاں بالکل۔ بشرطیکہ حساب کتاب کے فرشتوں نے اجازت دی ہو۔" یہ آخری بات نقص امن کے خدشے سے خاصی دھیمی آواز میں کہی گئی تھی۔

"یعنی تم میرے مرنے کی دعائیں کر رہے ہو؟" لودھی صاحب جیسے بمشکل اپنا غصہ دبا رہے تھے۔ تقی سٹپٹا گیا' یہ تو سوچا ہی نہیں تھا۔

"وہ۔ وہ۔ ابا!"

"میں مر جاؤں تو تمہیں خوشی ہو گی۔" ابا کے تاثرات غضب ناک ہو رہے تھے اور چھڑی پر ان کی گرفت بھی سخت ہو رہی تھی۔ تقی محتاط انداز میں دروازے کی طرف کھسکنے لگا۔

"آپ۔۔۔ آپ میرا مطلب نہیں سمجھے ابا!" اس نے کھکھیا کر کہا۔

"مطلب تو تمہیں اب میں سمجھاتا ہوں۔ نالائق۔ نابنجار!" وہ بری طرح بھڑک کر چھڑی لہراتے اس کی طرف لپکے لیکن ان سے بھی پہلے تقی نے ایک [illegible] عبور کر گیا۔

"دوبارہ گھر میں قدم رکھنا۔ ٹانگیں توڑ دوں گا تمہاری۔"

لودھی صاحب بری طرح ہانپ رہے تھے۔ اتنی سی مشقت نے بھی انہیں بری طرح تھکا دیا تھا۔ امی اجی بیٹھی تھیں' سمجھ نہیں پا رہی تھیں' مسکرائیں یا غصہ کریں۔

☼ ☼ ☼

شفا نے جھجکتے ہوئے کمرے میں جھانکا۔ ساہر عمیر کے شوز پالش کرنے کے بعد اب ان کے کپڑے نکالنے لگی تھی۔ دستک کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا اور شفا کو دیکھ کر مسکرائی۔

"وہاں کیوں کھڑی ہو شفا! اندر آجاؤ نا۔"

"بھابھی! آج میری پہلی کلاس آف ہے' اس لیے میں کالج تھوڑا لیٹ جاؤں گی۔"

"لیٹ جانا تھا تو اتنی جلدی تیار کیوں ہو گئیں؟" ساہر نے اسے کالج یونیفارم میں تیار دیکھ کر کہا۔ وہ سفید شلوار قمیص پر زرد رنگ کا دوپٹا اوڑھے ہوئے تھی۔

"آدھا گھنٹہ ہی لیٹ جانا ہے۔ ویسے بھی میں تیار ہو چکی تو حریم کی کال آئی تھی۔" اس نے بے توجہی سے جواب دیا۔ اس کی متلاشی نظریں کمرے میں گھوم رہی تھیں۔ ساہر کو سمجھنے میں ایک پل ہی لگا۔ ساتھ ہی اس نے آنکھوں سے باہر کی طرف اشارہ کر دیا اور آواز دبا کر بولی۔

"آفس سے کال تھی۔ سننے کے لیے باہر گئے ہیں۔"

"بھابھی! آج بھائی کا ناشتا میں بنا دوں؟" اس نے بھی آواز دبا کر پوچھا تھا۔

"ہاں ضرور۔" ساہر نے روانی میں کہا پھر چونک کر اسے دیکھا تو وہ تذبذب میں پڑ گئی تھی۔ اس کی جھجک کو شفا بخوبی سمجھ رہی تھی۔

"بنا لینے دیں نا۔ بھابھی! بھائی کا فیورٹ آملیٹ پراٹھا بناؤں گی۔ شاید ان کی ناراضی ختم ہو جائے۔" اس نے معصومیت سے کہا۔

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے شفا! لیکن عمیر کہیں ناراض نہ ہوں۔" ساہر نے لاچاری سے کہا۔

"انہیں کہاں پتا چلے گا بھابھی! آپ کہہ دیجیے گا' آپ نے بنایا ہے۔"

"جانے بھی دو شفا! جیسے میں کہوں گی اور عمیر فوراً" میری بات مان لیں گے۔ بھئی وہ تمہارے ہاتھ کے ذائقے سے خوب اچھی طرح واقف ہیں۔ سالن میں بناؤں اور تم اس میں محض نمک بھی ڈال دو تو انہیں پتا چل جاتا ہے۔"

تب ہی عمیر اندر داخل ہوئے۔ وہ ابھی بھی اپنے سیل پر کچھ دیکھ رہے تھے۔

"ساہر! میرا ناشتا بنائیں۔ مجھے ذرا جلدی نکلنا ہے۔" انہوں نے شفا پر نظر بھی نہ ڈالی تھی۔

"آپ بھائی کے کپڑے نکال دیں بھابھی! بھائی کے لیے ناشتا میں بنا دیتی ہوں۔" شفا نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" عمیر نے کہا۔

"بھائی! میں بنا دیتی ہوں۔۔۔"

"میں نے کہا نا ضرورت نہیں ہے۔۔۔ ساہر بنا دے گی۔" اب کی بار عمیر کے لہجے میں سختی اور قطعیت تھی۔

شفا کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

ساہر نے اسے جاتے دیکھا پھر عمیر سے خفگی سے بولی۔

"اب بس بھی کریں عمیر! پورا ہفتہ گزر چکا ہے اسے واپس آئے اور آپ کی ناراضی ہے کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے' شفا کو اس طرح اداس دیکھنا مجھے اچھا لگ رہا ہے؟" عمیر نے کہا۔ "مجھے بھی اتنی ہی تکلیف ہو رہی ہے جتنی کہ خود اس کو۔ لیکن شفا کی ہٹ دھرمی کا یہی علاج ہے۔ اسے احساس ہونا چاہیے [illegible]"

ساہر نے عمیر کو جتا دیا کہ اسے عمیر کا شفا سے خفا ہونا اچھا نہیں لگ رہا لیکن دل سے وہ مطمئن تھی۔ بھائی بہن کے درمیان فاصلے پیدا ہو رہے تھے اور وہ یہی چاہتی تھی۔

جس روز شفا کی واپسی ہوئی۔ اس نے شرمندہ سے انداز میں شفا کو بتایا تھا کہ اس نے غلط بیانی کی تھی۔

"مجھے پتا تھا تمہارا بہت دل ہے کہ تم ٹرپ کے ساتھ جاؤ۔ اس لیے میں نے تم سے کہہ دیا کہ عمیر رضامند ہو گئے ہیں۔ میرا خیال تھا تمہاری غیر موجودگی میں میں عمیر کو منالوں گی لیکن۔۔۔ ایم سوری شفا! عمیر بہت غصے میں آگئے ہیں۔" وہ باقاعدہ آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھی۔

"اور اب اگر انہیں یہ پتا چلا کہ میں نے تم سے جھوٹ کہا تھا تو وہ مجھ سے بھی بہت خفا ہو جائیں گے۔ مجھے تو گھر سے ہی نکال دیں گے۔۔۔ میں واقعی بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے غلط بیانی نہیں کرنا چاہیے تھی۔ لیکن یقین مانو میں نے تو وہ سب اس لیے کیا کہ تم خوش ہو سکو۔۔۔ میرا طریقہ غلط ہو سکتا ہے مگر ارادہ ہرگز غلط نہیں تھا۔"

"آپ فکر مند نہ ہوں بھابھی! اتنی آسانی سے تو بھائی آپ کو نہیں نکال سکتے۔" شفا بھی فکر مند ہو گئی تھی لیکن ساہر جانتی تھی اتنی جذباتی اداکاری سے شفا جیسی لڑکی کو ایموشنل بلیک میل کرنا ہرگز بھی مشکل نہیں تھا۔

شفا نے عمیر کے سامنے شرمساری کا اظہار کیا تھا لیکن اپنی صفائی میں ایک لفظ نہیں بولی تھی۔ عمیر تو اس سے یوں بھی بات نہیں کر رہے تھے ایسے میں اس کی خاموشی نے جیسے خود بخود یہ ثابت کر دیا تھا کہ اس نے ہٹ دھرمی کی ہے۔ دونوں بہن بھائی کے دل ایک دوسرے کے لیے خواہ کتنے بھی اداس کیوں نہ ہوں لیکن ان دونوں نے ہی خاموشی تان لی تھی۔

ساہر خوش تھی اور مطمئن بھی۔

اسی کیفیت میں چند منٹ بعد وہ کچن کی طرف آئی [illegible] قدم رکھا۔ ٹھٹک سی گئی۔ شفا روتے ہوئے کٹنگ بورڈ پر پیاز کاٹ رہی تھی اور اس کے دوپٹے کا پلو چولہے کے پاس تھا شعلے

نے آن کی آن میں خوش رنگ آنچل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

"شفا۔" ساہر خوف زدہ ہو کر اتنی زور سے چیخی تھی کہ اس کی آواز سے پورا گھر گونج اٹھا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کی آواز اپنے کمرے میں اطمینان سے شوز پہنتے عمیر کے کانوں تک نہ پہنچتی۔

☼ ☼ ☼

سمیر کے منہ پر بارہ بجے ہوئے تھے۔ تقی نے دس بار وجہ پوچھی وہ ہر بار "بس کچھ نہ پوچھو" کہہ کر منہ بسور لیتا۔

تقی نے گیارہویں بار پوچھنے کے بجائے آنکھوں ہی آنکھوں میں "دفع دور" کہا اور بائیں ٹانگ دائیں پر رکھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ سمیر کی سڑی ہوئی شکل دیکھنے سے بہتر تو یہی تھا کہ جاثم رضا کے ویٹنگ روم کا جائزہ لے لیا جاتا۔

سمیر نے کچھ دیر انتظار کیا پھر تڑپ کر بولا۔

"اب پوچھ بھی لو کہ آخر ہوا کیا ہے۔"

"تو اتنی دیر سے کیا میں دیواروں سے پوچھ رہا تھا۔" تقی دھیمی آواز میں سلگ کر بولا — "مگر جناب کی ادائیں ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہیں۔ بس کچھ نہ پوچھو بس کچھ نہ پوچھو — اس سے تو اچھا تھا میں اکیلا جاثم سے ملنے آجاتا۔ کم سے کم تیری یہ زمانے سے آوازار شکل تو نہ دیکھنے کو ملتی۔" اس نے بے مروتی سے جھاڑنے میں ایک منٹ بھی نہیں لگایا تھا۔

سمیر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا لیکن چونکہ — دل ہلکا کیے بغیر سکون بھی نہیں آتا تھا سو بولنے لگا البتہ انداز نروٹھا سا تھا۔

"میں نے ابو سے صاف کہہ دیا ہے کہ مر جاؤں گا لیکن ثمر سے شادی نہیں کروں گا۔"

"پھر کیا کہا انکل نے؟"

"ابو نے دراز سے نیند کی گولیاں نکال کر میرے ہاتھ پر رکھ دیں اور بولے — یہ کھاتے ہوئے ہاتھ کانپیں تو ریلوے اسٹیشن کا رستہ تمہیں معلوم ہے۔

تیز گام کی ٹائمنگ میں بتادوں گا۔" وہ رو دینے کو تھا اور تقی کا بے ساختہ قہقہہ اتنا بلند تھا کہ ویٹنگ روم میں بیٹھے دیگر افراد فوراً ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

سمیر نے اسے گھور کر دیکھا۔

"تم انتہائی اِل مینرڈ انسان ہو تقی — میں اپنا دکھ سنا رہا ہوں اور تم ہنس رہے ہو۔"

"ہنسی تو مجھے یہ سوچ کر آرہی ہے کہ میں صرف اپنے ابا کو جلاد صفت سمجھتا تھا اب پتا چلا سارے زمانے کا یہی حال ہے۔" اسے سوچ سوچ کر ہی گدگدی ہوئے جارہی تھی۔ سمیر کو ہرگز بھی "ابا ؤں" کی فلاسفی سے دلچسپی نہیں تھی اسے اپنی ہی مصیبت پڑی ہوئی تھی۔

"تقی! میں ثمر سے شادی نہیں کروں گا۔" اس کا انداز بچوں جیسا تھا۔ ایسے جیسے کوئی بچہ اپنی ضد منوانے کے لیے زمین پر پاؤں پٹخ رہا ہو۔

"یار! اتنا گھبرانے کی کیا ضرورت ہے پہلے کنفرم تو ہو جانے دو کہ دونوں لڑکیاں ایک ہی ہیں یا نہیں۔" تقی نے تحمل سے سمجھایا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ وہی ثمر ہے جسے ابو نے میرے لیے پسند کیا ہے۔" سمیر نے بددلی سے کہا تھا۔

"تمہیں تو خیر فرسٹ ایر والی نوشابہ کے بارے میں بھی یہی لگا تھا کہ تقدیر نے اسے تمہارے لیے ہی بنایا ہے — اور وہ جو کیمسٹری ڈپارٹمنٹ کی فارہ تھی اس کے بارے میں تو تمہیں سو فیصد یقین تھا۔" تقی نے ماضی کے کچھ رنگین قصوں کا حوالہ دیا۔ سمیر خفیف سا ہو کر کان کھجانے لگا۔

"خیر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ انکل سے کہو ثمر بھابھی کی تصویر تو دکھائیں۔"

"وہ تو ابو اب ہرگز نہیں دکھائیں گے۔" سمیر نے منہ لٹکا کر کہا۔

"تو نے انکل کو انکار کی وجہ بتائی؟" تقی نے ذرا سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا

"دماغ خراب ہے کیا۔" سمیر نے بدک کر کہا۔

"اصل بات بتاتا تو ابو نے میرا گلا ہی دبا دینا تھا۔"

"اچھا سمیر! جو بھی ہوا اس میں غلطی تو میری ہے نا۔ میں نے ہی مشورہ دیا تھا کہ تو جا کر اس لڑکی سے بات کر — جو ہونا تھا سو ہو گیا۔" تقی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ویسے بھی دونوں لڑکیاں ایک نہیں ہو سکتیں۔ یاد نہیں۔ ثمر کی سہیلی نے کیا کہا تھا کہ وہ تو شادی شدہ ہے۔ تو بس بات ختم۔"

"ارے ہاں — یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" یکدم جیسے سمیر کے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا تھا پھر مسکراتا کر بولا۔

"بس یار! یہ نام ہی دل سے اتر گیا ہے۔"

تقی ہنس دیا۔ "تم شادی کے بعد بھابھی کا نام بدل دینا۔"

"یہ جاثم تو بہت انتظار کروا رہا ہے یار! میں تو تھکتا ہوں پھر۔" سمیر نے اپنے سیل فون پر ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے بتایا تھا ناں روحیل اور روشمہ آپا کو ریسیو کرنے ایئرپورٹ جانا ہے۔ پانچ منٹ بھی میں لیٹ ہوا تو دونوں بہن بھائی بہت شور مچائیں گے اماں الگ خفا ہوں گی۔" سمیر کسی قدر بے زاری سے کہہ رہا تھا۔

"یہ دونوں ہیں کون جن کی تمہیں اتنی فکر پڑی ہوئی ہے؟" تقی نے پوچھا اسے یہ سوچ کر کوفت ہو رہی تھی کہ اب اسے تنہا انتظار کرنا پڑے گا جاثم سے اپائنٹمنٹ تمہیں ہی تھی۔ سمیر کو اسی لیے ساتھ لایا تھا کہ جانتا تھا انتظار کرنا ہی پڑے گا۔

"اماں کی فرسٹ کزن اور بہترین دوست کے بچے ہیں یار! بیس سال پہلے ان لوگوں کا گھر ہمارے گھر کے ساتھ ہی تھا پھر روشمہ آپا کی شادی امریکا میں ہوئی تو کچھ عرصہ بعد یہ ساری فیملی وہاں شفٹ ہو گئی۔ آتے جاتے رہتے ہیں یہ لوگ لیکن اس بار تقریباً چار سال بعد دونوں بہن بھائی پاکستان آرہے ہیں تو اماں بہت ایکسائٹڈ ہیں۔ انہیں اپنی مرحومہ دوست کے بچوں سے بہت محبت ہے۔ تو یہ سلسلہ [illegible]

۔ اب اماں چاہتی ہیں کہ ہم بہن بھائی ان دونوں کو جب تک وہ پاکستان میں رہیں فل ٹائم دیں۔ یہ روحیل تو میرا ایج فیلو بھی ہے۔ اچھی دوستی ہوا کرتی تھی میری اس کے ساتھ لیکن اتنی بھی نہیں کہ وہ پاکستان آرہا ہے تو میں اپنے سارے کام ہی چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جاؤں — لیکن یہ بات ہماری اماں کو کون سمجھائے۔"

سمیر کچھ بے زاری سے بول رہا تھا۔ اسی وقت ریسپشنسٹ نے تقی کا نام پکار کر اسے اندر جانے کے لیے کہا تو وہ دونوں ہی ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے تھے

☼ ☼ ☼

شفا تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز تھی۔ عمیر اس کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے اپنا بازو شفا کے کندھوں کے گرد پھیلا رکھا تھا اور ساہر دروازے سے کچھ فاصلے پر کھڑی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔

"اب دوبارہ تم دوپٹا اوڑھ کر کچن میں نہیں جاؤگی — بلکہ — بلکہ تمہیں کچن میں جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔" عمیر حد درجہ فکرمندی سے کہہ رہے تھے۔

"بھائی! آپ فکر نہ کریں میں بالکل ٹھیک ہوں۔" شفا نے بشاشت سے ہنس کر کہا تھا گو کہ ساہر نے فی الفور اس کا دوپٹا جلتے دیکھ کر کھینچ کر اتار دیا تھا لیکن اس افراتفری میں اس کی گردن سے دوپٹا بری طرح رگڑ آگیا تھا اور تھوڑی سی تپش اس کے بازو کو بھی جھلسا گئی تھی۔

حالانکہ کوئی اتنی مصیبت نہیں آگئی تھی۔ چھوٹے موٹے حادثے ہو جایا کرتے ہیں لیکن یہ "چھوٹا سا حادثہ" عمیر کو تڑپا دینے کے لیے کافی تھا۔ ان کی ساری ناراضی اڑن چھو ہو گئی تھی اور اب وہ بہن کی پٹی سے لگے بیٹھے تھے۔

ساہر کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی رہے۔ سو وہ یہی کر رہی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ مسکرا رہی تھی۔

"آپ بے فکر رہیں عمیر! اسے تو اب میں کچن کی شکل بھی نہیں دیکھنے دوں گی۔ میں ذرا عادل اور ہدیہ کو دیکھ لوں۔"

جس وقت وہ کمرے کا دروازہ عبور کر رہی تھی' اس نے عمیر کو کچھ کہتے سنا' جواب میں شفا ہنسنے لگی تھی۔ ساہر کے دل پر بوجھ آن گرا۔

ظہر کی نماز کا وقت ہو رہا تھا لیکن اتنے بھاری دل کے ساتھ وہ نماز بھی نہیں پڑھ سکتی تھی۔ جس ناراضی کے لیے اس نے اتنی منصوبہ بندی کے ساتھ راہ ہموار کی تھی۔ وہ قدرت کی مہربانی سے بنا کسی معافی تلافی کے ختم ہو گئی تھی۔ ساہر کا دل پتھر کا بنا ہوا نہیں تھا لیکن ایک پل کے لیے اس نے یہ ضرور سوچا تھا کہ کاش اس نے شفا کا جلتا ہوا دوپٹا اس کے گلے سے نہ نکالا ہوتا۔

☼ ☼ ☼

"ڈونٹ ٹیل می کہ تم انکار کرنے آئے ہو۔"

جاثم نے تقی کی بات سن کر بہت تیزی سے کہا تھا۔ تقی کی توقعات کے برعکس اس نے بڑی خوش دلی سے اس کا استقبال کیا تھا اور وہ اس بات پر بھی شرمندہ تھا کہ تقی کو اتنا انتظار کرنا پڑا۔

"تم اگر آنے سے پہلے مجھے کال کر لیتے تو اتنا انتظار ہرگز نہ کرنا پڑتا۔"

"میں نے سوچا آپ نے شاید یونہی کارڈ دے دیا ہو فون کروں تو پہچانیں یا نہیں۔" تقی نے سادگی سے کہا۔ جاثم سے اس کی چند ہی ملاقاتیں ہوئی تھیں اور چونکہ وہ "بڑا آدمی" تھا سو تقی تھوڑا محتاط ہو کر بات کر رہا تھا۔

"وہ کم آن۔۔۔ پہلے تو یہ آپ جناب کا تکلف چھوڑ دو۔ مانتا ہوں میں تم سے ایک دو سال بڑا ہی ہوں گا لیکن اب اتنا بھی بزرگ نہیں ہوں کہ تم مجھے آپ آپ کیے جاؤ۔" جاثم نے منہ بنا کر کہا تھا۔ تقی کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی اور یہ ایک جملہ ان کے درمیان بے تکلفی پیدا کرنے کے لیے کافی تھا۔

"اور دوسری بات یہ کہ میں اتنا بے کار انسان نہیں ہوں کہ ہر ایرے غیرے کو اپنا کارڈ دیتا رہوں۔ جن میں ٹیلنٹ نظر آتا ہے ان کو ہی دیتا ہوں اور نو ڈاؤٹ تم میں مجھے بہت پوٹینشل نظر آ رہا ہے۔"

"پلیز پلیز۔ اب یہ بات دوبارہ مت کہنا۔" تقی نے بے چارگی سے کہا تھا۔ "کیونکہ اگر تم نے ایک دفعہ اور مجھے یہ احساس دلایا کہ میں ٹیلنٹڈ ہوں تو میں اپنے ابا کی نافرمانی کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

"کیا تم مجھے انکار کرنے آئے ہو؟"

"ایسا ہی ہے جاثم! میرے ابا کو یہ ایکٹنگ ویکٹنگ بالکل پسند نہیں۔۔۔ سلور اوتھ بھی میں نے ان کی اجازت کے بغیر جوائن کیا ہوا تھا۔ حالانکہ میں کام کرنا چاہتا ہوں لیکن انہیں پتا چلا تو بہت خفا ہوں گے۔ اور میں انہیں خفا نہیں کر سکتا۔"

"کسی بھی بڑے ایکٹر کی ہسٹری اٹھا کر دیکھ لو۔۔۔ کسی کے بھی ابا راضی مل جائیں تو میرا نام بدل دینا۔" تقی اس کی بات پر ہنسا تھا' تب ہی پیچھے دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا تھا۔

"اف۔۔۔ ایک تم ہو جس کے ابا راضی نہیں اور ایک یہ ہماری مہک بی بی ہیں جن کے ابا راضی ہیں تو یہ خود راضی نہیں۔۔۔" جاثم نے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا تھا' تقی نے خفیف سی گردن موڑی۔ بلاشبہ وہ جو بھی تھی خوبصورت تھی۔ اس نے ایک نظر میں اعتراف کیا۔

"وہ اس لیے کہ اگر میں آن اسکرین آ گئی تو تمہاری بڑی بڑی ایکٹریسز کی چھٹی ہو جائے گی اور میرا ضمیر اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں کسی کی روزی پر لات ماروں بس اسی لیے تمہاری بات مان کر ڈرامہ سائن نہیں کر رہی۔" اس کی شرارتی سی ہنسی اور آواز میں بلا کی کھنک تھی۔

"اگر تم دونوں میری بات مان لو تو ہم ایک سپرہٹ پروجیکٹ دے سکتے ہیں۔ بائی دا وے۔۔۔ تقی! یہ مہک ہے میری فرسٹ کزن۔ اور مہک! یہ تقی ہے۔" آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے کے مترادف جاثم نتا

جا کر خاموش ہو گیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا۔

"اچھا جاثم! میں تو پھر چلتا ہوں۔" تقی نے اجازت چاہی۔

جاثم نے بد دلی سے گردن ہلائی۔

"میرا مشورہ ہے تقی! ایک بار پھر سوچ لو' اتنی اچھی اپرچونٹی (موقع) بار بار نہیں ملتی۔"

"اس کی باتوں میں مت آنا۔ یہ ہر ایک کو ایسا ہی کہتا ہے۔" مہک نے تیزی سے جاثم کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ جہاں جاثم خفیف سا ہو کر چپ ہوا' وہیں تقی کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی' جبکہ مہک خود ہی ہنس دی تھی۔

"تم سے تو میں بعد میں نپٹتا ہوں۔" جاثم نے ہنستی ہوئی مہک کو دیکھ کر کہا' ساتھ ہی تقی سے بولا۔ "تقی! جب بھی تمہیں یہ احساس ہو جائے کہ تم اپنے فادر کی خوشی کے لیے اپنے ٹیلنٹ کو ضائع کر رہے ہو یا بھی انہیں منا سکو تو سیدھے میرے پاس آنا۔۔۔ مستقبل کے بہترین اداکار کو میں ہی انٹروڈیوس کرانا چاہتا ہوں۔"

تقی کیا کہتا' بمشکل مسکرایا اور بوجھل دل کے ساتھ اس کے آفس سے باہر نکل آیا۔

کیا کبھی ابا جان سمجھ سکیں گے کہ ان کا نالائق' نابکار بیٹا محض ان کے احترام میں اپنی زندگی کے سب سے بڑے خواب کی تعبیر حاصل کرنے سے دستبردار ہو گیا ہے' کاش وہ جان سکتے۔

☼ ☼ ☼

"میری منگنی ہو رہی ہے۔" ثمر نے بری طرح شرماتے ہوئے بتایا۔ شفا اس کی بات سن کر اپنی جگہ سے دو فٹ اوپر اچھلی تھی۔

"کیا کہہ رہی ہو۔" ثمر شام سے پہلے ہی اس کا حال پوچھنے آ گئی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے یہ خبر سنانے کی جلدی تھی۔

"سچ کہہ رہی ہوں سو فیصد سچ۔۔۔ میں اتنی خوش ہوں شفا! کہ بتا بھی نہیں سکتی۔ اللہ نے دیر سے ہی سہی' لیکن بالآخر میری سن ہی لی۔"

"اب اتنی بھی نہ ہانکو۔" شفا ہنس دی۔

"بھئی میں سو فیصد سنجیدہ ہوں' اس دن کا خواب تو میں بچپن سے دیکھ رہی تھی۔ تمہیں کیا پتا' میں اب تک کتنے وظیفے کر چکی ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ شفا جانتی تھی' وہ رتی بھر بھی سنجیدہ نہیں ہے' لیکن خوش ضرور ہے۔

"کتنی تیز ہو تم' تمہارا رشتہ طے ہو گیا' دعائے خیر بھی ہونے والی اور تم نے مجھے خبر تک نہیں ہونے دی۔"

"لو اور سنو' مجھے خود اب تک بھنک نہ لگ سکی تو تمہیں کیا بتاتی۔" وہ چوکڑی مار کر اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"امی کا تو تمہیں پتا ہے نا' وہ کس مزاج کی ہیں' انہوں نے بابا کو بھی منع کیا تھا۔ وہ مجھے نہ بتائیں' لیکن آج صبح بابا نے چپکے سے مجھے بتا دیا۔ کہنے لگے اب کسی روز اسی طرح چپکے سے تصویر بھی دکھا دوں گا۔" اس کے دانت تھے کہ اندر جانے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔

"لیکن خالہ اتنی رازداری کیوں برت رہی ہیں؟" شفا نے الجھ کر پوچھا۔ جواب میں ثمر نے ایک قہقہہ لگایا۔

"ان کا خیال ہے میں پھڈا ڈال دوں گی کہ مجھے ابھی پڑھائی مکمل کرنی ہے' سو منگنی وغیرہ نہ کی جائے۔۔۔ کتنی بھولی ہیں میری اماں۔ یہ نہیں جانتیں کہ میں تو یہ خبر سن کر شکرانے کے نوافل ادا کرنے لگ جاؤں گی۔" اس نے ایک اور قہقہہ لگایا تھا۔

"تمہیں نہیں پتا شفا! منگنی کرنے کا میرا خواب برسوں پرانا ہے۔"

"تم تو میرا خیال ہے خوشی سے پاگل ہی ہو گئی ہے۔" شفا ہنسی۔ "اچھا بتاؤ کون ہے' کرتا کیا ہے؟"

"بھئی یہ سب تو میں نے بابا سے پوچھا ہی نہیں۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ بابا نے اسے میرے لیے پسند کیا ہے اور بابا میرے لیے غلط انسان چن ہی نہیں

سکتے۔" اس کے لہجے میں یقین بولتا تھا۔

"خیر چھوڑو اس بات کو۔ یہ بتاؤ تم نے اپنے دوپٹے کو آگ کیسے لگائی؟"

"میں پاگل ہوں جو خود آگ لگاؤں گی۔ بے دھیانی میں آگ لگ گئی۔"

"چلو خیریت تو رہی۔ اپنا صدقہ ضرور دے دینا... دادی کہتی ہیں جان کا صدقہ دیتے رہنا چاہیے۔"

"وہ تو عمیر بھائی نے صبح ہی دے دیا تھا۔ ویسے ایک بات ہے' اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت لازمی ہوتی ہے۔" اس نے مزے سے کہا۔

"یہ بیان بھی یقیناً" ساہر بھابھی کا ہوگا۔" ثمر نے لقمہ دیا۔

"ارے نہیں یار! یہ تو میں خود سوچ رہی تھی' اب یہی دیکھ لو' اس حادثے سے اور تو کیا ہوتا تھا' عمیر بھائی کی ناراضی دور ہو گئی۔"

"عمیر بھائی تم سے ناراض تھے؟ ناممکن... میں مان ہی نہیں سکتی کہ عمیر بھائی تم سے ناراض ہوں۔"

ثمر نے پُریقین لہجے میں کہا تھا۔ جواب میں شفا نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ ثمر نے خاموشی سے سنا' پھر اپنا ہی سر پیٹ لیا گویا کہ پیٹنا شفا کا چاہیے تھا۔

"کس قدر احمق ہو تم شفا! ساہر بھابھی نے جو کہا تم نے اس پر یقین کر لیا... او احمقوں کی سردارنی! تمہیں عمیر بھائی کو حقیقت بتانی چاہیے تھی۔"

"اچھا نا! اب مجھے سارے نیگیٹو پوائنٹس نہ گنوانے بیٹھ جانا۔ بھابھی نے تو میری خوشی کے لیے ہی جھوٹ بولا تھا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ بھائی اب مجھ سے خفا نہیں ہیں۔ جب سب کچھ میرے حق میں صحیح جا رہا ہے تو مجھے کیا ضرورت ہے کہ بلاوجہ کی بدگمانیاں پالتی پھروں۔" اس نے اپنے مخصوص میٹھے بے ریا لہجے میں کہا تھا۔

"اچھا تم بیٹھو... تمہیں ساہر بھابھی کے ہاتھ کے چکن رول کھلاتی ہوں۔ اتنے لاجواب رول تم نے پہلے کبھی نہیں کھائے ہوں گے۔"

ثمر نے اسے جاتے دیکھا اور گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ جو ہو رہا تھا وہ بالکل سامنے کی بات تھی۔ لیکن شفا دیکھنا ہی نہ چاہتی تھی یا ابھی قسمت اسے دکھانا ہی نہیں چاہ رہی تھی۔ جو بھی تھا کسی بڑے نقصان کا اندیشہ اسے اکثر شفا کی فکر میں مبتلا کر دیتا تھا۔

اس کا دل چاہا شفا کے پاس کچن میں چلی جائے لیکن پھر پاس پڑا میگزین دیکھنے لگی۔ تب ہی ساہر آ گئی۔ ہنستی مسکراتی' بااخلاق' تہذیب یافتہ۔ گفتگو میں اتنی مٹھاس ہوتی کہ سن کر لگتا نہ تھا اس کے دل میں چور ہے لیکن ثمر گہرائی میں جھانکنے کی عادی تھی۔ یہ بھی نہیں کہ وہ بہت زیرک تھی۔ بس ساہر کے دل کا کینہ اس نے بھانپ لیا تھا۔

ساہر نے اپنے اخلاق و محبت سے شفا اور عمیر کی آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی تھی' ثمر کے نہیں۔

"شفا بتا رہی تھی کہ تمہاری منگنی ہو رہی ہے۔ بہت مبارک ہو' میں تمہاری ماما کے پاس بھی آؤں گی' مبارک دینے۔ لیکن ثمر تم پلیز اپنی منگنی کا ذکر شفا کے سامنے بار بار مت کرنا۔ حالانکہ وہ تمہارے لیے بہت خوش ہے۔ لیکن تھوڑی نا سمجھ ہے اور تمہاری ایج فیلو بھی ہے تو کہیں ایسا نہ ہو' اس کے دل میں خیال آئے کہ تمہاری منگنی ہو رہی ہے تو اس کی کیوں نہیں' ذہن بٹ جاتے ہیں تو بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔"

بظاہر ہمدردانہ لہجے میں کہی گئی بات' ثمر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ہاں البتہ دل ہی دل میں دانت کچکچائے ضرور تھے۔ کیونکہ وہ جانتی تھی۔ شفا سوچے نہ سوچے۔ ساہر اب بات اس کے دل میں ضرور ڈال دے گی۔ وہ ایسی ہی باصلاحیت تھی۔

☼ ☼ ☼

دن کا دوسرا پہر تھا۔ صحن میں چلچلاتی دھوپ پھیلی تھی لیکن موسم خوشگوار تھا۔

تقی ابھی سو کر اٹھا تھا۔ ٹانگیں تخت پر پھیلائے کرسی پر نیم دراز تازہ اخبار کا مطالعہ فرمایا جا رہا تھا لیکن پنکھے کی ہوا اتنی خوشگوار تھی کہ پھر سے نیند کے

جھونکے آنے لگے۔ وہ تھوڑا اور سیدھا ہوا' اخبار چہرے پر پھیلایا اور پھر سے ٹن۔ امی پاس ہی بیٹھی کریلے چھیل رہی تھیں۔

ہوا سے اخبار پھسل کر گود میں آگرا تھا۔ امی نے ذرا سی آنکھیں کھول کر دیکھا۔ امی کا سارا زور کریلے چھیلنے سے زیادہ آنکھیں رگڑنے پر تھا۔ تقی نے دو' تین بار آنکھوں کی جھری سے جھانکا' ہر بار یہی منظر دیکھنے کو ملا۔

"یہ کریلوں میں پیاز کی تاثیر کب سے آ گئی۔" اس کی آواز نیند سے بوجھل تھی۔ امی اور شد و مد سے رونے لگیں۔

"کیا ہو گیا ہے امی!" وہ تڑپ کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"ابا نے کچھ کہا ہے؟ ڈانٹا ہے آپ کو؟" پہلا خیال یہی آیا۔

"مجھے ساہر یاد آ رہی ہے۔" اس بار انہوں نے آنکھیں رگڑی نہیں تھیں۔ آنسوؤں کو بہہ جانے دیا تھا۔ "کل رات خواب میں دیکھا تھا۔ اب تک ملنے کو دل تڑپ رہا ہے۔ پتا نہیں کس حال میں ہو گی میری بچی۔"

تقی ایک پل کو چپ سا رہا۔ یہ وہ موضوع تھا۔ جس پر امی کے جذبات اور آنسو قابو میں آنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ ہی وہ واحد موضوع بھی تھا جس پر انہیں اپنے سرتاج سے سخت اختلاف بھی تھا اور اسی کی بنا پر وہ ان کی سخت مزاجی کے خلاف ٹن اسٹاپ بولتی بھی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بولنے سے پہلے ان کی غیر موجودگی کی تصدیق کر لی جاتی تھی۔

"کیا مطلب' کس حال میں ہو گی۔ جس بھی حال میں ہو گی۔ ان شاء اللہ بہت خوش ہو گی۔ ابا کی بات مان لیتی تو آج ہم مظلوموں کی طرح ابا کی پابندیاں برداشت کر رہی ہوتی۔ میں تو کہتا ہوں بہت اچھا فیصلہ کیا تھا اس نے۔"

"کیا خاک اچھا فیصلہ کیا تھا۔ ذرا تحمل سے کام لیتی تو ابھی گھر سے رخصت کرتے اسے۔ جب رضی اپنے منہ سے انکار کرتا تھا کہ وہ ساہر کو بہن سمجھتا ہے تو

انہوں نے خود ہی خاموش ہو جانا تھا۔ لیکن سچ بات ہے ساہر نے تو ضد میں تمہارے ابا کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔"

"اللہ کو مانیں امی! آج تک ابا کسی بات پر چپ ہوئے بھی ہیں؟" وہ تڑپ ہی گیا تھا۔ "رضی کو بھی انہوں نے دھونس دھمکی سے منا ہی لینا تھا۔ پھر نہ ساہر خوش رہتی اور نہ ہی رضی۔ اسی لیے میرا اور رضی کا تو یہی خیال ہے جو ہوا سو اچھا ہوا۔ ہاں یہ جو ابا نے ملنے ملانے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ یہ غلط ہے۔ قطع تعلقی کر کے نہ ساہر کی زندگی رکی ہے' نہ ہم سب کی۔ پھر آخر منہ موڑ کر رکھنے کا کیا فائدہ ہے۔"

"تمہیں کیا پتا تقی! میرا کتنا دل چاہتا ہے ساہر سے ملنے کو۔ اسے گلے لگانے کو۔ گودوں میں کھلایا ہے اسے۔ پہلا نوالہ اس کے منہ میں ڈالتی تھی۔ پھر خود کھاتی تھی اور اب چھ سال ہونے کو آئے کہ اس کی شکل بھی دیکھنے کو نہیں ملی۔" وہ پھکوں پھکوں رونے لگیں۔

"دل چاہتا ہے اس سے ملوں' اس کے بچوں کو دیکھوں' ان کے کپڑے بناؤں... لیکن... تمہارے ابا بھی نا... ساری زندگی اس آدمی نے یہی کیا ہے' وجہ بے وجہ ضدیں لگا کر میری زندگی بھی بے سکون کرتا رہا اور اپنی بھی۔"

تقی کا بس نہ چلتا تھا ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا اور دل سے دکھ کا نام و نشان مٹا دے۔ لیکن اس آخری بات پر ہنسی آ گئی۔ امی بھی اپنی محبت سے مجبور تھیں۔ لیکن روٹ بدلنے میں ایک منٹ نہیں لگاتی تھیں۔

"اچھا یہ شمیم آرا کی طرح آنسو بہانا بند کریں اور اٹھیں' آپ کو ساہر سے ملوا کر لاتا ہوں۔"

"تمہیں پتا ہے ساہر کے گھر کا؟" امی نے ہکا بکا ہو کر پوچھا۔

"اسی زمین پر رہتی ہے نا وہ۔ کون سا چاند پر لے گیا اس کا میاں کہ گھر ہی ڈھونڈا نہ جا سکے۔" تقی نے کہا۔ "آپ تیار ہوں۔ چچا کی طرف چلتے ہیں' وہاں سے ساہر کے گھر کا ایڈریس معلوم کر لیں گے۔"

"نہیں تقی!" امی بے قرار ہو کر اٹھیں' پھر جھاگ

کی طرح بیٹھ گئیں۔ "تمہارے ابا کو پتا چلا تو ایک قیامت اٹھا دیں گے۔ اب اس عمر میں مجھ سے ان کی باتیں سنی نہیں جاتیں۔"

"کچھ بھی نہیں ہو گا امی! آپ چلیں تو سہی۔"

"تم سے تو پہلے ہی خفا رہتے ہیں۔ یہ بات بھی بس بہانہ ہی بنے گی اور کیا ہی اچھا ہو اگر تم اسٹور پر ہی جانا شروع کر دو۔۔ دراصل تنگ آ تم ہو ہی لاپروا۔" وہ ازحد دکھی ہو رہی تھیں۔

"چلو جی۔ بات کہیں سے بھی شروع ہو، یہ طے ہے کہ ختم میری لاپروائی پر ہی ہو گی۔" اس نے ماتھا پوری ہتھیلی سے پیٹا۔ "اور جب میں ہوں ہی لاپروا تو ابا کی خفگی کی پروا بھی کیوں کروں۔ ابا تو ویسے بھی پیدائشی خفا لگتے ہیں۔ یعنی جب خود پیدا ہوئے ہوں گے۔ تب بھی خفا ہی ہوں گے۔ آپ مانیں یا نہ مانیں دادا، دادی مرحوم بھی اسی غم میں دنیا سے جلدی چلے گئے۔"

"تم تو جب بھی بولنا الٹا ہی بولنا، پتا نہیں میں بھی کیوں تمہارے ہی سامنے دل ہلکا کرنے بیٹھ جاتی ہوں۔" امی جھنجلاتے ہوئے سبزی کی ٹوکری لے کر اٹھ گئیں۔

"وہ اس لیے کیونکہ ۔۔ آپ جانتی ہیں آپ کی خواہش صرف میں پوری کر سکتا ہوں۔ آپ کے باقی دونوں نونہال ابا کے جتنے بھی لائق فائق سپوت کیوں نہ ہوں۔ ابا کے خلاف جا کر کوئی کام کرنے کی ہمت کبھی نہیں کریں گے۔" اس کا لہجہ متبسم تھا۔ امی سر جھٹک کر کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

"ناشتا بنا دیں امی! اور پراٹھے، تین انڈوں کا آملیٹ، ہرا دھنیا زیادہ ڈالیے گا۔"

وہ خوش خوراک تھا اور سوچتے ہوئے اس کی یہ خوش خوراکی اور بھی عروج پر پہنچ جاتی تھی۔

پھر اس نے ڈٹ کر ناشتا کیا اور اس کے بعد چچا کی طرف آ گیا۔ اسے رازداری سے ساہر کا ایڈریس جو معلوم کرنا تھا۔

☼ ☼ ☼

ساہر کا ذہن جب سوچ سوچ کر بری طرح تھک گیا تو محض اپنے ڈپریشن سے چھٹکارا پانے کے لیے امی کی طرف آ گئی۔ لیکن وہاں بھی عجیب سی مایوسی اسے گھیرے رہی۔

"آخر تمہیں ہوا کیا ہے؟ جب سے آئی ہو، دیکھ رہی ہوں۔ منہ لٹکا کر بیٹھی ہوئی ہو۔" اس کی امی نے ٹوک ہی دیا۔ "عمیر سے جھگڑا ہوا ہے کیا؟"

"او ہو امی! آپ بھی بس ایک بات کے پیچھے ہی پڑ جایا کریں۔" وہ بری طرح چڑ گئی۔ پھر اپنی اونچی آواز کا احساس ہوا تو تحمل سے بولی۔ "بھئی بتا تو چکی ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ عمیر سے کیوں جھگڑا ہو گا، ہاں البتہ شفا۔۔"

"تمہارے اور شفا کے پھر سے جھگڑے ہونے لگے ہیں؟" امی نے کچھ اکتا کر پوچھا تھا۔

"جھگڑا نہیں ہوتا امی! لیکن شفا اب مجھ سے برداشت بھی نہیں ہوتی۔" ساہر نے جیسے تھک کر کہا تھا۔

"میرا دل چاہتا ہے کوئی جادو کی چھڑی ہو میرے پاس۔ جس سے میں شفا کو غائب کر دوں۔"

"وہ اب تو کتنی اچھی ہے تمہارے ساتھ۔ جو گزر گیا اسے بھول کیوں نہیں جاتیں تم۔ ہاں میں مانتی ہوں، اس نے اپنے بچپنے میں تمہیں تنگ رکھا ہے۔ لیکن اب تو وہ تمہاری قدر کرتی ہے نا اور آخر کس چیز کی کمی ہے تمہاری زندگی میں جو تم پرانی باتوں کو ذہن پر سوار رکھتی ہو۔"

اس کی امی نے نرمی سے کہا۔ گو کہ اب وہ پہلے کی طرح ان کے سامنے شفا کی وجہ سے روتی نہیں تھی۔ لیکن وہ ماں تھیں اور ماؤں سے زیادہ دلوں کی کیفیت کون سمجھ سکتا ہے۔ اسی لیے اسے وقتاً" فوقتاً" سمجھاتی رہتی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اب ان کی نصیحتوں نے ساہر پر اثر کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔

"اچھا اب اتنے دن کے بعد آئی ہو تو اس طرح سے منہ بنا کر مت بیٹھو۔ بتاؤ، رات کے لیے کیا خاص چیز بناؤں تمہارے لیے۔ بلکہ عمیر کی پسند کی بھی کوئی

چیز بنا دوں۔ نائلہ میں ایک ہی بار نسیمہ کو مارکیٹ بھیج کر سامان منگوا لوں۔"

"رہنے دیں امی! کہاں آپ اتنی محنت کریں گی۔ ویسے بھی عمیر کی عادت کا تو آپ کو پتا ہے۔ وہ مجھے پک کرنے ضرور آئیں گے۔ لیکن کھانے تک نہیں رکیں گے۔ ان کا ایک ہی بہانہ۔ شفا گھر میں اکیلی ہے۔" اس نے منہ بگاڑ کر عمیر کی نقل اتاری۔

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں ابھی عمیر سے خود بات کرتی ہوں۔ اس سے کہوں گی۔ آتے ہوئے شفا کو بھی لیتا آئے۔ تم سب لوگ یہاں سے ہی کھانا کھا کر جانا۔" امی نے کہا تو اس نے بددلی سے سر ہلا دیا۔

"کیا ہی اچھا ہوتا ساہر! جو تم کل آ گئی ہوتیں۔ پتا ہے کل تقی آیا تھا۔"

"واقعی؟" ساہر نے خوشگواریت سے پوچھا۔ "کاش میں واقعی کل آ جاتی۔ باقی سب سے نہ سہی، تقی سے تو ملاقات ہو جاتی۔۔ کیسا تھا تقی؟ اور باقی سب لوگ کیسے ہیں؟" وہ جوش میں پوچھتی چلی گئی۔ پھر کچھ خیال آیا تو رکی۔ "لیکن امی! تایا ابا نے تقی کو آنے کی اجازت کیسے دے دی؟"

"اجازت کہاں دی۔ تمہیں تو پتا ہی ہے اپنے تایا ابا کا۔ جو ضد لگا لیں اس سے مشکل سے ہی پیچھے ہٹتے ہیں۔ تم سے تو ناراض ہوئے سو ہوئے، ہم سے بھی قطع تعلق کر لی۔ کتنی کوشش کی تمہارے ابو نے کہ کسی طرح بڑا بھائی مان جائے۔ لیکن نہ جی۔۔ تقی بھی بغیر بتائے آیا تھا۔ بتا دیتا تو بھائی صاحب آنے دیتے؟"

"آپ نے پوچھا نہیں تقی سے کہ اسے اتنے عرصے کے بعد آنے کا خیال کیسے آ گیا؟"

"تمہارا ہی ایڈریس لینے آیا تھا۔ کہہ رہا تھا تمہاری تائی جان بہت اداس ہیں۔ انہیں کسی روز تمہاری طرف لے کر آئے گا۔"

ساہر کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

"کب لے کر آئے گا، یہ نہیں بتایا۔ میں تو آج سے ہی انتظار شروع کر دوں گی۔"

"میں تو کہتی ہوں ساہر! تم بھی اپنی ضد چھوڑ دو۔ بھائی صاحب بڑے ہیں۔ انہوں نے تو غصے میں جو کہا سو کہا۔ تم بھی ضد کر کے بیٹھ گئیں کہ اب کبھی ان کے یہاں نہ جاؤ گی۔ اب تو چھ سال ہونے کو آئے۔ شادی کے فوراً" بعد ہی ان کے گھر چلی گئی ہوتیں تو ان کی ناراضی تمہاری شکل دیکھتے ہی دور ہو جانی تھی۔"

"رہنے بھی دیں امی! آپ تو جیسے تایا ابا کو جانتی نہیں کہ وہ کتنے ہٹ کے پکے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ تب تو جو ہوا سو ہوا۔ اب بھی تم ہی کسی روز ان کی طرف چلو۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے فوراً" کہا۔ "بچے ہمیشہ سے اپنے بڑوں سے ضدیں منواتے آئے ہیں۔ لیکن تایا ابا اپنے سے چھوٹوں سے ضد لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ جب انہیں میری پروا نہیں تو میں کیوں بھاگ بھاگ کر جاؤں۔۔ یہ سچ ہے کہ میرا ان سب سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے لیکن میں خود سے نہیں جاؤں گی۔"

"ضد میں تو تم نے بھی بھائی صاحب کی برابری ہی کی ہوئی ہے۔" امی نے اکتا کر لیکن بحث سمیٹنے والے انداز میں کہا۔

"خیر! مجھے عمیر کا نمبر دو میں اس سے کہوں شفا کو بھی لیتا آئے اور تم تب تک وشمہ سے بات کر لو۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"وشمہ؟ وشمہ کہاں بیٹھے بٹھائے یاد آ گئی آپ کو؟" اس نے سستی سے ٹانگیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

"ارے دیکھو ذرا۔ میں تو تمہیں بتانا ہی بھول گئی۔ وشمہ کا فون آیا تھا۔ اس نے بھی تمہارا فون نمبر اور ایڈریس پوچھنے کے لیے فون کیا تھا۔ میرے ذہن میں اتنے کام ہوتے ہیں کہ ہر بات ادھر ادھر ہو جاتی ہے۔ اپنی طرف سے سوچے بیٹھی ہوں کہ تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔"

"اتنے کام کی بات آپ نے کتنی دیر سے بتائی ہے۔" ساہر کی خوشی دیدنی تھی۔ "آپ نے اس کا نمبر نوٹ کیا تھا؟ کب آئی ہے وہ پاکستان؟"

"ہاں وہاں ٹیلی فون سیٹ کے نیچے جو ڈائری پڑی ہے اس میں نوٹ کیا تھا۔ کہہ رہی تھی۔ ابھی کچھ ہی

روز ہوئے ہیں۔ اپنے بھائی کے لیے کوئی لڑکی وغیرہ پسند کرنے آئی ہے۔ میں کہہ رہی تھی ساہر!" انہوں نے جاتے جاتے اسے پکارا۔ "وشمہ کے بھائی کو ذرا دھیان سے دیکھ لینا۔ شفا کی بات وہاں ٹھہر جائے تو کیا برا ہے۔ اچھا ہے امریکا بیاہ دو۔ وہ کون سا روز روز پاکستان آیا کرے گی۔ تمہاری بھی جان چھوٹ جائے گی۔"

"امی! ابھی وشمہ سے ملاقات تو ہو جانے دیں۔ آپ بھی پتا نہیں کتنی دور کی پلاننگ کیے جا رہی ہیں۔" وہ لاپروائی سے کہتی باہر نکل گئی تھی۔ بچپن کی دوست سے بات کرنے کی جلدی جو تھی۔

☼ ☼ ☼

کچھ روز بعد جاثم نے اسے کال کی تھی۔

"پھر تم نے کیا سوچا؟"

"سوچا تو میں نے بہت کچھ ہے۔ لیکن جواب میرا ابھی بھی نہ ہی ہے۔"

"یعنی یہ کال بھی ضائع ہو گئی۔" جاثم نے مایوسی سے کہا اور دونوں ہنسنے لگے۔

"تم دیکھنا تقی! میں تب تک تمہارے پیچھے لگا رہوں گا' جب تک تم میرے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہو جاتے۔"

کوئی اس کے ٹیلنٹ کا قدر دان تھا۔ یہ سوچ کر ہی تقی کا سیروں خون بڑھ جاتا تھا۔

"پورٹ فولیو بنوانے میں انٹرسٹڈ ہو؟ میری کزن این سی اے میں پڑھ رہی ہے۔ وہ اپنے کسی اسائنمنٹ کے سلسلے میں تمہارا پورٹ فولیو بنانا چاہتی ہے۔ اگر تم انٹرسٹڈ ہو تو میں اسے تمہارا کانٹیکٹ نمبر دے دوں؟ میرا مشورہ ہے اگر اب تک تم نے اپنا پروفیشنل پورٹ فولیو نہیں بنوایا تو مہک سے بنوالو۔ شی از ناٹ اے ویری گڈ فوٹو گرافر۔ تمہیں آگے بھی بہت مدد مل جائے گی۔"

تقی نے ایک پل کو سوچا' پھر انکار کر دیا تو جیسے یہ دلیل دی کہ جب کام ہی نہیں کرنا تو پورٹ فولیو بنوانے کا کیا فائدہ؟

اگلے روز مہک صاحبہ بنفس نفیس ملاقات کرنے یونیورسٹی پہنچ گئیں۔ ایک تو رعب حسن اور بحر کلام میں تقی کی دلچسپی۔ اسے ماننے ہی بنی۔ بعد میں میر کو بتایا تو اس نے بھی یہی کہا۔

"حسن سے متاثر ہو گیا تو۔"

"تو میں نے ان کے حسن کا اچار ڈالنا ہے۔" اس نے چڑ کر کہا۔ "لیکن ایک بات ہے میر! میں جتنا اس فیلڈ سے جان چھڑاتا ہوں یہ اتنا ہی مجھے اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔"

"او بس کرو بھائی! بس کرو۔۔۔ پہلے سارا دن روحیل کی بک بک سنو' پھر تمہارے فلسفے جان نہیں چھوڑتے۔" وہ کسی بات پر چڑا بیٹھا تھا۔ تقی نے جھنجلا کر فون ہی بند کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"تقریباً" چار سال بعد ہی سہی' لیکن ہماری ملاقات ہو ہی گئی۔" ساہر نے وشمہ سے کہا۔ ساہر نے بعد اصرار اسے اپنے گھر بلایا تھا۔ روحیل بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا اور اب تھوڑی دیر بعد وشمہ کو لینے کے لیے آ گیا تھا۔

"تم اتنی جلدی کیوں آ گئے ہو روحیل! ہمیں کچھ دیر تو آرام سے باتیں کر لینے دیتے۔" ساہر نے کہا۔

"کچھ دیر اور۔۔۔ خدا کا خوف کریں آپ دونوں۔ میں تین گھنٹے بعد آیا ہوں اور آپ لوگوں کی باتیں ہی اب تک ختم نہیں ہو سکیں۔" وہ متبسم لہجے میں ساہر سے مخاطب تھا لیکن نظریں اس کی شفا پر ہی تھیں۔ جو اپنے آپ میں مگن چائے کپوں میں ڈال رہی تھی اور روحیل بار بار اسے دیکھ رہا تھا۔ محض پانچ منٹ ہی شفا وہاں رکی ہو گی اور اتنی سی دیر میں ہی ساہر نے اس کی دلچسپی بھانپ لی تھی۔

"تمہیں یاد ہے روحیل! تم جب چھوٹے تھے تو کہا کرتے تھے تم بڑے ہو کر ساہر سے شادی کرو گے؟" اچانک وشمہ کو یاد آیا تو اس نے کہا۔ ساہر کے ذہن میں

اس وقت اس کی امی کی کہی ہوئی باتیں گھوم رہی تھیں۔ وہ ذرا غائب دماغی سے ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ دونوں ہنس رہے تھے۔

"تمہیں یاد ہے ساحر! یہ روحیل تمہارا کتنا بڑا عاشق ہوتا تھا اور کہا کرتا تھا تم سے شادی کرے گا۔" وشمہ نے اس کی غائب دماغی محسوس کرکے دوبارہ کہا۔

روحیل ان دونوں سے عمر میں اتنا چھوٹا تھا کہ جب یہ کالج میں تھیں تو وہ اسکول جاتا تھا اور ان دونوں کی آپس میں دوستی بہت تھی اور گھروں میں آنا جانا بھی تھا۔ تو یہ ایک بچے کے عام مذاق کی بات تھی۔

ساحر بھی یاد آنے پر ہنسنے لگی۔

"کیسے بھول سکتی ہوں۔ یہ کتنا زچ کیا کرتا تھا مجھے اپنی باتوں سے اور سچ بتاؤں' یہ مجھے برا بھی بہت لگتا تھا۔ لیکن اب تو اچھا خاصا ہینڈسم ہوگیا ہے۔"

"چلیں دیر سے ہی سہی' میں آپ کو اچھا تو لگا۔ ویسے ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔ آپ اچھی طرح غور کرلیں' کیونکہ میں تو ابھی بھی راضی ہوں۔" اس کا انداز شرارتی تھا۔ مطلب سمجھ کر وہ دونوں ہنس پڑیں۔

"بھول کر بھی ایسی بات مت سوچنا' کیونکہ مجھے عمیر سے بہت محبت ہے۔"

"اور روحیل! اب تم بس کرو۔ وہاں لاس ویگاس میں تو تم نے کسی گوری کو نہیں چھوڑا۔ کم سے کم میری سہیلی کو تو بخش دو۔" وشمہ نے کہا۔

"روحیل فلرٹی ہے؟" ساحر نے کہا۔

"ایسا ویسا؟ میں نے بتایا نا۔ اس نے کسی گوری کو نہیں چھوڑا۔ وہ' تمہیں تو اس کا پوچھتے ہمارے گھر بھی پہنچ گئی تھیں۔" وشمہ گو کہ بھائی کی ایک برائی بیان کررہی تھی لیکن اس کی آنکھوں اور باتوں میں بھائی کے لیے پیار ہی پیار تھا۔ جیسے اس کا بڑا کارنامہ بیان کررہی ہو۔

"آپ میری اتنی بھی تعریفیں نہ کریں۔ آپ کی سہیلی کو چھوڑ دیتا ہوں' لیکن ان کی نند کے بارے میں تو سوچا جاسکتا ہے نا۔" اس کا انداز ابھی بھی شرارتی تھا' لیکن ساحر نے چونک کر اسے دیکھا اور

وشمہ نے ساحر کا چونکنا بھی نوٹ کرلیا تھا۔ ان لوگوں میں آپس میں خاصی بے تکلفی تھی لیکن اپنی نند کے بارے میں ساحر کو ایسی بات بری لگ سکتی تھی۔

اس نے فوراً" روحیل کو ٹوک دیا اور موضوع بھی بدل دیا لیکن ساحر کا دماغ انواع و اقسام کی باتوں سے بھر چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

وشمہ نے اگلے ہی روز اسے فون کیا اور روحیل کی بات کی معافی مانگی۔

"میں بہت شرمندہ ہوں ساحر! لڑکوں کا تو تمہیں پتا ہی ہے۔ زبانیں ان کی پہلے ہی کسی کے قابو میں نہیں ہوتیں۔ امریکا میں کچھ سال گزار کر یہ روحیل کچھ زیادہ ہی اوور ہوگیا ہے۔ دراصل وہاں کا ماحول کھلا ہے۔ کسی لڑکی کی اس انداز سے تعریف کرو تو وہ برا نہیں مانتیں بلکہ خوش ہوتی ہیں۔"

"تم مجھے وضاحتیں مت دو وشمہ!"

"نہیں یار! روحیل کو تمہاری نند کے بارے میں اس طرح سے تو بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔"

"چھوڑو اب اس بات کو۔ یہ بتاؤ تمہیں شفا کیسی لگی؟" وہ تمہید باندھنے لگی۔

"خوب صورت تو خیر بہت ہے لیکن ذرا سیدھی سی لگی ہے مجھے...... تھوڑی بونگی ٹائپ۔"

"وشمہ! تم پاکستان روحیل کے لیے لڑکی پسند کرنے آئی ہو ناں۔۔۔ تو شفا کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

اس نے کہہ ہی دیا۔

وشمہ کچھ دیر کے لیے بالکل خاموش ہوگئی۔ شاید وہ مناسب الفاظ ڈھونڈ رہی تھی۔

"ساحر! بلاشبہ تمہاری نند بہت پیاری ہے۔ روحیل کوئی عام انسان ہوتا تو میں ضرور شفا کے لیے سوچتی لیکن آئی ایم سوری روحیل عام انسان نہیں ہے کہ اسے کوئی سیدھی سادی معصوم لڑکی پسند آجائے۔ روحیل کو میں بڑی اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ وہ جس طرح کے مزاج کا ہے۔ کوئی سیدھی سی لڑکی اس کے

ساتھ سروائیو کرہی نہیں سکتی۔ اسے بولڈ فیس پسند ہے۔ گھبرانے شرمانے والی لڑکیوں سے وہ خار کھاتا ہے۔ شفا میں دلچسپی ضرور لے رہا ہے وہ لیکن شادی کے لیے اسے پسند نہیں کرے گا۔ واپس آتے ہوئے اس کے بارے میں بہت سوال پوچھ رہا تھا۔ اگر میں کوشش کروں تو شاید وہ شفا سے شادی بھی کرلے لیکن بعد میں اس کی زندگی اجیرن کیے رکھے گا۔ ایسے میں میچڈ کپلز زیادہ عرصہ نباہ نہیں کرپاتے۔" اس نے بغیر کسی لاگ لپیٹ کے کہہ سنایا تھا۔

"خیر اب اتنی بھی سیدھی نہیں ہے شفا۔ جتنا تم نے ایک ہی ملاقات میں اسے سمجھ لیا ہے۔" ساحر نے قدرے بے زاری سے کہا تھا۔ "میری زندگی تو اچھی بھلی اجیرن کیے رکھی ہے اس نے۔"

"کیا مطلب؟" وشمہ نے الجھ کر پوچھا کیونکہ کل تک تو ساحر شفا کی تعریفیں ہی کررہی تھی۔

جواب میں ساحر نے اپنی ساری داستان کہہ سنائی۔ کہانیاں تو ہمیشہ سے عام سی ہی ہوتی ہیں بیان کرنے کا طریقہ انہیں خاص بنادیتا ہے۔ پھر سب کچھ چونکہ ساحر کے دل پر گزرا تھا اس لیے اس کی باتوں میں اثر بھی زیادہ معلوم ہوتا تھا۔

وشمہ اس کی باتیں سن کر حیران رہ گئی۔

"شکل سے کتنی سیدھی لگتی ہے تمہاری نند لیکن کس قدر چالاک ہے۔"

"میں ایسی ہی ہے وہ۔"

"شکر ہے میں نے پہلے ہی ہامی نہیں بھری ورنہ تم تو کبھی مجھے اس کی بدتمیزیوں سے آگاہ نہ کرتیں۔ کتنی مطلبی ہو تم ساحر! اپنے سر کی مصیبت میرے سر ڈالنے چلی تھیں۔ پرانی دوستی کا بھی لحاظ نہیں کیا تم نے تو۔" وشمہ ذرا سی جذباتی ہوگئی تھی۔

"ارے ابھی بھر تمہیں میں تب بھی تمہیں یہ ساری باتیں بتا دیتی۔ تم نے کون سا اسے اپنے گھر میں رکھنا تھا۔ شادی کے بعد تو روحیل اور شفا وہاں لاس ویگاس میں بس جاتے نا۔" ساحر نے نرمی سے کہا۔

"ہاں یہ بھی تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن شفا جیسی

لڑکیاں الگ رہیں یا جوائنٹ فیملی میں۔ ٹف ٹائم ضرور دیتی ہیں۔ پہلے میں اس کی معصومیت کی وجہ سے اسے بھابھی بنانا نہیں چاہ رہی تھی۔ اب اس کی چالاکیوں کی وجہ سے ایسا نہیں سوچوں گی۔ روحیل بھلے ہی اسے پسند کرے لیکن شادی تو میں اس کی شفا سے نہیں ہونے دوں گی۔ کیونکہ جو لڑکیاں اچھی نندیں ثابت نہ ہوں' وہ اچھی بھابھیاں بھی نہیں بن پاتیں اور میں نہیں چاہتی۔ وہ آتے ہی میرا عمل دخل بھی روحیل کی زندگی سے ختم کردے۔"

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔" ساحر نے بددلی سے فون بند کردیا۔ جذباتیت میں وہ خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار بیٹھی تھی۔ کیا تھا جو وہ وشمہ کو خود پر بیتی باتیں نہ بتاتی اور تھوڑا سا اصرار کرکے اسے منالیتی۔ سچ ہے زبان آپ کے بنتے کام بھی بگاڑ دیتی ہے۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

آمنہ ریاض



باقر لودھی اپنے منجھلے بیٹے تقی کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت سے سخت نالاں ہیں اور اسے ہر وقت بدکرداری کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔ تقی کو شوبز میں کام کرنے کا شوق ہے جبکہ لودھی صاحب اس کام کے سخت مخالف ہیں۔ دونوں باپ بیٹے میں اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ رمشی اور جری سے البتہ باقر صاحب کو کوئی شکایت نہیں۔

شفا کو عمیر نے والدین کے بعد باپ بن کر پالا ہے۔ وہ عمیر کی بے حد لاڈلی ہے مگر عمیر کی بیوی ساہر کو اس سے شدید جلن ہے وہ عمیر سے جھوٹ بول کر اسے شفا سے بدظن کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ عمیر کو اپنی بیوی پر پورا یقین ہے۔

ساہر اور عمیر کی شادی کے ابتدائی دنوں میں شفا ساہر سے بہت بدتمیزی کیا کرتی تھی۔ وہ اسے ہر وقت عمیر کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتی اور جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر اسے عمیر سے ڈانٹ پڑوا دیتی۔ رات کے کھانے پر پاستا بنانے پر اس نے ساہر سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا اور سیڑھیوں سے حادثاتی طور پر گر جانے کا الزام ساہر پر لگا دیا کہ ساہر نے اسے دھکا دیا ہے۔ اس بات پر عمیر، ساہر کو دو تھپڑ مار دیتا ہے۔ ساہر کو بہت دکھ ہوا ہے۔ شفا خود بھی گنگ ہو جاتی ہے۔

تقی کے گھر والے دوست سمیر کے ابا اپنی پسند سے اس کی منگنی کرا دیتے ہیں۔

شفا عمیر کو ساری بات بتا کر ان سے اور ساہر سے اپنی پچھلی تمام باتوں پر معافی مانگ لیتی ہے۔ عمیر اسے معاف کر دیتے ہیں مگر ساہر شفا سے بیر باندھ لیتی ہے اور غلط بیانی کر کے دونوں بہن بھائی میں غلط فہمیاں پیدا کرتی رہتی ہے۔ اسی طرح وہ عمیر کے منع کرنے کے باوجود۔ جھوٹ بول کر شفا کو کالج ٹرپ پر بھجوا دیتی ہے۔



کاسٹنگ ڈائریکٹر جاثم ... تقی کو اپنے ڈرامے میں لیڈنگ رول کی آفر کرتا ہے۔ تقی اپنے ابا کی وجہ سے مذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔

تقی اور سمیر بھی اپنے دوستوں کے ہمراہ مری جاتے ہیں اور اسی ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرتے ہیں جہاں ثنا کا گروپ ٹھہرا ہوتا ہے۔ وہاں سمیر کو ثمر اپنی منگیتر کا گمان ہوتا ہے۔ ٹرپ کے دوران دونوں گروپوں کے درمیان ہلکے پھلکے ٹاکرے ہوتے رہتے ہیں۔

چھٹی قسط

"میں نے کہا تھا نا میں تمہارا اتنا اعلا پورٹ فولیو بناؤں گی کہ بڑے بڑے پروفیشنلز بھی حیران رہ جائیں گے۔"

مہک اپنی کارکردگی سے بہت خوش تھی۔ خوش تو تقی بھی تھا۔ مہک نے واقعی بہت اچھا پورٹ فولیو بنایا تھا۔ جاثم نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ وہ بہت پروفیشنل انداز میں کام کرتی تھی۔ بلکہ اسے فوٹوگرافی پر عبور حاصل تھا۔ تقی جانتا تھا وہ ہینڈسم ہے۔ لیکن اتنا زیادہ ہے' یہ آج تک اسے کسی نے بتایا ہی نہیں تھا۔

"میں تو کہتا ہوں ان ہی تصویروں میں سے کوئی ایک بدھو کے لیے بھجوا دینا۔" سمیر نے تصویریں دیکھ کر بڑی سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا تھا۔ اس وقت تو ہنسی مذاق میں بات ٹل گئی' لیکن اب کچھ روز سے تقی سوچ رہا تھا' شاید بدھو کے لیے تصویر بھجوانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ ممکن ہے اسے بنفس نفیس جانا پڑے۔ مہک کئی بار اسے گھر آنے کی دعوت دے چکی تھی۔

یہ خیال آتے ہی تقی نے غیرارادی طور پر مہک کو دیکھا۔ وہ ابھی تک بڑے انہماک اور جوش کے ساتھ اپنے آئی فون پر اس کی تصویریں دیکھ رہی تھی۔ وہ اتنی خوب صورت تھی کہ اس کی خواہش میں مبتلا نہ ہونا اپنے بس کی بات ہی نہ تھی۔

"تم کیا کھاؤ گی؟ میں لے آؤں؟" وہ دونوں ایک مشہور فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ میں آئے ہوئے تھے۔ یہاں چونکہ سیلف سروس تھی۔ اس لیے تقی پوچھ رہا تھا۔ مہک نے بتایا تو وہ اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ مہک نے گردن موڑ کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ نیلی جینز پر کالے رنگ کی ہاف سلیوز ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ پاؤں میں اس کے کالی کیژول سی جوتی اکثر پہنے ہوتا تھا۔ صاف پتا چلتا تھا۔ مہک ارسلان جیسی دلکش لڑکی کے ساتھ باہر آتے ہوئے بھی اس نے کوئی خاص تیاری کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ تقی کاؤنٹر کے پاس کھڑا لاپروائی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اور مہک اسے دیکھ رہی تھی۔

ان چند دنوں میں پورٹ فولیو تو جو بنا سو بنا' اس دوران ان دونوں کے مابین بڑی اچھی دوستی بھی ہو گئی تھی۔

مہک نے کئی بار سوچا۔ لیکن ہر بار وہ فیصلہ کرنے سے رہ جاتی تھی کہ وہ کون سی چیز ہے' جو اس کے دل کو تقی کی طرف کھینچ رہی ہے۔ کیا اچھی شکل؟ نہیں یہ کوئی ایسی خصوصیت نہیں کہ مہک جیسی لڑکی دل کو ہارا ہوا محسوس کرے۔ وہ خود بھی کم خوب صورت نہیں تھی۔ پھر جتنے امیرباپ کی وہ بیٹی تھی' ایک سے ایک اچھی شکل والا اس کے آگے پیچھے پھرتا تھا۔

پھر شاید تقی کی بذلہ سنجی ... اس کا اعلا اخلاق؟ اس نے کئی بار اپنے دل سے کسوٹی کھیلی تھی اور ہر بار بس یہی نتیجہ نکل پائی تھی کہ تقی ان لوگوں میں سے ہے' جو جانے انجانے دوسروں کو اپنی محبت میں مبتلا کرنا جانتے ہیں۔

"تقی! میں سوچ رہی تھی' تمہارے پورٹ فولیو کو کسی فرسٹ ایڈورٹائزنگ ایجنسیز میں بھجواتا ہیں۔"

تقی واپس آیا تو مہک نے اس سے کہا۔

"کیا فائدہ؟" تقی نے زنگر برگر کا بڑا سا نوالہ لینے کے لیے برتولتے ہوئے بری سی شکل بنا کر کہا۔ "وہاں سے کبھی نہ کوئی آفر آجائے گی۔ جسے میں ابا کے ڈر سے قبول نہیں کر سکوں گا اور میری حسرتوں کی لسٹ میں ایک اور حسرت کا اضافہ ہو جائے گا۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس کا سامنا ہی نہ کیا جائے۔"

"تم کتنے کانفیڈنٹ ہو۔ جیسے آفر آہی جائے گی۔"

مہک نے اسے چڑانے کی غرض سے کہا۔

تقی ہنس دیا۔ لیکن کہا کچھ نہیں کہ وہ دونوں ہی جانتے تھے' تقی کا پورٹ فولیو جس بھی ایجنسی میں بھجوایا جائے گا' وہاں سے آفر ضرور آئے گی۔

"ابا کا ڈر درست سہی' لیکن میرا خیال ہے کہ اپنے فیوچر کے لیے تمہیں یہ اسٹیپ تو لینا ہی پڑے گا۔" چند منٹ بعد مہک نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"دعا کرو' مجھے اچھی نوکری مل جائے۔ ابا کا لائق فائق بیٹا بن کر دکھاؤں تو انہیں میرے شوبز جوائن کرنے پر اعتراض نہیں ہوگا یقیناً۔ شاید ... پتا نہیں۔" وہ اس معاملے میں خود بہت کنفیوز تھا۔ بقول امی' ساری زندگی لودھی صاحب کے ساتھ گزار لینے کے باوجود وہ ابھی تک ان کے بارے میں کوئی پیشن گوئی نہیں کر سکتی تھیں تو تقی کو تو ابھی دنیا میں آئے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے تھے۔

مہک ہنسنے لگی۔

"اچھا۔ میرے ڈیڈی سے کب ملو گے؟"

"میں ان سے مل کر کیا کروں گا؟" تقی نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"ہم نہیں بھی ایکٹنگ کا بہت شوق تھا۔ ڈیڈی کہتے ہیں۔ انہوں نے بہت بار آڈیشن بھی دیا۔ لیکن کوئی بھی اچھی فلم ان کی ناقص ایکٹنگ کی وجہ سے فلاپ کروانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے پاکستانی فلم انڈسٹری کو ایک عظیم اداکار ملنے سے رہ گیا۔" مہک نے بڑے دلچسپ انداز میں بتایا۔

"میں چاہتی ہوں' مستقبل کا ایک عظیم اداکار ان سے ضرور مل لے۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔"

"کیا تم مجھے صرف اسی لیے ان سے ملوانا چاہتی ہو؟" تقی گو کہ مسکرا رہا تھا۔ لیکن پرسوچ نظروں سے اسے دیکھ بھی رہا تھا...

"نہیں۔" مہک کی مسکراہٹ بہت خاص تھی۔

"درازسم اسپیشل ریزن۔"

اب کی بار تقی بھی کھل کر مسکرایا۔

"کیا میں یہ سمجھوں کہ تم مجھے پرپوز کر رہی ہو؟"

اس کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

"ہرگز نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے زور دے کر بولی۔ "لڑکیاں پرپوز کرتی ہوئی اچھی نہیں لگتیں۔ پرپوز تو تم ہی کرو گے۔"

"ٹھیک ہے ... لیکن کیا تمہیں کھانا بنانا آتا ہے؟"

"نہیں! کھانا بنانا تو نہیں آتا۔"

"اوف۔" اسے مایوسی ہوئی۔ "مجھے کھانا کھانے کا

بہت شوق ہے۔ اس لیے میری بیوی کو کھانا بنانا ضرور آنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ بہت اعلا قسم کی بریانی کٹاکٹ اور پائے بنائے گی تو میری اس سے محبت میں بے تحاشا اضافہ ہوگا۔" اس نے معصوم سی شکل بنا کر کہا۔

"یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ میں کھانا بنانا سیکھ لوں گی۔"

"اچھی طرح سوچ لو میڈم! مجھے کھانا کھانے کا جتنا شوق ہے، میں اپنے کھانے پینے کے معاملے میں اتنا سیلیکٹو بھی ہوں۔ میرے ساتھ زندگی گزارنا آسان ہرگز نہیں ہوگا۔" تقی نے اسے ڈرایا۔

"یہ سوچنا تمہارا نہیں، میرا کام ہے کہ تمہارے ساتھ زندگی آسان ہوگی یا نہیں۔ البتہ کھانا بنانا میں سیکھ لوں گی۔" وہ بہت پراعتماد تھی۔

ایک تعلق جو بہت خاموشی سے ان دونوں کے درمیان اپنی جگہ بنا رہا تھا، لفظوں میں ڈھل کر مضبوط ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ساہر کا بس نہیں چل رہا تھا۔ خوشی سے چیخ چیخ کر سارا گھر سر پر اٹھا لے۔

"تقی! مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔ میں تمہیں دیکھ رہی ہوں۔ اتنے سالوں کے بعد۔ اور تم کتنے ہینڈسم ہو گئے ہو۔"

"ہو گئے ہو سے کیا مراد ہے؟" تقی نے منہ بنا کر اسے دیکھا۔ "تمہیں یہ کہنا چاہیے کہ میں اور زیادہ ہینڈسم ہو گیا ہوں یا یہ کہ میری وجاہت کو چار چاند لگ چکے ہیں۔ کیونکہ میں تو پہلے بھی ہینڈسم ہی تھا۔ البتہ تمہیں دیکھ کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی ہے کہ کوجی تو تم پہلے بھی تھیں۔ اب تو موٹی اور بھدی بھی ہو گئی ہو۔"

اس نے جتنی سنجیدگی اور مایوسی سے کہا تھا، اتنا ہی بے ساختہ عمیر کا قہقہہ تھا۔

"اس بات پر آپ بہت خوش ہوئے ہیں عمیر بھائی! میرا خیال ہے اتنا سچ بولنے کی ہمت آپ ساری زندگی نہیں کر سکتے تھے۔" وہ شرارت پر آمادہ تھا۔

"اسی لیے تو خوش ہو رہا ہوں کہ کوئی تو ہے جو میرے دل کی بات کہہ سکتا ہے۔"

"تب دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ساہر نے آپ پر کھتی بیویوں کی طرح رعب بہت رکھا ہوا ہے کہ آپ اپنے دل کی بات نہیں کہہ پاتے یا پھر یہ کہ آپ بھی اس کی بدصورتی سے خائف ہو کر زبان بند رکھتے ہیں۔"

"بس بھائی! کیا بتاؤں تمہیں... ہم تو دونوں طرح سے ہی پھنسے ہوئے ہیں۔" عمیر نے مصنوعی ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"اب ٹھنڈی آہیں نہ بھریں۔ اپنے پاؤں پر کلہاڑی تو آپ نے خود ہی ماری ہے۔" تقی کی اس بات پر تو ساہر نے اسے کشن ہی کھینچ مارا۔ تقی نے لیکن اس کی ذرا پروا نہ کی۔

"ہاں! تو میں جھوٹ تھوڑا ہی بول رہا ہوں۔ محبت کی شادی میں یہ بڑی مصیبت ہوتی ہے۔ پھر آپ کسی دوسرے کو الزام نہیں دے سکتے۔ اپنی غلطی کو میڈل بنا کر ساری زندگی گلے میں لٹکانا پڑتا ہے۔ یقین مانیں عمیر بھائی! ہم نے تو شکر ادا کیا تھا کہ کسی نے تو ہماری بدصورت ساہر کو پسند کیا۔ ورنہ ہمیں تو اسے اپنے سرکل میں انٹروڈیوس کرواتے بھی شرمندگی ہوتی تھی کہ کہاں ہم اتنے ہینڈسم، اتنے سوہنے بھائی اور کہاں یہ رج کے کوجی لڑکی۔"

اس نے مبالغہ آرائی کی حد ہی کر دی۔

"بس کرو تقی! تمہاری وجاہت کو چار چاند لگے ہوں یا نہیں۔ لیکن زبان کو ضرور لگ چکے ہیں۔" ساہر نے کہا۔

تقی شرارت سے ہنستا رہا۔ پھر عمیر سے مخاطب ہوا۔

"میری باتوں کو سنجیدگی سے مت لیجیے گا عمیر بھائی! امی کہتی ہیں، تقی کو بک بک کرنے کی عادت ہے۔ ساہر تو ہماری بہت پیاری بہن ہے۔ ایکچولی مجھے اور میری اماں کو اب تک آپ سے گلہ ہے کہ ساہر کو ہم سے دور کر دیا۔"

ان کا لہجہ سادہ تھا۔ لیکن سنجیدہ بھی۔

"میں نے کہاں دور کیا یار! وہ تو آپ کے والد صاحب ہی ملنا پسند نہیں کرتے۔ ورنہ ساہر سے پوچھ لیں میں نے کئی بار اس سے کہا کہ یہ جانا چاہے تو جا سکتی ہے، ہاں میں بھی اسے ملوانے لے جا سکتا ہوں۔"

"جی! دراصل ضد کے معاملے میں ساہر ابا کی فوٹو کاپی ہے۔" تقی نے کہا۔ "خیر! امی تمہیں بہت یاد کرتی ہیں۔"

"تم ان کو بھی ساتھ لے آتے نا۔"

"تم ان کو نہیں جانتیں؟ تمہیں یاد تو بہت کرتی ہیں۔ دکھی بھی ہیں، لیکن ابا کی بات ان کے لیے پتھر کی لکیر ہے۔ جب تک ابا اجازت نہیں دیں گے۔ وہ کڑھتی رہیں گی۔ لیکن ان کی حکم عدولی نہیں کریں گی۔ لیکن خیر۔ میں آگیا ہوں نا۔ ان کو بھی لے ہی آؤں گا۔" تقی کا لہجہ مضبوط تھا۔

"تقی! تم سے مل کر بہت اچھا لگا۔ میں ساہر کو سمجھاتا ہوں کہ ضد چھوڑ کر اپنے تایا ابا سے ملے۔ لیکن یہ واحد بات ہے میری، جو اس کی سمجھ میں نہیں آرہی۔ تم سمجھاؤ۔ شاید سمجھ لے۔ مجھے دراصل اس وقت جانا ہوگا۔ آفس سے ایک اہم کال آرہی ہے۔ امید ہے تم برا نہیں مانو گے۔" عمیر نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

پھر عمیر چلے گئے تو وہ دونوں کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔ پھر تقی بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب آتے جاتے رہنا تقی۔"

"ہاں! میں دوبارہ آؤں گا اور اگلی بار میرے بھانجا، بھانجی کو بے وقت مت سلانا۔ میں ان کے ساتھ کھیلنا چاہتا ہوں۔ کتنے پیارے ہیں دونوں۔ بالکل اپنے تقی ماموں پر گئے ہیں۔"

اس کی لن ترانیاں کسی حال میں ختم نہ ہوتی تھیں۔ تب ہی اس نے دیکھا۔ دروازے کے دوسری طرف ایک ہرا آنچل غائب ہو رہا تھا۔ لیکن اس نے زیادہ پروا نہیں کی۔ دل کہیں اور اٹکا ہو تو رنگ برنگے آنچلوں کی کون پروا کرتا ہے۔ بھاڑ میں جائیں سب۔

☼ ☼ ☼

تقی، عادل اور ہدیہ کی تصویریں اپنے موبائل فون میں کھینچ لایا تھا۔ امی ہر دو گھنٹے بعد نکلوا کر ایک گھنٹہ دیکھتیں۔ نہ وہ دیکھ دیکھ کر تنگ آرہی تھیں۔ نہ تقی دکھا دکھا کر تنگ ہو رہا تھا۔ وہ بار بار کہتیں۔

"ماشاء اللہ کتنے پیارے ہیں دونوں۔"

"مجھ پر گئے ہیں۔ پیارا تو ہونا ہی تھا۔" وہ بھی ہر بار ایک ہی بات مختلف انداز سے کہہ دیتا تھا۔

"مجھے یاد آیا تقی! ساہر کی تو ایک بڑی پیاری سی نند بھی تھی۔" انہیں کچھ خیال آیا تو کہا۔

"آپ نے پہلے نہیں بتایا کہ اس کی کوئی نند بھی ہے۔ اور یہ کہ "پیاری" بھی ہے... پہلے بتا دیا ہوتا تو میں اس کی بھی تصویر لے آتا۔"

"تم تو جب بھی بولنا، الٹا ہی بولنا۔" وہ پھر سے تصویریں دیکھنے لگیں۔

"امی! آپ میرے ساتھ چلیں۔ میں آپ کو ساہر سے ملوا لاتا ہوں۔"

امی نے اسے دیکھا۔ ایک افسردہ آہ بھری۔ یہ ایسی ہی آہ تھی، جسے تقی ہمیشہ فلم اسٹار شبنم کی آہ سے تشبیہ دیتا تھا۔

"تمہارے ابا کو پتا چلا تو بہت واویلا کریں گے۔"

"انہیں کون بتائے گا امی! آپ نے بلاوجہ ابا کو ہوّا بنا کر سر پر سوار کیا ہوا ہے۔ میں آپ کو بتاؤں۔ یہ دراصل ابا کو غیر ضروری اہمیت دینے کا نتیجہ ہے کہ وہ اتنا سر چڑھ گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں نا کہ انسان کو اس کے ظرف سے زیادہ ملنے لگے تو وہ خود کو انسان نہیں، کچھ اور ہی سمجھنے لگتا ہے۔"

وہ کرسی پر بیٹھا تھا۔ ٹانگیں سامنے دوسری کرسی پر پھیلا رکھی تھیں اور لیپ ٹاپ ٹانگوں پر رکھا تھا۔ انگلیاں کھٹا کھٹ چل رہی تھیں۔ ساتھ میں زبان بھی۔ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ انگلیاں زیادہ تیز چل رہی ہیں یا زبان۔

"خدارا آہستہ بولو۔ انہوں نے سن لیا تو قیامت

اٹھا دیں گے۔" امی نے دہل کر کہا۔

تقی نے قہقہہ لگایا۔ "میں نے کہا نا' آپ نے ابا کو ہوا بنا کر سر پر سوار کیا ہوا ہے۔ بھئی! جن کے خوف سے دہل رہی ہیں۔ وہ گھر پر ہیں ہی نہیں۔"

"ارے ہاں! میں تو بھول ہی گئی۔" امی نے جھینپ کر کہا۔

"اچھا تو پھر چلتی ہیں؟"

"جانتے نہیں کیا ان کی ضد کو۔ ذرا بھی ان کی حکم عدولی ہوئی تو مجھے تو فورا" بے دخل کر دیں گے۔ میرے منہ میں خاک۔ میں اس عمر میں کوئی تماشا نہیں چاہتی۔" وہ خود عاجز تھیں۔

"امی! کبھی سوچا ہے ابا ایسے کیوں ہیں؟"

"بس بیٹا! کچھ چیزیں قسمت میں لکھی ہوتی ہیں۔ ہم جتنا بھی زور لگالیں انہیں بدل نہیں سکتے۔ تمہاری دادی کا تو ان کے بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ سوتیلی ماں کے ہاتھوں پلے۔ بچپن کی کچھ محرومیوں نے انہیں ضدی بنا دیا۔ اپنی پہچان بنانے نکلے تو زمانے کی ٹھوکروں نے مزاج میں سختی بھر دی۔ اسی سخت مزاجی اور ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر باپ کے ترکے کو لات مار آئے۔ پھر اپنی پہچان تو بنالی۔ لیکن غرور آگیا کہ جی! جو کیا' خود کیا' جو کمایا' خود کمایا۔ باپ کا سہارا نہیں لیا۔ وہ تم لوگ کیا کہتے ہو..... سیلف میڈ۔ ہاں! تمہارے ابا سیلف میڈ ہیں۔ تمہارے چچا کو تو اب تک اس بات کے طعنے دیتے ہیں کہ انہوں نے باپ کی چاکری کی۔"

اسی وقت امی کے ہاتھ میں پکڑے اس کے موبائل فون کی بیل بجنے لگی۔ انہوں نے اسکرین کو دیکھا۔ پھر چشمے کے اوپر سے اسے گھورا۔

"یہ کون ہے؟"

تقی نے ایک نظر ایل سی ڈی کو دیکھا۔ پھر مسکرایا کہ نمبر کے ساتھ مہک کی تصویر بھی نمایاں تھی۔

"آپ کی ہونے والی بہو ہے۔"

"اس سال یہ ساتویں لڑکی ہے۔ جس کے بارے میں تم یہی بات کہہ رہے ہو۔"

"ان چھ کے بارے میں بھی میں نے یہی کہا تھا کیا؟" اس نے پرسوچ انداز میں پوچھا۔ پھر خود ہی ہنس دیا۔

"یہ ساتویں ہے امی! لیکن یہی آخری بھی ہے۔ یہی آپ کی بہو بنے گی۔" اس نے فون ان سے لے کر کال کاٹ دی۔

"اپنے ابا کو جانتے ہو نا۔ انہیں پتا چلا' تمہاری پسند ہے تو اڑ جائیں گے۔" امی نے سنجیدگی سے کہا۔

"او میری بھولی ماں! جب گھٹن بڑھ جاتی ہے تو ٹھنڈی ہوا کے لیے کھڑکی کھول لی جاتی ہے۔ ابا کی پابندیاں بھی بڑھتی جارہی ہیں۔ ہم بھی کھڑکی کھول لیں گے۔" اس کا انداز سادہ تھا۔

"مطلب؟" وہ الجھیں۔

"رضی نے بھی تو پسند کیا تھا نا بھابھی کو؟ لیکن شادی اتنی پلاننگ سے ہوئی کہ ابا اب تک سمجھتے ہیں' بھابھی ان ہی کی پسند کی ہوئی ہیں۔ ہم بھی کوئی ایسی چالاکی کریں گے کہ ابا کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوگی۔"

وہ مطمئن سا موبائل لے کر اٹھ گیا۔

☆ ☆ ☆

تعلق کی نوعیت بدلی تو حق بھی جتایا جانے لگا۔ مہک نے اس کے منع کرنے کے باوجود اس کا پورٹ فولیو مختلف ایجنسیز میں بھجوا دیا تھا اور توقع کے عین مطابق فورا" ہی دو ایجنسیز سے کال بھی آگئی تھی۔

"میری مانو۔ ان میں سے کسی ایک کو ضرور اوکے کر دو۔" مہک نے کہا۔

"دیکھو! ڈراما تو تمہیں ہر حال میں میرے ساتھ ہی کرنا ہوگا۔ لیکن یہ دونوں بھی اچھی آفرز ہیں۔ ان پر بھی غور کر لو۔ تمہیں زیادہ ٹائم بھی نہیں دینا پڑے گا اور میڈیا کی نظروں میں بھی آجاؤ گے۔" جاثم اور مہک مل کر اس پر دباؤ ڈال رہے تھے۔

"ابا کی نظروں میں بھی آجاؤں گا۔" اس نے کہا۔

"ابا سے ڈرتے رہو گے تو ترقی نہیں کر سکو گے۔

نہیں بتاؤں۔" جاثم نے اسی کے انداز میں کہا۔ [illegible] گیا۔ اسے سوچنے کے لیے وقت درکار تھا۔ "جو کام تم خود نہیں کرنا چاہتیں۔ اس کے لیے مجھے [illegible] کر رہی ہو؟" وہ الجھا ہوا تھا۔ مہک سے [illegible]

"کیونکہ میں تمہارے ساتھ ایک بھرپور زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔" مہک نے سنجیدگی سے کہا۔ "اچھی زندگی کے لیے پیسہ کتنا ضروری ہے کیا مجھے بتانا پڑے گا؟"

مہک کیا کہہ رہی تھی' تقی اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ تقی بھی کسی گئے گزرے خاندان سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ لیکن مہک کے والد کا مقابلہ بہرحال نہیں کر سکتا تھا۔ وہ لوگ جدی پشتی رئیس تھے۔ نہ صرف یہ' بلکہ ان کے والد اور بڑے دونوں بھائی اچھے عہدوں پر تھے۔ مہک نے اسے پسند کر لیا تھا۔ اب اسے اپنے اسٹیٹس تک لانا چاہتی تھی۔ تقی کو اس کی باتوں سے ہتک محسوس ہوئی۔ اس نے مہک کو خوب کھری کھری سنائیں اور ان دونوں کا جھگڑا ہو گیا۔ لیکن دو روز بعد اس نے جاثم کے ذریعے اس ماڈلنگ کے لیے ہامی بھر لی۔ سب باتوں پر غور کیا تھا۔ اسے ترقی تو کرنا ہی تھی دیکھنا یہ تھا کہ اپنی پسند کی فیلڈ جوائن کر لیتا۔ چھوٹے موٹے ایشوز اب تک بہت چلائے تھے۔ محبت پہلی بار کی تھی۔ سو مہک سے دست برداری اسے منظور نہیں تھی۔

"ابا کو غصہ آئے گا۔ لیکن زیادہ سے زیادہ کیا کر لیں گے۔ چیخیں چلائیں گے ہی نا۔ گولی تو نہیں مار دیں گے۔"

اس نے سوچا اور یوں جو کام اب تک وہ خود نہ کر سکا تھا۔ وہ اس سے مہک کی محبت نے کروالیا۔

☆ ☆ ☆

فوٹو شوٹ مکمل ہوئے ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ اسے مختلف ایجنسیز کی طرف سے پیش کش موصول ہونے لگیں۔ کچھ ٹی وی کمرشلز تھے۔ اس کی تصویریں بڑے بڑے بل بورڈز پر لگتیں تو وہ دنوں میں مشہور ہو جاتا۔ اس نے اس پر غور ہی نہیں کیا۔ ابا کی خفگی کا ڈر تو بہرحال تھا۔ لیکن ایک نئے میوزک بینڈ کی میوزک ویڈیو کی پیش کش اسے قابل غور لگی۔ اس ویڈیو کو مڈل ایسٹ میں آن ایئر ہونا تھا۔ پاکستان اور انڈیا کے لیے اس بینڈ کے ممبرز نے کسی انڈین ماڈل کو لینے کا سوچ رکھا تھا۔

بینڈ نیا تھا۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ گانا مطلوبہ ریٹنگ حاصل کر بھی سکے گا یا نہیں۔ یوں یہ گھاٹے کا سودا ہوتا' لیکن تقی کو رسک لینے کا شوق تھا۔ سو اس نے ہامی بھرلی۔

"تو پٹے گا بھائی! تو بہت پٹے گا۔" سمیر ہر بار یہی کہتا۔

"تیری زبان کالی ہے سمیر! سوچ سمجھ کر بولا کر۔" تقی نے اس روز کہا۔

"اگر اتنی کالی ہوتی تو میری منگنی ثمر سے نہ ہو رہی ہوتی۔" سمیر نے منہ بگاڑ کر کہا۔

"تصویر دکھائی؟"

"کہاں یار! ابو نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ میری تمام امیدوں پر پانی پھیر کے رہیں گے۔ اتنی کوشش کی کہ کسی طرح تصویر دکھا دیں۔ لیکن انہیں میری بات بھولی ہی نہیں رہی۔" اس کے اپنے دکھڑے تھے' جنہیں تقی سن ہی سکتا تھا۔ سلجھانا اس کے بس میں نہیں تھا۔ سو وہ سنتا رہا۔

☆ ☆ ☆

اور ہوا بھی وہی جس کا ڈر تھا۔ عین اس لمحے جب وہ انگوٹھی پہنانے لگا' عقدہ کھلا کہ یہ ظالم وہی ہے' جس نے ننھی سی جان پر ظلم ڈھایا تھا۔

بدبخت فوٹو گرافر نے بھی عین اسی لمحے تصویر کھینچی تھی۔ اب تصویر کچھ یوں آئی کہ ہاتھ میں ہاتھ تو تھا۔ لیکن سمیر کا منہ بوکھلاہٹ سے ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ ثمر کی آنکھوں میں بے یقینی اور غصہ چھلک رہا تھا۔

سمیر اسی بوکھلاہٹ میں رک گیا۔ اس نے ثمر کا ہاتھ

چھوڑ دیا۔

"کیا ہوا! سمیر انگوٹھی پہناؤ۔" ساتھ بیٹھے ابو نے ٹھوکا دیا۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا.....

اس کے ابو اس کے ساتھ جبکہ شکیل انکل ثمر کے ساتھ بیٹھے تھے۔ دونوں کی والدائیں ساتھ والے صوفوں پر۔ بہن، بھائی، کزنز وغیرہ بھی اسی طرح آمنے سامنے یہاں وہاں بکھرے تھے۔

سمیر نے فیصلہ کیا۔ وہ اس بدتمیز لڑکی کو انگوٹھی نہیں پہنائے گا۔ تقدیر کے اس غلط فیصلے کو وہ اپنی تدبیر سے بدل دے گا۔ لیکن اتنی ساری نظریں اس پر ٹکی تھیں۔ وہ سٹپٹا گیا۔ ابو بھائی تو دو، تین بار اسے انگوٹھی پہنانے کا کہہ بھی چکے تھے۔ لیکن اسے لگ رہا تھا ہاتھوں میں جان ہی نہیں رہی کہ انہیں حرکت دیا جائے۔

"میرا خیال ہے سمیر خوشی کے مارے ٹرانس میں چلا گیا ہے۔ اس لیے انگوٹھی اب تک ہاتھ میں پکڑے بیٹھا ہے۔" یہ چہکتی ہوئی آواز اس کے بڑے بھائی کی تھی۔ "ابو! آپ ہی انگوٹھی پہنا دیں۔ پتا نہیں سمیر کا ٹرانس کتنا طویل ہو جائے۔"

اس بات پر قہقہے گونجے تھے۔ معاً ابو نے اس کے ہاتھ سے انگوٹھی لے لی۔

"تب تو یہ فرض میں ہی پورا کر دیتا ہوں۔" انہوں نے خوشگواریت سے کہتے ہوئے آگے ہو کر انگوٹھی ثمر کی انگلی میں ڈال دی۔ اسی طرح شکیل انکل نے اس کو انگوٹھی پہنا دی۔

مبارک سلامت کے شور میں کھٹا کھٹ تصویریں کھنچواتے ہوئے وہ دونوں جیسے ایک دوسرے کا خون پی جانا چاہتے تھے۔ لیکن اس وقت خاموشی میں ہی مصلحت تھی، سو دونوں خاموش تھے.... بظاہر۔

"میں مر جاؤں گی۔ لیکن تم سے شادی ہرگز نہیں کروں گی۔" کسی تصویر کے لیے مسکراتے ہوئے ثمر نے دانت کچکچا کر اچانک بہت دھیمی آواز میں کہا۔ اس کی آواز سمیر نے سنی تھی اور تاثرات کیمرے نے کیچ کیے تھے۔

"نظر نہ کرو۔ تم سے شادی کر کے مجھے بھی اپنا زندگی برباد کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" جواب پر مارنے سے وہ بھی نہیں چوکا۔ نتی تو تھا نہیں، اپنی شوٹنگز کی وجہ سے آ نہیں سکا تھا۔ ہوتا تو کوئی اچھا مشورہ دیتا۔ ناچار اس نے سارا قصہ روحیل سے کہہ سنایا اور روحیل نے اپنی عقل کے حساب سے مشورہ بھی دے دیا۔ سمیر صاحب کو ہر کام کی جلدی رہتی تھی، سو گھر آتے ہی اس کے مشورے پر عمل کر ڈالا۔

"ابو! میں اس لڑکی سے شادی نہیں کروں گا۔ میں نے بتا دیا ہے بس۔"

"یہ بات مجھے نہ بتاؤ۔ ہال میں موجود ہر بندہ تمہاری شکل دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ تمہارے دل میں کیا چل رہا ہے۔" اس کی بات سن کر ابو کے اندر کا جلاد جاگ اٹھا تھا۔ انہوں نے اتنی مروت بھی نہ کی کہ روحیل بھی اس کے ساتھ انکار کی عرضی لے کر آیا تھا۔

"اتنی اچھی لڑکی ہے ثمر..... شکیل سے میری کتنی پرانی دوستی ہے۔ ایک ایک فرد کو جانتا ہوں میں اس کے گھر میں۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ بیٹھے بٹھائے تمہیں یہ کیا سوجھی کہ انکار کرنا ہے۔"

"وہ.... میں دراصل...." وہ بوکھلا گیا۔ بے شک ابو سے اس کی دوستی تھی۔ لیکن تھے تو وہ ابو ہی نا۔ انکار کے پس پردہ اس کی حرکت کا سن کر بھڑک جانا لازمی امر تھا اور سچ بات ہے کہ یہی بات اسے زیادہ بوکھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔

"انکل! سمیر کسی اور کو پسند کرتا ہے۔" معاً روحیل نے کہا۔ ابو تو ابو، سمیر نے بھی اسے حیرانی سے گردن موڑ کر دیکھا تھا۔

"کیا یہ سچ ہے سمیر!" ابو نے چند منٹ بعد سرد مہری سے پوچھا۔ سمیر نے اثبات میں گردن ہلا دی کہ شاید اسی طرح جان چھوٹ جائے۔ لیکن ایک لفظ بھی نہ بول سکا۔ ہمت ہی نہ ہو رہی تھی۔

"انکل! سمیر نے یہ بھی کہا ہے اگر آپ نے اس کی بات نہ مانی تو وہ کھانا کھانا چھوڑ دے گا۔ پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں پیے گا۔" یہ بیان بھی روحیل کی طرف سے جاری کیا گیا تھا۔ سمیر نے اسے گھور کر دیکھا۔ اب ایسی سخت دھمکیاں تو نہیں دی تھیں اس نے۔

"تو پہلے کیوں نہیں کہا۔" ابو اتنے غصے سے بولے کہ سمیر کو لگا کمرے کی دیواریں بھی ضرور ہلی ہوں گی۔ "میں نے سو دفعہ پوچھا، سمیر! کہیں اور انٹرسٹڈ ہو تو بتا دو، میں وہاں رشتہ طے کر دوں گا۔ میرا اتنا لائق فائق بیٹا ہے، کوئی انکار کیسے کر سکتا ہے۔ لیکن تم..... تم کو میری ناک کٹوانا لازمی تھا۔ اب میں کس منہ سے شکیل کو انکار کروں گا۔" وہ از حد پریشان ہو گئے۔

"ابو! آپ میری بات تو سنیں۔" وہ منمنایا۔

"نہیں! سننا کچھ بھی۔ فوراً" چلے جاؤ یہاں سے اور اگلا ایک مہینہ مجھے اپنی شکل بھی نہ دکھانا۔ ورنہ تمہاری جگہ میں خودکشی کر لوں گا۔"

سمیر کو اپنا سامنہ لے کر باہر آنا پڑا۔ ساری رات وہ سوچتا رہا۔ آخر کس دیوار سے جا کر سر پھوڑے کہ معاملہ سلجھ جائے اور اس کو کسی کے سامنے شرمندہ بھی نہ ہونا پڑے۔

"اگر میں یہ ثابت کروں کہ ثمر ہی کسی اور میں انٹرسٹڈ ہے۔ اس کا کسی کے ساتھ اتنا اسٹرانگ افیئر چل رہا ہے کہ وہ مجھ سے شادی ہی نہیں کرنا چاہتی۔ نہیں نہیں..... یہ بڑی معیوب بات ہو جائے گی۔" اس نے اپنی سوچ کو خود ہی مسترد کر دیا۔

"پھر میں یہ ثابت کر دیتا ہوں کہ میرا کسی کے ساتھ افیئر ہے کوئی..... نہیں نا یار۔" وہ دیر تک الجھا رہا اور پھر سو گیا۔



"سمیر..... سمیر! اٹھو۔" اس کا بھائی اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

"کیا ہوا!؟" وہ گہری نیند میں تھا۔ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"ابو کہہ رہے ہیں۔ وہ شکیل انکل کو انکار نہیں کریں گے بلکہ تمہیں ذبح کر دیں گے۔" سمیر پہلے کبھی کسی نیند سے جگایا گیا تھا۔ اس بات پر دل تھام کر دوبارہ گر گیا۔ چند لمحہ بعد احساس ہوا اس کا بھائی مذاق کر رہا تھا۔

"اگر اتنی صبح تم مذاق کر رہے ہو تو مذاق کرنے کے لیے تم نے انتہائی برا وقت چنا ہے۔" اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔ جواب میں اس کا بھائی ہنسنے لگا۔

"میں تمہیں گھنٹہ بھر سے جگا رہا ہوں۔ لیکن تم تو مُردوں سے شرط لگا کر سو رہے تھے۔ اسی لیے مجھے جھوٹ بولنا پڑا۔ خیر پرسوں تم نے مجھ سے جو یو ایس بی لی تھی، وہ شکریہ کے ساتھ واپس کرو اور آئندہ مانگنے کی غلطی بھی مت کرنا۔ تم جیسے وعدہ خلاف آدمی کو کوئی چیز ادھار دینے سے اچھا ہے۔ انسان اپنی چیز کنویں میں ڈال آئے۔ لیکن تمہیں ادھار نہ دے۔" وہ جو تا بھگو کر لگا رہا تھا۔ سمیر کو آگ ہی لگ گئی۔

"یہ پکڑو اپنی یو ایس بی۔" اس نے اٹھ کر اسٹڈی ٹیبل کی دراز سے یو ایس بی نکال کر اس کے ہاتھ پر پٹخی۔ "اور اب میرے جوتوں کی طرف بھول کر بھی نظر نہ ڈالنا۔" اس نے بھی فوراً" حساب برابر کر دیا۔ اس کا بھائی ناک سے مکھی اڑاتا باہر نکل گیا۔ پھر واپس آیا۔

"ہائے وادے ابو واقعی تمہیں ذبح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" اس کی لگائی ہوئی آگ کی چنگاریاں تیزی سے سمیر کی طرف آئی تھیں۔ سو وہ سر پکڑ کر بیڈ پر گر گیا۔

"یہ ابو کو کیا ہو گیا ہے۔ میرے ابو کم، نتی کے ابا زیادہ لگ رہے ہیں۔" اس نے سوچا۔ پھر غصے سے روحیل کے کانوں میں لگے ہیڈ فون کا تار کھینچ دیا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں؟" وہ لیپ ٹاپ پر کوئی مووی دیکھ رہا تھا۔ ہڑبڑا گیا۔

"یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔ نہ میں تمہاری بات مانتا۔ نہ ابو مجھ سے اتنا خفا ہوتے۔" وہ رو دینے کو تھا۔

"تم عجیب آدمی ہو سمیر! کیا تم میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے کہ کوئی کچھ بھی کہتا ہے اور تم مان لیتے ہو۔ پہلے تم نے اپنے دوست کی بات مان کر رمی

ایکٹ کیا اور مار کھائی۔ اب تم ہر بات کا الزام مجھ پر ڈال رہے ہو۔ بڑے ہی عجیب آدمی ہو بھئی تم تو۔" روحیل کچھ زیادہ ہی منہ پھٹ ثابت ہو رہا تھا۔

سمیر دل ہی دل میں کھسیا گیا۔

"میں نے سوچ لیا ہے 'اب کیا کرنا ہے۔ مجھے تم جیسے کسی نالائق دوست کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" اس نے بھی خود کو منہ پھٹ ثابت کیا اور کروٹ بدل لی۔

پھر اس نے عقل مندی کی حد کر دی۔ ساری بات جا کر اماں کے گوش گزار کر دی۔

وہ کھانے پینے کی شوقین تھیں۔ اس روز وہ دو چرغے اور نان لے آیا۔ ساتھ میں رائتہ 'سلاد' میٹھے میں فالودہ۔ دونوں ماں بیٹا نے کمرے میں بند ہو کر خوب سیر ہو کر کھایا۔ اماں خوب خوش ہو چکیں تو مدعا بیان کیا۔ اماں ہکا بکا رہ گئیں۔

"کیا؟ شادی شدہ ہے؟ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ اور اپنے ابا کی مانو۔ میں تو ساری زندگی یہی دیکھتی آرہی ہوں کہ انہوں نے ایک بھی ڈھنگ کا دوست نہیں بنایا۔ یہ شکیل تو کالج کے زمانے سے ہی جھوٹا مشہور ہو چکا تھا۔ تمہارے ابو خود ہی مجھے ہنس ہنس کر اس کے قصے سنایا کرتے تھے۔ بتاؤ۔ اتنا جھوٹا دوست اور وہیں بیٹے کا رشتہ جوڑ دیا 'جو اپنی پہلے سے بیاہی بیٹی ہمارے سر منڈھ رہا ہے۔" وہ تو لال پیلی ہوئی جا رہی تھیں۔

"اماں! اس میں تو کوئی شک نہیں کہ آپ کی کہی ہوئی ہر بات ہمیشہ ہی سچ ثابت ہوتی ہے۔" سمیر نے ان کی ولایت پر سر دھنتے ہوئے کہا۔

"مجھے یاد ہے کئی سال پہلے ابو نے ان ہی شکیل انکل کے ساتھ مل کر کوئی کاروبار شروع کیا تھا اور آپ نے اس وقت بھی بہت مخالفت کی تھی۔ لیکن ابو نے آپ کی ایک نہیں مانی تھی اور بعد میں اسی کاروبار کی وجہ سے ان دونوں دوستوں میں کھٹ پٹ بھی ہو گئی تھی۔" وہ سوچ سوچ کر اور اماں کے تاثرات کن انکھیوں سے دیکھ دیکھ کر بول رہا تھا۔

"ہاں تو تمہارے ابو نے کبھی میری کوئی بات مانی تھی 'جو اس وقت مانتے۔ وہ تو اب تک نہیں لیکن خیر۔۔۔ مجھے پروا نہیں ہے۔ آخر کب تک پروا کرتی۔ اسی لیے چھوڑ دی۔"

"مجھے تو لگتا ہے اماں! ابو میرا رشتہ بھی شکیل کی بیٹی سے اسی لیے کر رہے ہیں۔ تاکہ اپنی دوستی کو دوبارہ جوڑ سکیں۔" وہ بڑی محبت سے گھٹنے دبانے لگا۔

"ارے ہٹے۔۔۔ اب ایسا اندھیر بھی نہیں مچا کی دوستیاں جوڑنے کے لیے میں اپنے بیٹے کو بن جانے دوں۔" اماں نے تڑپ کر کہا۔ ساتھ ہی بائیں ٹانگ بھی اس کے آگے کر دی۔ "مجھے ذرا سوچنے دو مجھے اب کیا کرنا ہے۔"

وہ گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ سمیر جانتا تھا اب کچھ نہ کچھ کر کے اس مصیبت کو اس کے سر سے ہی دیں گی (اور اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے وہ بہت دیر تک ان کی ٹانگیں دباتا رہا تھا اور اس کا گمان کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اماں نے اگلے دن کو چڑھنے کی اجازت بھی نہیں دی شام کو ہی ثمر کے گھر پہنچ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

دوسری جانب ثمر بھی اپنی امی کو سمیر کے چکی تھی۔ وہ اس کی بات سن کر ہکا بکا رہ گئی تھیں لیکن فوری طور پر انہوں نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ بلکہ ثمر کو سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ اپنے ابو سے اس بارے میں کوئی ذکر نہ کرے۔ ثمر کو ان سخت اعتراض تھا کہ سب کچھ جانتے بوجھتے خاموش رہنے کی تاکید کیوں کر رہی ہیں۔ لیکن امی نے اس کے اعتراض کو کوئی خاص اہمیت انہوں نے اسے باور کروایا تھا کہ اس کو خاموش رہنا چاہیے اور یہ کہ وہ اس کی دشمن ہیں۔ جو بھی کریں گی اس کی بھلائی کے مد نظر رکھ کر کریں گی۔ لیکن اسی شام سمیر کی اماں آ

نظر آتا "بھی ذرا اکھڑ مزاج خاتون تھیں۔ پھر ثمر سے رشتہ دل سے راضی بھی نہیں تھیں۔ اسی لیے انہوں نے اتنے حساس موضوع پر کچھ اس طرح بات کی کہ ثمر کی امی تحمل کا مظاہرہ کرتے کرتے بھی بھڑک اٹھیں۔

"میری بیٹی کے کردار پر انگلی اٹھانے سے پہلے آپ کو اپنے بیٹے کی حرکتوں کا نوٹس لینا چاہیے تھا۔" ثمر کی امی نے غصے سے کہہ دیا۔

"کن حرکتوں کی بات کر رہی ہیں؟" سمیر کی اماں نے تیکھے انداز میں پوچھا۔ جواب میں ثمر کی امی نے انہیں ساری بات بتا دی۔ بیٹوں کی مائیں ویسے ہی جذباتی ہوتی ہیں۔ سمیر کی اماں کچھ زیادہ ہی تھیں۔ نتیجتاً "ایک نہ ختم ہونے والی بحث کا آغاز ہو گیا۔ جس کا اختتام سمیر کی اماں کی جانب سے انفرادی طور پر رشتہ ختم کر دینے کی بات پر ہوا۔

"اپنی بیٹی کے طلاق یافتہ ہونے کی بات چھپانے کے لیے میرے بیٹے پر انگلی اٹھا دی۔ یہ تو میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔"

انہوں نے جاتے ہوئے کہا۔ اس وقت تک ثمر کے پاپا بھی آ چکے تھے۔ سمیر کی اماں کے جاتے ہی وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"وہ اتنی باتیں سنا کر چلی گئیں اور آپ خاموش رہے؟"

"تو میں کیا کرتا؟ ان کا سر پھاڑ دیتا؟"

"میں یہ نہیں کہہ رہی۔ لیکن آپ کو کچھ تو کہنا چاہیے تھا۔"

"مجھے اب جو بھی کہنا ہے 'فاروق سے کہوں گا۔ مجھے یہ سمجھ میں نہیں آرہا۔ آخر ان لوگوں کو اتنی بڑی غلط فہمی ہو کیسے گئی۔ کسی نے تو ان تک یہ بات پہنچائی ہو گی۔"

"ہاں! وہ کہہ رہی ہیں کہ ثمر کی کسی شفا نامی سہیلی نے بتایا ہے کہ ثمر طلاق یافتہ ہے۔" ثمر کی امی نے غصے سے کہا تھا۔ "سوال یہ نہیں کہ کس نے بتایا۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے کرتوت پر پردہ ڈالنے کے لیے ایک من گھڑت کہانی بنا رہی ہیں۔ آپ فاروق بھائی سے بات ضرور کریں 'لیکن کسی مصالحت کے لیے نہیں بلکہ رشتہ ختم کرنے کے لیے۔ میں ایسے گھٹیا لوگوں میں اپنی بیٹی ہرگز نہیں دوں گی۔"

"مجھے تو یقین نہیں آرہا کہ شفا نے ایسی بات کہی ہو گی۔ وہ اتنی اچھی سہیلی ہے ثمر کی۔ ایسی بات کس طرح کر سکتی ہے ان لوگوں نے ضرور اپنی طرف سے من گھڑت کہانی بنائی ہو گی۔" شکیل صاحب نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

"میں فاروق سے بات کرتا ہوں۔ اس نے خود آکر مجھ سے ثمر کے رشتے کی بات کی تھی ہم اس کے پاس نہیں گیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کی شادی ثمر سے کرے۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

یہ اتفاق ہی تھا کہ جس وقت ثمر کے گھر میں یہ بحث چل رہی تھی۔ اسی وقت ساہر کسی کام کے سلسلے میں ان کے گھر آئی تھی۔ ثمر اس وقت چاہتی تھی۔ ساہر کسی بھی طرح اس کے گھر سے چلی جائے اور یہ گفتگو نہ سن سکے جو اس کے ماں باپ اور سمیر کی ماں کے درمیان ہو رہی ہے 'لیکن ساہر وہاں سے نکلنے والی نہیں تھی۔

"اوہ مجھے اسی بات کا ڈر تھا کہ شفا کوئی الٹی حرکت نہ کر دے۔" اس نے ہمدردانہ لہجے میں ثمر کی امی سے کہا۔

"ساہر بھابھی! اب پلیز آپ کوئی الٹی بات مت کیجیے گا۔" ثمر چڑ گئی۔

"ثمر! تھوڑی تمیز سیکھو۔ تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو۔" اس کی امی نے فوراً ڈپٹا۔

"اس کو مت ڈانٹیں آنٹی! دراصل اسے شفا پر اتنا بھروسا ہے کہ یہ اس کے خلاف کوئی بات سنتی ہی نہیں ہے۔" ساہر نے جتایا۔

"آخر بات کیا ہے؟" ثمر کی امی نے کڑی نظروں سے ثمر کو گھورا۔

"میں نے ثمر کو منع بھی کیا تھا آنٹی! کہ یہ اپنی منگنی

کے بارے میں شفا کو زیادہ نہ بتایا کرے۔ یہ عمر ایسی ہے کہ لڑکیاں جلدی جیلس ہو جاتی ہیں پھر آپ شفا کی عادت سے واقف بھی ہیں۔ یاد ہی ہوگا جو وہ میرے ساتھ کیا کرتی تھی۔ اب دیکھ لیں طلاق والی بات کرکے اس نے غلط فہمی تو پیدا کر دی نا۔"

بہت معصوم اور ہمدرد بن کر اس نے اپنا داؤ چلا دیا تھا۔ ثمر کی امی سوچ میں پڑ گئیں۔

جتنی شفا اور ثمر کی دوستی تھی اتنی تو نہیں، لیکن تھوڑی بہت ساہر اور ثمر کی امی کی آپس میں بنتی تھی۔ وہ تو ایک بات کہہ کر چلی گئی، لیکن ثمر کی امی کے دل میں بات گڑی رہ گئی تھی۔ ہوتا کچھ یوں ہے کہ ایک زبان سے نکلی ہوئی بات جب کسی دوسرے کے کانوں تک پہنچتی ہے تو وہ اسے اپنی مرضی کے مطالب پہنا کر آگے منتقل کرتا ہے۔ تیسری بات کو اس کی اماں نے اپنے حساب سے سمجھا تھا اور اس نتیجے پر پہنچی تھیں کہ ثمر کی شادی کے بعد طلاق ہو گئی ہوگی جسے اس کے گھر والے چھپا کر اپنی طلاق یافتہ بیٹی کو ان کے بیٹے کے سر منڈھ رہے ہیں۔ انہوں نے جو سمجھا سو سمجھا، ساہر نے اس بات کا فائدہ اٹھایا تھا۔ یعنی اس نے ثمر پر تو نہ سہی، لیکن اس کی امی پر یہ ضرور ثابت کر دیا تھا کہ شفا ان کی بیٹی کی خیر خواہ ہرگز نہیں ہے۔

"امی! پلیز۔ اب آپ ساہر بھابھی کی باتوں میں آکر شفا سے بدگمان نہ ہوں۔ آپ کو پتا نہیں، وہ کتنی جھوٹی ہیں۔" ثمر نے ساہر کے جانے کے بعد ماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"خاموش رہو تم۔ ساہر میں لاکھ خامیاں سہی، لیکن کچھ باتیں اس کی ٹھیک ہی ہوتی ہیں... تمہاری منگنی کی خبر سن کر شفا حسد کا شکار ہوئی ہے اور اسی چکر میں اس نے اتنی فضول بات کی۔ حسد نہ کر رہی ہوتی تو ذرا خود سوچو، تمہاری اتنی اچھی دوست ہے تو آخر منگنی میں کیوں نہیں آئی؟"

"وہ بیمار تھی امی!"

"آئے ہائے! اب ایسی بھی کیا بیماری۔ دیوار سے دیوار جڑی ہے ذرا دیر کو آجاتی تو کون سا قیامت آجاتا

تھی۔" وہ کچھ سننے کو راضی نہ تھیں گویا ساہر انھیں شفا سے متنفر کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی، بلکہ ایک پل کے لیے تو ثمر نے بھی سوچا کہ شاید ساہر بھابھی ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں... لیکن... چونکہ اسے ساہر سے پرخاش تھی اس لیے اس نے سر جھٹک کر اس خیال سے پیچھا چھڑا لیا تھا ہاں یہ احساس ضرور تھا کہ اس کے بارے میں ایک غلط بات پھیلائی گئی ہے۔

☼ ☼ ☼

"میں کب سے ثمر کو فون کر رہی ہوں، پتا نہیں کہاں مصروف ہے۔ فون اٹھا ہی نہیں رہی۔" شفا نے جھنجلا کر کہا۔

ساہر آئرن اسٹینڈ کے پاس کھڑی کپڑے استری کر رہی تھی جب اس نے شفا کو کہتے سنا۔ اس نے نظر کر دیکھا شفا ٹی وی کے سامنے بیٹھی تھی ایک ہاتھ میں ٹی وی ریموٹ تھا دوسرے میں موبائل۔ آج کل ویسے بھی موبائل اس کا اوڑھنا بچھونا بنا ہوا تھا۔ ساہر مسکرائی۔

"نئے گھر میں سو مصروفیات ہوتی ہیں۔ ثمر بھی مصروف ہوگی۔"

"نیا گھر؟" شفا نے تعجب سے گردن موڑ کر دیکھا۔

"ہاں نیا گھر... تمہیں نہیں پتا۔ ثمر کی فیملی ماڈل ٹاؤن شفٹ ہو گئی ہے۔"

"ہیں؟" وہ اپنی جگہ سے دو فٹ اچھلی تھی۔ "یہ لوگ ماڈل ٹاؤن کب شفٹ ہوئے؟ اور اس نے مجھے بتایا بھی نہیں ہے۔"

"اچھا... نہیں بتایا... تعجب ہے۔" ساہر نے کہا۔ "کالج کی چھٹیاں ہیں... میرا خیال تھا۔ تمہارا اس سے رابطہ ہوگا۔" ساہر نے کہا تو سادگی سے تھا، لیکن شفا خفیف سی ہو گئی۔ اس نے لاشعوری طور پر موبائل والا ہاتھ پیچھے کیا تھا۔

"ہاں بتایا تو تھا شاید، میں ہی بھول گئی۔" اس کی آواز دھیمی تھی۔ ساہر نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا

کیونکہ جانتی تھی ہر انسان دھڑلے سے جھوٹ نہیں بول پاتا۔

"اب وہ لوگ تو چلے گئے، ثمر کی امی اچھی خاتون تھیں۔ میری اچھی بات چیت رہتی تھی ان سے۔ اب اس گھر میں ان کی دیورانی آگئی ہیں کیونکہ ثمر کی دادی نے آبائی گھر چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا... میں کسی دن چکر لگاؤں گی ان کی طرف۔" وہ کہہ رہی تھی اسی دوران شفا کے موبائل کی بیپ بجی تھی۔

"تمہیں پتا ہے شفا! ثمر کی منگنی بھی ٹوٹ گئی ہے۔ لڑکے والوں کو کسی نے کہہ دیا کہ ثمر طلاق یافتہ ہے۔"

ساہر نے گویا اطلاع دی تھی، لیکن شفا نے سنا نہیں وہ اپنے موبائل پر میسج میسج کھیلنے میں مصروف ہو گئی تھی اس بات سے بے خبر کہ اس کا بھلائی میں بولا جھوٹ ایک زبان سے دوسری زبان تک پہنچتے کیا سے کیا ہو چکا ہے۔ ساہر نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور مسکرائی۔ اس کی چلی ہوئی چالیں ہمیشہ ہی کامیاب ہوتی تھیں ہاں آخر میں ضرور کچھ نہ کچھ ایسا ہو جاتا کہ اس کی ساری بساط الٹی جاتی۔ اس بار اس نے بہت بڑا رسک لے لیا تھا اور وہ پر یقین بھی تھی کہ اس بار اسے ناکام نہیں ہونا پڑے گا۔ کہتے ہیں کو ہاتھ فتح تو انسان کو اس کا با حوصلہ ہونا ہی بنا رہتا ہے وہ بھی فتح یاب سمجھنے لگی تھی خود کو اور اس نے بہت سوچ سمجھ کر پتے بھی چلا دیے تھے۔ اس نے وشمہ کی دوستی سے پورا فائدہ حاصل کیا تھا۔

بیچاری شفا... تو آج کل وہ نئی اڑان بھر رہی تھی چٹ پٹے جملوں اور مختصر لگاوٹ بھری باتوں نے جو اسے اڑنے کے خوش نما پر لگائے تھے ان کے بھروسے نئی دنیا کی سیر کرنے نکلی تھی۔ اسے نہیں پتا تھا جس طرح پر اچانک مل جاتے ہیں اسی طرح غائب بھی ہو جاتے ہیں۔ بالکل ایک دم... بس اچانک... ایسے جیسے کاغذ کی بنی تحریر کسی نے مٹا دی ہو پھر انسان منہ کے بل گرتا ہے اور چور چور ہو جاتا ہے۔ جب انسان اڑنے کے لیے بنا نہیں تو کوشش کیوں کرتا ہے؟

نا سمجھ ہوتا ہے اس لیے۔

☼ ☼ ☼

"ماضی کا عظیم فنکار بنفس نفیس تم سے معذرت کرنے آیا ہے کہ تمہاری پہلی پہلی منگنی میں شریک بھی نہ ہو سکا۔ حالانکہ میرے نہ آنے سے تمہارا فائدہ ہی ہوا، میں آجاتا تو تمہارے فنکشن کو چار چاند تو لگ جاتے تھے، لیکن پھر دولہا کو کسی نے نہیں پوچھنا تھا۔ سب نے تو میرے ہی ارد گرد ہونا تھا۔"

تقی شوٹنگز کی وجہ سے بہت مصروف رہا تھا فرصت ملتے ہی پہلی ملاقات سمیر سے کی۔

"گلا بندہ چاہے مرنے والا ہو، تم اپنی تعریفوں کا قصیدہ اسے ضرور سنانا۔" سمیر جل کر بولا۔

"تم مرنے والے ہو... کس پہ؟" سادہ سے لہجے میں شرارت تھی۔

"مر ہی گیا ہوں یار! میرے ساتھ تو اتنی بری ہوئی ہے کہ کیا کسی دشمن کے ساتھ ہوتی ہوگی۔" اس نے بے زاری سے نیم دراز ہوتے ہوئے کہا تھا اور پھر ساری بات تقی کو کہہ سنائی۔

"اماں کی انوالومنٹ کے بعد بات اور بھی بگڑ گئی۔ شکیل انکل نے ابو سے بات کی اور انہیں وہ سب بتایا جو مری میں ہوا تھا۔ ساتھ ہی انہوں نے خود انکار کر دیا کہ وہ ثمر کی شادی مجھ جیسے لڑکے سے نہیں کریں گے۔ ابو نے میری بڑی بے عزتی کی۔"

"صبر کر بھائی! ہر کام میں اللہ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔" تقی نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"مصلحت..." اس نے سلگ کر تقی کو دیکھا۔ "جو بھی ہوا اس میں تمہاری غلطی ہے سزا مجھے کیوں مل رہی ہے۔"

"خیر... اب تم اتنے بھی کاکے نہیں ہو کہ تمہیں کچھ کہا ہی نہ جائے۔ وہاں تو مصیبت پڑی ہوئی تھی کہ کسی طرح پتا چل جائے یہ وہی ثمر ہے یا نہیں، لیکن خیر تم فکر نہ کرو میں انکل سے بات کرتا ہوں۔ بتاتا ہوں انہیں کہ جو بھی ہوا اس میں ہم سب کی برابر کی غلطی

تھی۔ تم کو شرارت پر میں نے اکسایا تھا۔ تم فکر نہ کرو۔ میں ان کے سامنے تم جیسے چالاک انسان کو بالکل معصوم ثابت کردوں گا جو کہ تم ہو نہیں۔"

بڑا احسان جتانے والا انداز تھا۔

"نہیں تم کچھ مت کہو۔ جو ہوا، بس ٹھیک ہے۔ مجھے ثمر سے محبت ضرور ہوئی تھی لیکن میں خود کو سنبھال لوں گا۔ سیلف رسپیکٹ سے زیادہ اہم اور کچھ نہیں ہوتا۔ وہ کون سی دنیا کی آخری لڑکی تھی کہ مجھے اور کوئی ملے گی ہی نہیں۔ اب تم نے ابو سے کچھ کہا تو وہ تمہارے بھی خلاف ہو جائیں گے۔ ویسے بھی آج کل مجھے اپنے ابو تمہارے ابا زیادہ لگ رہے ہیں۔"

"یہ مت کہو ہمارے ابا تو ون اینڈ اونلی پیس ہیں۔ قدرت نے انہیں بنا کر سانچہ ہی توڑ دیا تھا۔" تقی بے ساختگی سے بولا۔ سمیر کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔ تقی چاہتا بھی یہی تھا۔



"کدھر ہو میاں صاحب زادے! آج کل تو گھر میں ٹکتے ہی نہیں؟" وہ بقول ابا بن ٹھن کر کہیں جانے کو تیار تھا جب ابا نے حسب سابق طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"بس ابا! اپنی پیٹ کے سارے جھمیلے ہیں۔ بندہ یا نوکری کرلے یا گھر میں ٹک جائے۔" وہ بھی تقی تھا جس نے سیدھا جواب دینا نہیں سیکھا تھا۔

"تم نوکری کر رہے ہو؟" ابا سے اپنی حیرانی بھی چھپائی نہیں گئی۔ تقی کو اندر ہی اندر بڑی گدگدی ہوئی۔

"ہاں جی۔ کب کی۔" بے نیازی سی بے نیازی تھی۔

"بتایا ہی نہیں کسی نے۔ کہاں کر رہے ہو؟"

تقی نے ایک فرضی نام بتا دیا۔

"ہہم۔" ابا نے اسے دیکھتے ہوئے ایک پر سوچ ہنکارا بھرا۔ "چلو پہلی تاریخ آنے ہی والی ہے جب تنخواہ ہاتھ پر رکھو گے تب ہی پتا چلے گا۔" شاید انہیں یقین نہیں آیا تھا۔

"میں پہلی تاریخ سے بھی پہلے تنخواہ آپ کے ہاتھ پر رکھ دوں گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور ٹھیک دو روز بعد وہ ان کے سامنے کھڑا پہلے سے بھی بھرپور طریقے سے مسکرا رہا تھا۔

ابا مسکرائے نہیں لیکن ان کی آنکھوں میں کچھ اس نے نرمی دیکھی تھی۔

"اچھی بات ہے کہ تم نے اپنی ذمہ داری سمجھ لی۔ عورت باورچی خانے میں اور مرد کماتا ہوا ہی اچھا لگتا ہے۔" انہوں نے گویا سمجھایا۔ تقی نے گردن موڑ کر امی کو دیکھا وہ بھی مسکرا رہی تھیں۔

وہ جیسے اندر تک خوشی سے بھر گیا ہو۔

میوزک ویڈیو ان سب کی توقع سے بھی زیادہ پسند کی گئی تھی۔ گانا تو جو ہٹ ہوا سو ہوا تنقیدی حلقے تقی کو سراہ رہے تھے اور اس کی آمد کو شوبز میں خوش آئند قرار دیا جا رہا تھا۔

اسے دھڑا دھڑ کام کی آفرز آنے لگی تھیں۔ یہ طے کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ کس کے لیے حامی بھرے اور کسے انکار کردے۔ ابا کو چھوڑ کر باقی گھر والوں کے ساتھ اس نے اس خوشی کو خوب سیلیبریٹ کیا۔ مہک کو بھی بلوا لیا۔ امی مل کر بہت خوش ہوئیں پھر رضی نے چکر چلایا اور مہک کے پاپا سے ابا کو ملوایا۔ بتایا یہ کہ وہ اس کے حلقہ احباب میں سے تھے۔

ابا تقی کی جانب سے مطمئن ہو چلے تھے۔ لوگ بھی پسند آئے رضی کی ٹرک کام کر گئی۔



جری کا میڈیکل میں ایڈمیشن ہوا تو ابا نے گھر میں فنکشن رکھ لیا۔ سارا خاندان مدعو کیا مہک کے گھر والوں نے معذرت کرلی ان کے اپنے خاندان میں کوئی تقریب تھی۔ سب گھر والے بے حد خوش تھے۔ جری بھی گردن اکڑائے گھوم رہا تھا۔ تقی اسے دیکھتا اور بار بار افسوس سے سر ہلاتا۔

"کیسا دور آگیا ہے۔ شکل سے عطائی بھی نہ لگنے والے اب ڈاکٹر کہلائیں گے۔ گورکھ دھندا ہے بھئی۔

گورکھ دھندا۔" جری خوش تھا سو ہنس کر ٹال دیتا۔

"میرے بہت سے دوست بھی آرہے ہیں۔ آپ نے ان سب سے خوش اخلاقی سے ملنا ہے اور اچھے اچھے آٹوگراف بھی دینے ہیں کیونکہ ان میں سے آدھے تو اسی شوق میں آرہے ہیں کہ آپ سے ملاقات کا موقع ملے گا۔" اس نے تقی سے کہا۔

"ٹھیک ہے اب میں اپنے بھائی کے لیے اتنا تو کر ہی سکتا ہوں۔ ویسے تو ریٹ پچاس ہزار ہے' لیکن تم میرے بھائی ہو تو دس ہزار دے دینا۔" اس نے سیدھے سیدھے کہا۔

"ہیں۔۔۔ کیا مطلب؟" وہ حیران ہوا۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے' میں تو اب سیلیبرٹی بن گیا ہوں کوئی للو پنجو تو ہوں نہیں کہ منہ اٹھا کر کوئی بھی ملنے آئے اور میں ہنس ہنس کر ملتا رہوں۔ ہاں اگر تم بے منت کرو تو بات دوسری ہوگی۔"

"ہو ہو۔۔۔ سیلیبرٹی تو دیکھو۔ میرے دوستوں سے تو ملنا ہی پڑے گا ورنہ یاد رکھنا جب ایک دن جیو کے ساتھ کی ٹیم آپ کا انٹرویو لینے آئے گی تو میں بھائی بن کر آپ کے سارے راز فاش کر دوں گا اور اس وقت آپ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔"

"آئے بڑے تم میرے راز فاش کرنے والے۔۔۔ میں نے تمہارے بچپن کے سارے کارناموں کو راز بنا کر اپنے سینے میں چھپا رکھا ہے۔ اتنا بوجھ ہے ان رازوں کا کہ بعض دفعہ مجھے سانس لینا تک مشکل لگتا ہے۔"

"اللہ۔۔۔ ایسے کون سے وزنی راز ہیں؟" بھابھی نے بھی دلچسپی لی۔ تقی جری کو چڑا رہا تھا۔ انہیں پتا تھا' گفتگو دلچسپ ہی ہوگی۔

"چلو جی۔۔۔ آپ کیں دلچسپی۔۔۔ تقی بھائی نے خود سے بنا کر ایسے قصے سنانے ہیں کہ آپ کے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں گے۔" جری آج کل کچھ زیادہ ہی پر اعتماد تھا۔

"تو میرے منے لاڈلے بھائی! میں کیوں خود سے قصے بناؤں گا تمہارے ہی کھلائے ہوئے گلوں کی خوشبو ہے۔ جس نے میرے ذہن کو معطر کیا ہوا ہے۔" تقی مسکرایا۔

"آپ کو پتا ہے بھابھی! یہ جواب شکل سے جو معصوم بنا پھرتا ہے بچپن سے ہی اندر سے پورا ہے یعنی میسنا گھنا۔ پہلا عشق چار سال کی عمر میں کر لیا تھا وہ بھی پڑوس کی منزہ سے۔ جس کی ناک چوبیس گھنٹے بہتی رہتی تھی اور یہ اپنی شرٹ کے دامن سے اس کی ناک پونچھا کرتا تھا۔ صرف یہی نہیں ایک بار تو امی کی انگوٹھی چوری کر کے اسے پروپوز کرنے بھی پہنچ گیا تھا۔ وہ تو میں نے عین وقت پر چھاپہ مار کر ابا کی عزت کو داغ دار ہونے سے بچا لیا۔" وہ نان اسٹاپ بول رہا تھا جری ساری بات پر مسکراتا رہا' لیکن اس بات پر بلبلا گیا۔

"خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے بھائی! تم ایک کو چار سے ضرب دے کر نہ سناؤ۔"

"اس میں شرمانے کی کیا بات ہے جری! محض اتنی سی تھی تم نے کوئی گناہ تو نہیں کیا تھا اور بچپن میں تو ایسے چھوٹے موٹے عشق سب کو ہو جایا کرتے ہیں۔" تقی نے ناصحانہ انداز میں کہا تھا۔

"میں نہ شرما رہا ہوں نہ مکر رہا ہوں۔" جری نے تیزی سے کہا تھا پھر جھجک کر بولا۔ "ہاں اچھی لگتی تھی وہ مجھے' لیکن میں کوئی اس کی ناک نہیں پونچھتا تھا اور نہ ہی میں نے امی کی انگوٹھی چرائی تھی۔" وہ ثمین کو وضاحتیں دینے لگا۔

"تو اس دوپہر کیلو درخت کے نیچے بیٹھ کر اسے کیا سمجھا رہے تھے جب میں نے تمہیں رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔" تقی آنکھیں مٹکا کر بولا تھا۔

"وہ تو۔۔۔ میں تو۔۔۔" اس سے کوئی بات نہ بن پائی ایک تو تقی کی باتیں اور پر سے ثمین ہنس ہنس کر دوہری ہوئی جا رہی تھی۔ تقی نے تو اپنی بات سچ ثابت کر کے چھوڑی۔ جری جب اسے جھوٹا ثابت نہ کر سکا تو واک آؤٹ کر گیا۔

"اس کی باتوں میں نہ آنا ثمین! جانتی ہو نا' جری کو چڑانے کے لیے اوٹ پٹانگ باتیں کرتا رہتا ہے۔" امی بھی مسکرا رہی تھیں۔

"آپ رہنے بھی دیں امی! اپنے لاڈلے چھوٹے بیٹے کی حرکتوں پر پردہ نہ ڈالیں۔" تقی باز نہ آیا۔

"جری کو رہنے دو۔ وہ میرا بڑا بیبا بچہ ہے۔ پردے تو تمہاری حرکتوں پر ڈالنے پڑتے تھے۔ کیا بتاؤں تمہیں کس قدر شرارتی ہوا کرتا تھا یہ۔ پڑوسیوں نے مرغیاں پالیں تو جا کر ان کے انڈے چرا لاتا۔ سامنے والوں نے آسٹریلین طوطے پالے ہوئے تھے۔ یہ ایک روز پنجرہ کھول کر سارے اڑا آیا وہ لوگ شکایت لے کر آئے تو میں نے کتنی وقتوں سے بات سنبھالی پھر بھی تمہارے خالو جان کے کان میں بات پڑ گئی۔ وہ ناراض تو ہوئے سو ہوئے مجھے بھی غلط تربیت کے طعنے دے ڈالے۔ یہ جری بے چارہ تو میری انگوٹھی سے کھیلتا پھر رہا تھا۔ منزہ سے اس کی دوستی تو بہت تھی تقی کی نظر پڑ گئی تو کہانی بنالی۔ وہ دن اور آج کا دن ہے اسے چڑاتا رہتا ہے۔" وہ ثمین کو بتا رہی تھیں۔

"آپ دیکھیے گا امی! میں تو ثمین اس جری کی شادی والے روز اس کی بیگم کو بھی یہی قصہ سناتا ہوا پایا جاؤں گا۔" تقی ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

تقریب اچھی تھی۔ جری دیسے کا دولہا بنا پھر رہا تھا اس نے بڑے شوق اور فخر کے ساتھ تقی کو اپنے دوستوں سے ملوایا تھا' لیکن ابھی کھانا بھی شروع نہیں ہوا تھا کہ لودھی صاحب کا سویا ہوا جلال جاگ اٹھا۔ انہیں کہیں سے تقی کے شوبز جوائن کرنے کی خبر مل گئی تھی۔ پھر انہوں نے مہمانوں کا لحاظ نہیں کیا۔ تقی کو بھری محفل میں وہ بے بھاؤ کی سنائیں کہ محفل میں موجود اکثر احباب کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔

تقی کا سر جھکا ہوا تھا۔ بہت سارے اعتراضات کے باوجود وہ خاموش رہا اور ابا کو بھڑاس نکال لینے دی' لیکن پھر اس کی برداشت اس وقت بالکل ختم ہو گئی۔ جب ابا نے امی کی تربیت کو بھی الزام دیا' کچھ نازیبا الفاظ بھی استعمال کیے۔

"آخر ایسا کیا کر دیا میں نے جو آپ اس قدر واویلا کر رہے ہیں۔" اس کی آواز دھیمی تھی لہجہ سخت۔

لودھی صاحب کی پیشانی پر بڑے بل پڑ گئے۔ غصے سے کنپٹی کی رگ اس قدر پھڑکنے لگی کہ گمان گزرا' ابھی پھٹ ہی جائے گی۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی پر گرفت مضبوط کر لی۔ مبادا ہاتھ اٹھ ہی نہ جائے' لیکن کئی بار پیش بندی بھی بے سود رہتی ہے۔ غصے نے کچھ اس طرح سے حواس پر غلبہ پایا کہ وہ تقی پر ہاتھ اٹھا بیٹھے۔ چھڑی کی پے در پے ضربیں اس کے کندھوں اور سر پر پڑ رہی تھیں۔ شدید طیش کے عالم میں وہ اسے مار رہے تھے اور زور زور سے گالیاں بک رہے تھے۔ بھری محفل میں سناٹا چھا چکا تھا۔ صرف ان کی زبان اور چھڑی کے چلنے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ تقی منہ سر کے گرد بازو لپیٹے پٹ رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی ان کا ہاتھ روکنے کی کوشش نہیں کی۔ سب ان کے غصے سے خائف تھے۔ کسی میں ہمت نہ تھی کہ انہیں روکے حتیٰ کہ ان کے سگے بھائی میں بھی نہیں پھر رضی نے ہمت کی۔

"بس کر دیں ابا! وہ مر جائے گا۔" اس نے بمشکل انہیں سنبھالا۔

"مر جانے دو' ایسی نافرمان اولاد کا مر جانا ہی اچھا ہے۔" وہ بری طرح ہانپتے ہوئے بولے۔

"دنیا کیا کہے گی۔۔۔ باقر لودھی کا بیٹا' عبدالباری لودھی کا پوتا' میراثی بنا گھوم رہا ہے۔ اس کے شوق کے لیے میں اپنی خاندانی شان و شوکت پر حرف نہیں آنے دوں گا۔"

"اس نافرمان سے کہو ابھی کے ابھی اس گھر سے دفع ہو جائے اور پھر ساری زندگی مجھے اپنی شکل نہ دکھائے۔ اس کے بعد میراثی بن کر ناچتا پھرے یا ڈرامے کرے۔ اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں۔"

وہ زوردار لہجے میں حکم سنا کر خاموش ہو گئے۔ محفل میں ایسی خاموشی تھی جیسے کسی کی موت کی خبر آگئی ہو اور تقی جس طرح مار کھا کر زمین پر پڑا تھا یوں لگ رہا تھا کہ اس کے جسم میں جان ہی نہیں ہے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ناولٹ

آمنہ ریاض



باقر لودھی اپنے منجھلے بیٹے تقی کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت سے سخت نالاں ہیں اور اسے ہر وقت بڈ حرامی کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔ تقی کو شوبز میں کام کرنے کا شوق ہے جبکہ لودھی صاحب اس کام کے سخت مخالف ہیں۔ دونوں باپ بیٹے میں اکثر جھڑپ ہوتی رہتی ہیں۔ رضی اور جری سے البتہ باقر صاحب کو کوئی شکایت نہیں۔

شفا کو عمیر نے والدین کے بعد باپ بن کر پالا ہے۔ وہ عمیر کی بے حد لاڈلی ہے مگر عمیر کی بیوی ساہر کو اس سے شدید جلن ہے۔ وہ عمیر سے جھوٹ بول کر اسے شفا سے بدظن کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ عمیر کو اپنی بیوی پر پورا یقین ہے۔

ساہر اور عمیر کی شادی کے ابتدائی دنوں میں شفا ساہر سے بہت بدتمیزی کیا کرتی تھی۔ وہ اسے ہر وقت عمیر کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتی اور جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر اسے عمیر سے ڈانٹ پڑوا دیتی۔ رات کے کھانے پر پاستا نہ بنانے پر اس نے ساہر سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا اور سیڑھیوں سے حادثاتی طور پر گر جانے کا الزام ساہر پر لگا دیا کہ ساہر نے اسے دھکا دیا ہے۔ اس بات پر عمیر ساہر کو دو تھپڑ مار دیتے ہیں۔ ساہر کو بہت دکھ ہوا ہے۔ شفا خود بھی گنگ ہو جاتی ہے۔

تقی کے گہرے دوست سمیر کے ابا اپنی پسند سے اس کی منگنی کر دیتے ہیں۔

شفا عمیر کو ساری بات بتا کر ان سے اور ساہر سے اپنی پچھلی تمام باتوں پر معافی مانگ لیتی ہے۔ عمیر اسے معاف کر دیتے ہیں مگر ساہر شفا سے بیر باندھ لیتی ہے اور غلط بیانی کر کے دونوں بہن بھائی میں غلط فہمیاں پیدا کرتی رہتی ہے۔ اسی طرح وہ عمیر کے منع کرنے کے باوجود جھوٹ بول کر شفا کو کالج ٹرپ پر بھجوا دیتی ہے۔



کاسٹنگ ڈائریکٹر جاثم تقی کو اپنے ڈرامے میں لیڈنگ رول کی آفر کرتا ہے۔ تقی اپنے ابا کی وجہ سے تذبذب کا شکار ہوجاتا ہے۔

تقی اور سمیر بھی اپنے دوستوں کے ہمراہ مری جاتے ہیں اور اسی ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرتے ہیں' جہاں شفا کا گروپ ٹھہرا ہوتا ہے۔ وہاں سمیر کو ثمر پر اپنی منگیتر کا گمان ہوتا ہے۔ ٹرپ کے دوران دونوں گروپوں کے درمیان ہلکے پھلکے ٹاکرے ہوتے رہتے ہیں۔ اور باقاعدہ منگنی پر دونوں کو پتا چلتا ہے کہ وہ واقعی ثمر ہے۔ وہ دونوں منگنی تو کرلیتے ہیں مگر سخت غصے میں ہوتے ہیں۔ منگنی کے بعد سمیر ٹرپ کے دوران مذاق میں کہی شفا کی بات کہ "ثمر کا نکاح ہوچکا ہے" اپنی ماں کو بتا کر منگنی توڑ دیتا ہے۔ ثمر کے والد شکیل صاحب سمیر کے والد سے سخت ناراض ہوجاتے ہیں۔ ثمر کی والدہ یہ جان کر کہ ثمر کے نکاح کی افواہ شفا نے اڑائی ہے۔ وہ شفا سے خفا ہوجاتی ہیں۔ ساہر انہیں مزید بھڑکاتی ہے۔ ساہر اور عمیر تقی سے مل کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ مہک' تقی کا پورٹ فولیو بنوالیتی ہے۔ تقی کو آفرز آنے لگتی ہیں۔ وہ ایک دو کمرشلز میں کام کرلیتا ہے۔ رمشی کی بدولت مہک کے والد سے باقر لودھی کی ملاقات ہوتی ہے اور وہ تقی کے لیے مہک کو پسند کرلیتے ہیں۔ جری کے میڈیکل میں ایڈمیشن ہونے کی خوشی میں باقر لودھی ایک چھوٹی سی تقریب کرتے ہیں۔ انہیں تقی کے شوبز جوائن کرنے کی خبر مل جاتی ہے۔ وہ بھری محفل میں اسے سخت بے عزت کرتے ہیں اور چھڑی سے سماؤنڈ کے سامنے خوب پٹائی لگاتے ہیں اور گھر سے نکال دیتے ہیں۔

ساتویں قسط

آسمان تاریک تو تھا' لیکن شہر کی جلتی ہوئی روشنیوں نے اس کے جوبن کو ماند نہ ہونے دیا تھا۔ وہ کہیں رکا' کہیں چلا اور کہیں تھک کر بیٹھ گیا۔ کبھی سر اٹھا کر خود پر جھکے آسمان کو دیکھا اور آنکھیں رگڑ کر بے بسی سے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ لیتا۔ مایوسی تھی کہ رگ جاں کو کاٹتی تھی۔ ایک وحشت تھی جو سر میں سمائی تھی۔

اسے ہمیشہ یہی لگا کہ ابا اسے ناپسند کرتے ہیں لیکن دراصل وہ نفرت کرتے ہیں... یہ اس نے آج جانا تھا۔ بھری محفل' جانے انجانے کتنے احباب۔ ذرا سی بات پر باپ بیٹے کو اس طرح پیٹ سکتا ہے' یہ آج ہی سنا تھا' آج ہی دیکھا تھا۔

وہ بھی گھر سے نکل آیا۔ ماں کی التجائیں' بھائی کی لجاجت نہ سنی۔ بس چل پڑا۔ پتا نہیں کہاں کہاں کی خاک چھانی۔ دل تھا کہ پھر بھی تڑپنے سے باز نہ آیا۔ کہتا تھا مر جاؤ۔ اتنی تذلیل سہہ کر زندہ رہوگے تو لعنت ہے ایسی زندگی پر۔

کچھ وہ خرد سے لڑتا جھگڑتا چل رہا تھا' کچھ سامنے والا بھی جلدی میں تھا۔ دوسری طرف سے آتی گاڑی اس زور سے اس سے ٹکرائی کہ وہ ضرب کھائی گیند کی طرح ہوا میں اچھلا اور دور جا گرا۔

آوازیں اس کے گرد مکھیوں کی بھنبھناہٹوں کی طرح جمع ہو رہی تھیں۔ آنکھیں بند ہونے سے پہلے اس کے ذہن نے جو چہرہ دکھایا' وہ اس کی ماں کا تھا اور آنکھوں نے خود پر جھکے ہوئے جس چہرے کو دیکھا' وہ عمیر کا تھا۔



"ابا نے مجھے مارا اور دھکے مار کر گھر سے نکال دیا۔ آپ مجھے کیوں لے آئے عمیر بھائی! وہیں سڑک کے کنارے پڑا رہنے دیتے۔ مر جاتا تو ابا کو سکون آجاتا۔"

تقی روٹھے بچے کی طرح بول رہا تھا۔ وہ انتہا درجہ کی قنوطیت کا شکار تھا۔ ماتھے کے گرد پٹی بندھی تھی۔ لبابی کے نشان چہرے پر تھے۔ گاڑی کی ٹکر سے صرف سر پر اندرونی چوٹیں بھی تھیں لیکن شکر ہے وہ شدید نہیں تھیں۔ ڈاکٹر نے کہا تھا' تین چار دن کے بیڈ ریسٹ سے مکمل صحت یاب ہوجائے گا۔ گو کہ وہ راضی نہیں تھا' لیکن عمیر زبردستی گھر لے آئے۔

اب وہ صوفے پر بیٹھا تھا۔ بیڈ پر لیٹنے کو بھی راضی نہیں۔ ایک ہی ضد تھی کہ اسے جانے دیا جائے۔ اس پر ساہر کے احمقانہ سوال۔

"مجھے تو یقین نہیں آرہا تقی! کیا واقعی ابا نے تمہیں مارا ہے۔" وہ رنج اور بے یقینی سے تھوڑی دیر بند ہوچھتی۔ اب کے تقی چڑ گیا اور سنجیدگی سے بولا۔

"نہیں۔ انہوں نے مجھے مارا نہیں۔ ان کی چھڑی اچانک اڑتی ہوئی آئی اور خود بخود مجھ پر برسنے لگی۔ اس چھڑی نے مجھے اتنا مارا کہ میں اٹھنے کے قابل بھی نہیں۔ پھر ابا مجھے بصد احترام گیٹ سے باہر چھوڑ گئے اور انہوں نے روتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے چھوٹے سے گھر کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ مجھ جیسے عظیم اداکار کو وہاں رہنے دیں' اس لیے میں ان پر احسان کروں اور خود ہی چلا جاؤں۔"

ساہر کا منہ کھل گیا۔ "کیا واقعی؟"

"ساہر! اب بس کردو۔ تقی بے چارے کو آرام کی ضرورت ہے۔ تم مسلسل اس کا دماغ کھا رہی ہو۔" عمیر نے سنجیدگی سے کہا۔ "جاؤ اس کے لیے کچھ کھانے کا بندوبست کرو۔"

"نہیں عمیر بھائی! مجھے کچھ نہیں کھانا۔ آپ مجھے جانے دیں۔"

"تم بولنا تو بند کرو یار! جتنا خاموش رہوگے اور آرام کروگے اتنی جلدی یہ زخم ٹھیک ہوگا۔" عمیر نے آہستہ سے اسے ڈانٹا۔

"عمیر ٹھیک کہہ رہے ہیں' تمہیں آرام کی ضرورت ہے' سو آرام کرو۔ ویسے بھی اب جب تک ٹھیک نہیں ہوجاتے۔ میں تمہیں کہیں جانے نہیں دوں گی۔" ساہر نے کہا۔

"میں ساہر! تم لوگوں کا شکریہ کہ مجھے لے آئے' بے یارو مددگار سڑک پر پڑا نہیں رہنے دیا' لیکن یہاں رہنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ میں اپنا کوئی نہ کوئی بندوبست کرلوں گا۔"

"اچھا ذرا ہم بھی تو سنیں' وہ کون سا بندوبست ہوگا۔" ساہر نے جل کر کہا تھا۔ "سمیر کا تو تم خود بتا چکے ہو کہ اس کے ابا بھی خفا ہیں' اس لیے اس کے یہاں جا کر رہنا تو ممکن نہیں اور میرا نہیں خیال کہ کوئی اور اتنا گہرا دوست ہوگا جس کے گھر تم ٹھہر سکو' پھر دو تین ایڈز کرکے ابھی تم اتنے امیر تو ہوئے نہیں کہ کسی ہوٹل میں ہی کئی دن اسٹے کرسکو... پھر کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

اتنی صاف بات پر تقی شرمندہ سا ہوگیا۔

"بہن کے گھر بھائی کتنا ہوتا ہے۔ یہ سنا ہے کبھی۔" اس نے برجستگی سے کہا۔ عمیر کا قہقہہ زبردست تھا۔

"ایک بات طے ہے تقی! تم ہر حال میں باتیں دلچسپ کرتے ہو لیکن اس کامپلیمنٹ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم یہاں سے جانے کی باتیں کرو۔ رہنا تو تمہیں یہیں پڑے گا۔" عمیر کا دھونس بھرا رویہ۔ تقی کی مزاحمت دم توڑنے لگی۔

"سوچ لیں عمیر بھائی! مہمان تین دن کا ہوتا ہے میرا کوئی پتا نہیں' مستقل ٹھکانا کب ہاتھ لگے۔ پھر نہ نوکری ہے' جیب سے بھی میں بالکل کنگلا ہوں۔ ایسا نہ ہو' آپ کو جان کا عذاب لگنے لگوں۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"تم صرف دلچسپ باتیں نہیں کرتے۔ کبھی بونگیاں بھی مارتے ہو۔ جب ہم کہہ رہے ہیں یہاں رہو تو رہو۔ میری نہ سہی' یہ تو دیکھو تمہاری بہن کی بھی یہی خواہش ہے۔"

"ویسے مجھے مناسب نہیں لگ رہا۔"

"بھئی' تم تو ضدی بھی بے حد ہو۔" عمیر کا انداز کچھ بے تکلف' کچھ استحقاق بھرا تھا۔

"اچھا ایسا کرنا جب برسرروزگار ہوجاؤ تو کرایہ ادا کردینا... کیا کہتے ہو؟"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" تقی نے سوچ کر سر ہلایا۔ اس دوران ساہر خاموش ہی رہی' لیکن اس جملہ پر فوراً" اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب بس کوئی بحث نہیں ہوگی۔ میں تمہارے لیے یخنی بنا کر لاتی ہوں اور پلیز تم لیٹ جاؤ۔"

☆ ☆ ☆

"عمیو! میں آپ سے تقی کے بارے میں بات کرنا چاہ رہی تھی۔" بہت سوچنے کے بعد ساہر نے رات کے ٹھٹکتے ہوئے یہ موضوع چھیڑا تھا۔ عمیو سونے کے لیے لیٹ رہے تھے' انہوں نے گردن موڑ کر عادل کو ٹھٹکتی ساہر کو دیکھا۔

"کہو۔"

"میں کافی دیر سے آپ سے بات کرنا چاہ رہی تھی لیکن ۔۔۔ دراصل میں کنفیوژ تھی' سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ کیسے بات شروع کروں۔"

"ساہر! جو بھی بات ہے' اسے ٹو دا پوائنٹ کرو۔ اتنی لمبی چوڑی تمہید باندھنے کی کیا ضرورت ہے اور ویسے بھی شادی کے اتنے سال ایک ساتھ گزار کر اتنا تو نہیں پتا چل جانا چاہیے کہ میرے سامنے کون سی بات کرتے ہوئے تمہیں جھجکنا چاہیے اور کون سی نہیں۔" ان کا انداز ہمیشہ ایسا ہی دوٹوک ہوتا تھا۔

"ویسے تم نہ بھی کہو تو مجھے آئیڈیا ہے کہ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو ۔۔۔ یہی نا کہ تمہارا بھائی چند دن رکے گا پھر چلا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔"

"ہیں ۔۔۔" ساہر کا منہ ہی کھل گیا۔ "آپ کو کیسے پتا چلا؟"

عمیو اس کی بات پر خفیف سا ہنس دیے۔

"تمہیں جاننے کا دعوا ایسے ہی نہیں کرتا میں۔ خیر اس معاملے میں تم بے فکر رہو' تقی کا جب تک کوئی مناسب بندوبست نہیں ہو جاتا' وہ یہاں رہ سکتا۔ مجھے اس کے رہنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"آپ کو اعتراض نہیں ہوگا' میں جانتی ہوں لیکن میں سوچ رہی تھی' شفا کی وجہ سے آپ کچھ ان سیکیورٹی فیل نہ کریں اور پھر اگر شفا نے اعتراض کیا تو ۔۔۔"

"میں تمہیں ایک بات بتاؤں ساہر! تم کتنی بھی بڑی ہو جاؤ' کچھ باتیں تم ہمیشہ احمقانہ کرتی رہو گی۔" عمیو نے کسی قدر سنجیدگی سے کہا تھا۔ "شفا کیوں اعتراض کرے گی جبکہ تقی کو یہاں ٹھہرانے کا فیصلہ میرا ہے۔ بے شک وہ تمہارا بھائی ہے لیکن کوئی رشتہ اس کا مجھ سے بھی ہے' پھر میں جانتا ہوں شفا تمہارے معاملے میں کچھ اور طرح کے خیالات رکھتی ہے لیکن ایک بات طے ہے' مہمان نوازی ہمارے خون میں شامل ہے۔ وہ کبھی اعتراض نہیں کرے گی۔ اور جہاں تک بات رہی ان سیکیورٹی کی تو میں تقی کو جانوں یا نہ جانوں' اپنی بہن کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ کبھی کوئی ایسا کام نہیں کرے گی جس سے اس کی عزت پر حرف آئے۔ تم برائے مہربانی اپنی چھوٹی سی عقل پر کم ہی زور دیا کرو۔ جب بھی کرو گی نرالی بات ہی کرو گی۔" وہ اس کی بات پر اچھا خاصا برا مان گئے تھے۔

"سوری عمیو! آپ میری بات کو بہت غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں آپ کو ہرٹ کرنا ہرگز نہیں چاہتی تھی لیکن ۔۔۔"

"بس کرو۔ مجھے نیند آرہی ہے۔" عمیو نے بات ختم کر کے آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔ ان کا لہجہ خاصا نرم تھا' سو ساہر مطمئن ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

تقی اور شفا کی ملاقات اگلے دن تو نہیں ہو سکی۔ تقی کو ڈاکٹر نے مکمل بیڈ ریسٹ کی ہدایت کی تھی اور ساہر ڈاکٹر کی ہدایت پر پوری طرح عمل کروا رہی تھی سو کہ تقی ایک دن ہی بیڈ پر گزار سکا تھا۔ امی کہتی تھیں' "اس کے خون میں کوئی ایسا عنصر شامل ہے کہ وہ زیادہ دیر ایک جگہ ٹک کر بیٹھ ہی نہیں سکتا اور یہ سچ ہی تھا۔ اسے بے چینی ہونے لگتی تھی لیکن اس بار اکتانے کے باوجود وہ کمرے سے نہیں نکلا تھا۔ ایک تو یہ کہ ابا کے اس حالیہ رویے نے اسے اچھا خاصا مایوس

کر دیا تھا۔ دوسرے گھر بھی پڑا پایا تھا۔ تیسری سب سے بڑی وجہ اندرونی چوٹیں اپنا اثر بھی دکھانے لگی تھیں۔ ناچار ساہر اور عمیو بھائی کی باتوں پر عمل کر رہا تھا۔

شفا کو عمیو اور ساہر دونوں کی زبانی ساہر کے بھائی کے ایکسیڈنٹ اور آمد کے متعلق پتا چل گیا تھا۔ اسے کسی کی آمد پر بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا بلکہ اسے تو خوشی تھی کہ ساہر کے گھر سے کوئی رہنے کے لیے آیا ہے۔ آج کل وہ اپنی پڑھائی پر دھیان دے رہی تھی۔ پچھلا سمسٹر اس نے ذرا کم گریڈز کے ساتھ پاس کیا تھا' اس بار وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔ ثمر لوگوں نے جب سے گھر تبدیل کیا تھا' اس سے ملاقات نہ ہو پائی تھی۔ کالج میں امتحان قریب ہونے کی وجہ سے حاضری کافی کم ہو گئی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ کالج جاتی تو ثمر چھٹی پر ہوتی یا ثمر جاتی تو وہ نہ آپاتی۔

وہ اس سے ملاقات نہ ہو پانے کے سلسلے کو محض اتفاق سمجھ رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ ثمر کی امی نے ثمر کو شفا سے رابطہ رکھنے سے سختی سے منع کر رکھا ہے۔

"اتنا بڑا جھوٹ بول کر شفا نے تمہارا رشتہ تڑوا دیا اور تم ابھی بھی اس سے دوستی رکھنا چاہتی ہو۔ آفرین ہے بھئی تم پہ۔" ثمر کی امی نے ایک ہی جملے سے شفا کے حق میں دیے تمام دلائل پر پانی پھیر دیا تھا۔

"امی! ایک بات تو طے ہے شفا جھوٹ نہیں بولتی اور پھر میری شادی تو میں نے تب بھی نہیں کرنی تھی۔ اگر اس کے جھوٹ کی وجہ سے ہی رشتہ ختم ہوا ہے تو بھی ایک طرح سے اچھا ہی ہوا نا۔"

"مجھے بے تکے دلائل مت دو' میں نے کہہ دیا' سو کہہ دیا۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے شفا نے ایسی کوئی بات نہ کی ہو۔" اس نے پھر رسان سے کہا۔

"تمہارے خیال میں ساہر نے جھوٹ بولا ہے؟ وہ ایسا کیوں کرے گی؟"

"آپ سمجھ لیں' انہیں جھوٹ بولنے کی عادت

"شفا کو جسٹی فائی کرنے کے لیے ساہر کو جھوٹا مت کہو۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔ اچھی طرح جانتی ہوں' کون سچا ہے' کون جھوٹا ہے۔"

ثمر کے پاس انہیں قائل کرنے کے لیے سو دلائل تھے لیکن انہوں نے اس کی منگنی ٹوٹنے کا بہت اثر لیا تھا اور چونکہ زخم ابھی نیا نیا تھا۔ اس لیے وہ جانتی تھی بھرنے میں بھی وقت لگائے گا' سو وہ بھی صحیح وقت کا انتظار کرنے لگی۔ یوں بھی آج کل وہ بہت مصروف تھی۔ امتحان سے فارغ ہوتے ہی انٹرن شپ کے لیے ایک مناسب ادارہ تلاش کرنا بھی ایک دقت تھی اور آج کل وہ ان ہی معاملات میں الجھی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

تقی پانی پینے اٹھا تھا۔ ساہر رکھنا بھول گئی تھی۔ وہ اندازے سے کچن کی طرف آگیا۔ لیکن اندر سے آتی مبہم سی آواز نے اس کے قدم روک لیے تھے۔ اس نے کان لگا کر سننا چاہا لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا تب اس نے ذرا سا اندر جھانکا۔ ایک لڑکی فون پر بات کر رہی تھی غالباً "یہ ساہر کی نند تھی' جس کا ذکر امی نے بھی کیا تھا۔ وہ کچھ گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔ تقی کو یوں کھڑے ہونا مناسب نہیں لگا تو واپس آگیا لیکن لیٹنے کے ساتھ ہی اسے خیال آیا تھا کہ وہ اس لڑکی کو پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے۔ فوری طور پر اسے یاد نہیں آیا' وہ اسے کہاں دیکھ چکا ہے' یہی سوچتے ہوئے وہ سو گیا۔

اگلی صبح وہ ضد کر کے ناشتے کے لیے ڈائننگ ٹیبل پر آگیا۔

"مجھے اچھا نہیں لگتا' تم یوں ٹرے سجا سجا کر میرے لیے لاؤ۔ میں بھی وہیں عمیو بھائی کے ساتھ ناشتا کر لوں گا۔" تقی نے ساہر سے کہا اور باہر آکر عمیو سے باتیں کرنے لگا۔ عمیو آفس کے لیے نکل رہے تھے کہ شفا کچن سے نکلی۔ اس کے ہاتھوں میں دھلے ہوئے شیشے کے برتنوں کی ٹوکری تھی۔

"آؤ شفا! یہ تقی ہے ساہر کا تایازاد بھائی اور تقی! یہ میری چھوٹی بہن ہے شفا۔" جوں ہی ان دونوں کی نظر ایک دوسرے پر پڑی' شفا بے دھیانی میں تھی' اس کے ہاتھ سے ٹوکری چھوٹ گئی اور سارے برتن اس کے پیروں میں گر کر ریزہ ریزہ ہوگئے۔ ایک دھماکا ہوا اور پھر سناٹا چھا گیا۔

"اوہو شفا! تم فوراً" سائیڈ پر ہو جاؤ' کہیں تمہیں کانچ لگ نہ جائے۔" ساہر نے فکرمندی سے کہا۔ "میں زرینہ سے کہتی ہوں آکر یہ سب سمیٹ لے گی۔"

"میں تو نکل رہا ہوں بھئی۔ اچھا تقی! شام کو ملاقات ہوگی۔" **عمیر** کو جاتے جاتے کچھ یاد آیا۔ "ساہر! میں گاڑی اسٹارٹ کر رہا ہوں' تم بیڈ روم سے میرا لیپ ٹاپ تو لے آؤ۔"

وہ دونوں آگے پیچھے باہر نکل گئے تب شفا نے سولت سے اسے گھورا۔

"تم جیسا بدتمیز لڑکا ساہر بھابھی کا بھائی ہو سکتا ہے۔ مجھے اس بات پر یقین نہیں آرہا۔"

اس قدر بے تکلفی کا مظاہرہ کہ پہلی ہی ملاقات میں طنز جڑ دیا۔ ابھی وہ اس بات پر پوری طرح حیران بھی نہیں ہو پایا تھا کہ شفا کی آواز سنتے ہی اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

"اوہ مری ریسٹ ہاؤس۔ میں پہلے ہی سوچ رہا تھا کہ تمہاری شکل مجھے جانی پہچانی کیوں لگ رہی ہے۔" تقی نے ہتھیلی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں تو تمہیں پہلی نظر میں ہی پہچان گئی۔" شفا نے جل کر کہا۔

"تو اس میں تمہاری یادداشت کا تو کوئی کمال نہیں ہے۔ میری پرسنالٹی ہی ایسی شان دار ہے کہ جو ایک بار مل لے پھر وہ بھول ہی نہیں پاتا۔" تقی نے اترا کر کہا اور اس طرح سے بولتا وہ شفا کو پچھلی بار سے زیادہ برا لگا تھا۔

"تم سے ملاقات ہوئی تھی تو کوئی نہ کوئی الٹا کام تو ہونا ہی تھا۔" اس نے بے چارگی سے ٹوٹے برتنوں کو دیکھا۔

"نہیں نہیں۔ اپنی فیلنگز چھپانے کے لیے تمہیں جھوٹ بولنے کی ہرگز بھی ضرورت نہیں ہے۔"

"ایں۔" وہ سمجھی نہیں۔ "کیا مطلب؟"

"سیدھی سی بات ہے۔ مجھے دیکھ کر تمہیں اتنی خوشی ہوئی کہ خوشی سے تمہارے ہاتھ کانپنے لگے اور ٹوکری چھوٹ گئی۔" اس نے مزے سے کہا۔

"بہت ہی اوور کانفیڈنٹ ہو۔" وہ چڑ کر کہتی واپس جانے کے لیے مڑی تب ہی تقی نے اسے پکار لیا۔

"اچھا سنو۔ وہاں مری میں جو کچھ ہوا' وہ محض اتفاق تھا اور چھوٹا سا مذاق۔ میں پہلے ہی اس کے لیے ایکسکیوز کر چکا ہوں۔ تو پلیز تم **عمیر** بھائی یا ساہر سے اس بات کا ذکر مت کرنا۔" اس نے سنجیدگی سے اور قدرے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہ کروں۔" شفا نے ترنت کہا۔ "میں تو انہیں ضرور بتاؤں گی۔ آخر انہیں بھی پتا تو چلے کیسے فضول انسان کو انہوں نے اپنے گھر میں رکھ لیا ہے۔" اس کا لہجہ اچھا خاصا بے مروت تھا۔ تقی کے تلووں لگی سر پہ بجھی۔ وہاں مری میں شفا کے خیالات سن کر اسے کچھ "عقل والی" لگی تھی۔ ابھی اس ایک جملے سے سارا اثر زائل ہوگیا۔

"مرضی ہے تمہاری۔ ورنہ اس میں بھی تمہارا ہی فائدہ تھا۔" وہ بھی اکڑ کر بولا۔ "میں تو یہاں بطور پے انگ گیسٹ رکا ہوا ہوں۔ جاتے جاتے سارے ڈیوز کلیر کر کے جاؤں گا لیکن ساتھ ہی میں انہیں یہ بھی بتاؤں گا کہ تم رات کو چھپ چھپ کر فون پر کسی سے باتیں کرتی ہو۔"

شفا کے چہرے کا رنگ تیزی سے بدلا' وہ سرعت سے پلٹی۔

تقی اطمینان سے بیٹھا پیر جھلا رہا تھا اور بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ شفا جو کوئی جھوٹ بولنے کے لیے پر تول ہی رہی تھی اس کی ایسی جانچتی نظروں سے خائف ہوگئی۔

"نہیں... میں روز بات نہیں کرتی۔ کل تو میں اسے ڈانٹ رہی تھی۔" وہ منٹوں میں پہلی پڑ گئی۔

"وہ پلیز! اب میری منتیں مت شروع کر دینا۔ میں تو یہ بات عمیر بھائی کو ضرور بتانے والا ہوں۔" وہ اسے بالکل بچوں کی طرح چڑانے لگا تھا اور شفا کا بس نہ چلا کہ ابھی رو دے۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، تقی کو اس کی شکل دیکھ کر ترس آ گیا اور سچ بات ہے ہنسی بھی۔ وہ کس قدر بے وقوف تھی، ورنہ کیا مشکل تھا کہ ایک منٹ میں تقی کو رد کر دیتی۔ گو کہ وہ محض اسے چڑا رہا تھا، اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ عمیر بھائی یا ساہر کو بتائے کیونکہ عمیر بھائی تقی کی بات پر اپنی بہن کی بات سے زیادہ یقین تو نہ کرتے نا۔

"تو اتنے زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تو کچھ سنا ہی نہیں تھا۔ بس ڈرا رہا تھا۔"

شفا کی پانی بھری آنکھوں میں غصہ اتر آیا۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے تقی کو گھورا اور پلٹ کر جانے لگی۔

"لیکن یاد رکھنا! تم نے اس بات کا ذکر کیا تو میں اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر تمہارے بھائی کو بتا دوں گا۔"

اس نے دھمکانا مناسب سمجھا۔ لڑکیوں کی الٹی کھوپڑی کا کیا پتا، کس وقت گھوم جائے۔

"شکل سے ہی پھاپھا کٹنی لگتے ہو۔" وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

اس طعنے سے اگر زنانہ پن نکل دیا جاتا تو شاید تقی کو اتنا اعتراض نہ ہوتا۔ اس نے نخوت سے سر جھٹک دیا۔



سمیر ساہر کی اجازت سے اس سے ملنے آیا تھا۔

"تم ایٹ لیسٹ آنٹی کو تو بتا دو کہ تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو۔ سب لوگ بہت پریشان ہیں تمہارے لیے۔" وہ فکرمندی سے تقی کو دیکھ رہا تھا۔

"ہاں امی کو فون کروں گا میں۔"

"میں نے تجھے سمجھایا تھا تقی! ابا کی مرضی کے بغیر کچھ نہ کرنا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ انہوں نے صحیح کیا، لیکن جس طرح کا ان کا مزاج ہے، ان کا ری ایکشن یہی ہونا تھا۔" سمیر نے کہا۔

تقی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس نے کچھ نہ کہا نہ سر اٹھایا۔

"سمیر! مجھے نوکری چاہیے۔" چند منٹ کی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔

"ہاں اچھا یاد دلایا۔" سمیر نے کہا۔ "ایک فارماسیوٹیکل کمپنی میں فنانس کی کچھ ویکنسیز نکلی ہیں۔ میں نے تمہاری سی وی فارورڈ کر دی تھی۔ دو روز بعد انٹرویو ہے۔ تمہاری طبیعت اجازت دے تو چلے جانا۔ اس کمپنی کا سی ای او ابو کا پرانا جاننے والا ہے۔ میں ابو سے کہوں گا، وہ اس سے بات کر لیں گے۔"

تقی نے سر ہلا دیا۔

"تمہارے ابو کی ناراضی ختم ہوئی؟"

سمیر نے بچوں کی طرح منہ لٹکا کر نفی میں سر ہلا دیا۔

"میرا خیال ہے "ابووں" کے ناراض ہونے کا سیزن چل رہا ہے۔" تقی نے خفیف سا ہنس کر کہا۔

"غلطی میری ہے یار! میں نے اس معاملے کو بہت خراب طریقے سے ہینڈل کیا۔ سب ٹھیک کرنے کے چکروں میں میں اسے خراب کرتا چلا گیا۔ اگر وہ لڑکی شادی شدہ تھی یا طلاق یافتہ یا کچھ بھی۔ تو کسی نہ کسی طرح بات کھل ہی جاتی، مجھے کیا ضرورت تھی اماں کے کان بھرنے کی اور اماں نے بھی ایک فساد کھڑا کر دیا۔ ابو تو بہت شرمندہ ہیں، لیکن شکیل انکل ان کی کوئی بھی بات سننے پر راضی نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں، کان میں بات پڑ جانا ایک الگ بات ہے، لیکن اماں نے بغیر تصدیق کیے ثمر پر کیچڑ اچھالی ہے۔ اماں شروع سے اس رشتے کے خلاف تھیں، رہی سہی کسر میری بکواس نے پوری کر دی۔ پتا نہیں کتنے سخت لفظوں میں بات کی انہوں نے کہ شکیل انکل کچھ سن ہی نہیں رہے۔" تقی

"تو اس میں اتنا منہ لٹکانے کی کیا بات ہے

نے کہا۔ "تمہارا طریقہ غلط سہی لیکن چاہتے تو تم یہی تھے ناکہ ثمر سے رشتہ نہ ہو۔"

"چاہتا تو یہی تھا۔" وہ متذبذب ہوا۔

"تقی! اتنا کچھ ہونے کے باوجود مجھے لگتا ہے ثمر میرے دل سے نکلی نہیں۔ شاید مجھے سچ مچ محبت ہو گئی ہے۔ میں اکثر اس کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ یہ دیکھو، میں نے اس کی تصویریں بھی ڈویلپ کروا کے رکھی ہیں۔ گھر میں کسی کو نہیں پتا۔ پتا چلا تو میری بڑی کلاس ہو گی۔" وہ سر جھکائے خفا خفا سا بول رہا تھا۔ ساتھ ہی جیب سے نکال کر ایک لفافہ بھی اس کے سامنے رکھ دیا۔

تقی نے تصویریں نکال کر دیکھیں۔ کچھ ثمر کے کلوز اپس تھے۔ ایک تصویر میں اس کا ہاتھ سمیر کے ہاتھ میں تھا اور وہ لاسے غصے سے گھور رہی تھی اور سمیر کی آنکھیں تعجب سے بھری اسی کے چہرے پر ٹکی تھیں۔ ایک تصویر میں وہ دونوں خفیف سا جھک کر کوئی بات کر رہے تھے اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ دونوں کے درمیان کوئی چپقلش ہے۔ یہ سب سے اچھی تصویر تھی۔

"یہ؟" تقی نے تصویر اسے دکھائی۔ سمیر نے ایک نظر تصویر پر ڈالی۔

"ثمر کہہ رہی تھی مر جاؤں گی لیکن تم سے شادی نہیں کروں گی۔ میں نے بھی کہہ دیا، فکر نہ کرو، تم سے شادی کر کے مجھے بھی اپنی زندگی برباد کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ لیکن اب سوچ رہا ہوں۔ غلط کہہ گیا۔ ثمر کے بغیر جو گزاروں گا وہ سب کچھ ہو گی، لیکن زندگی نہیں۔" وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہا تھا۔

"سمیر! سوری یار! میں کچھ نہیں کر سکتا تیرے لیے۔ میں تو خود ایسا الجھا ہوں کہ پتا نہیں اپنے لیے بھی کچھ کر سکوں گا یا نہیں۔" سمیر نے مایوسی سے سر ہلایا اور تصویریں سمیٹ کر لفافے میں ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلتا ہوں۔ اپنا خیال رکھنا، فون پر انٹرویو کی اطلاع دوں گا۔"

"یار! معاف کرنا دروازے تک چھوڑنے نہیں آ سکتا۔ تو خود ہی دروازے سے نکل کر دائیں طرف مڑنا اور پھر ناک کی سیدھ میں چلے جانا... عین سامنے گیٹ نظر آ جائے گا۔"

"رہنمائی کا شکریہ لیکن اطلاع کے لیے عرض ہے ساہر باجی مجھے لائی بھی اسی راستے سے تھیں۔ کوئی ایسی بھول بھلیاں تو ہیں نہیں کہ میں راستہ ہی بھول جاؤں۔"

وہ تقی سے ہاتھ ملاتا بلکہ گلے ملتا باہر نکل گیا۔ تقی نے احتیاط سے مڑ کر تکیہ سیدھا کیا، ابھی لیٹ بھی نہیں پایا تھا کہ سمیر بعجلت دوبارہ اندر آیا۔

"تقی! میں نے ابھی اس لڑکی کو دیکھا ہے۔" اس کے انداز میں دبا دبا سا جوش تھا۔

"میں نے اپنی زندگی میں کوئی پانچ سو لڑکیاں تو دیکھی ہوں گی۔ اتنی ایکسائٹمنٹ تو مجھے کو دیکھ کر بھی نہیں ہوئی تھی جتنی تجھے ہو رہی ہے۔" تقی حسب عادت بولا۔

"یار! کوئی عام لڑکی نہیں۔ وہ ثمر کی دوست... جس نے ہمیں بتایا تھا ثمر شادی شدہ ہے۔"

"ارے ہاں..." اسے یاد آیا۔ "یہ ثمر کی سہیلی بھی تو ہے۔ ساہر کی نند ہے، عمیر بھائی کی بہن۔"

"تیری دوستی ہے اس سے؟ اس سے پوچھو کہ آخر معاملہ کیا ہے۔ اس نے ثمر کے بارے میں غلط بیانی کی تھی یا سچ کہا تھا۔" وہ بہت پرجوش ہو رہا تھا۔

"لیکن اس سے ہو گا کیا؟" تقی نے پوچھا۔

"وہ بعد کی بات ہے کہ کچھ ہو گا یا نہیں۔ ایٹ لیسٹ پتا تو چلے کہ اصل بات کیا ہے۔"

"اچھا۔" تقی نے پرسوچ انداز میں اس ایک لفظ پر زور دیا۔ "ایک بات بتاؤں یہ لڑکی تھوڑی بے بو تگی ہے۔ اب خدا معلوم اس نے کیوں ایسا کہا ہو۔ میں وعدہ تو نہیں کرتا لیکن پوچھ لوں گا۔ محترمہ تنک چڑھی بھی بہت ہیں، کیا پتا جواب دیں یا نہیں، لیکن خیر۔" اس نے اچھی خاصی تسلی دے کر اسے رخصت کر دیا۔



سمیر سے زیادہ خود اسے تسلی کی ضرورت پڑنے والی ہے۔

ابا غصے کے تیز ہیں' وہ جانتا تھا۔ اس سے پرخاش رکھتے ہیں' جانتا تھا۔ بلا کے ضدی واقع ہوئے ہیں' یہ بھی جانتا تھا۔ لیکن اپنی ضد میں اتنا آگے تک جاسکتے ہیں' یہ ہرگز نہیں جانتا تھا۔

انہوں نے مہک کے ڈیڈی سے تقی کے بارے میں اپنے خیالات کا کھلم کھلا اظہار کیا تھا۔ نہ صرف یہ کہ اسے نالائق اور ناہنجار قرار دے کر اس کا رشتہ مہک سے طے کرنا اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی ٹھہرائی تھی بلکہ ان سے صاف صاف یہ بھی کہہ دیا تھا کہ "میں تقی کو گھر سے نکال چکا ہوں۔ اتنا کچھ جاننے کے باوجود اگر آپ اپنی بیٹی کی شادی اس سے کرنا چاہتے ہیں تو ہر چیز کے لیے ذمہ دار آپ خود ہی ہوں گے۔ کل کو تقی کی کسی نالائقی کی شکایت لے کر میرے پاس مت آیئے گا۔"

مہک نے اسے فون کرکے بتایا۔

"میں نے ڈیڈی کو تمہارے ابا کے بارے میں پہلے ہی بتا رکھا تھا کہ وہ ذرا سخت مزاج کے ہیں' لیکن سخت مزاجی اور چیز ہوتی ہے۔ اپنے ہی بیٹے کے خلاف الٹی سیدھی باتیں کرنا اور بات۔۔۔ معاف کرنا تقی! لیکن جس طرح وہ ہمارے گھر آکر تمہارے خلاف بول کر گئے ہیں' وہ مجھے سخت مزاج کم اور سنکی زیادہ لگے ہیں۔" مہک کی آواز اور لہجہ دھیما تھا۔

"تم ذرا اپنے لفظوں پر دھیان دو تو اچھا ہوگا۔" تقی نے تیز لہجے میں کہا۔ پھر وہ خاموش ہوگیا۔ ابا کی اس حرکت کے انکشاف نے اس کی ذہنی حالت کو عجیب سا کردیا۔ دماغ میں خون کی گردش کے ساتھ جیسے چیونٹیاں چلنے لگی تھیں۔

"ڈیڈی تمہاری طرف سے فکر مند ہوگئے ہیں۔" بہت دیر بعد مہک نے کہا۔ "ان کا خیال ہے' کوئی باپ کتنا بھی سخت مزاج کیوں نہ ہو لیکن بیٹے کی گارنٹی باپ سے زیادہ کوئی نہیں دے سکتا۔ اگر باقر لودھی صاحب تقی کے بارے میں کچھ کہہ رہے ہیں تو ہمیں اسے اگنور نہیں کرنا چاہیے۔ وہ تمہیں فون کریں گے ممکن ہے ملنے ہی آجائیں۔ انہیں اپنی باتوں سے مطمئن کردینا تقی۔ تقی! میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔"

اس کی آواز میں جو التجا تھی' اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تقی نے بوجھل دل کے ساتھ فون بند کردیا۔

"کیا ہوا؟" ساہر نے پوچھا۔ وہ اس کے پاس ہی بیٹھی تھی اور گفتگو کا یک طرفہ حصہ اس نے بھی سنا تھا۔

تقی کا دل بہت بوجھل ہو رہا تھا۔ اس نے ساری بات کہہ سنائی۔ وہ بھی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"ابا کو کیا ہوگیا ہے۔ کس بات کی دشمنی نکال رہے ہیں وہ۔"

تقی خاموش رہا۔ اسے تو خود نہیں پتا تھا' کس بات کی دشمنی نکال رہے ہیں وہ۔

"اچھا تم فکر مند مت ہو۔ مہک کے ڈیڈی کا فون آئے تو انہیں اپوائنٹ کرلینا۔ میں عمیر سے کہوں گی وہ خود ان سے بات کریں گے۔ مجھے یقین ہے مہک کے ڈیڈی عمیر کی بات سمجھ لیں گے۔" ساہر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔

تقی اس بار بھی خاموش رہا۔ جب انسان انتہا درجہ کی مایوسی کا شکار ہوتا ہے تو ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے جب اس کا دل اور دماغ بالکل خالی ہوجاتا ہے۔ اس کا بھی یہی حال ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

دو روز بعد اس کی حالت کافی بہتر ہوگئی۔ بغیر سہارے کے چل پھر سکتا تھا۔ (ہاں دل اور دماغ کی حالت ویسے کی ویسے ہی تھی۔)

انٹرویو کے لیے چلا گیا۔ سفارشی تھا' نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن اب ایسا بھی خالی برتن نہیں تھا کہ صرف سفارش کی بنیاد پر رکھ لیا جاتا۔ بہت اچھا انٹرویو ہوا اور اپائنٹمنٹ لیٹر ہاتھ میں لے کر وہ اٹھا۔

ابتدا پچیس ہزار بنیادی سیلری' ساتھ میں الاؤنسز اتنے پرکشش تھے کہ لطف آگیا۔ یہاں ترقی کے مواقع بھی زیادہ تھے۔ اس نے خوشی خوشی جوائننگ لیٹر سائن کردیا۔ اب اپنی شوٹنگز کے تف شیڈول کو اس نوکری کے ساتھ سیٹ کرنا تھا' وہ بھی ہو ہی جاتا۔

گھر پہنچا تو پتا چلا مہک کے ڈیڈی آئے بیٹھے تھے۔ عمیر اور ساہر نے ان کی تشفی کروائی۔ تقی کی طرف سے ہر طرح کی گارنٹی دی لیکن وہ بیٹی کے باپ تھے جاتے جاتے بھی ایسا لگا' ان کے دل میں کوئی گرہ ابھی باقی ہے' لیکن یہ صرف اندازہ ہی تھا' وہ جاتے ہوئے تقی سے اچھی طرح مل کر رخصت ہوئے تھے۔ نوکری ملنے پر مبارک بھی دی۔ جانے کے بعد مہک نے بھی فون پر اسے تسلی دی۔

"ڈیڈی خاصے مطمئن ہوئے ہیں لیکن اب تمہارے اوپر چیک ضرور رکھیں گے۔" وہ خوش تو تھی لیکن اس نے کہا۔

"انہیں رکھنا بھی چاہیے کیونکہ میں اشتہاری جو ہوں۔ ایک مقامی تھانے میں میری اتنی بڑی تصویر جو لگی ہے۔" اس نے جل کر فون ہی بند کردیا۔

لیکن آج کا دن ایک اچھا اور اطمینان بخش دن تھا۔ اپنے نوکری ملنے کی خوشی میں ساہر نے اسپیشل کھانا بنایا تھا۔ تقی نے روز کی طرح کمرے میں کھانا کھانے کے بجائے ڈائننگ ٹیبل پر سب کے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ شفا نے بھوک نہ ہونے کا کہہ کر میز پر آنے سے انکار کردیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بظاہر سب کچھ ٹھیک ہونے لگا۔ اس کی نوکری' ماڈلنگ کا شوق۔ ایک بڑے بجٹ کے ڈرامے میں بطور ماڈل ایکٹر بھی کاسٹ کرلیا گیا۔ دو چار کمرشلز اور اتنی ہی تعداد میں میوزک ویڈیوز۔

آفرز بڑھ رہی تھیں' لیکن اس نے کم ہی کام لیا۔ گھر پر وہ کسی سے بات کم کرتا تھا۔ ابا کو فون کرکے امی سے بات کی تھی۔ وہ سب جانتے تھے وہ ساہر کے یہاں رہ رہا ہے۔ شاید اندر ہی اندر ابا بھی واقف ہوں لیکن جری نے بتایا وہ حد سے زیادہ خاموش رہنے لگے تھے۔ پہلے دن کے تیئیس گھنٹے غصے میں گزارتے تھے اب دورانیہ بڑھ کر ساڑھے تیئیس گھنٹے ہوگیا تھا۔

تقی نے خود کو باور کروایا کہ اسے ابا کی پروا نہیں ہے۔

"اگلا کمرشل سائن کرتے ہوئے میں ایڈوانس پے منٹ لینے والا ہوں۔ کرائے کے کسی اچھے اپارٹمنٹ کی ٹوکن منی تو ہوجائے گی پھر میں آپ کو اپنے ساتھ لے آؤں گا۔" وہ فون پر امی سے کہتا۔ امی گہری سانس بھر کر رہ جاتیں۔ بھلا یہ کسی دور میں ہوا ہے کہ شوہر زندہ سلامت ہو اور عورت اس کے گھر کو لات مار کر بیٹے کے گھر جا کر رہے لیکن تقی ابھی غصے میں تھا' اسے یہ بات سمجھائی نہیں جاسکتی تھی۔

وہ اچھے بچوں کی طرح آفس جاتا۔ کوشش کرتا شوٹنگ کی وجہ سے رات کو لیٹ نہ ہو۔ ایسا ہوتا تو کہیں باہر ہی رہ لیتا۔ بہن پر بوجھ نہ ہو' اس لیے اکثر کھانا بھی باہر ہی کھالیتا' پھر عمیر نے سمجھایا۔

"پیسہ بچاؤ۔ آنے والے دنوں میں تمہیں اس کی ضرورت پڑے گی۔" بات معقول تھی۔ اس کی سمجھ میں آگئی۔ اب نہ باہر رہتا نہ کھانا کھاتا۔ ہاں ایک معقول رقم زبردستی اس نے ساہر کے ہاتھ پر رکھ دی تھی۔

ایک روز لیٹ واپس آیا تو شفا نے دروازہ کھولا۔ اسے شرمندگی ہوئی۔ اگلے روز پھر یہی ہوا۔

"کوئی تمہارا نوکر نہیں ہے کہ اتنی دیر تک انتظار میں جاگے اور نہ ہی یہ کوئی ہوٹل ہے کہ جب دل چاہا چلے گئے جب دل چاہا آگئے۔ شریف لوگوں کی طرح ٹھیک وقت پر گھر آیا کرو۔" شفا نے اسے کھڑے کھڑے ڈانٹ دیا۔ چھ فٹ کے تقی کی ہنسی ہوگئی لیکن اسی وقت شفا کے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ شفا کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے سٹپٹا کر کال کاٹ دی۔

"تو اس لیے جاگ رہی تھیں تم۔ میرے سر پہ مفت کا احسان۔۔۔ ہنہہ۔۔۔"

وہ کہہ کر آگیا اور کمرے میں آکر خوب ہنسا۔ اس لڑکی میں کچھ ایسا تھا کہ اسے چڑا کر مزہ آتا تھا۔
اگلی صبح اس نے ساہر سے کہا کہ اگلی بار دروازہ خود کھولے۔
"شفا رات کو پڑھتی ہے تو اس نے خود کہا تھا' دروازہ کھول دے گی۔" ساہر نے بتایا لیکن تقی دل میں بہن کے سیدھے پن پر ہنسا۔ وہ جانتی ہی نہیں تھی کہ شفا راتوں کو فون سننے کے لیے جاگتی ہے۔ خیر اسے کیا۔ بات آئی گئی ہو گئی۔
کچھ روز بعد وہ رات کو پھر پانی پینے کے لیے اٹھا تو شفا فون ہاتھ میں پکڑے رو رہی تھی۔
"ان آنسوؤں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔" فریج سے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے اس نے آہستگی سے کہا۔ اس کی آواز نیند سے بوجھل تھی۔
"میں نے اپنی زندگی میں پانچ چھ بڑے دھانسو قسم کے عشق کیے ہیں اور ہر عشق میں ناکام ہو کر میں اسی طرح رویا کرتا تھا جس طرح اس وقت تم رو رہی ہو لیکن میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں جو تعلق زندگی کا آزار بن جائے اسے ختم ہی کر دینا چاہیے۔ تم بھی یہی کرو اور یہ مشورہ مفت ہے اس کے لیے شکریہ مت کہنا۔" مکمل ادائے بے نیازی سے حلق میں پانی کی دھار انڈیلتے ہوئے فرمایا گیا۔
"اپنے مفت کے مشورے سنبھال کر رکھو۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے تقی کو گھورا۔ اور تن فن کرتی باہر نکل گئی۔ پیچھے تقی حیران۔
"ایک مشورہ ہی دیا تھا' اس میں اتنا برا ماننے کی کیا بات ہے۔" اس نے منہ بنا کر سوچا پھر فریج میں کوئی کھانے کی چیز تلاش کرنے لگا۔



سمیر کے آفس میں کچھ لوگ انٹرن شپ کے لیے آئے۔ ان میں ایک ثمر بھی تھی گو کہ ان دونوں کا آمنا سامنا نہیں ہوتا تھا لیکن ٹاکرا ہو ہی رہتا۔ ثمر نے سوچا اسے کسی اور ادارے میں چلے جانا چاہیے لیکن وہ کیوں جاتی۔ اس طرح راستہ بدل کر چلنے کا مطلب تو یہ ہوتا کہ وہ ڈر گئی یا گھبرا گئی اور ڈرنا بھی اس کی جوتی۔
وہ ڈٹ گئی۔ بار بار دونوں کا سامنا ہوتا۔ کبھی لفٹ میں کبھی پارکنگ میں۔ کبھی کینٹین میں تو کبھی آؤٹ روم میں۔
سمیر تو اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتا۔ دیکھتی ثمر بھی نہیں تھی بس گھورتی تھی جیسے نظروں سے ہی قتل کر دینا چاہتی ہو۔ سمیر کے دل میں شرم ساری تھی اس نے ہمت کر کے بات بھی کرنا چاہی تو ثمر نے ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ وہ گال ہی سہلاتا رہا۔ پھر جب برداشت سے باہر ہوا تو تقی سے رجوع کرنے کا سوچا۔ وہ استادوں کا استاد تھا۔ سارے شیطانی ٹوٹکے اسی کے دماغ سے نکلتے تھے۔
پھر ایک اور بات بھی تھی' جو وہ اسے بتانا چاہتا تھا لیکن تقی کے پاس اب اتنا ٹائم ہی نہیں ہوتا تھا کہ سکون سے بیٹھ کر سن لے اور ویسے بھی لودھی صاحب کے گھر کا اور حساب تھا' جب دل چاہا منہ اٹھا کر پہنچ گئے۔ یہ بہن کا گھر تھا' احتیاط لازم تھی۔ سو اس نے فون پر کہہ سنایا۔
"شفا کی تصویر روحیل کے موبائل فون میں کیا کر رہی تھی؟" تقی تو سن کر حیران رہ گیا اور سوال داغ دیا جو کہ بڑا ہی بونگا تھا اور سمیر حسب توقع چڑ بھی گیا۔
"اب مجھے یہ تو نہیں پتا کہ کیا کر رہی تھی۔ مجھے صرف یہ پتا ہے کہ روحیل نے مجھے اس کی تصویر دکھائی تھی۔ وہ کچھ غلط قسم کی باتیں بھی کر رہا تھا۔ وہ جس ماحول میں رہا ہے وہاں ایسی باتیں بری نہیں ہوں گی لیکن مجھے لگیں۔ یوز کر کے چھوڑ دے گا۔ اس کے نزدیک تو عورت اور ٹشو میں زیادہ فرق ہی نہیں ہے۔ تم اس لڑکی کے لیے کچھ کرو تقی!"
"تو۔۔۔ میں کیا کروں؟ ان لڑکیوں کو جب اپنی عزت کی پروا نہیں ہوتی تو کوئی کیوں ان کی عزت کرے۔" اس نے صاف ہی کہہ دیا۔
"اچھا اس کے لیے نہیں کر سکتے تو میرے لیے

کرو۔" اس نے اصل مدعا بیان کیا۔

"تمہاری عزت کو بھی کسی سے خطرہ ہے؟"

"نہیں عزت کو نہیں' محبت کو خطرہ ہے اور خطرہ بھی اسی سے ہے' جس کے نام پر دل دھڑکتا ہے۔"

"معاف کرو' اس معاملے تو اب میں کچھ نہیں کرسکتا۔ تم نے وہ تباہی مچائی ہے کہ بس۔" تقی نے صاف ہی کہہ دیا۔

"تقی۔۔۔" وہ بس رو دینے کو تھا۔

"اچھا ایسا کرو اپنے ابو سے بات کرو۔ ان کو ساری بات بتادو۔"

"تاکہ میرا بھی وہی حشر ہو جو تمہارا ہوا ہے۔"

"تمیز منہ۔۔۔ اب کوئی مشورہ مانگنا مجھ سے۔" تقی نے آگ بگولہ ہو کر فون ہی بند کردیا۔

ساری رات میں اس نے کئی بار شفا کے بارے میں سوچا۔ شکل سے معصوم لگتی تھی' تب ہی روحیل جیسے بندے کے چکرے میں آگئی۔ اس نے ساری رات سوچا اور صبح ساہر کو انتہائی مناسب لفظوں میں بتادیا۔

"میں اس سارے جھمیلے میں پڑنا نہیں چاہتا لیکن عمیر بھائی کے اتنے احسانات ہیں میرے سر پر کہ میں خود کو انوالو کرنے سے روک نہیں سکا۔ جو بات تھی میں نے تمہیں بتادی۔ اب تم جیسے مناسب سمجھو ان کو بتادو۔ اچھا ہے وہ اپنی بہن کو سمجھائیں۔"

"تم اس سارے چکر سے دور ہی رہو تو اچھا ہوگا۔" ساہر نے سنجیدگی سے کہا۔

"جو بات تم مجھے اب بتا رہے ہو۔ وہ میں پہلے سے ہی جانتی ہوں لیکن شفا ایسی لڑکی نہیں ہے' جو کسی کی بات سمجھ لے۔ الٹا وہ ایک قیامت اٹھا دے گی۔ تم' میں بڑے آرام سے گھسیٹے جائیں گے اور میں عمیر کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں چاہتی۔"

"لیکن ساہر!" تقی نے کہنا چاہا۔

"بس رہنے دیں۔ دوبارہ کبھی روتی ہوئی نظر آئے تو تسلی دینے مت کھڑے ہو جانا۔ ایسی لڑکی کا کیا بھروسا۔۔۔ کل کو پتا چلے تم پر ہی ڈورے ڈال رہی ہے۔" وہ شفا کے معاملے میں حد سے زیادہ بدگمان ہو چکی تھی' اس نے ثابت کیا۔

تقی کے دل میں سوال تھے لیکن ساہر کی تنبیہہ نے سوالوں کا گلا گھونٹ دیا۔ اس نے سوچا' وہ واقعی اس معاملے سے دور رہے گا۔ پرائی آگ میں کود کر خود کو بھی جھلسانے کا کیا فائدہ۔ لیکن آنے والے دنوں میں اس نے کئی بار شفا کو بات کرتے دیکھا تھا۔ دوسری جانب ساہر بھی وقتاً" فوقتاً" شفا سے متعلق کچھ نہ کچھ اس کے کان میں ڈالتی رہتی تھی۔ وہ چپ چاپ سن لیتا۔ اسے کیا ضرورت تھی کہ شفا کے کردار کو جانچتا یا اس کے بارے میں کوئی اندازے لگاتا۔ ہاں لیکن ساہر کی باتیں کبھی کبھار اسے عجیب لگتیں۔ بظاہر ٹھیک لگتی باتوں کو بھی وہ کچھ اس طرح اسے بتاتی کہ وہ قابل اعتراض لگنے لگتیں جبکہ محض ایک فون والی بات کو چھوڑ کر اس نے شفا میں ایسی کوئی بات نوٹ نہیں کی تھی' جو اسے ضدی' ہٹ دھرم یا بے راہ رو ثابت کرتیں۔

کہیں نہ کہیں تو کوئی ایسی بات تھی' جو ساہر کے منہ سے شفا کی برائی سن کر اسے محسوس ہوتی تھی۔ لیکن وہ کیا بات تھی؟ اس کا فیصلہ تب ممکن ہوتا جب وہ اس پر دھیان دیتا۔ اس کے نزدیک یہ زندگی کا ایک عام سا معاملہ تھا اور سب سے بڑی بات خود اس کا تو معاملہ بھی نہیں تھا۔ اس لیے اس نے آنکھیں ہی بند کرلیں۔ کان بند کرنا مشکل تھا کہ ساہر کو شفا کے خلاف بولنے کا بہت ہی شوق تھا۔

"او بس کرو بھئی۔ یقین مانو ساہر! عورت سب سے زیادہ ذکر اپنے بچوں کا کرتی ہے' لیکن تمہارے منہ سے میں نے اتنا ذکر تمہارے بچوں کا نہیں سنا جتنا اس شفا کا سن چکا ہوں اور ایک بات میری دھیان سے سن لو۔ میرا تمہاری نند پر عاشق ہونے کا کوئی پلان نہیں ہے۔ اس لیے تم بار بار یہ بتا کر "وہ کیا کرسکتی ہے اور کیا نہیں کرتی" مجھے اس سے متنفر کرنے کی کوشش مت کرو۔ [illegible]"

ساہر خفیف سی ہوگئی۔ وہ بدتمیزی کی حد تک منہ پھٹ تھا۔ وہ جانتی تھی۔ لیکن بات یوں منہ پر ہی مار دے

چانس کا امکان نہیں رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ٹھیک ہے جو ہونا تھا' وہ تو ہو چکا۔ اب تم ہی آکر معافی مانگ لو۔" فون پر بات کرتے ہوئے امی نے لجاجت سے کہا۔ ان کی بات سن کر تقی کو سخت صدمہ پہنچا۔

"آپ بھی یہی چاہتی ہیں کہ میں معافی مانگوں؟ کل رضی سے بات ہوئی۔ وہ بھی یہی کہہ رہا تھا۔ آپ بھی یہی کہہ رہی ہیں۔ کم سے کم آپ لوگ مجھے یہ تو بتائیں۔ میں نے کیا کیا ہے؟ کسی کا قتل کرکے بھاگ گیا تھا۔ ہیروئن اسمگل کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا' جو ابا نے اتنی بری طرح مارا۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ ان کے منہ سے خود کو نالائق' ناہنجار ہی سن رہا ہوں۔ وہ یہ بات برملا سب کے سامنے بھی کہا کرتے تھے' لیکن سب کے سامنے مجھے مار کر انہوں نے ثابت کردیا۔ ان کے دل میں میرے لیے کتنی نفرت ہے۔"

"نفرت نہ کہو تقی! بس وقتی غصہ۔۔۔" امی نے تڑپ کر کہنا چاہا' اس نے ٹوک دیا۔

"بس کریں امی! اب تو پردے ڈالنا چھوڑ ہی دیں۔" وہ حد سے زیادہ دل برداشتہ تھا۔

"حکم عدولی کو ابا گناہ ٹھہرائیں تو ٹھہرائیں اپنی پسند کا پروفیشن جوائن کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ شوبز کے ساتھ ابا کو میں قبول نہیں ہوں اور میں شوبز کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر ابا مجھے گھر سے نکال کر خوش ہیں تو ایسے ہی سہی۔ میں اپنے گھر کا بندوبست کرلوں گا اور آپ کو بھی لے آؤں گا۔" اس نے اپنے ارادے کا اعادہ [illegible]

"لیکن ابھی تو آپ آکر مجھ سے مل جائیں۔ بہت مس کر رہا ہوں میں آپ کو۔" پھر کچھ خیال آنے پر [illegible] ملنے ساہر سے [illegible] ملاقات ہو جائے [illegible] ایسے آپ عمیر بھائی کی وجہ سے تو نہیں [illegible] رہیں؟ یقین کریں امی! وہ بہت اچھے ہیں' آپ ان سے مل کر خوش ہوں گی۔"

"ظاہر ہے تھوڑی جھجک تو مجھے اس کی وجہ سے بھی ہے۔ داماد ہے ہمارا' لیکن کبھی دامادوں والا سلوک کیا نہیں۔ لیکن خیر تمہاری چچی بھی اس کی بہت تعریف کرتی ہیں۔ میں سنتی ہوں تو سینے میں ٹھنڈ سی پڑ جاتی ہے کہ اس نے ہماری ساہر کو خوش رکھا ہوا ہے۔"

"پھر آپ کب آئیں گی؟" اس نے جلدی سے پوچھا۔

"میں وعدہ نہیں کرتی' لیکن آنے کی کوشش کروں گی۔ اپنے ابا کو جانتے ہو نا۔" امی نے بے چارگی سے کہا تھا۔ تقی کی آس ٹوٹ گئی۔ اس نے کچھ اور باتیں کرکے فون بند کردیا۔ ڈیڑھ ماہ ہوگیا تھا۔ اسے گھر سے نکالے ہوئے اور امی کے بغیر وہ سب سے زیادہ اداس ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

امی نے فون بند ہوتے ہی رضی کو پکڑا دیا۔ رضی نے دیکھا۔ ان کا چہرہ ضبط سے سرخ اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ چپک کر ان سے بیٹھ گیا۔

"کیوں روتی ہیں؟ میں نہیں ہوں آپ کا بیٹا۔" لاڈ سے کہا۔

"میں نے ڈیڑھ ماہ سے اس کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ میں کہتی نہیں ہوں' لیکن سچ تو یہ ہے کہ میرا تقی کے بغیر بالکل دل نہیں لگتا۔" وہ منہ پر دوپٹا رکھ کر ہچکوں ہچکوں رونے لگیں۔ رضی نے انہیں رو لینے دیا کہ ایک ہی بار دل کا غبار نکال لیں۔ پھر جب وہ کافی دیر رو چکیں تو اس نے ان کے کندھوں کے گرد بازو پھیلا لیا۔

"آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ تقی کا غصہ اتر جائے گا تو وہ خود ہی واپس آجائے گا۔"

"[illegible] آئے گا۔ [illegible] کہہ رہا ہے۔" انہوں نے بے چارگی سے کہا۔

"ایسا سلوک تو کسی بچے کے ساتھ کرو' وہ بھی برا

مان جاتا ہے۔ تقی تو پھر جوان ہو گیا ہے۔"
"تو پھر اس سے کہو آئے اور مجھے قتل کر دے۔"
عقب سے ابھرتی لودھی صاحب کی آواز ان دونوں کو دہلا گئی تھی۔ وہ کب آکر پیچھے کھڑے ہوئے اور ان کی باتیں سنتے رہے۔ ان کو پتا ہی نہیں چلا۔
"جب میں نے منع کیا تھا۔ کوئی اس نالائق سے رابطہ نہیں رکھے گا تو تم نے اس سے بات کیوں کی۔"
"آپ کے سینے میں تو پتھر لگا ہے۔ لیکن میں ماں ہوں' کب تک اس سے دور رہ سکتی ہوں۔ ابھی بھی صرف آپ کی وجہ سے فون پر بات کی' ورنہ خواہش تو یہی ہے کہ اس سے جا کر ملوں۔" امی نے دبی آواز میں خاصی خفگی سے کہہ دیا۔
"جس کا دل چاہے اس سے جا کر ملے' لیکن یہ یاد رکھے پھر اس کا مجھ سے ہر رشتہ ختم ہو جائے گا۔ یا۔۔۔ یا میں خودکشی کر لوں گا۔" ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔
"ابا! یہ کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں آپ؟" رضی نے دہل کر کہا۔ امی تو کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہی تھیں۔
"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اب فیصلہ بھی تم لوگوں کے ہاتھ ہے۔ چاہے تو اسے چھوڑ دو یا مجھے۔" وہ زور سے پاؤں پٹختے ہوئے چلے گئے۔ امی کے پاس کوئی اور راستہ نہ تھا۔ وہ پھر سے رونے لگیں۔

☼ ☼ ☼

ساہر اس بار کوئی کمی چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے اس نے پتنگ کو ہوا کے سپرد کرنے کے باوجود اس پر پوری نظر رکھی ہوئی تھی۔
روحیل اور شفا کو قریب آنے کا موقع اس نے خود فراہم کیا تھا۔ یا یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ مواقعوں کی راہ اس نے خود ہموار کی تھی۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ ان دونوں کی طرف سے وہ چوک جاتی۔
"تمہارا دماغ خراب ہے جو یہ سوچ رہی ہو کہ شفا مجھ سے ملنے پر آمادہ ہو گی۔۔۔ وہ تو مجھ سے بات بھی نہیں کرتی' ملاقات خاک کرے گی۔" روحیل شفا کے طرز عمل سے کچھ زیادہ ہی جلا ہوا تھا۔
ساہر اس کی بات سن کر حیران رہ گئی۔
"تم سے بات نہیں کرتی؟ لیکن وہ تو رات کو اکثر فون پر بات کر رہی ہوتی ہے۔"
"میں نے کئی بار اسے کال کی ہے۔ وہ بات نہیں کرتی' میں زبردستی کرتا ہوں۔ وہ دراصل خود کو کوئی اونچی چیز سمجھتی ہے۔ چند روز بعد ہی اس نے کہا تو اس طرح کی دوستی کو ٹھیک نہیں سمجھتی' اس لیے دوبارہ مجھ سے بات بھی نہیں کرے گی۔۔۔ بلڈی بچ۔ اس نے مجھے انکار کیا۔۔۔ روحیل حیات کو۔" اس کا غصے سے برا حال تھا۔ "وہ سمجھتی کیا ہے خود کو' اس جیسی کئی میرے آگے پیچھے پھرتی ہیں۔"
"روحیل! تم اتنا غصہ مت کرو۔" ساہر نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔ وہ جذباتی آدمی تھا۔ غصے میں کچھ کر بیٹھتا تو نقصان میں ساہر کا بھی حصہ رکھتا۔ ساہر نے اس سے پہلے خود دوستی کی تھی۔ پھر اسے شفا سے دوستی پر آمادہ کیا تھا اور مرد کی دوستی نقصان دہ ہو سکتی ہے' وہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھی۔ اس کے باوجود دوستی' دوستی کے اس کھیل میں تکلف کی کچھ دیواریں اسے بھی گرانا پڑی تھیں۔ غیر مرد فائدہ پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی پہلی ترجیح فائدہ اٹھانے کی ہوتی ہے۔ وہ اپنی ترجیحات کو ہمیشہ پہلے نمبر پر رکھتا ہے۔
"کیسے غصہ نہ کروں۔ اس نے میری بہت انسلٹ کی ہے اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تم نے مجھے اس سے دوستی کرنے کے لیے کہا تھا۔ ورنہ وہ تو میرے پاسنگ بھی نہیں ہے۔ ڈھیٹ اتنی ہے کہ میں نے اسے بتایا' میرے پاس اس کی تصویریں بھی ہیں جنہیں واپس لینے کے لیے اسے مجھ سے ملنے آنا ہو گا۔ مگر وہ اپنی ضد کی اتنی پکی ہے کہ مجال ہے جو میری بات مان رہی ہو۔ میں لعنت بھیجتا ہوں ایسی لڑکیوں پر جن میں اتنی اکڑ ہو۔"
"روحیل! میری بات سنو۔"
"اب تم میری بات سنو۔ تم نے شفا کی جو تصویریں مجھے دی تھیں۔ میں انہیں اپنی تصویروں کے ساتھ فوٹو شاپ کر کے تمہارے شوہر کو فارورڈ کر رہا ہوں۔"
ساہر کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔ چند لمحے سوچا' پھر اس نے کہا۔
"میں نے تمہیں شفا کی جو تصویریں دی تھیں' تمہارا جو دل چاہے ان کے ساتھ کرو' مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ تم شفا کا حشر خراب کرتے ہو یا اس کی تصویروں کا۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں' وہ دوبارہ بھی میرے سامنے کھڑی نہ ہو سکے۔ عمیر کی نظروں میں اتنی خوار ہو جائے کہ دوبارہ بھی مجھ سے نظر ملا کر بات کرنے کی ہمت ہی نہ کرے۔"
اس نے زہریلے لہجے میں کہا تھا اور ایسا کہتے ہوئے اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تقی پیچھے کھڑا اس کی باتیں سن رہا ہو گا۔

☼ ☼ ☼

تقی نے ساہر کو بات کرتے ہوئے پلٹتے دیکھا۔ تقی پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔
"روحیل! میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں۔" اس نے آہستہ آواز میں کہہ کر فون بند کر دیا۔
"او تقی! تم کب آئے؟ گیٹ کس نے کھولا؟ مجھے تو پتا ہی نہیں چلا۔ اچھا اب آ گئے ہو تو کچھ دیر بعد ہادیہ کو جھولوں پر لے جانا۔ بہت دیر سے تمہارا پوچھ رہی ہے۔ کچھ کھاؤ گے؟ تم کھڑے کیوں ہو' بیٹھ جاؤ نا۔ میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔" جملوں کی بنت' اس کی گھبراہٹ اور وہاں سے غائب ہو جانے کی خواہش جیسے سب کچھ اس کے چہرے پر لکھا تھا۔
"روحیل حیات۔۔۔ دشمہ حیات کا بھائی۔۔۔ اور سمیر کا کزن۔۔۔ روحیل۔" ساہر کو بغور دیکھتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولا تو وہ جیسے کرسی سے کرنٹ کھا کر اٹھا رہا تھا۔
"تقی۔ چائے کے ساتھ کچھ کھاؤ گے؟" وہ جلد از جلد اس کے سامنے سے ہٹ جانا چاہتی تھی۔ کیونکہ تقی کی کھوجتی نظروں سے اسے سخت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔
"یہ کیا بات ہو رہی تھی؟ تم نے شفا کی تصویریں روحیل کو دی ہیں؟"
"یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے تقی! تم اس سے دور رہو۔" گھبراہٹ اور اپنی چوری پکڑے جانے کا خیال ایک ساتھ اس پر وارد ہوا تھا' وہ خود کو نرم رویہ اپنانے پر مجبور نہیں کر سکی۔
"ہاں۔ یہ میرا معاملہ نہیں ہے۔ لیکن تم میری بہن ہو اور تمہارا ہر معاملہ ان ڈائریکٹلی میرا بھی ہے اور میں اپنی بہن کو کھائی میں چھلانگ لگاتے نہیں دیکھ سکتا۔" تقی نے اس سے زیادہ تیز اور سخت لہجے میں کہا تھا۔ بے شک وہ اس سے عمر میں کچھ چھوٹا تھا' لیکن بھائی چھوٹے یا بڑے نہیں ہوتے' وہ صرف بھائی ہوتے ہیں' ان کا ایک رعب دبدبہ ہوتا ہے۔
"تقی! بے وجہ بات کو مت بڑھاؤ۔" ساہر نے تحمل لیکن لاتعلقی سے کہا تھا۔ "میرا خیال تھا' تمہیں تھوڑے مینرز آتے ہوں گے۔ اتنا تو پتا ہو گا کہ چھپ کر کسی کی باتیں نہیں سننا چاہئیں۔ لیکن اب کچھ سن ہی

چکے ہو تو خود کو تھوڑا تو تہذیب یافتہ ثابت کرو اور انکوائری مت کرو' یہ میرا معاملہ ہے اور اپنے معاملات کو میں اکیلی زیادہ اچھے طریقے سے سنبھال سکتی ہوں۔"

"تمہارے ڈائیلاگز پورے ہوگئے۔ اب چپ چاپ یہاں بیٹھو اور مجھے پوری بات بتاؤ۔" تقی نے جیسے اس کی کسی بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی تھی۔

"میں تمہاری ہر بات کا جواب دے چکی ہوں۔ اب میرا دماغ مت کھاؤ۔" وہ ایک بار پھر وہاں سے جانے لگی۔

"اگر تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گی تو میں عمیر بھائی کو بتادوں گا کہ میں نے تمہیں یہ ساری بات کرتے سنا ہے۔ تم سوچ لو' پھر تمہارا کیا حشر ہوگا۔" ساہر ہکا بکا رہ گئی۔

"میں انکار کردوں گی۔ عمیر کبھی تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔"

"وہ یقین کریں گے۔ جب تمہارا اپنا بھائی ایسی بات کہے گا تو وہ ضرور یقین کریں گے اور جو تم کرنے جارہی ہو' اس کے بعد عمیر بھائی کو یقین ہوجائے گا کہ تم سے محبت ان کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔" اس نے سرعت سے کہا تھا۔

"تمہیں ہوا کیا ہے ساہر! تم شفا کا مت سوچو' عمیر بھائی کا تو سوچو۔ ابھی کتنے یقین سے تم نے کہا کہ عمیر بھائی میری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ ذرا سوچو' جب انہیں پتا چلے گا کہ ان کی بہن کی زندگی اس عورت نے برباد کی جس سے وہ اتنی محبت کرتے ہیں تو ان پر کیا گزرے گی۔ مجھے نہیں پتا' تم ایسا کیوں کررہی ہو۔ مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ جب کسی سے بدلہ لیا جاتا ہے تو ایک انسان سے نہیں لیا جاتا۔ اس بدلے کی آگ ارد گرد والوں کو بھی جلادیتی ہے۔"

"مجھے یہ کتابی باتیں مت سناؤ تقی! شفا کی وجہ سے میں جس ذہنی عذاب سے گزری ہوں' اسے صرف میں جانتی ہوں۔" ساہر نے ہسٹیرک ہو کر کہا تھا۔ "میری زندگی کا سب سے خوب صورت وقت وہ کھا گئی' صرف اس کی وجہ سے عمیر کی نظروں میں میں نے نفرت دیکھی۔ تمہیں پتا ہے' جس سے آپ محبت کریں' اس کی نفرت سہنا کیسا ہوتا ہے؟"

"میں مانتا ہوں' تم نے یہ سب مجھے کئی بار بتایا ہے لیکن یہ سب چھوٹی باتیں ہیں' انہیں بھلایا جاسکتا ہے۔ اب تو تمہاری زندگی پرسکون ہے۔ ایک گھر ہے۔ پیارے پیارے بچے ہیں۔ جان نچھاور کرنے والا شوہر ہے۔" وہ اسے وہ سب چیزیں گنوا رہا تھا۔ جن کے لیے ایک انسان اور سب سے بڑھ کر ایک عورت سمجھوتا کرسکتی ہے۔

"وہ چھوٹی باتیں نہیں تھیں تقی! تم صرف دور بیٹھ کر تبصرہ کرنے والوں میں سے ہو' تم اندازہ بھی نہیں کرسکتے۔ میں کتنے ذہنی کرب سے گزر رہی ہوں۔"

"پرانی باتیں یاد کرکے کب تک اپنا دل جلاتی رہوگی؟ تمہیں پتا ہے تم نے اپنے دل اور دماغ میں ایک بھٹی بنا رکھی ہے۔ جیسے ہی اس بھٹی کی آگ ذرا مدھم پڑنے لگتی ہے۔ تم پرانی باتیں یاد کرکے اس آگ کو تیز کردیتی ہو۔ مجھے ڈر ہے تو صرف اتنا کہ یہ آگ تمہارا اپنا آپ نہ جلادے۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔ کم از کم اس بار ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گی میں۔ جو میری پلاننگ خراب کردے۔ میں نے کئی کوششیں کیں۔ ہر بار کسی نہ کسی طرح شفا بچ نکلتی ہے۔ لیکن اس بار نہیں۔ اس بار میں اسے عمیر کے سامنے خوار کرکے رہوں گی۔"

"ساہر! پاگل پن کی باتیں مت کرو۔ ورنہ تم نقصان اٹھاؤ گی۔ زندگی حالت جنگ میں گزاروگی تو آخر میں جیتنے کے باوجود نقصان تو اٹھانا ہی پڑے گا۔ کبھی دیکھا ہے' کسی فوج نے فتح حاصل کی ہو اور اس کا ایک فوجی بھی نہ مارا گیا ہو۔"

"میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی' میں نے پہلے بھی کہا' یہ میرا معاملہ ہے' اسے میں سنبھال لوں گی۔" اس نے خاصے مغرور لہجے میں کہا تھا۔

"یہ مت کرو ساہر!" تقی نے رسان سے کہا تھا۔ "جو تم کرنے والی ہو اس کا خیال دل سے نکال دو۔ شفا کو برباد کرنے کے شوق میں تم خود کو برباد کرلوگی۔ اپنے پیر زخمی کرکے کیا کروگی۔ پھر ایسا ہوگا کہ کوئی تمہیں سہارا دے کر چلانے والا بھی نہیں رہے گا۔"

"بے فکر رہو۔ میں سہارے کی آس میں تمہارے پاس نہیں آؤں گی۔" اس نے سپاٹ انداز میں کہا تھا۔ تقی کے دل کو بری طرح ٹھیس لگی۔

"تمہیں لگتا ہے میں تمہیں اس لیے سمجھا رہا ہوں؟"

"جس لیے بھی سمجھا رہے ہو' لیکن اس معاملے سے دور رہو تو اچھا ہوگا۔" اس نے بات ختم کی اور کمرے سے نکل گئی۔ وہ چلی گئی تھی۔ لیکن جاتے جاتے تقی کے پاس سوچنے کے لیے بہت کچھ چھوڑ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح وہ کچن میں آئی تو تقی کچن ٹیبل پر بیٹھا جلدی جلدی چائے پی رہا تھا۔

"آہستہ پیو۔ حلق میں پھندا لگ جائے گا۔" وہ برنر کے پاس آکر اس کے لیے ناشتا بنانے لگی۔

"اتنی کیا جلدی ہے' میں ناشتا بنا رہی ہوں تمہارے لیے۔" تقی پر اثر نہ ہوتا دیکھ کر اس نے کہا۔

"میرے لیے مت بناؤ' میں چائے پی چکا ہوں۔" اس نے کہا اور واش بیسن کے پاس آکر اپنا مگ دھونے لگا۔ اس کے انداز سے پچھلی شام کی بحث کی ناراضی جھلکتی تھی۔

"چھوڑ دو میں کرلوں گی۔" اس نے کہا۔ تقی نے اس کی بات نہیں سنی۔

"اچھا شام کو تمہارے لیے کیا بناؤں؟" اس نے جلدی سے بات برائے بات پوچھا۔

"کچھ مت بنانا' میں باہر سے کھاؤں گا۔ میں جتنے بھی دن یہاں ہوں کھانا باہر سے ہی کھاؤں گا۔ اپنے کاموں کے لیے میں تمہیں زحمت نہیں دینا چاہتا اور ہاں' آج ہی میں آفس میں کسی اپارٹمنٹ کے لیے درخواست دے رہا ہوں۔ جلد ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔" وہ مگ جھاڑ کر ریک میں رکھتے ہوئے بولا۔

"لیکن کیوں؟" ساہر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کیونکہ میں تمہیں اپنی زندگی برباد کرتے نہیں دیکھ سکتا۔" اس نے کہا۔

"تقی! میری زندگی کو کچھ نہیں ہوگا۔" اس نے تحمل سے کہا۔ بھائی سے جھگڑا اسے منظور نہیں تھا۔

"کل کچھ باتیں سمجھائی تھیں تمہیں۔ میرا خیال تھا' تم نے کچھ تو سمجھا ہی ہوگا۔ لیکن کچھ لوگوں کو سنبھلنے کے لیے ٹھوکر کی ضرورت ہوتی ہے اور تم ان میں سے ایک ہو۔ میں یہاں سے جاؤں گا تو عمیر بھائی کو حقیقت بتا کر جاؤں گا۔"

"پھر میری مری ہوئی شکل دیکھنا۔" ساہر نے تیز لہجے میں کہا تھا۔ تقی نے مڑ کر اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا اور کچن سے باہر نکل گیا۔

ساہر رات بھر خود کو تقی سے مصالحت پر آمادہ کرتی رہی تھی اور صبح سویرے اس کی غلط فہمی دھری کی دھری رہ گئی تھی کہ وہ اسے قائل کرلے گی۔ تقی نرم دماغ تھا۔ اب اس معاملے کو لے کر اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ کیا کر بیٹھتا۔ ساہر کو جو بھی کرنا تھا' جلدی کرنا تھا اور وہ فیصلہ کرچکی تھی۔ اس معاملے کو کیسے سنبھالنا ہے۔ رد جیل نہ سہی کوئی اور سہی۔ اس کا مقصد تو شفا کی بربادی تھا۔ سو کوئی بھی بنتا' اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

آمنہ ریاض



باقر لودھی اپنے منجھلے بیٹے تقی کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت سے سخت نالاں ہیں اور اسے ہر وقت بڑ حرامی کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔ تقی کو شوبز میں کام کرنے کا شوق ہے جبکہ لودھی صاحب اس کام کے سخت مخالف ہیں۔ دونوں باپ بیٹے میں اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ رضی اور جری سے البتہ باقر صاحب کو کوئی شکایت نہیں۔

شفا کو عمیر نے والدین کے بعد باپ بن کر پالا ہے۔ وہ عمیر کی بے حد لاڈلی ہے مگر عمیر کی بیوی ساہر کو اس سے شدید جلن ہے۔ وہ عمیر سے جھوٹ بول کر اسے شفا سے بدظن کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ عمیر کو اپنی بیوی پر پورا یقین ہے۔

ساہر اور عمیر کی شادی کے ابتدائی دنوں میں شفا ساہر سے بہت بد تمیزی کیا کرتی تھی۔ وہ اسے ہر وقت عمیر کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتی اور جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر اسے عمیر سے ڈانٹ پڑوا دیتی۔ رات کے کھانے پر پاستا نہ بنانے پر اس نے ساہر سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا اور سیڑھیوں سے حادثاتی طور پر گر جانے کا الزام ساہر پر لگا دیا کہ ساہر نے اسے دھکا دیا ہے۔ اس بات پر عمیر ساہر کو دو تھپڑ مار دیتے ہیں۔ ساہر کو بہت دکھ ہوا ہے۔ شفا خود بھی گنگ ہو جاتی ہے۔

تقی کے گہرے دوست سمیر کے ابا اپنی پسند سے اس کی منگنی کر دیتے ہیں۔

شفا عمیر کو ساری بات بتا کر ان سے اور ساہر سے اپنی پچھلی تمام باتوں پر معافی مانگ لیتی ہے۔ عمیر اسے معاف

ناولٹ



کر دیتے ہیں مگر ساہر' شفا سے بیر باندھ لیتی ہے اور غلط بیانی کر کے دونوں بہن بھائی میں غلط فہمیاں پیدا کرتی رہتی ہے۔ اسی طرح وہ عمیر کے منع کرنے کے باوجود جھوٹ بول کر شفا کو کالج ٹرپ پر بھجوا دیتی ہے۔

کاسٹنگ ڈائریکٹر جاثم تقی کو اپنے ڈرامے میں لیڈنگ رول کی آفر کرتا ہے۔ تقی اپنے ابا کی وجہ سے تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔

تقی اور سمیر بھی اپنے دوستوں کے ہمراہ مری جاتے ہیں اور اسی ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرتے ہیں' جہاں شفا کا گروپ ٹھہرا ہوتا ہے۔ وہاں سمیر کو ثمر پر اپنی منگیتر کا گمان ہوتا ہے۔ ٹرپ کے دوران دونوں گروپوں کے درمیان ہلکے پھلکے ٹاکرے ہوتے رہتے ہیں۔ اور باقاعدہ منگنی پر دونوں کو پتا چلتا ہے کہ وہ واقعی ثمر ہے۔ وہ دونوں منگنی تو کر لیتے ہیں مگر سخت غصے میں ہوتے ہیں۔ منگنی کے بعد سمیر ٹرپ کے دوران مذاق میں کہی شفا کی بات کہ "ثمر کا نکاح ہو چکا ہے" اپنی ماں کو بتا کر منگنی توڑ دیتا ہے۔ ثمر کے والد شکیل صاحب سمیر کے والد سے سخت ناراض ہو جاتے ہیں۔ ثمر کی والدہ یہ جان کر کہ ثمر کے نکاح کی افواہ شفا نے اڑائی ہے۔ وہ شفا سے خفا ہو جاتی ہیں۔ ساہر انہیں مزید بھڑکاتی ہے۔ ساہر اور عمیر تقی سے مل کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ مہک' تقی کا پورٹ فولیو بنوا لیتی ہے۔ تقی کو آفرز آنے لگتی ہیں۔ وہ ایک دو کمرشلز میں کام کر لیتا ہے۔ رضی کی بدولت مہک کے والد سے باقرلودھی کی ملاقات ہوتی ہے اور وہ تقی کے لیے مہک کو پسند کر لیتے ہیں۔ جری کے میڈیکل میں ایڈمیشن ہونے کی خوشی میں باقرلودھی ایک چھوٹی سی تقریب کرتے ہیں۔ انہیں تقی کے شوبز جوائن کرنے کی خبر مل جاتی ہے۔ وہ بھری محفل میں اسے سخت بے عزت کرتے ہیں اور چھڑی سے مہمانوں کے سامنے خوب پٹائی لگاتے ہیں اور گھر سے نکال دیتے ہیں۔

وہ متضاد سوچوں میں گھرا جا رہا تھا' اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ عمیر اسے اپنے ہاں لے آتے ہیں اور جب تک گھر کا بندوبست نہیں ہو جاتا' اسے اپنے گھر رہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ تقی ممنون اور شرمندہ سا ان کے گھر رہنے لگتا ہے۔ شفا اور وہ ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں' مگر زیادہ بات چیت نہیں کرتے۔ شفا کو عمیر کی نظروں میں گرانے کی ساہر کی سازش کا اسے علم ہو جاتا ہے۔ وہ ساہر کو منع کرتا ہے' مگر ساہر بجائے شرمندہ ہونے کے' اسے اس معاملے سے دور رہنے کی تاکید کرتی ہے۔ وہ کمرشلز اور ڈراموں میں مصروف ہو جاتا ہے۔ سمیر کے آفس میں ثمر انٹرن شپ کے لیے آتی ہے۔ سمیر اس کی طرف مائل ہونے لگتا ہے' مگر وہ اس کی جانی دشمن بنی ہوئی ہے۔

-۸-
آٹھویں قسط

"یک لخت وچھوڑا دکھا لے۔

چن میری سن! بکھ قسطاں کر۔"

سمیر کا ایس ایم ایس آیا تھا۔ تقی کو ہنسی آ گئی۔ اس سے ملاقات نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی' ایک تو شوٹنگز کی مصروفیت دوسرے نوکری کا جھمیلا۔ وہ بری طرح مصروفیت کا شکار تھا اور اب تو ایک نیا سلسلہ کہ جلد از جلد کسی رہائش کا بندوبست کیا جائے۔ وہ ساہر کی طرف سے اس قدر بے یقینی کا شکار تھا کہ لاشعوری طور پر جلد ہی کسی بڑے جھگڑے کی توقع کر رہا تھا۔ دوسری جانب کسی نہ کسی طرح اس تک بھی یہ خبر بھی پہنچ ہی گئی تھی کہ ابا نے خودکشی کا ارادہ ظاہر کر کے امی اور رضی کو بھی اس سے لاتعلق رہنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی کل ملا کر کوئی ایک بھی بات ایسی نہیں تھی جو اسے خوش آئند لگ رہی ہو' سوائے اس کہ اس کے پاس کمرشلز کی آفرز بڑھ رہی تھیں۔ اس نے سمیر کو فون ملا لیا۔

"صحیح کہہ رہا ہے تقی! زندگی بڑی پھیکی سی ہو گئی ہے' ایسا لگتا ہے جیسے موسم ہی بے کار ہے۔" سمیر نے اس کی بات سن کر کہا تھا وہ اس سے زیادہ اداز ار بیٹھا تھا۔

"ثمر بھابی سے بات ہوئی؟" تقی نے پوچھا۔

"کہاں یار! وہ بلا کو خان کی جیتی ہے' میں تو پاس سے بھی گزر جاؤں تو ہوا کوئی گھورنا شروع کر دیتی ہے۔ بات خاک کرے گی۔ ویسے میں نے ابو سے اس بارے میں بات کر لی ہے۔ یہ کہ غلطی میری تھی اور منگنی کے بعد جو کچھ لالہ نے کیا' وہ تو بہت ہی غلط رہا۔ اگر شکیل انکل سے جا کر اس سب کے لیے معافی مانگنا ہوئی تو میں چلا جاؤں گا۔"

"انکل نے کیا کہا؟"

"کہنا کیا تھا؟ وہ بھی اپنے نام کے ایک ہی ہیں۔ کہتے ہیں پہلے کان پکڑ کر میرے سامنے ایک ہزار ایک اٹھک بیٹھک لگاؤ' اس کے بعد شکیل کے پاس جاؤں گا۔ میں نے کہا ابو! یہ تو پھر نہ کرنے والی بات ہوئی نا۔"

"پاگل لگا لیتا اٹھک بیٹھک۔ سستے میں جان چھوٹ جاتی۔"

"پاگل ہو گئے تم خود۔ کیونکہ جو کہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ بھائی! میں اپنے ابو کا بیٹا ہوں' ہیڈر فیکر کا نہیں۔ میرے لیے پچاس اٹھک بیٹھک لگانا مشکل ہے' تم ایک ہزار ایک کی بات کرتے ہو۔"

"شرم تم کو مگر نہیں آتی۔" تقی نے ہنس کر کہا۔

"ہم بے شرم ہی اچھے۔" اس نے بھی ڈھٹائی سے کہا۔ "خیر تم سناؤ کیا چل رہا ہے آج کل؟"

تقی کا دل چاہا اس کو ساہر والا معاملہ کہہ سنائے۔ اس سے تو سب کہہ لیتا تھا۔ جگر تھا وہ اس کا لیکن یہ بہن کا معاملہ تھا۔ کچھ کہتے مناسب نہ لگا سو رہنے دیا اور اپنے اگلے پراجیکٹ کا بتانے لگا۔

☼ ☼ ☼

لیکن دل کی بے چینی اتنی زیادہ تھی کہ مہک سے بات کرنے سے خود کو روک نہیں سکا۔

مہک نے ساری بات غور سے سنی۔ کہا البتہ کچھ نہیں۔ عقل مندی کا تقاضا بھی یہی تھا کہ بھائی کے سامنے اس کی بہن کو کچھ نہ کہا جائے۔

"تم اپنے ہنوئی سے بات کیوں نہیں کرتے؟"

"ان سے بات کرنے کا مطلب ہے کہ میں ساہر کو ان کی نظر میں گرا دوں۔ ظاہر ہے یہ تو میں نہیں چاہتا۔"

"پھر ایک کام کرو' اس سارے معاملے سے لاتعلق ہو جاؤ۔" مہک نے کولڈ کافی میں اسٹرا گھماتے ہوئے اطمینان سے کہا تھا۔

تقی کچھ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"یعنی کسی جیتے جاگتے انسان کی زندگی برباد ہونے دوں؟"

"تمہیں اس جیتے جاگتے انسان سے اتنی ہمدردی کیوں ہو رہی ہے؟ کیا بہت خوبصورت ہے؟" مہک نے اچانک کہا تھا۔ تقی چپ سا رہ گیا لیکن اگلے ہی پل اس نے جھنجلا کر کہا۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ تم اچھی طرح جانتی

ہو مجھے اصل فکر اپنی بہن کی ہے۔"

"آر یو شیور؟" مہک کا انداز۔ تقی بری طرح تپا۔

"میرا خیال ہے میں نے غلط کیا جو تم سے بات کی۔"

"اچھا ٹھیک ہے فورگیٹ اٹ۔" مہک نے فوراً مصالحت کی راہ اپنا کر کہا تھا۔

"تمہیں اپنی بہن کی فکر ہے نا تو اس کا گھر بچاؤ۔ اس لڑکی کے چکروں میں پڑنے کا مطلب اپنی بہن کو اِن سیکیور کرنا ہے۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ تم اس سارے معاملے سے لاتعلق ہو جاؤ اور تمہاری بہن جو کرتی ہے اسے کرنے دو۔ تم نے سمجھا کر دیکھ لیا۔ اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔ آگے وہ خود سمجھ دار ہے' اپنا برا بھلا دیکھ سکتی ہے۔ تم اپنا سوچو' اپنے کیریر پر دھیان دو۔ ادھر ادھر کے معاملات میں پڑو گے تو پچھتانا بھی پڑ سکتا ہے۔ کل میری جاثم سے بات ہوئی وہ کہہ رہا تھا تمہیں ذرا محتاط رہنا چاہیے۔ کسی میڈیا والے کو بھنک بھی پڑ گئی کہ تمہارے فادر نے تمہیں گھر سے نکالا ہوا ہے تو الٹی سیدھی باتیں اڑنا شروع ہو جائیں گی۔ تمہارے کیریر کی ابھی شروعات ہوئی ہے۔ اور ابتدا میں ایسی باتیں بہت نقصان کا باعث بن سکتی ہیں۔"

وہ حقیقت کا راستہ دکھا رہی تھی اور اس کی باتیں کچھ ایسی غلط بھی نہیں تھیں۔

ساہر کی باتیں اگر نہ سنتا تو سب اس کے ناک کے عین نیچے ہوتا رہتا اور اسے خبر بھی نہ ہو پاتی۔ لیکن اب پتا چل ہی گیا تھا تو اسے سب سے دور ہی رہنا چاہیے تھا۔ اپنے بارے میں سوچنا چاہیے تھا وہ' کیوں دوسروں کے غم پالے جبکہ ساری دنیا اسی طریقہ کار پر عمل پیرا ہے۔

رات گئے وہ اس بارے میں سوچتا رہا۔ ہاں نیند میں جانے سے قبل اس نے جو آخری فیصلہ کیا' وہ یہ تھا کہ اسے جلد از جلد اس گھر سے نکل جانا چاہیے۔ ضمیر کی خلش سے بچنے کا یہی ایک راستہ ہو سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

عمیر ہکا بکا ان تصویروں کو دیکھ رہے تھے جو کسی اَن جان ای میل ایڈریس سے انہیں بھجوائی گئی تھیں۔

وہ شفا کی تصویریں تھیں جن میں وہ روحیل کے ساتھ دکھائی دے رہی تھی۔ ان تصویروں کا کیا مطلب تھا' اس کے بارے میں حتمی انداز میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا اس بارے میں صرف اندازے لگائے جا سکتے تھے۔ روحیل ساہر کی سہیلی کا بھائی تھا' اس سے وہ ایک آدھ بار مل چکے تھے۔ اچھا لڑکا تھا۔ برا نہیں تھا لیکن شفا کے لیے انہوں نے ابھی اس انداز سے سوچا نہیں تھا۔

وہ دو دن اسی کشمکش و پیچ میں رہے کہ شفا سے ان تصویروں کے متعلق پوچھیں یا نہیں۔

"یہ جو تمہاری فرینڈ وشمہ کا بھائی ہے۔ کیا نام ہے اس کا؟" انہوں نے ٹی وی دیکھتے ہوئے سرسری انداز میں ساہر سے پوچھا۔

"کیسا لڑکا ہے وہ؟ میرا مطلب ہے آپ کیسے دیکھنے میں تو مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگا۔"

"ٹھیک ہے یا نہیں۔ اب یہ تو مجھے پتا نہیں۔ وشمہ بتا رہی تھی' کچھ غیر ذمہ دار سا ہے۔ لاپروا اور فلرٹی تو آج کے دور کا ہر لڑکا ہے۔ لیکن خیر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"ویسے ہی پوچھا ہے یار! یہ جو نیوز کاسٹر آ رہا ہے' اس کی شکل اس سے بہت ملتی ہے۔ اسے دیکھ کر دھیان آ گیا تو پوچھ لیا۔"

انہوں نے بات بنا دی لیکن الجھے رہے۔

پھر ان کو ایک ایس ایم ایس موصول ہوا۔ یہ بھی کسی انجان نمبر سے تھا۔ ایک مشہور ہوٹل میں انہیں مخصوص وقت پر آنے کی تاکید کی گئی تھی۔ عمیر پریشان ہو گئے۔ ان کا جی چاہا اس میسج کو اتنی اہمیت نہ دیں انہیں اپنی بہن پر بھروسا تھا۔ ممکن ہے کوئی انہیں بے وقوف بنا رہا ہو لیکن کوئی تو بات تھی جو اس سارے معاملے میں قابل توجہ تھی۔ ان کا پرسنل ای میل ایڈریس اور پرسنل سیل نمبر اگر کسی کے پاس

تو یقیناً وہ اپنا ہی رازدار تھا۔

اسی کشمکش میں وہ بتائے ہوئے وقت پر ہوٹل پہنچ گئے۔ وہ شدت سے دعا کر رہے تھے کہ کچھ بھی ان کے لیے ناقابل برداشت نہ ہو۔ کاش کوئی مذاق ہی کر رہا ہو۔ لیکن کوئی مذاق نہیں کر رہا تھا۔ کونے والی ٹیبل پر انہوں نے شفا کو روحیل کے ساتھ بیٹھے دیکھا اور سارا اعتماد' مان بھروسا قدموں میں گر کر چکنا چور ہو گیا۔

وہ اچانک سامنے گئے تو شفا ان کو دیکھ کر گھبرا گئی لیکن روحیل اعتماد سے سر اٹھائے کھڑا رہا۔

عمیر شفا کو ساتھ لے کر آ گئے۔ سارا راستہ وہ خاموش رہے' ایک آدھ بار شفا نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا بھی چاہا تو سختی سے ڈانٹ دیا۔

"مجھے دھوکا دینے والوں سے سخت نفرت رہی ہے۔ تم مجھے بتا سکتی تھیں کہ روحیل میں انٹرسٹڈ ہو' وہ مجھے تمہارے لیے مناسب نہ بھی لگتا' انکار میں تمہیں تب بھی نہ کرتا۔ میرا مان توڑنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ابھی بھی تمہارے پاس وقت ہے۔ خوب اچھی طرح سوچ کر بتا دینا۔ میں تمہیں اس کے ساتھ رخصت کر دوں گا۔"

انہوں نے بس اتنا ہی کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

تقی نے شفا کی مدد کیا خاک کرنا تھی' اس کے نوراً بعد تو اسے خود مدد کی ضرورت پڑ گئی۔ اسے نوکری کرتے ابھی بمشکل چند مہینے ہی ہوئے تھے لیکن اس مہینے کمپنی میں ڈاؤن سائزنگ کا آغاز ہوا اور اسے فارغ کر دیا گیا۔ وہ لاکھ سر پٹختا رہا کہ رولز تو سمجھاؤ لیکن وہ اکیلا تھوڑا ہی تھا جو اس ناانصافی کا حق دار ٹھہرایا گیا تھا۔

دو روز بعد شوٹنگ کے دوران سینئر اداکار سے جھگڑا ہو گیا۔ تقی نے کوشش تو بہت کی کہ بات نہ بڑھے لیکن برداشت اس کی بھی جواب دے گئی۔ معاملہ تو تو میں میں سے بڑھ کر ہاتھا پائی تک جا پہنچا اور اسے دو کمرشلز اور ایک ڈرامے سے ہاتھ دھونا پڑا۔ گو یہ ابھی ابتدا تھی۔ ناکامیوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جو اس

جھگڑے کے نتیجے میں اب اسے سہنا پڑنا تھا۔

جاثم نے اس کی خوب کلاس لی۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی نہال کی باتوں پر دھیان دینے کی۔ الٹی سیدھی بکواس کر کے خود ہی چپ ہو جاتا۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے میں بے غیرت بن کر سنتا رہتا۔" وہ اسی پر الٹ پڑا۔ جاثم کو برا لگا۔

"ٹھیک ہے پھر اب بھگتو۔ ایک دن میں دو کمرشل اور ایک ڈرامہ گیا ہے' اگلے چند دن میں ٹی وی اسٹیشن پر تمہیں ڈھونڈنے سے بھی اپنا نام نہیں ملے گا۔ میڈیا تم جیسے جلد بازوں کو نہیں پوچھتا۔ تمہیں کام دلوانے کے لیے تمہارے پیچھے جو محنت کی تھی میں نے' وہ ساری بے کار کر دی تم نے۔"

"کیا مطلب؟ مجھے کام دلوانے کے لیے تم نے محنت کی؟ تم یہ کہنا چاہتے ہو میرے اندر کوئی ٹیلنٹ نہیں۔" تقی کو جیسے شاک لگا تھا۔

"ذہین آدمی ہو۔ اچھی طرح جانتے ہو' خالی خولی ٹیلنٹ کو آج کل کوئی نہیں پوچھتا۔"

اب باقی کیا رہ جاتا تھا۔ اس بات پر جاثم سے بحث ہو گئی۔ مہک نے بات کرنا چاہی تو وہ اس سے بھی لڑ پڑا۔ جس انسان کو یہ احساس ہو جائے کہ اب وہ بالکل خالی ہاتھ رہ گیا ہے' وہ لڑنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے بہرحال دو روز بعد جب غصہ اترا تو احساس ہوا۔ غلطی واقعی بڑی ہو گئی۔ کیا تھا جو برداشت کر لیتا۔ ایک کے بعد ایک پراجیکٹ اس کے ہاتھ سے نکلا چلا جا رہا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کی بنیاد پر اور کبھی بغیر وجہ بتائے۔ یہ ہو کیا رہا تھا' وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ کہاں تو وہ الگ اپارٹمنٹ کا سوچ رہا تھا' کہاں یہ عالم کہ اگلے دن کس طرح گزریں گے' اس سوچ میں پڑ گیا۔ ساہر کی چالبازیاں' عمیر کے احسانات سب اس کے دماغ سے نکل گیا۔ اسے اپنی ہی پڑ گئی تھی کسی اور کے لیے کس طرح سوچتا۔

اس نے پھر جاثم سے رابطہ کیا۔ تحمل سے بات کی۔ ابا نے جب گھر سے نکالا تب شوبز اس کا شوق تھا لیکن

اب یہ شوق اس کی مجبوری بن چکا تھا۔ ہاں ٹھیک ہے وہ پڑھا لکھا تھا لیکن نوکری کوئی پلیٹ میں رکھ کر تو نہیں ملتی۔ ٹی وی پر کام دینے کو کوئی تیار نہیں تھا ایسے میں جاثم کے پاس نہ جاتا تو کیا کرتا۔ وہ بھی میڈیا کا بندہ تھا نخرے سے ملا لیکن صاف جتا دیا کہ اس بار وہ محض مہک کی وجہ سے اس کی مدد کر رہا ہے ورنہ اس کے جیسا ٹیلنٹ تو اسٹوڈیوز میں رلتا پھرتا ہے۔ تقی خاموش ہی رہا مصلحتاً گدھے کو بھی باپ بنانا پڑ جاتا ہے جاثم تو پھر انسان ہی تھا۔

☼ ☼ ☼

عمیر کے رشتے کے تایا تائی اور ان کے بیٹا بہو آئے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود گھر میں غیر معمولی خاموشی تھی۔ اپنی پریشانیوں میں وہ دھیان نہیں دے سکا۔ یوں بھی آج کل لیٹ آنے لگا تھا۔ چھوٹی موٹی جو بھی نوکری مل جاتی اسے ہی کر لیتا کہ کچھ تو پیسے بنیں۔ جاثم نے کہا۔

"لیڈ رول تو اب اتنی جلدی ملنے سے رہا۔ تمہیں بی کیٹیگری کے جو بھی رول ملیں فی الحال ان پر دھیان دو۔"

وہ اور بھی مایوس ہو گیا۔ یعنی وہ بی کیٹیگری کے رول کرے تو اس کے روشن تابناک مستقبل کا کیا ہوگا؟

لیکن اس کی قسمت اچھی تھی۔ ایک ٹیلی فلم میں اسے لیڈ رول مل ہی گیا۔ رائٹر' ڈائریکٹر' پروڈیوسر سب کسی بھی بڑی کامیابی کی دلیل سمجھے جاتے تھے۔ جاثم کا خیال تھا اگر وہ اس رول کو بخوبی نبھالے تو اسے آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

تقی جی جان سے لگ گیا۔ وہ گو کہ اپنے کام میں ماہر تھا لیکن ایک کے بعد ایک جس طرح وہ ناکام ہو تا رہا تھا یا نہال اسے ناکام ثابت کروا تا رہا تھا' اس سے وہ خاصا پریشر میں آگیا تھا۔ تب ہی اس نے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر کئی بار ریہرسل بھی کی۔ تین دن کا شوٹنگ شیڈول تھا وہ صبح نکلتا تو رات گئے واپس آتا۔

ایک روز نکلتے نکلتے عمیر سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"کہاں ہوتے ہو یار! مجھے تو تمہاری شکل بھی یاد نہیں۔" انہوں نے ہنس کر کہا تھا لیکن اس ہنسی میں پھیکا پن تھا یا کوئی عجیب سا اوپرا پن۔ یعنی ایسا لگا جیسے ڈبل سے نہ ہنسے ہوں۔

"کیا بات ہے عمیر بھائی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟"

"ہاں۔" اس نے سر ہلایا۔

"نہیں عمیر بھائی! آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے۔ ایسا کریں آج آف کرلیں یا میں آپ کو آفس چھوڑ دیتا ہوں۔"

"ارے نہیں یار! طبیعت ٹھیک ہے میری۔ بس ذرا موسم بدل رہا ہے تو اسی کا اثر ہے۔" وہ صاف ٹال گئے۔

ٹیلی فلم کی شوٹنگ مکمل ہو چکی تھی' ڈبنگ کا کام بھی تقریباً" مکمل تھا سو اسے آج فرصت ہی فرصت تھی۔ کچھ سوچ کر وہ ساہر کے پاس آگیا۔ کہنا صرف یہ تھا کہ عمیر بھائی کو فون کرتی رہے۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ لیکن وہ محترمہ اپنا ہی دفتر کھولے بیٹھی تھیں۔ شکنجہ تیار تھا بس شفا کے گلے میں ڈالنا باقی تھا۔

تقی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"تم باز نہیں آرہیں۔ کیوں کسی کی زندگی خراب کرنے پر تلی ہوئی ہو۔"

"تمہیں اتنی ہمدردی ہے تو تم آکر اسے بچا لینا۔" ساہر نے جل کر کہا تھا۔ تقی اس کی ڈھٹائی پر جتنا بھی حیران ہوتا وہ کم تھا۔

"جب وہ شہزادی میری زندگی عذاب بنا رہی تھی تب مجھے کون بچانے آیا تھا جو اس کی اب اتنی فکر ہے۔ جب میں نے سب کچھ اکیلے بھگتا تو وہ بھی بھگتے۔ قرض تھا اس کا مجھ پر اور میں سود سمیت چکا رہی ہوں۔ مجھے اب نصیحت مت کرنا ورنہ میرا دماغ گھوم جائے گا۔"

تقی نے سو جان سے لعنت بھیجی اور اپنے کمرے میں آکر سو گیا۔ لیکن اسے ڈراؤنے خواب آتے رہے۔

آج رات اس گھر کے مکینوں پر اس کی پیاری بہن کی وجہ سے قیامت ٹوٹنے والی تھی۔ وہ کیا کر سکتا تھا؟ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا' سوائے اس کے کہ اپنے محسن کی عزت کا جنازہ نکلتے دیکھے۔

جاگا تو اسٹوڈیو سے کال آگئی۔ کچھ سینز کو تبدیل کر کے ری شوٹ کیا جانا تھا اور سارے ہی سینز میں اس کی موجودگی انتہائی ضروری تھی۔ اس نے شکر کیا اور شوٹنگ کے بہانے اسٹوڈیو آگیا۔ کسی کو برباد ہوتا دیکھنے کا حوصلہ نہیں تھا اس کے اندر۔

☼ ☼ ☼

"تقی! کیا کر رہے ہو یار! یہ اکیسواں ری ٹیک ہے۔ تمہارا دھیان کہاں ہے؟"

ڈائریکٹر کی آواز اس کو جیسے کھینچ کر لائی تھی۔ ریکارڈنگ کریو کا ہر فرد اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے تم تھوڑا ریسٹ کرو۔" ڈائریکٹر نے جیسے اکتا کر کہا تھا۔ تقی خاموشی سے آکر گرنے کے انداز میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ رات کا وقت تھا اور جوہر ٹاؤن کے خوبصورت سے لان میں ڈرامے کا سیٹ لگا ہوا تھا۔ وہ جہاں بیٹھا تھا اس کے عین سر پر ٹیوب لائٹ روشن تھی جس کے ارد گرد منڈلاتے پروانے تک اسے شرم دلا رہے تھے۔

بعض اوقات باضمیر ہونا بھی بہت سارے مسائل کا سبب بن جاتا ہے۔ جیسے اس کے لیے بن رہا تھا۔ اس کا ذہن بری طرح عمیر' ساہر اور شفا میں الجھا ہوا تھا۔ کس کو بچائے کس کو نہ بچائے یا کنی کترا جائے۔ فیصلہ مشکل ہوتا ہے خصوصاً تب جب آپ کو خدشہ ہو ضمیر کی نہ مان کر پھر ساری زندگی یوں بسر کرنا ہوگی جیسے شہ رگ پر کسی نے پیر رکھا ہو۔ شفا سے اس کی کوئی جذباتی ہم آہنگی نہیں تھی۔ اس کے سر پر عمیر کے احسانات تھے اور اسے اپنی ناعاقبت اندیش بہن کی فکر تھی۔ جو وہ کرنے جا رہی ہے اگر ویسا ہو گیا تو کیا ہوگا۔ کوئی نہ بتاتا تب بھی یہ بات روز روشن کی طرح عیاں تھی۔

پھر وہ انسان ہو کر کسی دوسرے پر ظلم ہوتے کیسے سہ لیتا۔ وہ ڈر گیا۔ آزمائش تو کسی پر بھی آسکتی ہے۔ کل کلاں کو اس پر کوئی برا وقت آیا۔ کوئی انسان اسے بچا سکتا ہو اور اسی کی طرح کنی کترا گیا تو وہ کیا کرے گا۔ برباد ہو جائے گا۔ اپنی بربادی کا خوف اسے اکسا رہا تھا کہ کسی دوسرے کو برباد ہونے سے بچالے۔

یک دم وہ حتمی انداز میں اٹھ کھڑا ہوا پھر خیال آیا یوں کھڑے ہونے کا تو کوئی فائدہ نہیں۔ تو پھر بیٹھ گیا اور فوراً" سیل فون نکال کر عمیر کو فون کرنے لگا لیکن اگلے ایک گھنٹہ کی کوشش کے بعد بھی اس کی ہر کوشش بے سود رہی۔

"فردوس صاحب! میں باقی کے سین مکمل نہیں کروا سکتا۔ مجھے ایک ضروری کام کے سلسلے میں جانا ہوگا۔"

پرفارمنس پہ دھیان وہ پہلے بھی نہیں دے پا رہا تھا اب بھی عین سین کے درمیان وہ بول اٹھا۔ آواز پتا نہیں اس کے حلق سے کیسے نکلی۔ وہاں موجود ہر شخص اسے یوں دیکھنے لگا گویا اس کی ذہنی حالت پر شک گزرا ہو۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟! اچھی طرح جانتے ہو اس پراجیکٹ کو اگلے ہفتے آن ایئر ہونا ہے۔ آج شوٹ مکمل نہ ہوا تو یہ ٹیلی فلم اسٹور روم کی سب سے نچلی فائل میں چلی جائے گی۔" ڈائریکٹر فردوس صاحب نے چنگھاڑ کر کہا تھا۔ پچاس کے پیٹے میں ہوں گے ٹی وی کا جانا پہچانا نام' اپنے کام میں بے انتہا ماہر لیکن رج کے موڈی اور غصہ ور۔ تقی سے چونکہ پہلے ہی خفا ہو چکے تھے اس لیے بالکل ایسا سلوک کر رہے تھے کہ کیا ہی کوئی تنک چڑھی ساس اپنی مظلوم بہو سے کرتی ہوگی۔

"مجھے گھر جانا ہے۔ آپ تب تک نوشابہ کے سین کروالیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں گھنٹہ پورا ہونے سے بھی پہلے آجاؤں گا۔"

وہ بضد تھا۔ فردوس صاحب کو ماننے ہی بنی۔ ویسے بھی وہ جتنے ری ٹیک کروا رہا تھا اس سے بہتر تھا اسے

جانے ہی دیا جاتا۔ ممکن ہے واپس آکر ہی کچھ اچھی پرفارمنس دے لیتا۔

"دھمنہ نہیں صرف تمیں منٹ۔ یاد رکھنا' میں انسانوں کو نہیں ان کی زبان کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ تمیں منٹ میں تم واپس نہ آئے تو نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"

تقی نے انگلیوں پر حساب لگایا تمیں منٹ بھی کافی تھے۔ وہ رسہ تڑوا کر بھاگا۔

☼ ☼ ☼

ساہر ابھی نالائق تھی۔ پلاننگ کر لیتی تھی اس پلاننگ کے سائیڈ ایفیکٹس (مضر اثرات) کے متعلق نہیں سوچتی تھی۔ (کھاگ نہیں تھی ناں ورنہ ضرور سوچ لیتی) تو روحیل اس کی پلاننگ کا سائیڈ ایفیکٹ تھا۔ عجیب آدمی تھا۔ کبھی بھی کچھ بھی بول دیتا۔ کچھ بھی کہہ دیتا۔ پہلے پہل ساہر کو اندازہ نہیں ہوا۔ جب اندازہ ہوا تو پانی تقریباً تقریباً سر سے گزر چکا تھا۔ اس کے مطالبات بڑھ رہے تھے اور اس روز تو حد ہی ہو گئی۔ وہ گھر ہی آگیا۔ بلوایا تو اس نے خود ہی تھا لیکن شفا کے لیے وہ مطالبہ اس سے کرنے لگا۔

اوپر چھت کی سیڑھیاں مین گیٹ کے ساتھ ہی تھیں' وہ اسے اوپر لے آئی لیکن اس کا مطالبہ سن کر ساہر کے چھکے چھوٹ گئے۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے میں شفا کے چکروں میں تھا بھئی' میری تو پہلے دن سے تم پر ہی نظر تھی۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ میں بچپن سے تمہیں تاڑتا آیا ہوں تو یہ غلط نہیں ہو گا۔"

اس نے شرارتی انداز میں کہا تھا لیکن اس کی شکل جتنی اس وقت ساہر کو منحوس لگی تھی اتنی پہلے کبھی نہیں لگی تھی۔ عمیر ابھی آفس سے نہیں آئے تھے گھر میں ان کے رشتہ کے تایا کی فیملی ٹھہری ہوئی تھی۔ گو کہ عمیر پر اتنا ہولڈ تو نہیں تھا ان کا۔ لیکن خاندان کے معتبر فرد تھے وہ' عمیر عزت کرتے تھے ان کی۔ ان کی بیگم بڑی ہمہ جہت خاتون تھیں اگر ان کے کانوں میں شفا سے متعلق کوئی بھنک پڑ جاتی تو اسے خاندان بھر میں رسوا ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔

لیکن اب اسے اپنی پڑ گئی اگر کسی نے اسے روحیل کے ساتھ چھت پر دیکھ لیا تو۔

وہ اس کی منت کرنے لگی لیکن اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا اور خود کو اس مشکل سے نکالنے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ علاقے کی لائٹ بند تھی بہت زیادہ اندھیرا تو نہیں تھا کہ جنریٹر اور یو پی ایس تو اب گھر گھر لگے تھے۔ لیکن بہرحال اندھیرا تھا۔ روحیل اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہا تھا تب ہی سیڑھیوں پر کھٹکا ہوا۔ وہ دونوں بری طرح چونک گئے۔ ایک لمحے کے اس وقفے سے ساہر نے فائدہ اٹھایا اور سرعت سے ثمر کے گھر کی چھت پر کود گئی۔ بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اتر کر نیچے صحن میں آئی۔ اپنے پیچھے اس نے روحیل کو گالیاں دیتے سنا تھا۔ وہ صحن میں آئی۔ کمروں کی لائٹس جل رہی تھیں۔ صحن کی بتی بند تھی۔ ایک کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور افراد خانہ بیٹھے نظر آرہے تھے۔ ثمر کی دادی کی چارپائی گیٹ کے قریب ہمہ وقت بچھی رہتی تھی وہ ابھی بھی اس پر لیٹی ہوئی تھیں۔ ان کو دکھائی اور سنائی کم دیتا تھا لیکن گیٹ کے پاس ان کی موجودگی سے آسرا بھی بہت تھا۔ وہ جا کر ان کی پائنتی بیٹھ گئی۔

"کون ہے۔" وہ شاید نیند میں تھیں چارپائی ہلنے سے جاگ گئیں۔

"میں ہوں دادی! ساہر۔ گھنٹہ بھر سے آپ کے پاس بیٹھی ہوں۔" گھبراہٹ میں بھی اس نے تکا مارا جو نشانے پر لگ بھی گیا۔

"ہیں۔ گھنٹے سے بیٹھی ہو؟ یہ جو یادداشت ہے ناں۔ بدبخت دن بہ دن میرا ساتھ چھوڑتی جا رہی ہے۔"

"جی دادی! اور آپ تو مجھے کوئی قصہ بھی سنا رہی تھیں۔ وہی جب آپ نو سال کی تھیں تو آپ کے ابا کو آپ کی شادی کی جلدی پڑ گئی۔"

بزرگوں کی پرانی عادت۔ پرانے قصے بار بار دہراتے

ہیں۔ ثمر کی دادی کی شادی کا قصہ بھی محلے کے ہر فرد کو کئی بار سنایا جا چکا تھا۔ وہ بھی ان میں شامل تھی۔

دادی بولتی رہیں۔ وہ سنتی رہی لیکن ایک بھی لفظ سمجھ نہ سکی کہ کان تو اپنے گھر کی طرف لگے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں ایک لہر سی دوڑ رہی تھی اور پیر اضطراری انداز میں مسلسل ہل رہے تھے۔

وہ ہر بار بڑی محنت سے شفا کے لیے گڑھا کھودتی تھی۔ ہر بار کوئی ماورائی طاقت اسے اس گڑھے میں گرنے سے بچا لیتی تھی۔ لیکن اس بار وہ خود اس گڑھے میں گرنے والی تھی جس کے متعلق اس کا خیال تھا۔ ایک بار گرنے کے بعد شفا اس میں سے مر کر بھی نہیں نکل سکے گی۔

اس کے اعصاب جیسے شل ہو رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

ثمر دادی کی آواز سن کر کمرے سے نکلی تھی۔ ساہر کو ان کے پاس بیٹھا دیکھ کر جتنا حیران ہوئی اس سے زیادہ حیرانی اس کے چہرے پر اڑتی ہوائیوں کو دیکھ کر ہوئی۔

"ساہر بھابھی! آپ کب آئیں؟ اور۔ آپ کو کیا ہوا ہے۔ سب خیریت تو ہے ناں؟"

"ہیں۔ ہاں۔ مجھے کافی دیر ہو گئی آئے ہوئے۔ دادی سے باتیں کر رہی تھی۔ میں دراصل تمہاری چچی سے پیناڈول کا پوچھنے آئی تھی سر میں درد تھا اور عمیر ابھی آئے نہیں۔ تو بس اسی لیے۔ دادی نے بٹھا لیا۔" اس نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا ہوا تھا لیکن اس کی باتیں بے ربط تھیں۔

"اچھا۔ لیکن مجھے تو دادی کی آواز ابھی آئی۔ بلکہ پندرہ منٹ پہلے بھی میں نے باہر جھانکا تھا۔ آپ تو مجھے نظر ہی نہیں آئیں۔" اس نے محض بات برائے بات کہا تھا لیکن ساہر کے دل میں چور تھا۔ وہ بری طرح گھبرا کر وضاحتیں دینے لگی۔

"بھئی تو بہت دیر سے بیٹھی ہوں۔ بتائیں ناں دادی گھنٹہ بھر سے بیٹھی ہوں ناں آپ کے پاس۔"

"اے ہاں بیٹی! یہ ساہر تو گھنٹہ بھر سے میرے پاس ہی بیٹھی ہے۔ تم کو تو توفیق نہیں۔ اتنے دنوں کے بعد آئی ہو تو دو گھڑی بوڑھی دادی کے پاس ہی بیٹھ جاؤ۔"

"دیکھا میں کہہ رہی ہوں ناں۔"

ثمر کو ساہر کا انداز کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ پتا چل گیا کہ وہ بہت دیر سے آئی ہوئی ہے لیکن اس ایک بات کو بار بار دہرانے کی کیا ضرورت ہے۔

"شفا کیسی ہے؟ میں آج ہی آئی تھی ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ اس سے مل کر آؤں۔"

اسی وقت دیوار کے دوسری طرف شور بلند ہو گیا۔ یوں لگا جیسے چھت پر کسی نے فائر کیا ہو۔ ساہر کے کان پہلے ہی اس طرف لگے تھے وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ کیسی آوازیں آرہی ہیں؟" ثمر نے کہا۔ ان دونوں کی نظریں ملیں اور سرعت سے وہ گیٹ کی طرف بھاگی تھیں شور بڑھتا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

منظر ویسا ہی تھا جیسا ساہر نے ذہن میں ترتیب دیا تھا لیکن کسی قدر ردوبدل کے ساتھ۔

گھر کے صحن میں مجمع لگا تھا۔ تایا جی' تائی جی' ان کا بیٹا اور بہو' آس پڑوس کے کچھ لوگ اور سر جھکا کر کھڑی ہراساں شفا۔

"تم کہاں سے آرہی ساہر؟" عمیر نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"میں ثمر کے گھر گئی تھی اس کی چچی سے پیناڈول لینے۔ کیا ہوا ہے عمیر! یہ سب لوگ یہاں کیوں جمع ہیں؟ اور یہ شور کیسا تھا؟" وہ عمیر کے قریب ہوتے ہوئے بولی تھی۔ عمیر خاموش رہے ان کے چہرے پر پریشانی تھی۔

"میں بتا رہی ہوں ناں تایا جی! اوپر کوئی بھی نہیں تھا۔ میں تو اسٹور سے کتابیں نکالنے گئی تھی۔" شفا کہہ رہی تھی۔

"بھئی۔ میں بھی تو بتا رہا ہوں میں نے خود کسی کو بھاگتے دیکھا تھا۔ غلط فہمی نہیں ہوئی مجھے۔ ایسے ہی تو

میں نے فائر نہیں کیا۔" تایا جی شاید وضاحتوں سے تھک رہے تھے انہوں نے اکتا کر کہا تھا۔ وہ پولیس میں رہے تھے اور ریوالور ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

عمیر نے بے ساختہ شفا کی طرف دیکھا۔ ان کے ذہن میں جیسے کوئی گھنٹی بجی تھی۔ مایوسی کے عالم میں انہوں نے جھک کر تایا جی کے کان میں کچھ کہا۔ ان کی بات سن کر تایا جی نے ناسمجھی کے ساتھ تعجب سے انہیں دیکھا پھر بولے۔

"ہاں شاید غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" انہوں نے مجمع تتر بتر کروانا شروع کیا۔

تقی جب تک گھر پہنچا محلے کے لوگ گھر سے نکل رہے تھے۔ اسے گیٹ پر ہی اطلاع مل گئی کہ عمیر کے تایا جی نے چھت پر کسی مرد کو دیکھا تھا۔ انہوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی لیکن وہ دیوار پھلانگ کر بھاگ گیا۔ تایا جی نے اسے ڈرانے کے لیے پیچھے سے ایک ہوائی فائر بھی کیا تھا۔

تقی کو سمجھنے میں ایک منٹ بھی نہیں لگا کہ سال کیا ہوا ہوگا۔

وہ تیزی سے اندر کی طرف لپکا۔

☼ ☼ ☼

اندر عدالت لگی ہوئی تھی۔ شفا سر جھکائے کھڑی تھی تایا جی سوالیہ اور غصیلی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ عمیر بالکل خاموش۔ ان کے تاثرات کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

"میں نے کہا نا تایا جی! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں کتابیں نکالنے گئی تھی اسٹور سے۔ اور میرے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔" تقی کو لگا وہ ڈری ہوئی ضرور تھی لیکن اس کا انداز اعتماد سے خالی ہرگز نہیں تھا۔

"اور میں کیا اندھا ہوں۔" تایا جی جلال میں آکر بولے۔ "خواہ مخواہ تو فائر نہیں کیا تھا۔ کسی کو دیکھا تو کیا تھا۔ اور ایک سایہ بھی نہیں تھا وہ تھے۔ مرد کا اور عورت کا۔ اور عورت تو ہو نہیں تم کیونکہ ساہر بیٹا تو ہو نہیں سکتی۔ وہ تو ساتھ والوں کے گھر گئی ہوئی تھی اور اوپر اسٹور میں تم ہی تھیں۔ تو اب تم ہی بتاؤ وہ لڑکا کون تھا اور تمہارے ساتھ اوپر کیا کر رہا تھا۔" کمرے میں سناٹا پھیل گیا۔ ایک عجیب سی خاموشی تھی۔ تقی نے دیکھا۔ عمیر کی رنگت غیر معمولی حد تک زرد ہو رہی تھی۔

"عمیر بھائی!" وہ گرہی جاتے، جو اگر تقی نے بڑھ کر اسے سہارا نہ دیا ہوتا۔

شفا اور ساہر بھی گھبرا کر ان کی طرف بڑھی تھیں لیکن شفا کا ہاتھ عمیر نے ہٹا دیا۔ ایک پل کا عمل تھا۔ کسی نے دیکھا یا نہیں لیکن شفا کے دل میں انی کی طرح گڑ گیا۔ وہ چپکے سے کچھ قدم پیچھے سرک گئی۔ جب عمیر کی حالت ذرا سنبھلی تو تایا جی نے سب کو کمرے سے جانے کے لیے کہا۔ سب چلے گئے۔ اب کمرے میں صرف تایا جی، عمیر اور تقی رہ گئے تھے۔ وہ چونکہ عمیر کو سہارا دیے کھڑا تھا اس لیے تایا جی نے اسے جانے سے منع کر دیا تھا۔

"عمیر! بچے میری بات دھیان سے سنو۔"

"میں کیا سنوں تایا جی! میں کچھ سننے کے قابل نہیں رہا۔" انہوں نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا تھا۔ ایسا لگتا تھا وہ رو دینے کے قریب ہوں۔

"صدمہ بڑا ہے میرے بچے! لیکن تمہیں سنبھلنا تو ہوگا۔ بڑے بزرگ کہتے ہیں جب گھر کی دیواروں میں سوراخ ہو جائے تو دنیا کو گھر میں جھانکنے سے روکا نہیں جا سکتا۔ سوراخ ہی بند کرنا پڑتا ہے۔ آدھے محلے کو خبر ہوگئی کہ شفا نے کسی کو بلا رکھا تھا۔ اب پردہ تو ڈالنا ہی پڑے گا میری مانو۔ شفا سے پوچھو وہ کون تھا۔ اسی کے ساتھ رخصت کر دو۔"

تایا جی ویسے عقل کے پورے پورے ہی تھے۔ تقی نے دل میں سوچا۔ معتبر بن کر اپنی طرف سے بڑا مشورہ دیا تھا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کوئی مس انڈر اسٹینڈنگ ہوگئی ہو۔" تقی نے یکدم مداخلت کی تھی۔ تایا جی نے اسے یوں گھورا جیسے کہہ رہے ہوں "میاں تم کون؟"

کس خوشی میں ٹانگ پھنسا رہے ہو۔"

"میرا مطلب ہے اور کوئی بھی نہ ہو اور آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو کہ آپ نے کسی کو دیکھا ہے۔" ان کی نظروں کی تیزی کے باوجود وہ بولنے سے باز نہیں آیا۔

"اس عمر میں بھی میری آنکھوں کی تیزی کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ آنکھیں بند کر کے بھی گولی چلاؤں تو مجال نہیں کہ نشانہ چوک جائے۔ وہ تو اس بدبخت پر احسان کیا کہ نشانہ ہی خطا کر دیا ورنہ اس گھر میں ایک لاش پڑی ملتی۔" تایا جی نے کہا۔

"جنہوں نے عزت سے رخصت کروانا ہو وہ رات کے اندھیروں میں چھپ کر ملنے نہیں آیا کرتے تایا جی!" عمیر کی آواز نے ان دونوں کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

تقی نے دکھ سے عمیر کی طرف دیکھا۔ اس شخص کو بہن کے صدمے نے ادھ موا کر دیا تھا۔ بیوی کی نالائقی کی اطلاع تو اس کی جان ہی لے لیتی۔ یعنی عمیر کے لیے تو دونوں طرح ہی صدمہ تھا دکھ تھا پریشانی تھی۔ وہ سب سے ہی برا پھنسا تھا۔

تقی پھر کشمکش میں پڑ گیا۔ یہ تو خیر طے تھا کہ اس نے ساہر کے بارے میں ایک جملہ نہیں بولنا تھا۔ وہ تو صرف عمیر کو خبردار کرنے آیا تھا۔ ہاں یہ نہیں سوچا تھا کہ کس طرح کرنا ہے بس آ گیا تھا۔ آ ہی گیا تھا تو کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا۔

"پھر کوئی رشتہ ہے نظر میں؟" تایا جی کی آواز اسے اپنی سوچوں سے کھینچ لائی۔ تقی کو ایک دم یہ آئیڈیا پسند آیا۔ شفا کو شادی کر کے اس گھر سے رخصت کر دیا جاتا تو ساہر کو کچھ کرنے کا موقع ہی نہ ملتا۔

"مجھے تو اس مسئلے کا ایک ہی حل نظر آ رہا ہے۔ میں تمہارے باپ کی جگہ ہوں گو کہ فیصلہ کرنے کا بھی مجھے حق ہے لیکن مصلحتاً چپ ہوں۔ تم شفا کے بھائی ہو، خود ہی فیصلہ کرو۔ جیسے تیسے کر کے اس کو رخصت کرو۔"

"آپ بڑے ہیں تایا جی! جو مناسب سمجھیں فیصلہ کریں۔"

عمیر نے مری ہوئی آواز میں کہا تھا۔ تایا جی اینڈ فیملی خاندان کی سب سے کھٹی فیملی تھی ان کے کلان میں بات پڑنے کا مطلب رائی کا پہاڑ بنوانا تھا۔ عمیر اس صورتحال سے پریشان ضرور ہو گئے تھے لیکن اتنے بھی مایوس نہیں ہوئے تھے۔ "فوراً" سے بھی پہلے کوئی حتمی فیصلہ کا اختیار سونپنے کا مقصد محض انہیں چپ کروانا تھا اور کچھ نہیں تو اسی لحاظ میں چپ رہ لیتے۔

"یہ کہہ کر تو تم نے میرا مان بڑھا دیا ہے عمیر بیٹے!" تایا جی فوراً جذباتی ہو گئے۔ "تمہاری نظر میں کوئی رشتہ ہو تو بتاؤ ورنہ میرے سالے کا لڑکا ہے راشد۔ اپنی شفا سے عمر میں چند سال بڑا ہی ہوگا۔ نسبت روڈ پہ اسپیئر پارٹس کی بہت بڑی دکان ہے اس کی۔ شفا کو خوش رکھے گا۔"

راشد۔" عمیر نے ذہن دوڑایا اور راشد کا نقشہ یاد آتے ہی دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"لیکن۔ راشد تو پیدائشی ابنارمل ہے تایا جی! میں ملا ہوا ہوں اس سے۔"

"ارے کہاں کا ابنارمل۔ مردوں میں سب کچھ نارمل ہی ہوتا ہے بچے۔ وہ تو بچپن میں کچھ مسئلہ تھا اس کے ساتھ۔ جو بعد میں اس کے ماں باپ نے علاج کروایا تو بڑے ہونے پر ٹھیک ہو گیا۔ تم بے فکر ہو جاؤ وہ نارمل ہے یونہی تو اتنا اچھا کاروبار نہیں چلا رہا۔ پورا گھر سنبھالا ہوا ہے اس نے۔ اور شفا میری اپنی بچی ہے میں غلط فیصلہ تھوڑا کروں گا اس کے لیے۔"

"اور اس کا تو ہاتھ بھی مفلوج ہے۔" عمیر نے پھر کہا۔

"ہاتھ کا تھوڑا مسئلہ ضرور ہے لیکن بالکل بے کار نہیں ہے۔" معتبر تایا جی بولے۔

"لیکن تایا جی!"

"ٹھیک ہے بھئی۔ پھر خود ہی رشتہ ڈھونڈ لو۔ ہم تو تمہاری بھلائی ہی سوچ رہے ہیں۔ ابھی تک گھر کی بات گھر میں ہے لیکن ایسی باتیں کہاں چھپتی ہیں۔ شفا نے جو حرکت کی اس کی بھنک بھی [illegible] والے راشد کا رشتہ بھی نہیں ملے گا۔ لکھ کر رکھ لو

میری بات۔" تایا جی نے فوراً آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔

عمیر تذبذب میں پڑ گئے۔ انہیں تو اپنے ہاتھ بندھے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

"ٹھیک ہے تایا جی! جیسے آپ کی مرضی۔" ان کی آواز بالکل ہی مردہ ہو گئی تھی۔

اب کی بار تقی کا دماغ اڑ گیا۔

"ایک منٹ۔" اس نے فوراً مداخلت کی۔ "عمیر بھائی! آپ جلد بازی میں فیصلہ مت کریں۔ راشد کا صرف ہاتھ مفلوج نہیں ہے وہ واقعی ابنارمل ہے۔ کاؤنٹر پر بیٹھ جانا اسے نارمل ثابت نہیں کر سکتا۔ آپ نے مجھے خود بتایا تھا وہ اپنے والد کی مدد سے کاروبار چلا رہا ہے۔ یعنی صرف کاؤنٹر پر بیٹھتا ہے۔"

"تم کیسے جانتے ہو اسے؟" تایا جی گرجے۔

"دو ہفتے پہلے کسی کام کے سلسلے میں عمیر بھائی مجھے اس کی دکان پر لے کر گئے تھے۔" اس نے کہا۔

"عمیر! یہ لڑکا کون ہوتا ہے ہمارے گھر کے معاملے میں بولنے والا؟"

"بزرگوار! معافی چاہتا ہوں لیکن ہوتے تو آپ بھی کوئی نہیں بولنے والے۔ پھر بھی گھنٹہ بھر سے بول رہے ہیں۔" تقی نے چڑ کر کسی لحاظ مروت کے بغیر کہا تھا۔ عمیر کی خاموشی اس کے حوصلے کو تقویت دے رہی تھی۔

عمیر سر جھکائے بے جان سے بیٹھے تھے۔ تقی چل کے ان کے سامنے بیٹھ گیا اور ان کے گھٹنوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر نرم مخلص آواز میں بولنے لگا۔

"عمیر بھائی! جلد بازی میں کوئی ایسا فیصلہ ہرگز نہ کریں جس پر آپ کو بعد میں پچھتانا پڑے۔ آپ نے ہی یہ بات مجھے سمجھائی تھی ناں کہ اللہ پریشانی دیتا ہے تو اس کا حل بھی دے دیتا ہے۔ میں مانتا ہوں آپ کی پریشانی بڑی ہے لیکن اس کا کوئی نہ کوئی بہتر حل بھی ضرور ہوگا۔ آپ ٹھنڈے دماغ سے سوچیں یا پھر [illegible] کو بیاہنے سے اچھا ہے اسے زہر دے دیں۔"

عمیر نے دہل کر تقی کو دیکھا تھا۔ تایا جی آگ بگولہ ہو گئے۔

"اچھے خاصے لڑکے کو پاگل کہہ رہے ہو کسی گھٹیا باپ کی اولاد لگتے ہو۔"

تقی کے تن بدن میں آگ ہی لگ گئی۔ بات باپ تک آ گئی تھی اب پیچھے ہٹنا بے غیرتی تھی۔

"اتنا اچھا خاصا ہے تو آپ اپنی بیٹی کو کیوں نہیں بیاہ دیتے؟" وہ کھڑے ہوتے ہوئے پلٹا اور تایا جی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"میری بیٹی کو رشتوں کی کمی نہیں ہے اور نہ ہی وہ رات کے اندھیرے میں کسی کے ساتھ منہ کالا کرتے ہوئے پکڑی گئی ہے کہ میں اس کے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اسے کسی پاگل سے بیاہنے کا سوچوں۔"

انہوں نے تڑخ کر کہا تھا تقی طنز سے ہنس دیا۔

"سن لیا آپ نے عمیر بھائی! اپنی بیٹی کی باری آئی تو ان کو راشد کا پاگل پن نظر آ گیا۔ کیسے دوغلے انسان کی بات مان رہے ہیں آپ۔"

"میں دوغلا ہوں تو تم اپنا اچھا پن ثابت کرو۔ عمیر کے اتنے ہی سگے ہو تو اس کی پریشانی تم دور کرو۔ کر لو شفا سے نکاح۔"

تایا جی نے اپنی بھدی آواز میں بم پھوڑا تھا۔ تقی کا دماغ سنسنا اٹھا اس نے عمیر کی طرف دیکھا۔ وہ آس بھری نظروں سے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"م۔ میں کیسے؟ عمیر بھائی کو پتا ہے میں کمیٹڈ ہوں۔ آدھی منگنی ہی سمجھ لیں۔"

"آدھی کیا پوری منگنی بھی توڑی جا سکتی ہے۔" تایا جی نے خباثت سے کہا تھا۔ "یا ایسا کرو شفا سے پہلے نکاح کر لو۔ اس منگنی والی سے دوسرا کر لینا۔"

تقی کا دل چاہا بزرگی کا احترام رکھے ایک طرف اور ایک آدھ گھونسا جڑ ہی دے بزرگوار کو۔

"آپ راشد کے لیے بات کریں تایا جی!" عمیر نے سر جھکاتے ہوئے مردہ آواز میں کہا۔

تقی نے دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ تو

عورت کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ان کی آنکھوں میں کہاں برداشت کرتا۔ اور وہ تو پھر اس کے محسن تھے۔

"رکیں عمیر بھائی!" اس کے حلق سے بمشکل لفظ نکلے۔ "اپنی بہن پر ظلم نہ کریں۔ میں تیار ہوں اس سے شادی کرنے کے لیے۔ لیکن آپ کو مجھے کچھ وقت دینا ہوگا۔ آپ جانتے ہیں میں ابھی شادی نہیں کر سکتا۔"

"کیوں بھئی۔ جب فیصلہ کر ہی لیا ہے تو دیر کیسی؟ یہ تو صاف بہانے بازی ہے۔" کبھی تایا جی نے خود کو چال باز بھی ثابت کیا۔

"بہانے بازی نہیں کر رہا۔ عمیر بھائی جانتے ہیں میں فائننشلی اسٹرانگ نہیں ہوں۔ کوئی کیریئر نہیں ہے میرا۔ ایسے شادی کر لوں تو بیوی کو کھلاؤں گا کہاں سے۔" اس نے پتے کی بات کی تھی۔ خیال تھا عمیر بھائی قائل ہو جائیں گے۔ شادی کے لیے اسے جتنا وقت ملتا اس دوران کچھ اور بھی سوچا جا سکتا تھا۔

"کیریئر کا کیا ہے وہ تو شادی کے بعد بھی بنتا رہے گا جہاں تک رزق کا تعلق ہے تو وہ عورت کی قسمت سے ہی آتا ہے۔ میں وسیم سے کہتا ہوں نکاح خواں اور گواہوں کا بندوبست کرے۔"

"اتنی کیا جلدی ہے میں کون سا کہیں بھاگا جا رہا ہوں۔ نکاح کل بھی ہو سکتا ہے۔ ابھی تو مجھے شوٹنگ پہ جانا ہے۔" وہ بوکھلا ہی گیا۔

"تمہارا بھروسا نہیں ہے ہمیں۔ شوٹنگ کے بہانے کہیں پلٹ ہی نہ ہو جاؤ۔" کبھی تایا جی چال باز تو جو تھے سو تھے جلد باز بھی تھے۔ جھٹ پٹ باہر نکل گئے۔

"عمیر بھائی! آپ تو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں ایسے کیسے نکاح کر سکتا ہوں۔ مہک کو کانفیڈنس میں لینا ہوگا اسے سمجھانا ہوگا۔"

اس کا جملہ ابھی یہیں تک پہنچا تھا کہ عمیر پھوٹ پھوٹ کر رو دیے۔ تقی ہکا بکا رہ گیا۔ اس کے حلق میں جیسے آواز ہی نہیں رہی تھی۔ لمبے چوڑے مرد کو روتے دیکھنا آسان نہیں ہوتا۔

"تایا جی کی کوئی ایک بات تو ماننا ہی پڑے گی۔ تم نہیں تو راشد۔ ان کی زبان بند کروانے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے۔ وہ ایسے انسان نہیں ہیں کہ کسی کا راز رکھ سکیں۔ تم انہیں نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔ کاش کل کی صبح ہونے تک میرے اندر اتنی ہمت ہی آ جائے کہ میں شفا کو زہر دے سکوں یا خود ہی کھا لوں۔" وہ بالکل ٹوٹ پھوٹ چکے تھے۔ تقی نے میکانکی سے انداز میں ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

اور وہ جو آدھ گھنٹے کے الٹی میٹم پر شوٹنگ چھوڑ کر آیا تھا ٹھیک آدھ گھنٹے کے بعد بیٹھا اپنے نکاح نامے پر سائن کر رہا تھا اور اس کی شکل ایسی ہی ہوئی تھی کہ لگتا تھا ابھی رو دے گا۔

☆ ☆ ☆

اور یوں سماہر کی ساری چالاکی اسی پر الٹی پڑ گئی۔

اس نے بڑی محنت تن دہی سے گڑھا کھودا تھا اس گڑھے میں خود کو گراتے گراتے بچی تھی لیکن پھر بھی خسارہ اسی کے ہاتھ آیا تھا۔ شفا کو اچھا خاصا بر مل گیا۔ بھائی کی زندگی برباد ہوئی سو الگ۔

بلکہ برباد کیا ہوئی۔ لگ تو ایسا رہا تھا۔ بھائی نے خود اس بربادی کو اپنے سر لیا ہے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا شفا کو قتل کر دے یا تقی کو۔

عمیر سے کچھ کہہ نہیں سکتی تھی ذرا سا بھی کچھ کہتی تو بری بنتی۔ اس کے دل میں جو بھی تھا اپنا آپ کم سے کم عمیر کی نظروں میں خراب کرنا وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ فی الحال خاموش رہے اور جو ہو رہا ہے اسے کسی بدمزگی کے بغیر ہو جانے دے۔ شفا بالکل خاموش تھی لیکن اس سے پہلے وہ عمیر کے سامنے صاف ہی انکار کر چکی تھی۔

"آپ ... نے کی ہی نہیں۔ میں بتا تو رہی ہوں اوپر کوئی بھی نہیں تھا۔ تایا جی کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ عمیر بھائی! میری بات کا یقین کریں۔" وہ آخر میں رونے والی ہو گئی تھی۔

"تمہارے پاس دو ہی راستے ہیں یا تقی سے چپ چاپ نکاح کر لو یا میرا مرا ہوا منہ دیکھ لو۔" عمیر نے اس سے سرد لہجے میں کہا تھا۔

شفا دنگ رہ گئی۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا ناں آپ کو جو مجھ سے محبت کا دعوا تھا وہ غلط تھا۔ آپ تو کہتے تھے میں شفا کا بھائی نہیں باپ ہوں۔ باپ بن کر کیا محبت کریں گے۔ آپ تو بھائی بن کر اعتبار بھی نہیں کر رہے۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"یہ کیسی محبت ہے جو یقین کرنا بھی نہیں جانتی۔ جسے اپنی تربیت پر بھروسا ہی نہیں ہے۔" وہ اب سسکنے لگی تھی۔

عمیر کے دل میں انی سے گڑ گئی۔

"اگر اب تمہیں اپنے بھائی کی محبت سمجھ میں نہیں آئی تو ساری زندگی نہیں آ سکتی۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں تمہارا نکاح تقی سے ہوگا اور آج ہی ہوگا۔ تمہیں اس فیصلے سے انکار ہے تو اپنا حق استعمال کرو۔ لیکن اس کے بعد جو ہوگا اس کی ذمہ داری بھی تم ہی کو قبول کرنا ہوگی۔ میں زندہ نہیں ہوں گا تمہارے کسی بھی عمل کو جسٹی فائی کرنے کے لیے۔"

اس کے بعد وہ کیا کہتی۔ کہنے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

سمیر کو تقی نے بلوا لیا تھا۔ ایمرجنسی کال گئی تھی سو وہ ایمرجنسی میں ہی بھاگا چلا آیا یعنی نائٹ سوٹ میں ملبوس تھا۔ جب اسے پتا چلا کہ تقی کا نکاح ہنگامی بنیادوں پر ہو رہا ہے تب سے اس کا منہ حیرانی سے کھلا ہوا تھا یعنی اب اس گھریلو سی تقریب میں صرف دولہا نہیں تھا جو ہونق لگ رہا تھا سمیر بھی اسے کمپنی دے رہا تھا۔

"ناگہانی حادثات ہو جاتے ہیں۔ ناگہانی وفات کا بھی اکثر سنا ہے لیکن ناگہانی نکاح پہلی بار ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ معاملہ کیا ہے جگر؟"

اس نے تقی کے کان میں گھس کر پوچھا۔

"لمبی بات ہے فرصت سے بتاؤں گا۔ ابھی تو تم گواہ بن کر سائن کرو۔"

"پھر بھی کچھ تو مجھے پتا ہونا چاہیے۔ کل کو تم پر اس نکاح کے چکر میں کوئی کیس ویس بن گیا تو مجھے اپنی سیف سائیڈ کا تو پتا ہونا چاہیے ناں۔" اپنی طرف سے بڑا عقل مند بن کر کہہ رہا تھا۔ تقی کی ایک گھوری نے اس کی عقل کے غبارے سے ہوا نکال دی۔

"تم نے اپنی شکل دیکھی ہے۔ تم جیسوں کو کوئی اپنے گھر کی شادیوں میں نہیں بلاتا کہ بچے ڈر جاتے ہیں اور تم شکل سے ہی اٹھائی گیرے لگتے ہو۔ میں نے تمہیں گواہ بننے کا کیا کہہ دیا تم تو سر ہی چڑھ گئے۔ سیف سائیڈ کا تو پتا ہونا چاہیے۔" وہ حد سے زیادہ جلا ہوا تھا سمیر کھسیا کر ہنسنے لگا۔

"تو تو برا ہی مان گیا یار!"

دو چار باتیں سن کر ٹھنڈا ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

تایا جی ایسے خوش اور مطمئن نظر آ رہے تھے جیسے عمیر کی جگہ وہ اپنے کندھوں کے بوجھ کے فرض سے سبک دوش ہو گئے ہوں۔ تقی جب بھی ان کی طرف دیکھتا دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا تھا۔

شفا کے بارے میں اسے پتا نہیں تھا کہ اس کا رد عمل کیا ہے۔ عمیر بھائی اسے مطمئن لگے جبکہ سماہر وہ سلگتی صاف دکھائی دے رہی تھی یا۔ شاید چونکہ تقی اس کی کیفیت سے واقف تھا سو سب سمجھ رہا تھا ورنہ اس کی جلی بھنی شکل دیکھ کر کوئی نہیں چونکتا۔

تین گھنٹے بعد اس زبردستی کی تقریب سے گلوخلاصی ہوئی لیکن اب سو دیو جائے کا اب ہر گز کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ فردوس صاحب زبان کے پکے تھے یعنی رول تو گیا اس کے ہاتھ سے۔ وہ تو عمیر کو خبردار کرنے آیا تھا یہاں

نکاح گلے پڑ گیا۔ ایک تو اس بات کی بے زاری تھی دوسرے رول بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ یعنی بے زاری ہی بے زاری۔

مجمع چھٹتے ہی سمیر نے اس کا پیچھا لیا۔ اسے اصل معاملہ جاننے کا شوق تھا۔

تقی نے ساری بات کہہ سنائی۔ سمیر بھی سن کر کچھ دیر بول نہیں سکا۔

"ساہر تایا نے واقعی برا کیا۔ وہ لڑکی... میرا مطلب ہے شفا بھابھی..." وہ ابھی یہیں تک پہنچا تھا کہ تقی نے بری طرح ٹوک دیا۔

"ابھا بھی صرف مہک بنے گی تمہاری۔ یہ تو صرف حادثہ ہے۔"

سمیر کھسیا سا گیا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔ لیکن اب آگے کیا ارادہ ہے؟"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ میرے تو نیکی گلے ہی پڑ گئی۔ مہک کا سامنا کیسے کروں گا؟ وہ تو مجھے جان سے مار دے گی۔"

"ایسی جان کا فائدہ بھی کیا ہے جس نے صرف لعنت ملامت ہی سہنی ہے۔" ہمیشہ تقی لقمے دیا کرتا تھا آج سمیر کی باری تھی۔ تقی نے گھور کر دیکھا تو جلدی سے بولا۔

"پہلے ابا ناراض اور اب مہک بھی۔ تو آخر کب سوچ سمجھ کر فیصلے کرنا سیکھے گا تقی؟"

"چلو جی۔ اب تمہاری باتیں شروع۔ او بھائی! شرمندہ کرنے کے لیے میرا ضمیر کافی ہے تم زحمت نہ کرو۔" مگر سمیر ہنس دیا۔

"نہیں۔ شرمندہ کیوں کرتا ہے کام تو تم نے اچھا ہی کیا ہے۔ کسی کی پریشانی دور کی کسی کو سہارا دیا... دیکھنا اس کا اجر تمہیں اللہ ضرور دے گا۔"

تقی نے قدرے تعجب سے سمیر کو دیکھا۔ اس کا خیال تھا وہ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائے گا یعنی ساہر کے عمل کو غلط ضرور کہے گا لیکن اس نکاح کے حق میں بات ہرگز نہیں کرے گا لیکن سمیر بالکل متضاد بات کر رہا تھا اور اس نکاح کو اس کے حق میں خوش آئند قرار دے رہا تھا۔

"ہاں تمہیں کیسے پتا یہ نکاح میرے حق میں اچھا ثابت ہوگا... ادھر نکاح نامے پر سائن کیا۔ ادھر پوری ٹیلی فلم میرے ہاتھ سے نکل گئی... یہ اچھائی ملی مجھے؟"

"یہ تو مجھے بھی نہیں پتا کہ مجھے کیسے پتا یہ نکاح تمہارے حق میں اچھا ثابت ہوگا... بس میرا دل کہہ رہا ہے۔"

"تمہارے اس "حجول" دل کی کون مانے۔ تم نے تو خود اس کی جب مانی منہ کی ہی کھائی ہے۔" تقی جلا بیٹھا تھا اسے کسی کی مثبت بات بھی منفی ہی دکھائی دے رہی تھی۔

"میں تو پھر نکلتا ہوں دیر بھی بہت ہوگئی۔ اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔" سمیر نے مسکرا کر ہی کہا۔ تقی کی حالت سمجھ رہا تھا سو اس کی سن بھی لی۔ اپنی سنا بھی دی اور چلا گیا۔ رات بھر رک کر تسلی تو نہیں دے سکتا تھا کہ وہی بات اب تو جو ہونا تھا ہو چکا۔

وہ دونوں گیٹ سے باہر کھڑے بات کر رہے تھے سمیر کے جانے کے بعد وہ اندر جانے کے بجائے گلی میں چہل قدمی کرنے لگا۔ اس کا ذہن کبھی خالی ہو جاتا کبھی مختلف قسم کی سوچیں اسے گھیر لیتیں۔

وہ شفا کو اس مصیبت سے بچانا ضرور چاہتا تھا لیکن نکاح... ہرگز نہیں۔

بے شک کاغذی ہی تھا لیکن تھا تو سہی۔ یہ تو طے تھا کہ اس تعلق کو اس نے نبھانا تو نہیں تھا۔ اس نے وہیں کھڑے طے کر لیا کہ عمیر بھائی کو صاف بتا دے گا وہ اس رشتے کو نبھا نہیں سکتا اور... شاید یہ بات تو کہیں اندر خانے وہ خود بھی جانتے ہی تھے۔ اس وقت تو صرف مصیبت نے تایا جی کو ٹالنا ضروری تھا سو ٹال ہی دیا لیکن... لیکن اس لیکن سے آگے وہ جا نا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ دیر سے گھر آیا دروازہ عمیر نے کھولا۔ تقی کی

نظریں بے اختیار شفا کے کمرے کی طرف گئیں۔ لائٹ جل رہی تھی۔

"بڑی دیر لگادی آنے میں۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔" عمیر نے دھیمی آواز میں کہا تھا۔ "میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہ رہا تھا۔"

تقی خاموش ہی رہا تکلفاً "بھی اس سے کچھ کہا نہیں گیا۔ عمیر کو تسلی سی محسوس ہونے لگی تو پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے ہٹنے لگے تب ہی تقی نے سرعت سے انہیں پکار لیا۔ عمیر وہیں کھڑے پلٹے تھے۔ تقی متذبذب سا انہیں دیکھتا رہا پھر آہستگی سے بولا۔

"عمیر بھائی! میری پوزیشن آپ سمجھتے ہیں۔ مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت چاہیے تھا' لیکن آپ کے تایا جی نے ایسی جلدی مچائی کہ۔"

"مجھے احساس ہے۔ یو شلڈ ٹیک یور ٹائم۔ میری طرف سے تمہیں پریشرائز نہیں کیا جائے گا۔"

تسلی ہونے کے بجائے تقی کو اس بات سے اور الجھن محسوس ہوئی۔ آخر وہ سمجھ کیوں نہیں جاتے کہ تقی اس رشتے کے حق میں نہیں ہے۔

"تم آرام کرو تقی! ہم صبح بات کریں گے۔"

تقی نے محسوس نہیں کیا' لیکن عمیر کا انداز اس سے بات کرتے ہوئے اب جھجک آمیز ہو گیا تھا جیسے کوئی کسی سے دبنے لگے۔

وہ سر ہلا کر رہ گیا۔ پیاس لگی تھی تو کمرے میں جانے سے پہلے کچن میں آ گیا۔ ساہر چولہے کے پاس کھڑی تھی یعنی سکون کی نیند تو آج اس گھر کے کسی بھی مکین کے حصے میں نہیں آئی تھی۔ ساہر نے گردن موڑ کر دیکھا۔ تقی کو دیکھ کر تاثرات کرخت ہو گئے۔ وہ خوب اٹھا پٹخ کرنے لگی۔ تقی نے دو منٹ تو برداشت کیا پھر چڑ کر ٹوک دیا۔

"آہستہ کام کرلو۔"

ساہر نے اسے گھور کر دیکھا۔

"تم فوراً سے پہلے کچن سے نکل جاؤ۔ میں اپنے معاملات میں کسی کی ہدایات اور دخل اندازی برداشت نہیں کرتی۔" اس کا لہجہ بہت مغرور سا تھا' لیکن آواز اتنی دھیمی تھی کہ کچن سے باہر نہ جانے پائے۔

تقی نے جیسے خود پر جبر کرتے ہوئے پانی کے دو گھونٹ حلق سے اتارے تھے۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تمہارے معاملات میں دخل دینے کا۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہیں احساس تک نہیں میں نے تمہارے سر سے کتنی بڑی مصیبت ٹال کر اپنے سر لی ہے۔" اس کی آواز بھی دھیمی اور لہجہ تیز تھا ساہر کو تو جیسے اس بات پر آگ ہی لگ گئی۔

"تم سے کس نے کہا تھا فرشتہ بن کر درمیان میں کودنے کے لیے۔ دوسروں کے معاملات میں دخل دینے کا کچھ تو نتیجہ نکلنا ہی تھا۔ تمہیں اپنے گھر میں رکھا میں نے۔ تمہیں تو اتنا خیال بھی نہیں آیا اسی احسان کے بدلے اس معاملے میں دخل نہ دو۔"

"دوسروں کے معاملات۔؟ صحیح کہہ رہی ہو۔ اچھا ہوتا میں تمہارا گھر برباد ہونے دیتا۔ عمیر بھائی کو تمہاری اصلیت پتا چلنے دیتا۔ میں نے تو احسان کا بدلہ ہی چکایا ہے۔ یاد کرو صرف تم نے نہیں رکھا تھا مجھے اس گھر میں۔ عمیر بھائی نے بھی رکھا تھا اسی لیے ان کی بہن کو بھی بچایا میں نے۔"

"او بس کرو تقی! میرا گھر کیا بچایا تم نے۔ تم تو خود کو نہیں بچا سکے۔ مجھ سے چاہتے ہو کہ تمہارا احسان مانوں۔"

"خود کو اس لیے نہیں بچا سکا کہ مجھے تمہاری خیریت زیادہ عزیز تھی۔ اس لڑکی کی زندگی جہنم بنا کر تم صرف بددعائیں سمیٹ سکتی تھیں۔ ان ہی بددعاؤں سے بچایا میں نے تمہیں۔" وہ گلاس پٹخ کر کچن سے نکل گیا تھا۔

"بڑا احسان کیا میرے سر پر۔" ساہر بری طرح سلگی تھی۔

☼ ☼ ☼

تقی نے ہی نہیں شفا نے بھی وہ رات آنکھوں میں

کاٹی تھی۔

جب بغیر غلطی کیے سزا ملے' آپ کو معتوب ٹھہرایا جائے تو انسان کے پاس سوائے خاموش رہنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ لوگوں نے اس پر انگلی اٹھائی اسے غلط ثابت کیا۔ دکھ لوگوں کے رویے کا نہیں تھا دکھ تو یہ تھا کہ عمیر بھائی نے یقین کر لیا۔

پہلے پہل جب روحیل نے اس سے موبائل پر رابطہ کیا تو وہ حیران ہوئی۔ اس کے پاس اس کا پرسنل نمبر کہاں سے پہنچ گیا۔ وہ تین چار دن اس سے بات کرتی رہی۔ نئی نئی سرگرمی ہاتھ لگی تھی۔ صنف مخالف کی کشش سے انکار نہیں کیا جا سکتا پھر روحیل تو روحیل تھا۔ اسے ایک نامعلوم سا لطف آنے لگا۔ پھر ایک روز نماز پڑھ رہی تھی تو سلام پھیر کر اسے خیال آیا۔ نماز کے دوران بھی وہ مسلسل روحیل کے متعلق ہی سوچتی رہی ہے اور جو خیال آپ کو نماز سے بے رغبت کردے' وہ ٹھیک کیسے ہو سکتا ہے۔

کیا وہ کبھی عمیر بھائی کو بتا سکے گی کہ اس کی فون پر کسی لڑکے سے دوستی ہے؟ یقیناً "نہیں۔ تو جس تعلق کا ذکر وہ اپنے سب سے قریبی رشتے کے سامنے نہیں کر سکتی اس کے بے وزن ہونے کا اندازہ تو اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے۔ دراصل انسان کے اندر ایک میٹر لگا ہوتا ہے جو ہر وقت اسے سگنل دیتا رہتا ہے کہ کیا صحیح ہے کیا غلط ہے۔ کس چیز کو اسے دنیا سے چھپانا ہے کس کو نہیں چھپانا۔ جس تعلق کا ذکر آپ کھل کر لوگوں کے سامنے نہ کر سکیں یا جس تعلق کو چھپانے کا سگنل دل دے' سمجھ لیں وہ غلط ہے۔

تو شفا پر اللہ نے احسان کیا اور وہ سمجھ گئی اس کے اور روحیل کے درمیان جو تعلق بن رہا ہے وہ غلط ہے۔ اسی روز سے اس نے روحیل سے بات کرنا چھوڑ دی۔ روحیل کی خود پسندی پہ یہ بات تازیانہ بن کر لگی اور وہ اسے تنگ کرنے لگا۔

وہ اسے اس طرح کے میسجز بھیجتا کہ وہ خائف ہو کر اس سے بات کرتی۔ پہلے پہل تو جیسے بات ہے اس نے روحیل کی دھمکیوں کی بھی پروا نہیں کی تھی' لیکن

آہستہ آہستہ وہ ڈرنے لگی اور ایک دو بار تو اس کی منتیں کرتے رو بھی پڑی۔ یہ ان ہی دنوں کی بات ہے جب تقی نے اسے مشورے سے بھی نوازا تھا اور جس کا اس نے بہت برا بھی مانا تھا۔ پھر روحیل نے کہا کہ اس کے پاس شفا کی کچھ تصویریں ہیں۔ وہ نہ مانی۔ اس نے کب تصویریں بھیجی تھیں روحیل کو۔

لیکن روحیل نے دھمکی دی کہ وہ تصویریں عمیر کو بھجوا دے گا۔ اس نے اتنا زچ کر دیا کہ شفا کو اس سے ملنے کی ہمت کرنا پڑی وہ کوئی اچھی خوش گوار ڈیٹ پر نہیں گئی تھی' لیکن عمیر کو یہی تاثر ملا اس نے اپنی صفائی اس وقت بھی دینا چاہی تھی لیکن عمیر کو اس کی بات پر بھروسا نہیں تھا۔ شفا کو لگا اس کی غلطی ہے تو ناراضی تو بھگتنا ہی پڑے گی۔ لیکن اب جو ہوا اس نے تو حد ہی کر دی تھی۔

عمیر کو اسے ایک دم سے مورد الزام نہیں ٹھہرانا چاہیے تھا کم سے کم انہیں اس کی بات تو سننا چاہیے تھی اور پھر نکاح جیسا فیصلہ۔

کیا وہ اتنی ناقابل بھروسا لگتی تھی انہیں کہ راتوں رات پابند کر دیا۔

یہ تو بڑی ناانصافی کر دی بھائی نے۔ لیکن اب وہ خاموش ہی رہے گی۔۔۔ انہیں اس پر بھروسا نہیں تو یونہی سہی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



آمنہ ریاض

ماہِ تمام

باقر لودھی اپنے منجھلے بیٹے تقی کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت سے سخت نالاں ہیں اور اسے ہر وقت ہڈ حرامی کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔ تقی کو شوبز میں کام کرنے کا شوق ہے جبکہ لودھی صاحب اس کام کے سخت مخالف ہیں۔ دونوں باپ بیٹے میں اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ رضی اور جری سے البتہ باقر صاحب کو کوئی شکایت نہیں۔

شفا کو عمیر نے والدین کے بعد باپ بن کر پالا ہے۔ وہ عمیر کی بے حد لاڈلی ہے مگر عمیر کی بیوی ساہر کو اس سے شدید جلن ہے۔ وہ عمیر سے جھوٹ بول کر اسے شفا سے بدظن کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ عمیر کو اپنی بیوی پر پورا یقین ہے۔

ساہر اور عمیر کی شادی کے ابتدائی دنوں میں شفا ساہر سے بہت بدتمیزی کیا کرتی تھی۔ وہ اسے ہر وقت عمیر کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتی اور جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر اسے عمیر سے ڈانٹ پڑوا دیتی۔ رات کے کھانے پر پاستا نہ بنانے پر اس نے ساہر سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا اور سیڑھیوں سے حادثاتی طور پر گر جانے کا الزام ساہر پر لگا دیا کہ ساہر نے اسے دھکا دیا ہے۔ اس بات پر عمیر، ساہر کو دو تھپڑ مار دیتے ہیں۔ ساہر کو بہت دکھ ہوا ہے۔ شفا خود بھی گنگ ہو جاتی ہے۔

تقی کے گہرے دوست سمیر کے ابا اپنی پسند سے اس کی منگنی کر دیتے ہیں۔

شفا عمیر کو ساری بات بتا کر ان سے اور ساہر سے اپنی پچھلی تمام باتوں پر معافی مانگ لیتی ہے۔ عمیر اسے معاف



کردیتے ہیں مگر ساہر شفا سے بیر باندھ لیتی ہے اور غلط بیانی کرکے دونوں بہن بھائی میں غلط فہمیاں پیدا کرتی رہتی ہے۔ اسی طرح وہ عمیر کے منع کرنے کے باوجود جھوٹ بول کر شفا کو کالج ٹرپ پر بھجوادیتی ہے۔

کاسٹنگ ڈائریکٹر جاشم تقی کو اپنے ڈرامے میں لیڈنگ رول کی آفر کرتا ہے۔ تقی اپنے ابا کی وجہ سے تذبذب کا شکار ہوجاتا ہے۔

تقی اور سمیر بھی اپنے دوستوں کے ہمراہ مری جاتے ہیں اور اسی ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرتے ہیں جہاں شفا کا گروپ ٹھہرا ہوتا ہے۔ وہاں سمیر کو ثمر اپنی منگیتر کا گمان ہوتا ہے۔ ٹرپ کے دوران دونوں گروپوں کے درمیان ہلکے پھلکے ٹاکرے ہوتے رہتے ہیں۔ اور باقاعدہ منگنی پر دونوں کو پتا چلتا ہے کہ وہ واقعی ثمر ہے۔ وہ دونوں منگنی تو کرلیتے ہیں مگر سخت غصے میں ہوتے ہیں۔ منگنی کے بعد سمیر ٹرپ کے دوران مذاق میں کہی شفا کی بات کہ "ثمر کا نکاح ہوچکا ہے" اپنی ماں کو بتا کر منگنی توڑ دیتا ہے۔ ثمر کے والد شکیل صاحب سمیر کے والد سے سخت ناراض ہوجاتے ہیں۔ ثمر کی والدہ یہ جان کر کہ ثمر کے نکاح کی افواہ شفا نے اڑائی ہے۔ وہ شفا سے خفا ہوجاتی ہیں۔ ساہر انہیں مزید بھڑکاتی ہے۔ تاہر اور عمیر تقی سے مل کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ مہک، تقی کا پورٹ فولیو بنوالیتی ہے۔ تقی کو آفرز آنے لگتی ہیں۔ وہ ایک دو کمرشلز میں کام کرلیتا ہے۔ رمشی کی بدولت مہک کے والد سے باقر لودھی کی ملاقات ہوتی ہے اور وہ تقی کے لیے مہک کو پسند کرلیتے ہیں۔ جری کے میڈیکل میں ایڈمیشن ہونے کی خوشی میں باقر لودھی ایک چھوٹی سی تقریب کرتے ہیں۔ انہیں تقی کے شوبز جوائن کرنے کی خبر مل جاتی ہے۔ وہ بھری محفل میں اسے سخت بے عزت کرتے ہیں اور چھڑی سے مہمانوں کے سامنے خوب پٹائی لگاتے ہیں اور گھر سے نکال دیتے ہیں۔

وہ متضاد سوچوں میں گھرا جارہا تھا' اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔ عمیر اسے اپنے ہاں لے آتے ہیں اور جب تک گھر کا بندوبست نہیں ہوجاتا' اسے اپنے گھر رہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ تقی ممنون اور شرمندہ سا ان کے گھر رہنے لگتا ہے۔ شفا اور وہ ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں مگر زیادہ بات چیت نہیں کرتے۔ شفا کو عمیر کی نظروں میں گرانے کی ساہر کی سازش کا اسے علم ہوجاتا ہے۔ وہ ساہر کو منع کرتا ہے مگر ساہر بجائے شرمندہ ہونے کے اسے اس معاملے سے دور رہنے کی تاکید کرتی ہے۔ وہ کمرشلز اور ڈراموں میں مصروف ہوجاتا ہے۔ سمیر کے آفس میں ثمر انٹرن شپ کے لیے آتی ہے۔ سمیر اس کی طرف مائل ہونے لگتا ہے مگر وہ اس کی جانی دشمن بنی ہوئی ہے۔

ساہر شفا سے انتقام لینے میں اتنی آگے بڑھ جاتی کہ اپنی دوست کے بھائی روحیل کو شفا کا موبائل نمبر اور تصاویر دے کر اس کے پیچھے لگادیتی ہے۔ وہ شفا کو بلیک میل کرنے لگتا ہے اور عمیر کو بھی اطلاع دے دیتا ہے۔ جب وہ اپنی تصاویر لینے کے لیے مجبوراً اس سے ملنے آتی ہے۔ اس کے بعد روحیل کو گھر پر بلوالیتی ہے۔ روحیل الٹا ساہر سے بے تکلف ہونے لگتا ہے۔ ان ہی دنوں ان کے گھر عمیر کے دور کے تایا آئے ہوئے تھے۔ وہ چھت پر مردانہ سایہ دیکھ کر فائر کردیتے ہیں۔ روحیل بھاگ جاتا ہے اور ساہر، ثمر کے گھر کو جاتی ہے۔ دوسری طرف تایا شور مچادیتے ہیں کہ شفا چھت پر کسی مرد سے بات کررہی تھی۔ تقی کو ساہر کی ان منصوبہ بندیوں کا علم ہوتا ہے۔ وہ عمیر کی عزت کے خیال کرتے ہوئے اپنی شوٹنگ ادھوری چھوڑ کر گھر آجاتا ہے' جس کا خمیازہ اسے شفا سے نکاح کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے۔

—۹—

نویں قسط

دو دن خاموشی سے گزر گئے۔ دانستہ ہی سب اس موضوع پر بات کرنے سے گریز کررہے تھے اور یوں ظاہر کرتے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو لیکن یہ خاموشی کہتی تھی' کچھ تو بات ہے۔

تقی کی اپنی پریشانی۔ فردوس صاحب کے پروجیکٹ کا ہاتھ سے نکل جانے کا مطلب تھا' ہر آنے والے پروجیکٹ کو پیشگی الوداع کہنا۔

شفا دو روز سے اپنے کمرے سے نہ نکلی تھی۔ کسی نے جاکر اس کی خبر نہ لی' کیا کھایا' کیا نہیں۔ زندہ بھی ہے یا مرگئی۔ تیسری صبح تایا جی کی بہو کو خیال آیا تو زبردستی اسے باہر نکال لائی۔ اس کی آنکھیں بالکل خشک تھیں اور چہرے سے رتی بھر بھی غم نہ جھلکتا تھا۔ ہاں سنجیدگی بہت تھی۔

ساہر کو تو اسے دیکھ کر اور بھی تاؤ آنے لگا' وہ تو اس کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہ تھی کجا کہ پوچھنا۔ اس نے تو اگلے روز ہی جاکر تقی سے صاف کہہ دیا تھا۔

"تمہیں ابھی کے ابھی شفا کو طلاق دینی ہوگی۔ جس کی شکل میں ساری زندگی نہیں دیکھنا چاہتی تھی اسے اپنی بھابھی کیسے بننے دے سکتی ہوں۔" اس کی بات ایسی تھی جیسے خود پر بہت جبر کرکے بول رہی ہو ورنہ بس تو ایسے جیسے پھٹنے کے قریب ہو۔

"پاگل پن کی باتیں مت کرو۔" تقی نے ناگواری بمشکل سے کہا تھا۔ "میرا بھی اس رشتے کو نبھانے کا ارادہ نہیں ہے لیکن اس طرح سے طلاق نہیں دے سکتا ہے۔"

"پھر کیا ساٹھ ستر گواہوں کی موجودگی کی ضرورت ہے؟ کیا کیا سوچا تھا میں نے' سب برباد کردیا۔ کہاں تو میں ساری زندگی اس شفا کی بچی کو جلتے دیکھنا چاہتی تھی' کہاں میرا شہزادوں جیسا بھائی لے اڑی۔" اس کے عزائم نیک تھے۔ تقی کو ہنسی آگئی جسے وہ کمال خوب صورتی سے چھپا گیا۔

"وہ بے چاری کہاں لے اڑی' تمہاری حماقت نے ہی تمہارے شہزادوں جیسے بھائی کو اس کی جھولی میں ڈال دیا۔"

"بس کرو تقی! بار بار مجھے ہی قصوروار ٹھہرانا بند کرو۔ مان لو کہ غلطی تمہاری ہے۔ تمہیں اس معاملے میں پڑنا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

تقی خاموش رہا لیکن اس کی خاموشی کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ وہ خود کو قصوروار ماننے کے لیے راضی ہے۔

"لیکن ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا' ابھی میری بات مان لو۔ شفا کو طلاق دے دو۔" وہ ایسے کہہ رہی تھی جیسے تقی فوراً اس کی بات مان ہی لے گا۔

"یہ زیادہ بہتر ہے کہ تم میری بھلائی سے زیادہ اپنی بھلائی پر دھیان دو۔ یہ تو ٹھیک بات ہے کہ مجھے شفا کو چھوڑنا ہی ہے لیکن اس طرح سے ہرگز نہیں جس طرح تم چاہ رہی ہو۔ صرف ایک بار اس بات پر غور کرو اپنے ذہن کو ہر خیال سے فارغ کرکے کہیں بیٹھ کر سوچو۔ تم کیا کر بیٹھی ہو۔ سالن میں نمک زیادہ ڈال دینا' جھوٹ بول کر اپنے کام کروالینا' غلط فہمی پیدا کرکے تاروون اریاز بھجوادینا' سیڑھیوں سے دھکا دے دینا چھوٹے معاملات ہیں۔۔۔ اتنے چھوٹے کہ اگر ان کو بار بار گنا نہ جائے تو یاد بھی نہ رہیں لیکن کسی کی عزت داؤ پر لگادینا ہرگز بھی چھوٹا معاملہ نہیں ہے۔ عمیر بھائی کو پتا چلا تم نے ان کی بہن کے ساتھ جو کچھ کیا ہے تو وہ تمہیں طلاق دیں گے یا ویسے ہی چھوڑ دیں گے دونوں صورتوں میں نقصان تمہارا ہے۔ تمہارا گھر برباد ہو جائے گا تمہارے بچوں کا گھر بکھر جائے گا۔ بکھرے ہوئے گھروں کے بچے کیسے ہوتے ہیں۔ جانتی ہو۔۔۔ اور جب انہیں شعور آئے گا اور پتا چلے گا کہ ان کی ماں ۔۔۔"

"تمہارا بہت شکریہ تقی! تم نے تو میری آنکھیں کھول دیں۔" وہ تڑخ کر بولی تھی۔ "مدد تو کر نہیں سکے تصویر کا بدصورت پہلو ہی دکھانا۔۔۔"

ایک بار پھر تقی اسے قائل کرسکا نہ وہ تقی کو۔ وہ فوں فاں کرتی وہاں سے چلی گئی اور یوں دو دن خاموشی سے گزر گئے۔

مزید دو دن بعد تایا جی اینڈ فیملی نے رخصت ہونا تھا لیکن اس سے بھی پہلے دی گریٹ تایا جی نے شوشا چھوڑ دیا جسے سن کر تقی کا دل چاہا' ان کی عمر کا لحاظ کیے بنا ان کے منہ پر اتنے گھونسے مارے کہ دوبارہ بتیسی لگا کر کھانا کھاتے بھی انہیں تکلیف ہو۔

وہ چاہتے تھے 'شفا کی باضابطہ رخصتی کر دی جائے۔
تقی تو اس مطالبے پر آتایا سو آتایا۔ عمیر بھی پریشان ہو گئے۔

"وہ شفا کو لے کر کہاں جائے گا؟ آپ عجیب باتیں کر رہے ہیں تایا جی!"

"دیکھو' میں جو بھی کہہ رہا ہوں' اس میں تمہارا فائدہ ہی ہے۔ مجھے اس لڑکے کے انداز کچھ کھٹک رہے ہیں۔ کوئی پتا نہیں' کس وقت دھوکا دے کر نکل جائے۔ پاؤں میں بیڑیاں ڈالو اور لڑکی رخصت کرنے والی بات کرو۔" اپنی طرف سے ایک اور بہت عقل والا مشورہ آیا تھا۔

"اور جس پر آپ کو بھروسا نہیں اسی کے ساتھ آپ مجھے اپنی بہن رخصت کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ آپ کمال ہیں تایا جی!" عمیر عاجز ہی آگئے تھے۔

"سنو میاں برخوردار! میں نے جو بھی کیا تمہاری بھلائی کے لیے کیا اور اب بھی جو کہہ رہا ہوں' اس میں بھی تمہاری ہی بھلائی ہے۔ نہیں مانتا نہ سہی لیکن بعد میں پچھتاؤ گے یہ میں ابھی سے بتا رہا ہوں۔ لڑکا ہاتھ سے نکل گیا تو سر پکڑ کر رونا پڑے گا۔"

"خیر نکلنا ہو تو بعد میں بھی نکل سکتا ہے۔ گارنٹی تو کسی بھی چیز کی نہیں۔" عمیر اس بات پر مزید پریشان ہو گئے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ تایا جی کی بات سے کسی قدر متفق بھی ہو ہی گئے تھے لیکن اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"وہ اسے لے کر جائے گا کہاں؟ تقی کے پاس کوئی ٹھکانا ہوتا تو وہ یہاں رہ ہی کیوں رہا ہوتا۔"

"کہیں لے کر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہیں ایک کمرے سے دوسرے میں شفٹ کر دو۔ بس تقی کو پتا ہونا چاہیے کہ شفا کی باضابطہ رخصتی ہو چکی ہے۔"

پھر انہوں نے جھک کر عمیر کے کان میں رازداری سے کچھ کہا جسے سن کر عمیر کا چہرہ کانوں تک لال ہو گیا۔ وہ جو سمجھا رہے تھے' وہ عمیر کی سمجھ میں بھی آ رہا تھا۔ وہ کوئی دودھ پیتے بچے نہیں تھے لیکن کچھ باتیں صرف سمجھنے کی ہوتی ہیں۔ کہہ کر دو سروں کو شرمندگی میں مبتلا کرنے کی نہیں اور پھر تایا جی کو اپنی اور عمیر کی عمر کا لحاظ کرنا چاہیے تھا۔ یہ بھی نہیں تو عمیر اور شفا کے آپس میں رشتے کا لحاظ بھی کر لیتے۔

عمیر قدرے جھنجلا کر اٹھ گئے اور تقی کے پاس ہی آگئے۔

چونکہ وہ خود بھی رخصتی کے حق میں تھے سو کہہ بھی دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ مدعا سارا تایا جی پر ڈالا۔ دراصل انہیں خاندان میں تایا جی کی زبان سے اپنی عزت بچانا بھی سوان کی بات ماننا ضروری لگ رہا تھا۔

تقی جل بھن گیا۔ آمیں بائیں شائیں کی لیکن۔

"پھر ایک کمرے سے دوسرے میں لے جا کر کیا کروں گا۔ جب رخصت کرنا ہی ہے تو میں اسے کہیں اور لے جاتا ہوں۔ تایا جی خوش ہو لیں۔" اس نے تایا جی کے اصرار پر نہیں' عمیر کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر فیصلہ کیا تھا۔ یہ رشتہ تو اس کے گلے ہی پڑتا جا رہا تھا۔



لیکن رخصتی سے متعلق ابھی کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہو پایا تھا۔ عمیر' تایا جی اور خصوصاً" تقی تذبذب کا شکار تھے کہ اچانک عبدالباقر صاحب آگئے۔ اب یہیں سے تقی اور شفا کی کہانی نے ایک نیا موڑ لیا۔ یہ کارستانی بھی ساہر کی۔ پہلے وہ صرف شفا کے خلاف تھی۔ اب تقی کے بھی ہو گئی اور ان دونوں کے خلاف اس کے پاس ترپ کے دو ہی پتے تھے جن میں سے ایک کو اس نے چل دیا اور باقر صاحب کو فون کر کے تقی کے خفیہ نکاح کی خبر دے دی۔

باقر صاحب تقی کے پہلے ہی خلاف تھے۔ انہیں یقین تھا اس نے آج تک جو بھی کام کیا۔ خاندان کا نام ڈبونے کے لیے ہی کیا۔ نکاح کی خبر سن کر سخت صدمہ پہنچا لیکن نکاح سے پہلے والی کارستانی نے تو دماغ ہی اڑا دیا۔ یعنی جس تھالی میں کھایا' اسی میں چھید بھی کر دیا۔ عمیر کے گھر میں رہ کر اسی کی بہن پر بری نظر ڈالی۔۔۔ توبہ توبہ۔۔۔

ان کے دل میں تقی کے لیے جو ناپسندیدگی تھی' اسے ساہر کے جھوٹ نے اور بھی ہوا دے دی۔ دل تو چاہا۔ اب ساری زندگی ہی اس کی شکل نہ دیکھیں لیکن اپنے خاندان کے ماتھے پر ایسا سیاہ داغ ان کی برداشت سے باہر تھا۔ دماغ پھٹ رہا تھا لیکن اب اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ حکمت عملی سے کام لیں' وہ ساہر کے گھر آگئے۔ اکیلے نہیں آئے۔ بیوی اور بڑا بیٹا رضی بھی ساتھ تھے اور آنے سے پہلے وہ بیوی کو غلط تربیت پر خوب لتاڑ کر آئے تھے۔ رضی الگ پریشان تھا لیکن وہاں جا کر کسی نے اس متعلق کوئی بات نہیں کی۔

تقی ان سب کو سامنے پا کر ہکا بکا رہ گیا۔ چونکہ اصل معاملے کی خبر نہیں تھی۔ یہی سمجھا ابا اس کی محبت میں آگئے ہیں۔ خوش ہو کر ان سے لپٹ جانا چاہتا تھا لیکن انہوں نے ایک غصے اور نفرت سے بھری نگاہ ہی اس پر ڈالی اور عمیر کی ہمراہی میں دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

اس نے امی کی طرف دیکھا۔ وہ الگ روئی روئی سی تھیں۔

"یہ تم نے کیا کیا تقی!"

تقی ان کے انداز پر حیران ہوا لیکن اس سے قبل کہ کچھ کہتا' ساہر نے کہا۔

"آئیں امی! میں آپ کو شفا سے ملواتی ہوں۔"

اب وہاں صرف وہ اور رضی ہی رہ گئے۔ تقی نے اس سے کچھ پوچھنا چاہا تو وہ بھی عجیب سی نظر اس پر ڈال کر اسی کمرے کی طرف چلا گیا جس میں عمیر ابا کو لے کر گئے تھے۔

تقی اکیلا احمقوں کی طرح کھڑا گتھیاں سلجھاتا رہا۔

اندر ابا اور تایا جی ہم خیال نکل آئے۔

تایا جی نے تو دبے لفظوں میں شک ظاہر کیا تھا کہ چونکہ تقی نے کسی ہڑبڑ میں نکاح کر لیا ہے سو ایسا نہ ہو بعد میں مکر جائے۔ نئی نسل کا آج کل کچھ پتا نہیں چلتا۔

ابا اور رضی نے اصل قصہ چھیڑا ہی نہیں کہ جو خبر ان تک پہنچی' اس کا ذکر کرنے میں نری شرمساری ہی شرمساری تھی۔ البتہ ابا جیسے انسان بھی سر جھکا کر بات کر رہے تھے تو یہ ان کی شرمساری کا اظہار ہی تھا۔ جبکہ عمیر اور تایا جی کے تو فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ وہ کیا سن کر آئے ہیں۔

یعنی بالا ہی بالا سب طے ہو رہا تھا۔

اور تایا جی نے تو سرسری سا شک ظاہر کیا تھا۔ ابا نے بنا لحاظ ان کے شک پر مہر لگا دی۔

"بھائی صاحب بالکل درست کہہ رہے ہیں' ہے تو میرا بیٹا لیکن مجھے خود بھی اس پر بالکل بھروسا نہیں ہے۔" پھر انہوں نے عمیر کی طرف دیکھا۔

"آپ بالکل بے فکر ہو جائیں عمیر بیٹا! شفا بیٹا آج سے ہماری ذمہ داری ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیں' اسے رخصت کر کے سسرال بھجوا رہے ہیں بلکہ یہ سمجھیں' وہ بھائی کے گھر سے رخصت ہو کر اپنے باپ کے گھر جا رہی ہے۔"

عمیر کو اچھی خاصی تسلی ہو گئی جس طرح نکاح ہوا اس میں تو ناکامی کے اسی فیصد چانسز تھے لیکن تقی کے والد کی مداخلت کے بعد ان کا مطمئن ہو جانا کچھ ایسی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ انہوں نے رخصتی کے لیے ہامی بھر لی۔



جس طرح نکاح ہوا تھا۔ رخصتی اس سے بھی زیادہ عجیب انداز میں ہوئی اور صرف شفا کی ہی نہیں ہوئی تقی کی بھی ہو گئی یعنی اسے بھی گھر آنے کی اجازت مل گئی لیکن سارا راستہ ابا غضب ناک صورت بنائے سنجیدہ بیٹھے رہے۔ اگلی سیٹ پر تھے۔ رضی ڈرائیو کر رہا تھا۔ تقی اور شفا امی کے ساتھ پچھلی سیٹوں پر تھے۔ تقی بار بار بیک ویو مرر میں ابا کو دیکھتا اور ان کے خیالات

تک رسائی حاصل کرنے کا تکا لگا تا لیکن ہر بار ناکام ہی رہتا۔ ان کی شکل دیکھ کر تو یہی لگ رہا تھا۔ شفا کی مروت میں اسے بھی ساتھ لے آئے ہیں ورنہ ان کا بس چلتا تو گھر میں قدم رکھنے کی اجازت بھی نہ دیتے۔

گھر پہنچ کر پتا چلا' معاملہ کچھ نہ کچھ نہیں بلکہ پورا کا پورا ایسا تھا کہ اسے حقیقتاً" شفا کی مروت میں آنے کی اجازت ہی دی جا رہی تھی۔

ابا تو سیدھے اندر چلے گئے۔ شفا کو امی ساتھ لے گئیں۔

"معاملہ کیا ہے؟" اس نے الجھ کر رضی سے پوچھا جواب میں جو سننے کو ملا۔ اس نے اسے ہکا بکا کر دیا' دماغ اڑا دیا' تقی کھڑے کھڑے مرنے والا ہو گیا۔

"کیا کہا ساہر نے کہ میں نے شفا کے ساتھ ......"

اس سے آگے لفظ بھی اس کے منہ سے نہ نکلے اس قدر فضول بات' اتنا گھٹیا الزام۔

ساہر نے تو اسے کچھ سوچنے کے قابل بھی نہ چھوڑا تھا کجا کہ کچھ کہنا۔

لیکن اب سچ اگلنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا سو اس نے رضی کو ہی سچ بتا دیا۔

رضی کو شاک لگا۔

"ساہر نے اتنا بڑا جھوٹ بولا .... وہ ایسی کب سے ہو گئی۔"

"مجھے نہیں پتا ایسی کب سے ہو گئی۔" تقی نے بیزاری سے کہا۔ "میں صرف اتنا جانتا ہوں' میری نیکی میرے گلے پڑ گئی ہے۔ میرا کردار تک مشکوک بنا دیا ساہر نے۔ ابا کی نظر میں تو پہلے ہی کچھ نہیں تھا۔ اب تو اور بھی گر گیا۔ کسی کی عزت پر ہاتھ ڈالنا چھوٹی بات ہے؟ اتنی بڑی بات کس آرام سے کہہ دی اس نے۔"

وہ جس کیفیت میں تھا۔ اس کا کوئی ایک واضح نام ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

"میں جا رہا ہوں۔ شام تک آجاؤں گا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہے ہو میں اس طرح تمہیں نہیں جانے دوں گا۔" رضی نے تیزی سے کہا تھا۔

"بے فکر رہیں۔ بھاگ نہیں رہا۔ واپس آجاؤں گا لیکن ذرا کھلی فضا میں سانس لینا چاہتا ہوں۔"

"لیکن تقی!"

"پلیز بھائی ......"

"اچھا ٹھیک ہے لیکن بائیک لے جاؤ۔"

بائیک اسی کی تھی لیکن جب گھر سے نکالا گیا تو گھر میں موجود اس کی ہر چیز سے بھی بے دخل کر دیا گیا۔

تقی نے رضی کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا جس میں بائیک کی چابی تھی۔

"رہنے دیں۔ ابا خفا ہو جائیں گے۔"

"بے فکر رہو۔ میں سنبھال لوں گا۔ لیکن بائیک تم لے جاؤ اور سنو' جلدی واپس آجانا۔"

رضی نے تاکید کرنا ضرور سمجھا۔

تقی بائیک لے کر نکلا تو دن کے ڈھائی بجے تھے وہ رات گیارہ بجے تک سڑکوں پر بائیک دوڑاتا رہا۔ ایک بار بھی گھر جانے کے بارے میں نہیں سوچا۔ کیوں سوچتا' وہاں تھا بھی کیا۔ صرف شک اور ابا کی بدگمانی۔ جو اسے ہرگز نہ چاہیے تھی۔

اتنا بھی خیال نہ آیا۔ ایک لڑکی ہے جسے اپنا نام لگانے کی پاداش میں اس کے ابا ساتھ لے آئے ہیں۔ معمولی غلطی کی بھی اتنی بڑی سزا۔ بھئی کمال ہے۔

☼ ☼ ☼

تقی کی امی نے اسے باری باری سب سے ملوایا۔

"یہ رضی ہے' تقی سے بڑا اور یہ جری ہے۔ تقی سے چھوٹا۔ یہ رضی کی بیوی اور اس کی بیٹی اور میں تقی کی ماں ہوں۔ تمہاری بھی ماں ہوں۔ تم کبھی مجھے غیر نہ سمجھنا۔ زندگی میں آزمائشیں آجایا کرتی ہیں۔ ان پر دل برداشتہ نہیں ہوا کرتے۔ گو کہ جو بھی ہوا برا ہوا لیکن آگے جو بھی ہو گا۔ اچھا ہی ہو گا ان شاء اللہ' مجھے افسوس ہے۔ تمہیں پورے چاؤ سے رخصت نہیں کروا سکی۔ تقی کی جلد بازیاں بس ایسی ہی ہیں۔ تمہارے بھی تو کچھ نہ کچھ ارمان ہوں گے۔ ہر لڑکی کے ہوتے ہیں۔ لیکن تم دیکھنا' ولیمہ ہم پوری دھوم دھام

سے کریں گے۔" وہ جتنا ہو سکا اسے تسلی دیتی رہیں شفا نے کچھ سنا کچھ نہیں۔

اس پر تو صحیح معنوں میں قیامت ٹوٹی تھی اور عجیب ہی انداز سے ٹوٹی تھی۔ نکاح کر کے رخصت نہیں کیا گیا تھا۔ نکاح کر کے گھر سے نکالا گیا تھا۔

عمیر بھائی نے اس سے کہا تھا۔

"تمہاری رخصتی ہے۔ ضروری سامان پیک کر لو۔" اس نے صاف کہہ دیا۔

"جب گھر سے نکال ہی رہے ہیں تو سامان دینے کی بھی کیا ضرورت ہے۔"

پھر شاید تایا جی کی بہو نے اس کا سامان پیک کیا اور اس کے کان میں گھس کر بولی۔

"بدگمانی دل میں لے کر گھر سے نہ جاؤ شفا! جب طوفان آتا ہے تو گرد و غبار کو بیٹھنے میں وقت لگتا ہے۔ تمہارے بھائی نے بالکل درست فیصلہ کیا ہے۔ یہاں رہو گی تو زمانے کی اٹھی ہوئی انگلیاں تمہارا جینا مشکل کر دیں گی۔"

لیکن شفا کے کان بند تھے سن نہ سکی۔ اس کا تو دل ٹوٹا تھا۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی بھی ـــــ جلد جڑ جاتی ہو گی لیکن ٹوٹے ہوئے دل کو جڑنے میں صدیاں لگ جاتی ہیں۔

اور اب وہ یہاں تھی۔ اس کے گرد موجود افراد بس بول رہے تھے اور چاہتے تھے وہ بھی ان کی گفتگو میں حصہ لے۔ غالباً" ان سب کی خوش مزاجی کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ اس کیفیت سے نکلے لیکن وہ گھس سی بیٹھی رہی۔ زیادہ سے زیادہ بھی ہوں ہاں کر کے خاموش ہو جاتی تھی۔

تب تقی کی امی اسے کمرے میں چھوڑ گئیں۔

"تم آرام سے بیٹھو۔ میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو ......"

"امی! میں کچھ نہیں کھاؤں گی صرف سونا چاہتی ہوں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"ہاں ہاں۔ تم سو جاؤ۔" وہ اسے چھوڑ کر چلی گئیں۔ شفا دراز ہو گئی اور کچھ ہی دیر میں گہری نیند سو گئی۔



تقی رات گئے واپس آیا گو کہ دل راضی نہیں تھا پھر بھی آگیا۔ کوئی اور ٹھکانا بھی تو نہیں تھا کہ وہیں چلا جاتا۔

رضی اس کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔ تقی کی لٹکی ہوئی شکل دیکھی تو محبت سے اس کا کندھا تھپتھپانے لگا۔

"پریشان کیوں ہوتے ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اب تک تو ہوا نہیں پھر کب ہو گا۔" اس نے اور منہ لٹکا کر کہا اور لاؤنج کے صوفے پر گر گیا۔

"سب سو گئے؟"

"ہاں۔" رضی بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"شفا؟" تقی نے گردن موڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"امی اور شفا جری کے کمرے میں۔"

تقی نے کچھ نہیں کہا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا۔

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے' میں یہاں نہیں رہوں گا۔ شک کے سائے میں رہنا بہت مشکل ہے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا' ایسے جیسے نیند میں ہو۔

"اچھا تو پھر کہاں جاؤ گے؟"

"کہیں بھی چلا جاؤں گا ..... لیکن یہاں نہیں .... میں انہیں اصل بات نہیں بتا سکتا کہ ساہر کی عزت ان کی نظروں میں جاتی رہے گی اور بتانے کا کچھ خاص فائدہ ہو گا بھی نہیں کیونکہ میں جانتا ہوں' وہ یقین کریں گے ہی نہیں .... یہاں رہا تو وہ اپنے جملوں سے ماردیں گے بلکہ جملوں کی تو نوبت ہی نہیں آئے گی۔ ان کی نظریں ہی مجھے زمین میں گاڑنے کے لیے کافی ہوں گی' میں چلا جاؤں گا۔ ان کا خیال ہے' مجھے گھر لا کر انہوں نے میرے گناہ پر پردہ ڈالا ہے۔ وہ نہیں جانتے۔ وہ گناہ تو میں نے کیا ہی نہیں ..... میں نہیں رہوں گا۔ چلا جاؤں گا۔"

وہ صوفے پر ہی سو گیا۔ رضی نے لا کر کمبل اوڑھا

دیا۔

☆ ☆ ☆

شفا کو زیادہ گہری نیند نہیں آئی۔ اسی لیے صبح بھی جلد آنکھ کھل گئی۔ تقی کی امی بھی جاگ چکی تھیں اور وہ بیڈ سے اٹھ ہی رہی تھیں۔

"جاگ گئی ہو بیٹی!" اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر انہوں نے مسکرا کر کہا۔ شفا بھی تکلفاً" مسکرا کر اٹھ بیٹھی۔

"نماز پڑھ کر میں کچھ دیر کے لیے دوبارہ آنکھ لگا لیتی ہوں' دراصل جوان عمری کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ سال بچے وار ہو جاؤ تو نیند کو تو بھولنا ہی پڑتا ہے اور پھر آدھی سے زیادہ عمر گزار کر نیند ویسے ہی کم ہو جاتی ہے۔۔۔ لیکن آج میں کچھ زیادہ ہی سو گئی۔"

"میں بھی نماز کے لیے تو اٹھتی ہوں۔" اس نے وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے شرمندگی سے کہا۔

"رات سونے میں ہم سب کو ہی دیر ہو گئی تب ہی تو آنکھ نہیں کھل پائی۔ اچھا اٹھو قضا ہی پڑھ لیتے ہیں۔"

وہ اٹھیں تو شفا بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں نے قضا نماز کی ادائیگی تک بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں کر ڈالیں بلکہ زیادہ تر تو وہی بولتی رہیں' شفا صرف سنتی رہی یا ہوں ہاں میں جواب دیا۔

پھر وہ اسے کچن میں لے آئیں۔

"سبین میری بہو ہی نہیں بھانجی بھی ہے۔" انہوں نے بتایا' شفا مسکرا کر خاموش ہو رہی۔

"آپ کچھ نہ بتائیں خالہ! کیونکہ میری اور شفا کی تو بہت دوستی ہونے والی ہے۔" وہ خوشگوار مزاج والی بھی جلد ہی شفا سے باتیں کرنے لگی۔ دو تین بار شفا نے کوشش کی کہ اس کا ہاتھ بٹا دے لیکن ہر بار سبین نے اسے منع کر دیا۔

"رواتی نہ سہی لیکن ابھی پہلے دن کی دلہن ہو ساری زندگی پڑی ہے کام کرنے کے لیے۔ اس لیے ابھی رہنے دو اور میرے ہاتھوں کا لذیذ ناشتہ کھاؤ۔ پھر بتانا ایسا لذیذ ناشتہ تم نے پہلے کبھی کیا ہے۔۔۔ تمہارا میاں کھانے پینے کا اتنا شوقین ہے کہ تمہاری باقی کی زندگی ویسے بھی کچن میں ہی گزرنے والی ہے۔" وہ نان اسٹاپ بول رہی تھی۔ یہ طے کرنا مشکل تھا کہ اس کے ناشتہ بناتے ہاتھ زیادہ تیزی سے چل رہے ہیں یا زبان۔

شفا سنتی رہی۔ مسکراتی رہی لیکن یہ تھا کہ تھوڑی بہت ہی سہی لیکن ان دو خواتین کی وجہ سے اس کی جھجک کافی حد تک دور ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح وہ دیر سے بیدار ہوا۔ اتوار تھا اور وہ اتنا ریلیکس ہو کر سویا تھا کہ ایک بار بھی احساس نہ ہوا کہ زندگی میں کتنی چہل قدمی بڑھ گئی ہے۔

آنکھ کھلتے ہی کچھ دیر بے دھیانی سے چھت کو گھورتا رہا۔ ذہن بالکل خالی سا ہو رہا تھا پھر چھوٹے سے صوفے پر بمشکل کروٹ بدلی تو سامنے ہی شفا نظر آ گئی۔ لاؤنج اور کچن کے درمیان جو کھڑکی تھی اسی سے وہ باتیں کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ بول رہی تھی' ہنس رہی تھی۔

"ہنس تو ایسے رہی ہے جیسے بڑا خوشی کا موقع ہو۔۔۔ ہونہہ۔"

تقی کو آگ ہی لگ گئی لیکن ابا کی کھنکھار نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"صبح ہوئے بہت دیر گزر چکی ہے۔" آواز تھی کہ طنز میں ڈوبا نقارہ۔ تقی اٹھ کر بیٹھ گیا لیکن کمبل سے نہیں نکلا۔

"لیکن ناکارہ لوگوں کو کیا پتا' صبح کس چڑیا کا نام ہے اور جلد بیدار ہونے کی کتنی برکت ہے۔"

"گھما پھرا کر سنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ کے گھر سے جا ہی رہا ہوں۔"

"اچھا! ذرا میں بھی تو سنوں' وہ کون سے محل ہیں جو آپ نے کھڑے کر رکھے ہیں اور یہاں سے نکل کر وہاں جانے کا ارادہ ہے۔ جنہوں نے رحم کھا کر اپنے گھر میں رکھا تھا۔ انہیں تو تم اچھا سبق سکھا آئے ہو کہ آئندہ کسی پر رحم کھانے کی غلطی نہ کریں۔۔۔ میں تو

تمہیں نالائق ہی سمجھتا تھا لیکن تم تو احسان فراموش بھی نکلے۔"

"بس۔" وہ جیسے پھٹ پڑا تھا۔ اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ گھر کے سب افراد اکٹھے ہو گئے۔ شفا بھی اب تو ان میں شامل تھی اور رضی نے بے اختیار سر پر ہاتھ مارا تھا۔ وہ کل رات اس کا انتظار کرتے ہوئے یہی سوچ رہا تھا کہ تقی کو تاکید کرے گا جب ابا اس سے بات کریں تو وہ خود پر اپنی زبان پر کنٹرول کر لے۔ ابا کے سامنے کہا ہوا ایک بھی جملہ اس کے نمبر مزید گھٹا سکتا تھا لیکن وہ بھول گیا اور اس کی بھول اب سامنے آ گئی تھی۔

"جنہوں نے احسان کیا۔ ان کی فکر آپ نہ کریں۔ ان کے ساتھ اپنے معاملات میں خود سنبھال لوں گا باقی جہاں تک بات محلوں کی ہے تو میں سڑک پر رہنا زیادہ پسند کروں گا بہ نسبت آپ کے اس گھر کے۔ کم سے کم وہاں کوئی بار بار احسان جتانے تو نہیں آئے گا۔ ساری دنیا کے باپ اپنی اولاد کو پالتے ہیں ان کے لیے محنت کر کے اپنی اوقات سے اچھا لائف اسٹائل فراہم کرتے ہیں لیکن کوئی بھی اس طرح جتاتا نہیں ہو گا جس طرح آپ بچپن سے مجھے جتا رہے ہیں۔"

"تمہاری یہی زبان درازی مجھے سخت ناپسند ہے۔" وہ گرجے۔

تقی کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ "آپ کو میں ہی ناپسند ہوں۔"

"تو تم نے ایسا کون سا کام کیا جو میں تمہیں پسند کروں؟"

"ماں باپ کی محبت تو کبھی مشروط نہیں ہوتی پھر آپ مجھ سے محبت کرنے کے لیے ہمیشہ جواز کیوں تلاش کرتے رہتے ہیں۔" اس نے سوچا۔ کہا نہیں اور کھڑا ہو گیا۔

"آپ کو آپ کا محل مبارک ہو۔ میں کچھ دیر میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی بات نے ابا کو اور غصہ دلا دیا۔

"تم ہو بھی اسی قابل کہ سڑکوں پر رلتے رہو۔"

"جی بہتر۔" اس نے تحمل کی انتہا کر دی۔

"شفا بیٹی یہیں رہے گی۔" ابا نے غرا کر فیصلہ سنا دیا۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

تقی نے چند پل کا توقف کیا اور اطمینان سے بولا۔ "ٹھیک ہے..... اسے یہیں رکھیں۔"

ہاتھ میں چائے کا مگ پکڑے خاموش کھڑی شفا کی روح پر ایک اور ضرب لگی۔ یہ تو اوقات تھی اس کی کہ اپنے خالی سوٹ کیس کی طرح کہیں بھی چھوڑ دیا جائے۔

"پاگل پن کی باتیں مت کرو تقی! بس اب چپ رہو۔" امی تیزی سے درمیان میں آئیں اور منت بھرے لہجے میں کہا۔

"میں فیصلہ کر چکا ہوں امی! یہاں رہوں گا تو ابا کے لیے ایک مستقل ٹینشن۔ اچھا ہے ان کی نظروں سے دور ہی رہوں۔" وہ ذرا بھی نہیں جھجکا نہیں تھا بے دھڑک کہہ دیا تھا۔ ابا نے زور کا "ہونہہ" کہہ کر منہ موڑ لیا۔ امی نے آس سے ان کی طرف دیکھا لیکن وہ تو منہ موڑ چکے تھے۔ وہ سمجھ گئیں مزید کچھ نہ سنیں گے۔

"ٹھیک ہے..... جانا ہی ہے تو تو شفا کو ساتھ لے کر جاؤ۔ شوہر کے بغیر وہ یہاں کیونکر رہ سکتی ہے۔" امی کے دماغ میں جانے کیا آئی۔ انہوں نے آنکھوں میں آنسو بھرے تیزی سے کہا تھا۔

"میں کہہ چکا ہوں۔ شفا بیٹی یہیں رہے گی۔" ابا از سرِ نو غرائے۔

"یہاں کون سے لڈو بٹ رہے ہیں کہ یہاں رہے۔" امی نے سادگی سے کہا۔ "جس کے ساتھ زندگی گزارنی ہے، رہے بھی اسی کے ساتھ۔"

"لیکن امی ۔۔۔!" تقی نے اس فیصلے کے حق میں مزاحمت کرنا چاہی لیکن امی نے چپکے سے اس کا ہاتھ دبا دیا۔

"ہاں، یہ اس کا اپنا گھر ہے سو بار آئے لیکن شوہر کے ساتھ۔ جو حق ہے اسے پورا ہونے دیں۔"

ابا کو دھچکا لگا، سالہا سال سے بیگم کے منہ سے جی حضور، جی حضور سننے کے عادی ہو چکے تھے۔ یہ بھلی

مخالفت برداشت کرنا مشکل لگ رہا تھا۔

"تم کون ہوتی ہو فیصلہ کرنے والی؟" ابا کی چنگھاڑ۔ باقی سب نے تو جو محسوس کیا سو کیا، تقی کا دماغ بھٹنے والا ہو گیا۔ شفا کے سامنے اس کی ماں سے کس طرح بات کر رہے تھے۔

"معاف کیجئے گا ابا! لیکن فیصلہ کرنے کا اختیار تو آپ کے پاس بھی نہیں ہے۔ یہ فیصلہ میں اور شفا کر سکتے ہیں اور میرا فیصلہ ہے، شفا میرے ساتھ ہی جائے گی۔۔۔ امی! ٹھیک کہہ رہی ہیں، جہاں میں رہوں گا وہیں میری بیوی بھی رہے گی۔" اس نے تحمل سے کہا اور گردن موڑ کر شفا کو دیکھا۔ "چلو شفا!"

اتنا دوستانہ انداز تھا کہ ایک پل کو شفا بھی حیران ہوئی۔

ابا ہونہہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھے۔ ساتھ ہی رضی کو بھی ساتھ آنے کا حکم دیا۔

رضی تیزی سے ان کے پیچھے لپکا۔

"امی! مجھے میرے اور بجنل ڈاکیومنٹس چاہئیں" وہ اس کمرے کی طرف چلا گیا جو اس کا اور جری کا تھا اور آج کل صرف جری کے زیر استعمال تھا۔

اسے چند منٹ لگے تھے اپنا مطلوبہ سامان سمیٹنے میں۔ ان ہی چند منٹوں میں رضی اس کے پاس آیا۔

"یہ لو۔" اس کے ہاتھ میں چابیاں تھیں۔ تقی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"جوہر ٹاؤن والا مکان پچھلے مہینے کرایہ داروں نے خالی کر دیا تھا۔ ابا کہہ رہے ہیں، تم وہاں شفٹ ہو جاؤ۔"

"اب یہ عنایت کس لیے؟" تقی کس قدر حیران ہوا اور کس قدر جھنجلا کر کہا۔

رضی مسکرا دیا۔

"جب خود اپنے ہی جیسے ایک بیٹے کے باپ بن جاؤ گے تو اس سوال کا جواب تمہیں مل جائے گا۔"

"اب اس بات کا کیا مطلب ہے؟" وہ اور جھنجلایا جب آپ خود کو درست سمجھ رہے ہوں اور کوئی آپ کو بالواسطہ بھی یہ جتا دے کہ کچھ نہ کچھ تو آپ بھی غلط ہیں تو جھنجلاہٹ تو ہوتی ہے ناں۔

"اور ویسے بھی مجھے ابا کا کوئی احسان نہیں چاہیے۔"

"پاگل پن کی باتیں مت کرو۔ اب تم اکیلے نہیں ہو کہ جہاں سینگ سمائے وہاں رہ لیے۔ شفا کی ذمہ داری ہے تم پر اور عورت کی ذمہ داری معمولی نہیں ہوتی۔ اس طرح پھر گھر سے نکل رہے ہو، ایک بار بھی سوچا ہے اسے کہاں رکھو گے؟"

بات عقل والی تھی اس کی سمجھ میں آ گئی تو جھجکتے ہوئے چابیاں پکڑ لیں لیکن "اکڑ" ابھی بھی نہیں گئی تھی اس کی۔

"میں جلد ہی گھر کا بندوبست کر لوں گا۔"

رضی نے سر ہلا دیا۔ "پیسے چاہئیں؟"

تقی کا سر شرمندگی سے لیکن اثبات میں معمولی سا ہلا۔

رضی نے فوراً والٹ نکال کر اسے کچھ نوٹ پکڑا دیے۔

"ابھی اتنے ہی ہیں میرے پاس۔ کل بینک سے نکلوا کر اور دیتا ہوں۔"

"یہ بھی میں واپس کر دوں گا۔" تقی نے شرمندگی سے کہا تھا۔ رضی نے ہنس کر اس کے کندھے پر چپت لگائی۔

"فکر نہ کرو۔ اب وہ دور نہیں رہا کہ میں تمہیں اپنے پیسے چھوڑ دوں۔ اتنے بڑے اسٹار بن گئے ہو، سارے قرض سود سمیت وصول کروں گا۔"

یہ بڑے بھائی کا پیار بھرا انداز تھا۔ تقی کے دل میں اسٹار والی بات پرانی سی گڑی لیکن ابھی وقت نہیں تھا کہ رضی کو بیٹھ کر خود پر بیتی داستان سناتا، سو وہ بھی ہنسا اور جب ہنسا تو جری بھی اندر آ گیا۔

"بھائی! تم بائیک بھی لے جاؤ۔ تمہارے کام آئے گی۔ میں کالج لوکل سے چلا جایا کروں گا۔ ٹائر پنکچر ہوا تھا۔ میں نے لگوا دیا اور آئل ابھی پچھلے ہفتے بدلوایا تھا آپ گئے تو بیڈ پر میں نے سونا شروع کر دیا تھا لیکن آپ آئیں گے تو آپ کا بیڈ چھوڑ دوں گا۔ پہلے کی طرح

کارپٹ پر میٹرس بچھا لیا کروں گا۔" وہ تقی کو خوش کرنے کے لیے سادگی اور سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ تقی اور رضی کی مسکراہٹیں گہری ہوئیں۔

"صرف بیڈ ہی نہیں کمرا چھوڑنے کے لیے بھی تیار رہو کیونکہ اب تقی آئے گا تو اس کی بیوی بھی ساتھ ہو گی۔" رضی نے کہا تھا۔ جری نے ایسے تاثرات دیے جیسے کہہ رہا ہو اس پر سوچے گا۔

"اتنے برے ابا کے ہم کتنے اچھے بیٹے ہیں۔" تقی نے بناوٹی دکھ سے کہا تھا' حالات نے اسے سنجیدہ کر دیا تھا ورنہ بذلی تو وہی پرانی تھی۔

"ابا برے نہیں ہیں۔" جری نے فوراً" کہا۔

"تم ساری زندگی ابا کے چمچے ہی رہنا۔ دیکھ لینا۔ تمہارے بچوں کے نام کے آگے بھی تمہارے نام کے بجائے "چمچہ" ہی لگے گا۔ یعنی تم نے اپنے بیٹے کا نام سعد رکھا تو اس کا پورا نام "سعد چمچہ" ہو گا۔"

اس بات پر وہ تینوں ہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

☆ ☆ ☆

بھائی نے اچانک گھر سے نکال دیا اور جس کے ساتھ نام نہاد رخصتی کی' وہ اسے موٹر سائیکل پر بٹھا کر جوہر ٹاؤن لے آیا۔

تقی کی امی نے نکلتے ہوئے اس کا ہاتھ دبا کر کہا تھا۔

"کرائے داروں نے جاتے ہوئے گھر کی صفائی کروائی تھی تب سے ویسے ہی پڑا ہے۔ پہلے پتا ہوتا تم لوگ وہاں رہو گے تو صفائی کروا دیتی اور کچھ ضرورت کا سامان بھی رکھوا دیتی لیکن تم ابھی جاتے ہی پریشان نہ ہو جانا۔ ایک دو دن تک سب ہو جائے گا۔ ابھی فوری طور پر میں تمہارے ساتھ بھی نہیں جا سکتی کہ تقی کے ابا برا مانیں گے' لیکن کل میں ضرور چکر لگاؤں گی۔"

شفا نے گھوم پھر کر دیکھ لیا' گھر اچھا تھا' اتنا گندا بھی نہیں تھا لیکن چونکہ کافی دنوں سے بند پڑا تھا تو صفائی کی ضرورت تو بہرحال تھی اور اس کے لیے اسے کچھ بنیادی چیزوں کی ضرورت تھی۔ وہ ذہن میں ان چیزوں کی لسٹ بناتی رہی۔ فرنیچر کے نام پر ایک پلنگ تھا۔ دو کرسیاں' ایک چھوٹی میز کچن میں رکھی تھی۔ دو بیڈ روم تھے۔ ان کے درمیان میں لاؤنج۔ کچن' ایک طرف ڈرائنگ روم' کچن کے ساتھ چھوٹا سا کچن گارڈن۔ اوپر کا پورشن بھی اسی طرح تھا۔

جب وہ گھوم پھر کر دیکھ چکی تو تقی منہ بناتا پتا نہیں کہاں سے برآمد ہوا۔

"پانی نہیں آرہا۔ موٹر خراب ہے۔ میں مکینک کو لے کر آتا ہوں۔" وہ جاتے جاتے رکا۔

"تمہیں اکیلے ڈر تو نہیں لگے گا؟"

شفا نے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا تو وہ چلا گیا۔

شفا اکیلی تنہا گھر میں گھومتی رہی۔ دو تین صفائی سے متعلقہ چیزیں بھی اسے مل ہی گئیں تو اس نے کام بھی شروع کر دیا۔ اچھا ہی تھا۔ بیٹھ کر سود و زیاں کا حساب کرتے رہنے سے تو بہت اچھا تھا خصوصاً" تب جب آپ جانتے ہوں' نفع نقصان کا دس بار پڑتال کا تو آخر میں جو ہاتھ آئے گا' وہ نرا خسارہ ہی ہے تو بہتر ہے اس پر سوچو ہی نہیں۔

سو اس نے بھی یہی کیا۔ خود کو مصروف کرنے کی کوشش کرنے لگی کہ ذہن میں کوئی خیال آئے ہی نہیں۔ لیکن خیال تو خیال ہے' اس کا دل چاہے گا تو وہ آئے گا۔ نہیں تو نہیں آئے گا۔

تقی مکینک کو لے کر آیا تب تک وہ کچھ اور سامان بھی تلاش کر چکی تھی۔ موٹر ٹھیک ہوئی پانی آگیا۔ شفا نے بالٹیاں بھر بھر کے پانی بہانا شروع کیا تو تقی نے بنا کہے جھاڑو اٹھالی' لیکن وہ اناڑی پن سے جھاڑو لگا رہا تھا۔ شفا سے رہا نہیں گیا تو اس کے ہاتھ میں بالٹی پکڑا کر اس کے ہاتھ سے جھاڑو لے لی۔ ڈیوٹی بدل گئی' لیکن بالکل خاموشی سے اور دوستانہ پن کے ساتھ۔ منٹوں میں سارا گھر دھل دھلا کر نکھر گیا۔ فرنیچر تو کوئی تھا نہیں کہ دقت ہوتی۔

جب وہ دونوں فارغ ہو کر بیٹھ گئے تو تقی دوبارہ گھر سے چلا گیا۔ تقریباً" آدھ گھنٹے بعد واپس آیا تو ڈسپوزیبل پیکنگ میں چائے اور فروٹ کیک لایا تھا۔

"ابھی اسی پر گزارہ کرو۔ پھر کھانے کے لیے بھی کچھ

لے کر آتا ہوں۔"

شفا نے ان چیزوں کو ایسے وصول کیا جیسے نعمت غیر مترقبہ ہاتھ لگی ہو۔ صبح چھ بجے کا ناشتا کیا ہوا تھا' اب شام کے چار بج رہے تھے۔ وہ وہیں فرش پر بیٹھ کر کھانے لگی۔ تقی نے اسے دیکھا پھر خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگا۔

"ناشتا بھی نہیں کیا۔ اب تو بھوک سے مرنے والا ہوں۔" انداز خود کلامی کا سا تھا۔

"میرے پاس کچھ پیسے ہیں۔ کھانے کے لیے۔" شفا کا جملہ ابھی یہیں تک تھا کہ اس نے اچک لیا۔

"اب اتنا بھی کنگلا نہیں ہوں کہ دو وقت کا کھانا بھی نہ کھلا سکوں۔"

شفا دوبارہ نہیں بولی۔

اگلے کچھ منٹ وہ دونوں کیک کھاتے اور خاموشی سے چائے کے گھونٹ بھرتے رہے اور ٹکر ٹکر دیواروں کو دیکھتے رہے۔ پھر تقی کو ہی بے چینی لاحق ہوئی کہ وہ بولنے کا ہمیشہ سے شوقین رہا تھا۔

"میں نے بچپن میں ایک فلم دیکھی تھی۔ اس میں ہیرو ہیروئن گھر سے بھاگ کر جنگل میں جا کر رہنے لگتے ہیں اور وہیں درخت کاٹ کر اپنا جھونپڑا بنا لیتے ہیں۔ پھر اس جھونپڑے میں ضرورت کا ہر سامان آجاتا ہے۔۔۔ ہمیں درخت کاٹنے نہیں پڑیں گے۔ جھونپڑا بنا بنایا مل گیا ہے۔"

شفا کو ہنسی آگئی۔ اس کا انداز ہی ایسا تھا۔

اس بات اور ہنسی نے گویا ان کے درمیان حائل خاموشی کے پردے میں سلوٹیں ڈال دیں۔

"دیکھو شفا! کچھ باتیں ہیں جنہیں ہمارے درمیان ابھی سے ڈسکس ہو جانا چاہیے۔" تقی نے اس کی ہنسی سے تقویت پکڑتے ہوئے کہا۔

"ممکن ہے۔ تمہیں ایسا لگے کہ یہ باتیں کرنے کے لیے یہ وقت مناسب نہیں ہے' لیکن یقین مانو اس سے زیادہ مناسب وقت ہمیں دوبارہ نہیں مل سکے گا۔۔۔ ہماری شادی عام شادیوں کی طرح تو ہے نہیں کہ سب کچھ نارمل لگے۔ عجیب و غریب انداز کی شادی جیسے۔۔۔ اتنی افراتفری میں تو لوگ اپنے بچوں کے عقیقے نہیں کرتے جتنی عجلت میں ہماری شادی کر دی گئی ہے۔ تم اچھی طرح جانتی ہو' میں کہیں اور کمیٹڈ تھا۔ مجھے اسی سے شادی کرنی ہے۔ مہک کے بغیر زندگی کا سوچ بھی نہیں سکتا میں۔۔۔ تمہاری تو کوئی گنجائش ہی نہیں ہے میری زندگی میں۔۔۔ یہ بات تلخ ہے لیکن۔۔۔ تم سے نکاح کے لیے ہامی میں نے عمیر بھائی کے فورس کرنے پر بھری تھی۔ میں نہ کرتا تو کسی ایب نارمل بندے سے تمہاری شادی کر دی جاتی۔۔۔ میں تمہیں اس مشکل سے نکالنا چاہتا تھا' اسی لیے میں نے ہاں کر دی اور میں نے نکال بھی لیا۔ لیکن اب آگے اپنے لیے کیا کرنا ہے' یہ تمہیں خود ہی سوچنا پڑے گا۔ میں اتنا ہی کر سکتا تھا تمہارے لیے۔ اس سے زیادہ کی امید مت رکھنا۔ ویسے بھی زندگی میں ہمیشہ خود پر ڈیپینڈ کرنا چاہیے۔ خود سے توقعات لگانا چاہئیں۔ کسی دوسرے سے لگائی گئی توقعات ہمیشہ تکلیف دیتی ہیں۔"

جب وہ اپنی طرف سے ایک موثر تقریر کر چکا تو اس نے جو اب تک دانستہ شفا کی طرف نہیں دیکھا تھا' اس کی طرف دیکھا۔ وہ بالکل سنجیدگی سے بلکہ ایسے بے زار بیٹھی دکھائی دی جیسے واقعی وہ کوئی بورنگ تقریر سن رہی ہو اور اسے بے زار ہو کر جمائیاں آنے لگیں۔

"کب چھوڑیں گے مجھے؟" اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر شفا نے پوچھا۔

"ہیں؟" تقی ہونق بن گیا۔

"ان ساری باتوں کا یہی مطلب ہے نا کہ آپ مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھیں گے اور ایک نہ ایک دن چھوڑ دیں گے۔۔۔؟ تو میں یہی پوچھ رہی ہوں' کب چھوڑیں گے؟"

تقی اور بھی ہونق بن گیا۔ اس کا تو خیال تھا' پہلے تھوڑا رونا دھونا ہو گا جذباتی قسم کے مکالمے بولے جائیں گے' ممکن ہے' اسے پریشرائز بھی کیا جائے (مجبوریاں اپنی جگہ درست سہی۔ اس جیسے بندے سے دست بردار ہونا اتنا آسان بھی تو نہیں اور یہ اس کی

ذاتی ہی رائے تھی)۔

باہر کوئی آیا تھا‘ تقی اپنی حیرانی چھپانے کی ناکام کوشش کرتا اٹھ گیا۔ باہر جری اور رضی کھڑے تھے۔ امی نے چپکے سے ان دونوں کی ضرورت کا کچھ سامان بھجوا دیا تھا۔ رات کا کھانا بھی تھا۔ سامان میں گدے اور کمبل وغیرہ تھے۔ کچھ برتن بھی تھے۔ سامان تو ان تینوں بھائیوں نے مل کر گاڑی سے نکال لیا پھر ان چاروں نے رات کا کھانا اکٹھے کھایا۔ زیادہ تر وہ تینوں بھائی ہی بولتے رہے۔ شفا تو بس سننے والوں میں سے تھی‘ لیکن خیر آج کا دن بھی جیسے تیسے گزر ہی گیا۔

☼ ☼ ☼

رات کو خاموشی سے ان دونوں نے اپنے لیے کمرے چن لیے۔ شفا چاہتی تھی۔ تقی کا بستر اس واحد پلنگ پر لگا دے جو ایک کمرے میں پہلے سے موجود تھا۔

”یہ گھر آپ کا ہے۔ یہاں کی ہر آسائش کو استعمال کرنے کا سب سے پہلا حق آپ کا ہے۔“ شفا نے تقی سے کہا تھا۔

”ہم مہمان نواز لوگ ہیں۔ یہ میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ میں آسائش سے فائدہ اٹھاؤں اور مہمان بے آرام رہے۔“ اس نے ڈائیلاگ جھاڑا! اور اس ڈائیلاگ کا نتیجہ اگلے ہی دن بھگت بھی لیا۔ فرش پر بستر لگا کر سویا تھا تو ٹھنڈ لگ گئی تھی۔ صبح تک بخار سے برا حال تھا۔ بمشکل کمرے سے باہر آیا۔ شفا نے دھوپ میں کرسی رکھ دی پھر اس کے لیے چائے بنا لائی میڈیسن تو کوئی تھی نہیں البتہ اس کے فون سے رضی کو کال کر کے بتا دیا۔

تقی نیم دراز ہو کر سستانے لگا۔ دھوپ کی حرارت جسم میں اتر کر سکون پہنچا رہی تھی۔

ذرا دیر گزری تو گیٹ دھڑ دھڑایا جانے لگا شاید رضی یا جری ہوں گے۔ اس نے اٹھ کر گیٹ کھول دیا اور گیٹ کے کھلتے ہی اسے لگا جیسے آسمان اس کے سر سے ہل گیا ہو۔ سامنے مہک کھڑی تھی۔

”تم۔ یہاں۔“ لفظ اس کے منہ سے مشکل سے نکلے تھے۔

”تم سے ملنے آئی ہوں۔ اندر آنے کے لیے نہیں کہو گے؟“ مہک بہت سنجیدہ لگ رہی تھی‘ تقی اس سے اپنے نکاح کی خبر کسی نہ کسی طرح چھپانے کا رسک کر چکا تھا‘ لیکن اب وہ یہاں پہنچ گئی تو اس بات کا چھپنا مشکل تھا۔

”میں تو یہاں کسی کام کے سلسلے میں آیا ہوں۔ گھر بالکل خالی ہے۔ تم اندر آ کر کیا کرو گی۔ اور تمہیں یہاں کا ایڈریس کس نے دیا۔“

”مجھے اندر آنے دو تقی! دروازے پر کھڑے ہو کر میں کوئی بات نہیں کر سکتی۔“ وہ اسے ہاتھ سے ہٹاتی اندر آ گئی۔ شفا کچن کے سامنے ہی کھڑی تھی اسے دیکھ کر مہک رک گئی۔ تقی کو ایسا لگا جیسے اس کی سانس بھی رکی ہو۔

”ان کی تعریف؟“ اس کی آواز دھیمی تھی۔

”یہ۔ وہ۔“ تقی الجھ گیا کہ کیا کہہ کر تعارف کروائے۔

”تم تو کہہ رہے تھے تم گھر میں اکیلے ہو۔“ مہک نے پھر کہا تقی خاموش رہا۔

”خرید کر لائے ہو کیا؟“ لفظ چابک کی طرح تقی اور شفا کو لگے تھے۔

”مہک!“ تقی کی اونچی آواز پورے گھر میں گونجی تھی۔ ”یہ عمیر بھائی کی بہن ہے۔“

”تو خالی گھر میں ان کی بہن تمہارے ساتھ کیا کر رہی ہے۔؟ بھگا کر لائے ہو کیا؟ چند دن عیاشی کرنے کے لیے۔“

”آپ زبان سنبھال کر بات کریں تو زیادہ اچھا ہو گا۔“ شدت ضبط سے شفا کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ کچھ ایسا ہی حال تقی کا بھی تھا لیکن اسے مہک کی بھی پروا تھی۔

”تم بیچ میں مت بولو۔ میں تقی سے بات کر رہی ہوں۔“

”اور میں تقی کی بیوی ہوں۔ پرسوں ہمارا نکاح ہوا تھا۔ میرے پاس نکاح نامے کی کاپی بھی ہے۔ آپ کی

تسلی کے لیے وہ بھی دکھا سکتی ہوں۔ تقی میں تو اتنی غیرت نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لیے اتنے گھٹیا الفاظ استعمال کرنے والے کا منہ نوچ لے' لیکن میں آپ کو اپنے لیے ایسی فضول باتیں کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گی۔" شفا نے ترنت کہا تھا اور اس کا لہجہ بہت سخت تھا۔

مہک نے صرف لفظ بیوی اور نکاح سنا۔ وہ یہاں سننے بھی یہی آئی تھی۔

"کیا یہ سچ کہہ رہی ہے تقی؟" مہک نے پوچھا اس کی آواز اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"پاپا ٹھیک کہہ رہے تھے' میں نے تم پر بھروسا کرکے غلطی کی۔ مجھے تو تمہیں اسی وقت سمجھ جانا چاہیے تھا' جب تمہارے فادر نے' تمہیں تم سے خبردار کیا تھا۔ باپ سے زیادہ تو بیٹے کو کوئی نہیں جان سکتا۔ اور اب جب ساہر آپا نے فون کیا تو پاپا نے کہا' تقی کی بہن بھی جھوٹ بول رہی ہے۔ میں نے تم سے پوچھا تھا تقی! وہ لڑکی پسند آگئی ہے کیا۔ تم نے مجھے ڈانٹ دیا اور اب اس سے نکاح کرکے بیٹھے ہو۔ منگنی مجھ سے۔ نکاح اس سے۔ یہ تم نے کیا کیا ہے میرے ساتھ۔" وہ اب رونے لگی تھی۔

تقی کے پاس لفظ ہی ختم ہو گئے تھے۔ ساہرا اتنے سیاہ دل کی ہو سکتی ہے۔ یہ تو اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود تقی نے اب تک نہ سوچا تھا۔

"پاپا میرے ساتھ آنا چاہتے تھے لیکن میں نے آنے نہیں دیا۔ میں اکیلی ہی آگئی' صرف اس لیے کیونکہ مجھے یقین تھا۔ یہاں کوئی لڑکی ہوگی ہی نہیں۔ ساہر آپا نے جھوٹ بولا ہوگا کہ تم نے کسی لڑکی کو اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ لیکن تم نے صرف ساتھ نہیں رکھا۔ تم تو نکاح کرکے لائے ہو۔ گناہ سے بچ گئے' لیکن میرے مجرم ہمیشہ رہو گے۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ سسکتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھی اور جاتے جاتے انگلی سے انگوٹھی اتار کر اس کی ہتھیلی پر رکھ گئی۔

وہ باہر نکلی تو امی اور رضی اندر آگئے۔ حیران و پریشان۔

تقی ہتھیلی پر رکھی انگوٹھی کو دیکھ رہا تھا۔ ہمدردی ہمدردی کے اس کھیل میں سب خسارے اسی کا مقدر ٹھہرے تھے۔

امی اور رضی بار بار ان دونوں کو دیکھتے' ان دونوں کے چہروں پر ایسی خاموشی پھیلی تھی جیسے زلزلہ آکر گزر گیا ہو' تباہی چھوڑ گیا ہو۔

"کیا ہوا ہے؟" رضی نے اس خاموشی کو توڑنا چاہا اور تقی کا ٹرانس بھی ٹوٹ گیا۔ اس نے انگوٹھی کو پہلے مٹھی میں بھینچ لیا پھر پوری قوت سے دیوار پر دے مارا۔ شفا سٹپٹا کر پیچھے ہٹی۔ انگوٹھی دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گری اور گول گول گھومتی اس کے پیروں میں ساکت ہو گئی۔

"تم کیوں آئیں مہک کے سامنے؟ اندر نہیں رہ سکتی تھیں اور آہی گئی تھیں تو کیا بولنا ضروری تھا؟" وہ زور سے چیخا۔ ویران گھر میں اس کی آواز ضرورت سے کچھ زیادہ ہی گونجی تھی۔

"وہ مجھے خریدا ہوا کہہ رہی تھی۔ میرے کردار پر انگلی اٹھا رہی تھی۔"

"انگلی اٹھا رہی تھی۔؟ تم ہو کیا' کبھی غور کیا ہے اس بات پہ۔ روحیل کے ساتھ دوستیاں کیوں بڑھائی تھیں' اس سے ملاقاتیں کرنے کیوں جاتی تھیں۔ چھت پہ اس کے ساتھ کیا کر رہی تھیں۔ تمہیں مہک کی بات بری لگی؟ اس کے انگلی اٹھانے پر اعتراض ہے حالانکہ تم پر تو اب ہر وہ شخص انگلی اٹھائے گا جو اس رات تمہارے گھر آگیا تھا۔ پھر بھی میں نے تم سے نکاح کیا۔ صرف یہ سوچ کر کہ یہ نکاح تم پر سے الزام دھو دے گا اور تم نے کیا کیا میرے ساتھ۔ میں نے تمہیں ہر کرائسس سے بچایا' اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس سے میں محبت کرتا ہوں وہی مجھے چھوڑ گئی۔ میرے احسان کا اتنا ہی خیال کر لیتیں کہ زبان بند رکھتیں۔"

"تقی بس کرو۔" امی نے سہم کر اسے ٹوکنا چاہا

لیکن اس کا دماغ جیسے بالکل آؤٹ ہو چکا تھا۔

"تم سے ہمدردی میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے کاش۔ کاش میں نے یہ غلطی کی ہی نہ ہوتی۔"

وہ دھپ دھپ کرتا اندر چلا گیا۔ امی کی کچھ سمجھ میں نہ آیا تو وہ اس کے پیچھے چلی گئیں۔ رضی نے ساتھ لایا ہوا سامان اتروانا تھا' وہ باہر نکل گیا اور شفا۔ وہ اکیلی رہ گئی۔ ایک آنسو اس کی آنکھ سے نکلا اور فرش پر گری انگوٹھی کے قریب گر کر فرش پر پھیل گیا۔

☼ ☼ ☼

"کیا ضرورت تھی اتنا بولنے کی؟" امی اس کے پیچھے ہی پہنچی تھیں۔

"اب آپ اس کی حمایت شروع نہ کریں۔ میرا دماغ پہلے ہی گھوما ہوا ہے آپ کو بھی کچھ الٹا سیدھا بول دوں گا۔" اس نے جیکٹ اتار کر میٹرس پر پھینکتے ہوئے کہا تھا۔

"تم بھول گئے۔ میرے پیر میں جوتی سات نمبر کی ہے اور اتنی زور سے پڑتی ہے کہ بندے کی عقل ٹھکانے آجاتی ہے۔" امی نے غصے سے کہا تھا اور ان کی جوتی کے زور سے تو وہ سب بھائی واقف تھے۔ گو کہ یہ [illegible] تی کبھی' تقی جانتا تھا پھر بھی اس نے امی کو خفگی سے دیکھا تھا۔

"مجھے پتا ہے۔ آپ کو وہی صحیح لگے گی۔ میرے خلاف تو کوئی بھی آجائے' آپ کو تو اسی کی بات ٹھیک لگتی ہے۔"

"اتنے بڑے ہو گئے ہو لیکن تمہارے بچپن والے شکوے نہ گئے۔" امی نے کہا۔ "میں کسی کی حمایت نہیں کر رہی نہ ہی اس بات کا فیصلہ کر رہی ہوں کہ تم دونوں میں سے کون حق پر ہے' میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ ابھی جتنا بھی تم بولے ہو' وہ انتہائی غلط باتیں تھیں اور اس پر... تمہارا انداز اور بھی نامناسب۔ شفا نے تم سے نکاح کن وجوہات کی بنا پر کیا۔ یہ رضی مجھے بتا چکا ہے۔ ساہر نے جو بھی کیا وہ سب سن کر مجھے بہت صدمہ پہنچا ہے۔ ایسی تربیت تو اس کی میں نے کی تھی نہ اس کی ماں نے۔ پھر بھی۔ شفا کا اور اس کا تو بھی معاملہ تھا سو تھا۔ لیکن تم نے نکاح کر ہی لیا تو اس طرح جتانے کی کیا ضرورت ہے۔ مہک کو تو جب بھی پتا چلتا' اس کا رد عمل یہی ہونا تھا۔"

"شفا خاموش رہتی تو میں معاملہ سنبھال لیتا۔" اس نے زور دے کر کہا۔

"تمہاری غلط فہمی ہے۔" امی نے رسان سے کہا۔ "مہک کو کیا سمجھا کر قائل کرتے تم۔ اگر تم اسے ساری بات بتا بھی دیتے تو بھی وہ شفا کی موجودگی میں تمہاری دوسری بیوی بننے پر کبھی راضی نہ ہوتی۔ اب کیا اس بات پر باقی کی ساری زندگی شفا کو یہ جتاتے رہو گے کہ اس سے نکاح کی وجہ سے مہک نے تمہیں چھوڑ دیا۔"

"شفا کی موجودگی۔ ساری زندگی؟" اس نے ناک چڑھا کر کہا۔ "آپ پتا نہیں کیا سمجھ رہی ہیں۔ ساری زندگی اسے ساتھ نہیں رکھوں گا۔ میں نے محض وقتی طور پر اسے مشکل سے بچانے کے لیے نکاح کیا ہے۔ آگے اپنا بندوبست وہ خود کرے گی۔" وہ سنجیدگی سے کہتا واش روم میں گھس گیا تھا۔

"ہیں۔!" اس کے عزائم جان کر امی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"تو آپ کا کیا خیال تھا' میں اس عجیب و غریب شادی کو ساری زندگی نبھاؤں گا۔" وہ واش بیسن کے سامنے کھڑا سامنے شیشے میں ان کے عکس سے مخاطب تھا۔

"نہ ہماری لو میرج نہ ارینج۔ نہ وہ مجھے اچھی لگتی ہے نہ بری۔ میں نے تو آج تک اس کی شکل بھی غور سے نہیں دیکھی اور میرا خیال ہے اس نے بھی میری نہیں دیکھی ہوگی۔ ہم دونوں تو حادثاتی طور پر اکٹھے ہو گئے ہیں۔ ایسے جیسے سڑک پر دو گاڑیاں آپس میں ٹکرا جائیں اور کوئی راہ چلتا مسافر زخمی کو اٹھا کر اسپتال لے جائے۔ بس اتنا ہی ساتھ ہے ہمارا۔ لیکن یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ راہ چلتے کو بھلائی کی اتنی

بڑی سزا ملنا چاہیے۔"

"تم واقعی بھول چکے ہو' میری سات نمبر کی جوتی کتنے زور سے لگتی ہے۔" امی ڈپٹ کر بولی تھیں۔

"نکاح کوئی تمہارے بچپن کا کھیل نہیں ہے کہ جب دل چاہا شروع کرلیا جب دل چاہا ختم کردیا۔ اپنی طرف سے تو تم نے بڑا احسان کیا' لیکن اس بچی پر کیا گزرے گی جب اسے پتا چلے گا' تم اسے اپنانے سے پہلے ہی چھوڑنے کا ارادہ کیے بیٹھے تھے... حد ہے تقی! اس سے تو اچھا تھا' تم بے چاری بچی کا نکاح اس پاگل سے ہی ہوجانے دیتے۔ کم سے کم وہ اسے چھوڑ کر زمانے کے سامنے رسوا تو نہیں کرتا..."

"بے چاری بچی۔" تقی نے طنز سے کہا۔ "بے چاری بچی کا اپنا بھی یہی ارادہ ہے' یقین نہ آئے تو جاکر پوچھ لیں۔"

"جتنی تم نے اس کے سامنے بکواس کی ہے' نا اور جتنا جتایا ہے کہ نکاح کرکے اس پر احسان کیا ہے' اس کی جگہ کوئی بھی ہوتی' وہ یہی سوچتی۔" امی تڑخ کر بولی تھیں۔

"لیکن میں بتا رہی ہوں' یہ خناس اپنے دماغ سے نکال دو... ورنہ میں سچ مچ تمہاری طبیعت سیٹ کردوں گی... بتاؤ بھلا... کیا ہوگیا ہے آج کل کے بچوں کو۔ نکاح نہ ہوا' بچوں کا کھیل ہوگیا۔" امی بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ تقی نے شیشے میں انہیں جاتے دیکھا اور دیکھتا رہا' پھر سر جھٹک کر منہ پر زور زور سے پانی کے چھپاکے مارنے لگا۔



شفا کچن میں تھی' وہ وہیں آگئیں۔

شفا... بیٹی! تقی کی باتوں کا برا مت ماننا۔ اسے بنا سوچے سمجھے بولنے کی عادت ہے۔ کچھ دیر میں غصہ اترے گا تو دیکھنا' لگے گا ہی نہیں کہ اتنی بکواس کرکے گیا ہے۔" وہ آتے ہی وضاحتیں دینے لگیں۔

شفا بے وجہ ہی وہاں کھڑی تھی۔ خاموش ہی رہی۔

"میں آپ کے لیے چائے بنانے آئی! لیکن گھر میں کچھ ہے ہی نہیں۔" چند منٹ بعد اس نے اتنا ہی کہا' امی کو لگا' وہ موضوع بدل رہی ہے' سو انہوں نے گہری سانس بھر کر اس موضوع کو کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھا اور مسکرا کر بولیں۔

"تم اب بے فکر ہوجاؤ۔ میں گھر کا بیشتر ضروری سامان لے آئی ہوں۔ باقی کا آہستہ آہستہ آتا رہے گا۔ تمہیں ان شاء اللہ کوئی دقت نہیں ہوگی۔ کل اصل میں ہم سب تقی کے ابا سے ڈرے بیٹھے تھے' وہ کچھ اور طرح کے مزاج کے ہیں' بعض اوقات بڑی سے بڑی بات پر ردعمل ظاہر نہیں کرتے اور بعض دفعہ معمولی باتوں پر بھڑک جاتے ہیں۔ تقی ٹی وی پر کام کرنے لگا تو اس سے ناراض ہوگئے' لیکن کل انہوں نے خود ہی تم لوگوں کو یہاں رہنے کی اجازت دے دی تو مجھے بڑی خوشی ہوئی' لیکن ہم سب سمجھے' وہ اب بھی لاتعلق رہیں گے' اسی لیے کل میں نے رضی اور جری کے ہاتھ چکے سے کھانا بھجوایا تھا' لیکن آج صبح وہ غصہ کرنے لگے کہ کسی نے جاکر شفا بٹیا کی خیر خبر بھی لی ہے یا نہیں۔ اسے ضروری سامان پہنچاؤ' اسے الگ گھر میں رکھنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس سے لاتعلق ہوکر رہا جائے... میں اتنا خوش ہوئی کہ اسی وقت ضروری سامان گاڑی میں رکھوا کر یہاں آگئی۔ وہ تو شکر ہے کہ رضی نے آج لیٹ آفس جانا تھا' اسی لیے مجھے لے آیا۔

بیٹی! گھر کا صرف نام ہی آسان ہے۔ گھر بستے بستے بڑا وقت لگ جاتا ہے۔ بہت سی باتوں پر صبر کرنا پڑتا ہے' بہت سی باتوں کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ صبر' تحمل' برداشت... سمجھو گھر بسانے کے گر ہیں۔ تقی کے ابا... جوانی سے ہی اتنے سخت مزاج تھے' بلکہ اب تو پھر بھی ان کے مزاج میں کچھ نرمی آگئی ہے' جب میری شادی ہوئی تو شروع میں تو میں بڑی جلدی گھبرا جایا کرتی تھی۔ ان کی آواز ذرا سی اونچی ہوتی اور میری آنکھوں سے آنسو نکلنے لگتے' لیکن پھر میں ان کے مزاج کو سمجھنے لگی تو سب آسان ہوتا چلا گیا۔ غصے میں کیا کیا نہیں بول دیا کرتے تھے' لیکن میں نے بہت کچھ برداشت کیا' بہت سے آنسو اندر اتارے... میری یہ بات پلو سے باندھ لو' مرد جب غصے میں ہو تو اس کے سامنے ایک لفظ زبان سے نہ نکالو۔ ہاں جب غصہ اتر جائے تو دو چار سنا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔" آخری بات انہوں نے ہنس کر کہی تھی۔ شفا بھی ہنس دی۔

"تقی بہت اچھا ہے۔ تم یہ نہ سمجھنا میں اس کی ماں ہوں تو ایسی بات کہہ رہی ہوں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تم پر بھی اس کے دل کی اچھائی واضح ہوتی جائے گی... غصہ کم کرتا ہے' لیکن سال میں جو دو تین بار کرتا ہے تو پھر جم کے کرتا ہے' لیکن تم فکر مند نہ ہونا۔ جلدی اتر جائے گا اس کا غصہ۔ تم ہماری بیٹی ہو' یہ کبھی نہ سمجھنا۔ ہم نے تمہیں آتے ہی گھر سے نکال دیا۔ ہمارے لیے تو تم بڑی ہی خوش قدم ثابت ہوئی ہو۔ تقی کے ابا کی اس سے ناراضی ختم ہوئی یا نہیں' کم سے کم تمہاری وجہ سے انہوں نے اسے گھر تو آنے دیا۔"

وہ یہیں تک پہنچی تھیں کہ رضی آگیا۔ امی خاموش ہوگئیں اور اس سے بات کرنے لگیں۔

اس کے بعد ان تینوں نے مل کر ہی کام کرلیا' تقی تو کمرے سے نکلا ہی نہیں۔ رضی نے سارا سامان اندر رکھوایا۔ چولہا فٹ کیا تو وہ چائے بنانے لگی۔ چائے کا سامان بھی وہ لوگ لے آئے تھے۔ امی سے چینی کا پوچھنے لگی تو انہوں نے صاف کہہ دیا۔

"یہ آنٹی وانٹی کا تکلف تم باہر والوں کے ساتھ رکھ لینا۔ مجھے امی ہی کہو۔ تقی کی ماں ہوں تو تمہاری بھی ہوں۔"

شفا نے مسکرا کر ان مہربان خاتون کو دیکھا۔ ان کی باتوں میں جو اپنائیت تھی وہ اسے اس کے خول سے نکال رہی تھی۔

شام کو تقی کمرے سے نکلا' بخار شاید اب نہیں تھا۔ امی نے زبردستی دوائی کھلادی تھی۔

"اسٹوڈیو جا رہا ہوں۔" وہ بھاگم بھاگ باہر نکل گیا۔ امی روکتی رہ گئیں' لیکن جب اس نے ایک نہ سنی تو چڑ کر بولیں۔

"ضد میں تو بالکل ہی باپ پر گیا ہے اور دلچسپ بات یہ کہ ان ہی سے اس کی بالکل نہیں بنتی۔" وہ سارا دن اسے وقتاً "فوقتاً" تقی کی مختلف عادات کے بارے میں بتاتی رہی تھیں۔

"کھانے پینے کا بہت شوقین ہے۔ بریانی میں تو اس کی جان ہے... تمہیں آتی ہے بنانی... نہیں تو میں سکھا دوں گی۔ جب بھی اس کا موڈ خراب ہو' بنا کر سامنے رکھ دیا کرنا۔ منٹوں میں مان جائے گا۔"

"جرابوں کے معاملے میں بہت برا ہے۔ میں خیال نہ رکھوں تو دنوں گندی سڑی جرابیں پہن کر پھرتا رہے۔"

"کبھی کبھی میری بیٹی بن جاتا تھا۔ کچن میں آکر سبزی کٹوا دیتا تھا۔ کام والی نہ آئے تو وائپر بھی لگا دیتا تھا... لیکن میں کوشش کرتی تھی' یہ میرے کاموں میں مداخلت نہ ہی کرے کیونکہ مدد کے چکروں میں میرا کام ہمیشہ بڑھا دیتا تھا۔"

شفا ان کی باتیں سنتے ہوئے کئی بار بے ساختہ ہنسی تھی۔

رات سے پہلے ابا... منال کو لے کر آگئے۔ شفا کا سر تھپتھپایا' حال احوال پوچھ کر ایک طرف ہوگئے۔ پھر جری بھی اسٹور سے وہیں آگیا۔ تقی کا انتظار تو کیا' لیکن وہ آکر ہی نہیں دے رہا تھا' تب سب نے اس کے بغیر وہیں کھانا کھالیا۔ ابا سارا وقت بڑبڑاتے رہے۔

"احساس ذمہ داری دیکھ لو۔ یعنی اتنی رات ہوگئی' لیکن میاں صاحبزادے کی کوئی خبر ہی نہیں۔"

دس بج گئے تھے' سردیوں کی راتوں میں یہ وقت آدھی رات کا لگتا ہے۔ تقی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا تو امی نے اس کے پاس رکنے کا ارادہ کرلیا۔ بیبن پریگننٹ تھی' صبح اس کی طبیعت خراب تھی' انہیں اس کی بھی فکر تھی' لیکن شفا کو بھی تو اکیلے چھوڑا نہیں جاسکتا تھا' سو وہ رک گئیں اور باقی سب چلے گئے۔



www.paksociety.com

تقی کی واپسی اگلے روز گیارہ بجے تک ہوئی۔ دیر سے ہی سہی اس نے رضی کو فون کرکے بتا دیا تھا' شوٹنگ کی وجہ سے لیٹ ہوجائے گا۔ فردوس صاحب نے بلوا بھیجا تھا۔ وہ اسے ڈانٹ رہے تھے۔

"گدھے کوئی ایمرجنسی ہوگئی تھی تو انفارم تو کردیتے۔ اس روز تو میری چچازاد بہن کا انتقال ہوگیا تھا شوٹنگ وہیں روکنا پڑی' لیکن تمہاری کوئی خبر ہی نہیں تھی کہ گئے کہاں ہو۔ اب فورا" پہنچو۔ باقی کے سین آج پورے کریں گے۔" وہ تو اڑتا ہوا پہنچا۔

آگے ایک اور اچھی خبر منتظر تھی۔ فردوس صاحب نے اپنے اگلے پراجیکٹ کا لیڈ رول اسے آفر کردیا' صرف یہی نہیں وہ اسے کچھ عرصہ کے لیے اپنے پروڈکشن ہاؤس کے ساتھ باؤنڈ بھی کرنا چاہ رہے تھے۔ یہ زیادہ خوش آئند بات تھی۔ اس نے اکثر بڑے اداکاروں کو کہتے سنا تھا کہ ابتدا میں انفرادی طور پر کام کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ کسی کے انڈر کام کیا جائے۔ ہاں کچھ سالوں بعد جب نام مستحکم ہوجائے تو انفرادی طور پر کام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

سوچنے کی ضرورت تو نہیں تھی پھر بھی اس نے رسماً وقت مانگا اور کام ختم کرکے جب گھر آیا تو بہت خوش تھا۔ غصہ وغیرہ سب اتر چکا تھا۔ ہاں دل میں خلش البتہ ابھی باقی تھی۔

"اب شفا سے دوبارہ کوئی الٹی سیدھی بات مت کرنا۔" امی جاتے جاتے اسے تاکید کرگئی تھیں اور کیسی بھولی تھیں جو سمجھ رہی تھیں کہ کہہ دیا ہے تو وہ واقعی کرے گا ہی نہیں۔

آتے ہی وہ لمبی تان کر سوگیا' بخار کی تو پروا بھی نہیں تھی' ایسے ہی کوئی وقتی آرام کے لیے دوا لے لی تھی۔ اب سونے سے پہلے دوا بھی کھالی تو نیند بھی خوب جم کر آئی۔ تین چار گھنٹے بعد اٹھا تو تر و تازہ محسوس کررہا تھا۔ اٹھ کر بیٹھا تو پہلا خیال شفا کا ہی آیا۔ چائے کی طلب بھی ہورہی تھی۔

کیا ہی اچھا ہو جو شفا اس کی اتنی بکواس کے باوجود خود ہی چائے بنا کر اسے دے جائے۔ لیکن ہائے ری قسمت۔ اس نے مایوسی سے بازو پھیلا کر جمائی لی' پھر اٹھا اور منہ پر پانی کے چھپاکے مار کر کچن میں آگیا۔ کچن کی بدلی ہوئی حالت بہت کچھ سمجھا رہی تھی۔ اس سے یہ اندازہ بھی لگالیا کہ کچن بھی آباد ہوہی چکا ہوگا۔

کچن کی کھڑکی سے شفا سیڑھیوں پر بیٹھی نظر آئی۔ تقی نے لحظہ بھر کو سوچا پھر چائے بنانے لگا۔ یہ الگ بات کہ کن انکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے جان بوجھ کر کھٹکا کررہا تھا کہ وہ آہی جائے اور آکر اپنی خدمات پیش کرے کہ "آپ کیوں چائے بنا رہے ہیں۔ میں بنا رہی ہوں' مرد یہ کام کرتے اچھے نہیں لگتے وغیرہ وغیرہ۔" اور یوں ہی بات کرنے کی کوئی سبیل نکل آئے۔

لیکن وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی مجال ہے جو اتنے شور پر بھی ایک بار گردن موڑ کر دیکھ ہی لیا ہو۔ تھک ہار کر اس نے خود ہی چائے بنائی۔ ایک کیبنٹ میں امی کے ہاتھ کے بنے بسکٹ بھی مل گئے۔

"جیو میری ماں۔" اس نے زیر لب کہا۔ ایک بسکٹ دانتوں میں دبایا' دو جیب میں رکھے اور چائے کا مگ لے کر باہر آگیا۔

شفا نے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنی تھی۔ مڑ کر پھر بھی نہیں دیکھا۔ وہ آخری سیڑھی پر بیٹھی تھی۔ تقی دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔ ان کے سامنے وہ چھوٹا سا قطعہ تھا جس پر سبزیاں اگائی جاتی تھیں اور اب وہ خودرو گھاس سے اٹا ہوا تھا۔

شفا سوچ رہی تھی' اسے صاف کرکے یہاں کچھ اچھے پھولوں کی قلمیں اور سبزیاں لگالے گی۔

تقی نے بات کرنے سے پہلے کھنکھار کر گلا صاف کیا تھا۔

"میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"میں سن رہی ہوں۔" سنجیدگی سے جواب آیا۔

تقی اتنی سنجیدگی پر بدمزا ہوا۔

"میں معافی مانگنا چاہ رہا تھا۔" پھر کہا۔

"مانگو۔" تقی اور بدمزا ہوا۔ بڑی ہی بدلحاظ لڑکی تھی نہ آکر چائے کا پوچھا نہ ہی اب تکلف والے جملے دہرا رہی تھی۔

"سوری۔" اس نے اتنا ہی کہہ کر منہ بسور لیا لیکن وہ پھر بھی خاموش رہی۔

"کل میں جتنا بھی بولا' اس پر بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے واقعی اتنا نہیں بولنا چاہیے تھا' لیکن تم میری پوزیشن کا بھی اندازہ کرو۔ جس سے آپ محبت کرتے ہوں وہی آپ کے خلوص پر شک کرنے۔ آپ کو چھوڑ دے تو آپ پر کیا گزرتی ہے؟ مہک میں جان ہے میری۔ میں نے عمیر بھائی سے کہا تھا' مجھے مہک کو کانفیڈنس میں لینے دیں لیکن۔ تمہارے کھڑوس تایا جی نے ایسی قیامت مچائی کہ سب کچھ "آنا" فانا" کرنا پڑا۔ اور۔"

"اور تم نے اپنی محبت کی قربانی دے کر مجھ پر احسان کیا۔ مجھ سے نکاح کرلیا۔"

شفا نے اچانک سرد مہری سے کہا تھا۔ تقی چپ سادھ گیا۔

"تمہارا شکریہ کہ تم نے مجھے بچالیا' لیکن یہ کہاں لکھا ہے کہ جو آپ پر احسان کرے' اس سے وابستہ کسی بھی دوسرے انسان کو خود پر انگلی اٹھالینے دے۔ وہ آپ کو برائے فروخت سمجھے تو سمجھ لینے دو۔ آپ کو بدکردار کہے تو کہنے دو۔ خود کو جسٹی فائی نہ کرنے جو وہ کہے اسے کہہ لینے دو۔؟ تمہاری زندگی میں مہک کی جو جگہ ہے' اس سے مجھے کوئی اختلاف نہیں۔ ظاہر ہے میں اختلاف کرنے والی ہوتی بھی کون ہوں' لیکن ہمارے درمیان جو کاغذی سا رشتہ ہے' اس کے تحت اتنا فرض تو بنتا تھا تمہارا کہ مہک کو مجھ پر انگلی نہ اٹھانے دیتے اور اگر تم اسے روکنے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے تو تمہیں مجھ سے نکاح جیسا بڑا فیصلہ بھی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اگر کوئی یہ سمجھ رہا تھا۔ چھت پر میں روحیل کے ساتھ تھی تو سمجھنے دیتے۔ کسی پاگل سے نکاح ہورہا تھا تو ہونے دیتے۔ برسوں جب ہماری بات ہوئی تو مجھے لگا' ہمارا ساتھ رہنا تو ممکن نہیں' لیکن میری طرف انگلیاں اٹھانے والوں کو اپنے خیالات درست کرنے پر مجبور کرنے میں تم ضرور مدد کروگے' لیکن جب تم مہک کو ہی منع نہیں کرسکے' وہ جو میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی تم اسے ہی نہیں روک رہے تھے۔ کسی اور کو روکنے میں کیا خاک مدد کروگے۔

جب تم نے میرے کردار پر لگے داغوں کو دھونا ہی نہیں تھا تو تمہیں کیا ضرورت تھی کہ انسانیت کے تحت بھی میری مدد کرتے؟ اور ایک بات بتاؤں۔ تم نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا جو بھی کیا' انسانیت کے تحت کیا اپنے ضمیر کے ورغلانے پر کیا۔ اپنی بہن کو ان بددعاؤں سے بچانے کے لیے کیا جو مجھے کسی جہنم میں بھیج کر ان کے حصے میں آتیں۔ مان لو تقی! تم نے جو بھی کیا' اپنی بہن کے لیے کیا۔ ان کا گھر بچانے کے لیے کیا اور ایک اور بات بتاؤں۔ ؟ تم نے تو ان کو بچانے کے لیے نکاح کیا ہے' میں نے تو اپنے ماتھے پر بدکرداری کا داغ ہی لگوالیا۔"

اس کا لہجہ اور بات دونوں ہی ایسی تھیں کہ تقی بے اختیار سیڑھیاں اتر کر اس کے سامنے آیا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جب روحیل چھت پر تھا تو میں اسٹور میں تھی اور میں جانتی ہوں' روحیل کے ساتھ اور کوئی نہیں بلکہ سماہر بھابھی تھیں۔" اس نے سنجیدگی سے تقی کے سر پر بم ہی پھوڑ دیا تھا۔

"ان دونوں کی اس خفیہ ملاقات کی میں چشم دید گواہ ہوں۔ لیکن میں خاموش رہی کیونکہ میں بولتی تو سماہر بھابھی کو عمیر بھائی کے ہاتھوں سے کوئی نہیں بچاسکتا تھا۔ وہ برباد ہوتیں' ان کے بچوں کا گھر بکھر جاتا۔ اتنی بری نہیں ہوں میں کہ کسی کو بے گھر ہی کردیتی تمہیں بھی نہ بتاتی کہ کسی بھی بھائی کے سامنے اس کی بہن کے کردار کی پرتیں کھولنا مناسب نہیں لگتا' لیکن تم نے احسان احسان جتا کر میرا دماغ خراب کردیا ہے۔ پھر میں نے بھی فرشتہ بننے کی کوشش کرکے دیکھ لیا۔ نقصان ہی ہوتا ہے نرا۔ اس طرح ہمارا حساب برابر ہوا' اگر تم کو لگتا ہے تم نے مجھے بچا کر احسان کیا تھا تو میں نے تمہاری بہن کو بے گھر ہونے سے بچا کر

www.paksociety.com

اس احسان کا بدلہ چکا دیا۔ اب تمہارا مجھ پہ کوئی قرض نہیں ہے' اس لیے اگلی بار میرے سامنے اپنے کسی احسان کا پہاڑانہ پڑھنا۔"

وہ اٹھی اور سرد مہری سے کہتی اندر جانے لگی۔ تقی جواب تک ہکابکا کھڑا تھا ہڑبڑا ہوش میں آیا۔

"تم کیا چیز ہو شفا! اگر پتا تھا تو اس وقت کیوں نہیں بولیں۔ اپنے حق میں کچھ کہتیں تو اور کوئی نہیں کم سے کم عمیر بھائی ضرور یقین کر لیتے۔۔۔ تم کیوں نہیں بولیں اپنے حق کے لیے۔ بولنا بلکہ لڑنا چاہیے تھا۔ میں تو سمجھا تھا ہے کسی بھی وجہ سے لیکن۔۔۔ تم ہی ہو گی روحیل کے ساتھ۔۔۔"

"میں نے کہا نا' میں ساہر بھابھی کے لیے خاموش رہی۔ بول پڑتی تو ان میں اور مجھ میں کیا فرق رہ جاتا' لیکن میرا خیال تھا' نہیں کہیں تو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گا۔ کم سے کم وہ مجھے گھر سے نکلنے نہیں دیں گی۔۔۔ لیکن بھابھی نے تو میری ہر امید پر ہی پانی پھیر دیا۔۔۔ ان کا دل اتنا سیاہ ہو سکتا ہے۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ سچ کہوں تو غلطی میری ہی ہے' میں نے خاموش رہ کر بڑی حماقت کر دی۔ میں پہلے بھی ان کی چالاکیاں دیر سے ہی سہی لیکن جان لیتی تھی۔ کہیں نہ کہیں مجھے یہ بھی اندازہ تھا کہ وہ مجھے بھائی کے سامنے برا کرنے کے لیے ایسا کرتی ہیں' لیکن ان کی وہ سب حرکتیں مجھے کوئی خاص نقصان نہیں پہنچاتی تھیں تو میں خاموش ہی رہتی تھی کہ بھائی کو جا کر کیا بتانا اور یہ کہ بھابھی کا حق بنتا ہے جب میں نے انہیں اتنا زچ کیا تو اب تھوڑا وہ بھی مجھے کر لیں لیکن مجھے کبھی اندازہ نہیں تھا' وہ مجھے سر اٹھانے کے قابل ہی نہیں چھوڑیں گی۔ اب کڑیاں ملا رہی ہوں تو بہت کچھ واضح ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے کئی بار سوچا تھا۔ روحیل کے پاس میرا سیل نمبر اور تصویریں کیسے پہنچ گئیں۔۔۔ اب سب سمجھ میں آ رہا ہے۔" وہ متاسف سی کہہ رہی تھی۔

"اور انہوں نے تو تمہیں بھی نہیں بخشا۔ تم سے بھی بدلہ لے لیا۔۔۔" اپنی ناراضی سے نکل کر اب وہ تقی کے لیے افسردہ ہو گئی تھی۔

"لیکن تم فکر مت کرو' مہک سے میں خود بات کروں گی۔۔۔ اچھی لڑکی لگی ہے۔ مجھے امید ہے' سمجھ لے گی۔۔۔ ایک منٹ۔" اسے اچانک کچھ یاد آیا تو تیزی سے اندر چلی گئی۔ تقی اس کے پیچھے گیا تھا۔ شفا نے کچن کے ایک کیبنٹ سے انگوٹھی نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دی۔

"اسے سنبھال کر رکھو۔ میں مہک کو سمجھاؤں گی تو وہ تم سے شادی کرنے پر راضی ہو جائے گی۔ یہ رنگ اسے واپس کر دینا۔ ابھی تو غصے میں پھینک گئی ہے' دوبارہ لے لے گی۔"

تقی نے انگوٹھی کو دیکھا پھر شفا کو دیکھا پھر انگوٹھی کو دیکھا پھر شفا کو دیکھا۔

"اور اگر نہ لی تو۔۔۔؟"

"کیوں نہیں لے گی؟ ضرور لے گی' میں کہہ تو رہی ہوں میں اسے سمجھاؤں گی۔ اور تمہیں نہیں پتا' مجھے سمجھانے کا بڑا اچھا طریقہ آتا ہے۔"

"ٹھیک ہے پھر۔" تقی نے پرسوچ انداز میں کہا۔ "میں بھی عمیر بھائی کو سمجھاؤں گا کہ تم اچھی لڑکی ہو' انہیں کسی کی بات پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔"

شفا کی سادگی پر اسے ہنسی آ گئی۔

"تمہیں بھی سمجھانے کا اچھا طریقہ آتا ہے؟"

"آتا تو نہیں ہے لیکن اب سیکھنا پڑے گا۔" اس کا انداز ابھی بھی پرسوچ تھا۔ "ولیکن خیر۔ تم نے کچھ پکایا ہے؟ نہیں۔۔۔؟ چلو اچھی بات ہے' تمہیں باہر کھلاتا ہوں ویسے بھی میں آج بہت خوش ہوں۔ مجھے ایک بڑا پراجیکٹ ملا ہے۔ ٹریٹ دیتا ہوں تمہیں۔ کھانے کے بعد آئس کریم بھی کیا؟"

اس نے یوں کہا جیسے شفا نہ ہو سامنے کوئی بچی ہو اور بچی بہل بھی گئی بلکہ یوں کہنا زیادہ ہو گا کہ دونوں بچے بہل گئے۔ دونوں میں دوستی ہو

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

آمنہ ریاض



باقر [...] اپنے منجھلے بیٹے تقی کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت سے سخت نالاں ہیں اور اسے ہر وقت ہڈحرامی کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔ تقی کو ٹی وی ڈراموں میں کام کرنے کا شوق ہے جبکہ لودھی صاحب اس کام کے سخت مخالف ہیں۔ دونوں باپ بیٹے میں اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ رضی اور جری سے البتہ باقر صاحب کو کوئی شکایت نہیں۔

شفا کو عمیر نے والدین کے بعد باپ بن کر پالا ہے۔ وہ عمیر کی بے حد لاڈلی ہے مگر عمیر کی بیوی ساہرہ کو اس سے شدید جلن ہے۔ وہ عمیر سے جھوٹ بول کر اسے شفا سے بدظن کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ عمیر کو اپنی بیوی پر پورا یقین ہے۔

ساہرہ اور عمیر کی شادی کے ابتدائی دنوں میں شفا ساہرہ سے بہت بدتمیزی کیا کرتی تھی۔ وہ اسے ہر وقت عمیر کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتی اور جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر اسے عمیر سے ڈانٹ پڑواتی۔ رات کے کھانے پر پاستا نہ بنانے پر اس نے ساہرہ سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا اور سیڑھیوں سے حادثاتی طور پر گر جانے کا الزام ساہرہ پر لگا دیا کہ ساہرہ نے اسے دھکا دیا ہے۔ اس بات پر عمیر، ساہرہ کو دو تھپڑ مار دیتے ہیں۔ ساہرہ کو بہت دکھ ہوا ہے۔ شفا خود بھی گنگ ہو جاتی ہے۔

تقی کے گہرے دوست سمیر کے ابا اپنی پسند سے اس کی منگنی کر دیتے ہیں۔

شفا عمیر کو ساری بات بتا کر ان سے اور ساہرہ سے اپنی پچھلی تمام باتوں پر معافی مانگ لیتی ہے۔ عمیر اسے معاف کر دیتے ہیں مگر ساہرہ شفا سے بیر باندھ لیتی ہے اور غلط بیانی کر کے دونوں بہن بھائی میں غلط فہمیاں پیدا کرتی رہتی ہے۔ اسی طرح وہ عمیر کے منع کرنے کے باوجود جھوٹ بول کر شفا کو کالج ٹرپ پر بھجوا دیتی ہے۔



کاسٹنگ ڈائریکٹر جاشم تقی کو اپنے ڈرامے میں لیڈنگ رول کی آفر کرتا ہے۔ تقی اپنے ابا کی وجہ سے تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔

تقی اور سمیر بھی اپنے دوستوں کے ہمراہ مری جاتے ہیں اور اسی ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرتے ہیں، جہاں شفا کا گروپ ٹھہرا ہوتا ہے۔ وہاں سمیر کو ثمر پر اپنی منگیتر کا گمان ہوتا ہے۔ ٹرپ کے دوران دونوں گروپوں کے درمیان ہلکے پھلکے ٹاکرے ہوتے رہتے ہیں۔ اور باقاعدہ منگنی پر دونوں کو پتا چلتا ہے کہ وہ واقعی ثمر ہے۔ وہ دونوں منگنی تو کر لیتے ہیں مگر سخت غصے میں ہوتے ہیں۔ منگنی کے بعد سمیر ٹرپ کے دوران مذاق میں کہی شفا کی بات کہ "ثمر کا نکاح ہو چکا ہے" اپنی ماں کو بتا کر منگنی توڑ دیتا ہے۔ ثمر کے والد شکیل صاحب سمیر کے والد سے سخت ناراض ہو جاتے ہیں۔ ثمر کی والدہ یہ جان کر کہ ثمر کے نکاح کی افواہ شفا نے اڑائی ہے۔ وہ شفا سے خفا ہو جاتی ہیں۔ ساہر انہیں مزید بھڑکاتی ہے۔ ساہر اور عمیر، تقی سے مل کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ مہک، تقی کا پورٹ فولیو بنوا لیتی ہے۔ تقی کو آفرز آنے لگتی ہیں۔ وہ ایک دو کمرشلز میں کام کر لیتا ہے۔ رمشی کی بدولت مہک کے والد سے باقر لودھی کی ملاقات ہوتی ہے اور وہ تقی کے لیے مہک کو پسند کر لیتے ہیں۔ جری کے میڈیکل میں ایڈمیشن ہونے کی خوشی میں باقر لودھی ایک چھوٹی سی تقریب کرتے ہیں۔ انہیں تقی کے شوبز جوائن کرنے کی خبر مل جاتی ہے۔ وہ بھری محفل میں اسے سخت بے عزت کرتے ہیں اور چھڑی سے مہمانوں کے سامنے خوب پٹائی لگاتے ہیں اور گھر سے نکال دیتے ہیں۔

وہ متضاد سوچوں میں گھرا جا رہا تھا کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ عمیر اسے اپنے ہاں لے آتے ہیں اور جب تک گھر کا بندوبست نہیں ہو جاتا، اسے اپنے گھر رہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ تقی ممنون اور شرمندہ سا ان کے گھر رہنے لگتا ہے۔ شفا اور وہ ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں مگر زیادہ بات چیت نہیں کرتے۔ شفا کو عمیر کی نظروں میں گرانے کی ساہر کی سازش کا اسے علم ہو جاتا ہے۔ وہ ساہر کو منع کرتا ہے مگر ساہر بجائے شرمندہ ہونے کے اسے اس معاملے سے دور رہنے کی تاکید کرتی ہے۔ وہ کمرشلز اور ڈراموں میں مصروف ہو جاتا ہے۔ سمیر کے آفس میں ثمر انٹرن شپ کے لیے آتی ہے۔ سمیر اس کی طرف مائل ہونے لگتا ہے مگر وہ اس کی جانی دشمن بنی ہوئی ہے۔

رباب ابیہا کی کالج فیلو ہے۔ زارا کے اصرار پر معیز احمد مجبوراً رباب کو کالج پک کرنے آتا ہے تو ابیہا دیکھ لیتی ہے۔ وہ سخت غصے میں امتیاز احمد کو فون کر کے طلاق کا مطالبہ کر دیتی ہے۔ اتفاق سے وہ فون معیز احمد اٹینڈ کر لیتا ہے۔

ساہر شفا سے انتقام لینے میں اتنی آگے بڑھ جاتی کہ اپنی دوست کے بھائی روحیل کو شفا کا موبائل نمبر اور تصاویر دے کر اس کے پیچھے لگا دیتی ہے۔ وہ شفا کو بلیک میل کرنے لگتا ہے اور عمیر کو بھی اطلاع دے دیتا ہے جبکہ وہ اپنی تصاویر لینے کے لیے مجبوراً اس سے ملنے آتی ہے۔ اس کے بعد روحیل کو گھر بلوا لیتی ہے۔ روحیل اتنا ساہر سے بے تکلف ہونے لگتا ہے۔ ان ہی دنوں ان کے گھر عمیر کے دور کے تایا آئے ہوئے تھے۔ وہ چھت پر مردانہ سایہ دیکھ کر فائر کر دیتے ہیں۔ روحیل بھاگ جاتا ہے اور ساہر، عمیر کے گھر کو جاتی ہے۔ دوسری طرف تایا شور مچا دیتے ہیں کہ شفا چھت پر کسی مرد سے بات کر رہی تھی۔ تقی کو ساہر کی ان منصوبہ بندیوں کا علم ہوتا ہے۔ وہ عمیر کی عزت کے خیال کرتے ہوئے اپنی شوٹنگ ادھوری چھوڑ کر گھر آ جاتا ہے، جس کا خمیازہ اسے شفا سے نکاح کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے۔ پھر تایا کے اصرار پر رخصتی بھی کر دی گئی۔ ساہر نے تقی کے گھر فون کر کے بتا دیا۔ لودھی صاحب مزید بگڑ گئے مگر شفا کو اپنے گھر لے گئے مگر دوسرے دن تقی سے پھر جھگڑ پڑے۔ تقی شفا کو لے کر ٹو ہر ٹاؤن والے گھر میں منتقل ہو جاتا ہے۔ وہ دونوں وہاں اجنبیوں کی طرح رہنے لگتے ہیں۔ تقی پر شدید غصے کے سبب ساہر مہک کو بھی اس کے نکاح سے باخبر کر دیتی ہے۔ وہ ٹو ہر ٹاؤن پہنچ جاتی ہے اور شفا کو دیکھ کر تقی سے شدید غصے کا اظہار کرتی ہے اس کے ناراض ہونے پر تقی کو شفا پر غصہ آتا ہے۔ لڑائی میں شفا بتا دیتی ہے کہ وہ جانتی ہے کہ چھت پر راحیل کے ساتھ ساہر بھابھی تھیں۔ اس لیے وہ آئندہ اس پر یہ احسان نہ جتائے کہ اس نے شفا کی عزت رکھی ہے۔ تقی اس کو باور کرا دیتا ہے کہ وہ اسے مستقبل میں ساتھ نہیں رکھے گا۔ شفا ذہنی طور پہ تیار ہے۔

دسویں قسط

شوٹنگ کا شیڈول آ گیا تھا اور فردوس صاحب ریہرسلز کروا رہے تھے۔ تقی کی ٹائمنگ ایسی تھی کہ کس وقت گھر سے نکلتا اور کس وقت تک واپسی ہوتی، اس بارے میں حتمی طور پر کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا، سو اس نے امی کو فون کر کے یہاں آنے کے لیے کہا۔

"شفا سارا دن اکیلی رہے گی، آپ آ جائیں تو اسے سہولت ہو جائے گی۔"

"آنے کو تو آ جاؤں لیکن جبین کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ میں وہاں آ گئی تو بھی دھیان یہیں اٹکا رہے گا۔۔۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ شفا کو یہیں چھوڑ جاؤ۔" انہوں نے کسی خیال کے تحت کہا۔

"مجھے دونوں طرف کی فکر نہیں ہو گی اور شام کو میں شفا کو مارکیٹ لے جا کر اس کی پسند کے کچھ کپڑے بھی لے دوں گی۔۔۔ بچی کیا سوچتی ہو گی، ایک تو آتے ہی گھر سے نکل پڑا، دوسرے بری کے نام پر بھی کچھ نہیں دیا۔"

"نہیں خیر۔۔۔ اتنی عقل سے فارغ نہیں ہے بچی کہ بیٹھ کر ایسی بے تکی باتیں سوچے اور آپ کو بھی بلاوجہ خرچا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دو چار سوٹ ضرور لے دیجیے گا، لیکن بری، وری لے کر دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" اپنی طرف سے اس نے بڑا عقل مندی کر کہا، لیکن چونکہ بری کے متعلق بیشتر مرد حضرات کی طرح اس کی معلومات ناقص تھیں، سو بونگی مار گیا۔ امی ہنسیں مگر کہا کچھ نہیں۔

"اچھا تم زیادہ سیانے مت بنو۔ تب تک چھوڑ کر جاؤ گے اسے؟"

"امی۔۔۔! ابا کچھ کہیں گے تو نہیں؟" اسے کچھ خیال آیا۔

"کہا بھی تو تمہیں ہی کہیں گے، شفا کی تو بڑی فکر ہے انہیں۔" امی کا لہجہ مطمئن تھا، سو اسے بھی قدرے تسلی ہو گئی۔

"میں شفا سے پوچھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ یہیں رہنا چاہے۔"

"نہیں، اکیلا مت چھوڑنا۔ وہ تو شاید تکلف میں راضی نہ ہو مگر تم اسے یہیں چھوڑ کر جاؤ۔ بے چاری اکیلی کیا کرے گی گھر میں۔۔۔" امی نے زور دے کر کہا۔

"بلکہ تم ایسا کرو، شفا سے بات کراؤ میری۔ میں خود اس سے کہتی ہوں۔"

تقی اچھا کہہ کر شفا کے کمرے کی طرف بڑھا اور سیل فون اس کی طرف بڑھا دیا۔

"امی سے بات کر لو۔" اسے فون پکڑا کر وہ واپس کمرے میں آیا اور تیار ہونے لگا۔ چند منٹ بعد شفا کمرے میں آ گئی۔

"تم کتنے بجے تک نکلو گے؟" اس نے سیل فون تقی کے تکیے پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"بس پانچ منٹ۔۔۔ تم چلو گی یا یہیں رکنا ہے؟"

"اکیلی کیا کروں گی۔ مجھے وہیں چھوڑ دو۔" شفا نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔ اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔ اسے بھی تسلی رہے گی۔

❁ ❁ ❁

بائیک تقی کی تھی سو جب چلتی تو اسی کی طرح۔ بقول اس کے چلتی نہیں تھی اڑتی تھی، سو اس وقت بھی اڑ رہی تھی۔

شفا تکلف سے بیٹھی تھی، ہر آن لگتا ابھی گر جائے گی۔

"یہ تم اتنی تیز بائیک کیوں چلا رہے ہو؟" جب گرنے کے خوف سے کانپتی کانپتی تھک گئی تو پوچھ ہی لیا۔

"اسے تیز کہتے ہیں؟ اسّی پہ چلا رہا ہوں۔" تقی نے چڑ کر کہا تھا۔

"چالیس پہ چلانا چاہیے۔" ہانپتا کانپتا مشورہ آیا۔ تقی نے ذرا سی گردن موڑ کر اسے یوں گھورنے کی کوشش کی جیسے اس کی عقل پر شک گزرا ہو۔

"آگے دیکھو۔۔۔ آگے۔" وہ اور کانپنے لگی۔

تقی کو اس کے ڈر کا اندازہ ہوا تو جلے دل سے لیکن رفتار کم کر ہی دی۔

لیکن وہ بھی اپنے نام کی پکی تھی پھر بھی کانپتی رہی

اور بار بار اسے رفتار کم سے کم تر کرنے کے مشورے دیتی رہی۔

"پہلے کبھی بیٹھی ہو بائیک پہ؟" اس نے شفا کا دھیان بٹانا چاہا۔

"ایک بار بچپن میں عمیر بھائی کے ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ بھی اندھا دھند چلاتے تھے تمہاری طرح۔۔۔"

"اچھا پھر؟"

"پھر کیا۔۔ میں جب ان کے ساتھ بیٹھی تو وہ ایسے ہی چلا رہے تھے۔ سگنل پر بائیک رکی تو میں اتر گئی کہ اب کیا اس بے ہودہ سواری پر بیٹھی رہوں۔ جب سگنل کھلنے گا تو بیٹھ جاؤں گی لیکن جب سگنل کھلا تو۔"

"تو؟" تقی نے دلچسپی محسوس کی۔

"تو عمیر بھائی نے پیچھے مڑ کر ہی نہیں دیکھا۔ وہ بائیک پر یہ جا وہ جا۔۔۔ اور میں وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔"

تقی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا جو سڑک کی ٹریفک کے شور میں گم ہوگیا۔

"پھر تم گھر کیسے پہنچیں؟"

"گھر جا کر عمیر بھائی نے جب پیچھے دیکھا تو میں تھی ہی نہیں۔ وہ سمجھے مجھے کہیں گرا آئے ہیں تو مجھے لینے واپس دوڑے۔" اسے ابھی وہ واقعہ یاد آیا تو ہنسی آگئی۔

"اسی لیے تم سے کہہ رہی ہوں' آہستہ چلاؤ۔ عمیر بھائی تو مجھے پیچھے چھوڑ آئے تھے تم کہیں گرا ہی نہ دینا۔"

"گرانے کی گارنٹی نہیں ہے۔ البتہ پیچھے تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔۔۔ اس کی گارنٹی دے سکتا ہوں۔" اس نے شرارت سے کہا۔ ساتھ ہی رفتار اور بھی بڑھا دی۔ شفا جو قدرے پرسکون ہو رہی تھی دوبارہ دبک گئی۔

"آگئے تم لوگ؟" خدا خدا کر کے گھر پہنچے تو شفا نے شکر ادا کیا۔ امی گیٹ پر ہی ان کی منتظر تھیں۔

"جی آگئے۔۔۔ لیکن میں اندر نہیں آؤں گا' رات کو اسے لینے آؤں گا۔" تقی نے عجلت میں کہا۔

"لیکن میں اس کھٹارا بائیک پر واپس نہیں جاؤں گی۔۔۔ آپ کا بیٹا بہت خوفناک طریقے سے چلاتا ہے۔" شفا نے امی سے کہا۔

"ابھی اتنا بڑا ایکٹر نہیں بنا کہ تمہارے لیے زیرو میٹر گاڑی لے کر آؤں۔۔۔ جانا تو اسی پر پڑے گا ورنہ یہیں رہ لینا اور خبردار جو آئندہ میری بائیک کو کھٹارا کہا۔۔۔" وہ زن سے بائیک لے گیا۔

امی ابھی اسی بات پر حیران ہو رہی تھیں کہ کل تک ایک دوسرے کی شکل نہ دیکھنے والے آج اتنے دوستانہ سے بات کیسے کر رہے ہیں' پھر سر جھٹک کر بولیں۔ "تم اندر تو آؤ۔"

"میں نہیں جاؤں گی واپس۔ آپ مجھے اپنے گھر رکھ نہیں گی؟" شفا نے اندر آتے ہوئے روہانسی ہو کر پوچھا تھا۔ امی ہنس دیں۔

"فکر کیوں کرتی ہو' میں رضی سے کہوں گی' تمہیں گاڑی پہ چھوڑ آئے گا۔"

شفا بددل ہو گئی۔ اس کا مطلب تھا وہ اسے اپنے گھر رکھنا نہیں چاہتیں اور اس بات کی تصدیق رات کو ہو بھی گئی۔ اگرچہ اس نے وہاں ایک بھرپور دن گزارا تھا۔ اپنے مسائل کو ذہن سے نکال کر خوب ہنسی تھی۔ جری' سبین' منال سب کے ساتھ اس کا وقت بڑا اچھا گزرا۔ شام کو امی اسے شاپنگ کے لیے لے گئیں۔ نہ نہ کرنے کے باوجود انہوں نے اسے تین سوٹ لے کر دیے تھے' اس کے ہر انکار کے جواب میں وہ کہتیں۔

"نئی دلہن ہو' یہی دن پہننے اوڑھنے کے ہوتے ہیں۔"

اگلے روز وہ اسے دوبارہ مارکیٹ لے جانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ شام کو ابا سے بھی اس کی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ دو چار تکلف بھرے جملوں کا تبادلہ بھی ہوا۔ سات بجے تقی کا فون آیا کہ وہ تھوڑی دیر میں پہنچ جائے گا' تب امی نے شفا سے تیار ہونے کے لیے کہا۔

"سبین! آج جو سوٹ لیے ہیں۔ ان میں سے کوئی شفا کو پہنا کر اچھا سا میک اپ کر کے تیار کر دو۔ تقی آنے والا ہے۔"

سبین اسے کمرے میں لے گئی۔

"سبین! مجھے تیار نہیں ہونا۔" کپڑے تو اس نے بدل لیے تھے لیکن میک اپ کروانے پر راضی نہ تھی۔

"کیوں بھئی۔ تقی دیکھے گا تو کتنا خوش ہوگا۔" سبین نے کہا۔

"اسے میک اپ پسند ہے تو وہ خود کر لیا کرے' میں کیوں کروں؟"

"بدھو ہو تم بالکل۔" سبین نے ہنس کر کہا تھا۔ "شادی کے شروع کے دن ہی تو ہوتے ہیں' جب شوہر بیوی کو تیار ہوا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ سچ کہہ رہی ہوں' ان دنوں کو جی بھر کر انجوائے کر لو۔ آگے بچوں وچوں کا سلسلہ شروع ہوا تو سارا رومانس اڑن چھو ہو جائے گا۔"

وہ اپنی طرف سے بڑا عقل والا سبق پڑھا رہی تھی لیکن بچوں والی بات سن کر شفا چپ ہی رہ گئی پھر سبین بولتی رہی اور اس کے چہرے پر اپنی کاریگری دکھاتی رہی۔ آٹھ بجے تقی آیا تو اس نے نظر بھر کر شفا کو دیکھا بھی نہیں اور منال سے باتیں کرنے لگا۔ گو کہ شفا کے دل میں اس کے لیے کچھ نہیں تھا لیکن غیر شعوری طور پر وہ بھی منتظر تھی کہ تقی اسے دیکھ کر کیا کہتا ہے۔ اس انداز پر شفا سے زیادہ سبین کی امیدوں پر پانی پھرا۔ وہ اسے تیار کرتے ہوئے اور اس کے بعد بھی وقتاً" فوقتاً" اسے یقین دلاتی رہی تھی کہ وہ بہت پیاری لگ رہی ہے اور تقی اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دے گا۔

"تقی! شفا کیسی لگ رہی ہے؟" اس نے سب کے درمیان بیٹھ کر خود ہی پوچھ لیا۔ تقی نے بے ساختہ شفا کی طرف دیکھا تھا' یہ سرسری اور عام سی نظر تھی لیکن وہ خفیف سی ہو گئی۔

"کیوں' پلاسٹک سرجری کروا کر آئی ہے کیا؟" اس نے چند منٹ بغور اسے دیکھنے کے بعد کہا تھا۔ شفا اس بات پر ہنس دی۔

"تیرا اب ہو تو ست۔ میں نے اتنا اچھا میک اپ کیا ہے کہ وہ بالکل بدلی ہوئی لگ رہی ہے اور تم کہہ رہے ہو۔"

"پھر تو آپ کے لیے بڑی خبر ہے اور وہ یہ کہ آپ کا میک اپ بالکل بے کار ہے۔" اس نے صاف مذاق اڑایا۔

"اچھا اب اتنا بھی مت بنو۔ میں سمجھ گئی' تم گھر جا کر فرصت سے شفا کی تعریف کرنا چاہ رہے ہو۔ بتا ہے نا شفا اسپیشلی تمہارے لیے تیار ہوئی ہے۔" سبین نے ان دونوں کو بیک وقت چڑایا تھا۔ شفا تو صحیح معنوں میں خفیف سی ہو گئی جبکہ تقی نے ایک زور کا قہقہہ لگایا۔

"واہ بھابھی! بڑی ذہین ہو گئی ہیں آپ۔" وہ ایسا تو تھا نہیں کہ آرام سے کسی کے قابو آجائے' سو اس بار بھی بچ نکلا۔ یہ الگ بات کہ رضی اور سبین اسے مستقل ہی چڑا رہے تھے۔

شفا ذرا الگ ہی رہی۔ پھر امی نے ان دونوں کو کھانا کھلا کر ہی جانے دیا تھا۔ شفا کو رضی اور سبین گاڑی پہ چھوڑ گئے۔

"تمہیں بائیک پہ ڈر لگتا ہے تو وہیں رہ لیتا تھا کیونکہ میری تو اب کچھ روز یہی روٹین رہے گی۔" گھر آتے ہی تقی نے کہا تھا۔

"میں نے آنٹی سے کہا تھا۔ مجھے وہیں رہنے دیں لیکن انہوں نے کہا۔ عورت کا گھر وہ ہوتا ہے جہاں اس کا شوہر رہے۔ اس لیے مجھے "اپنے گھر" ہی جانا چاہیے۔" اس نے "اپنے گھر" کو قدرے طنزیہ لہجے میں کہا۔

تقی زور سے ہنس دیا۔

"میری امی نا بہت شوہر پرست قسم کی خاتون ہیں۔ وہ تمہیں اکثر ایسے سبق پڑھاتی ہی رہیں گی۔"

وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ شفا اپنے کمرے میں آگئی۔ اس نے کانوں میں پڑے بھاری آویزے اتارے' چوڑیاں اتاریں' کپڑے تبدیل کیے اور سونے

کے لیے لیٹ گئی لیکن ان سارے کاموں کے درمیان اس کا ذہن عجیب سا رہا۔ ایک خالی پن سا تھا۔ خاموشی تھی۔

اس کے ذہن میں بار بار تقی کی امی کے جملے گونج رہے تھے۔

"شوہر کا گھر۔ گھر تو یہ بھی میرا نہیں ہے۔"

سونے سے قبل جو آخری سوچ اس کے ذہن میں تھی وہ بس یہی تھی۔



اگلے روز تقی نے اسے پھر وہیں چھوڑ کر جانا تھا۔ وہ شفا کو یہ بات بتانے اس کے کمرے میں آیا تو وہ پلنگ پر آرام سے بیٹھی ناشتا کر رہی تھی۔ سنہری سنہری آملیٹ پراٹھا اور چائے۔ تقی کے منہ میں جتنا بھی پانی آیا وہ کم تھا۔ ساتھ ہی امیدوں پر پانی بھی پھرا۔ اس کا خیال تھا شفا بنا کہے اس کے لیے بھی ناشتا بنا دیا کرے گی۔

"تم تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں امی کی طرف چھوڑ دوں گا۔"

شفا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جھوٹے منہ بھی اسے کھانے کے لیے نہیں پوچھا۔

تقی ذرا مایوس ہوا۔ وہ کھانے پینے کا شوقین تھا پکانے کا ہرگز نہیں۔ کئی سال کی محنت کے بعد بھی اسے یقین تھا وہ اتنا خوش رنگ آملیٹ اور پراٹھا نہیں بنا سکتا تھا۔

"تمہیں تیار ہونے میں کتنا ٹائم لگے گا۔ پندرہ منٹ یا پچیس منٹ؟ میں اس لیے... پوچھ رہا ہوں... تب تک... اپنا ناشتا بنا لیتا ہوں۔" وہ جاتے جاتے رکا۔ اس نے ٹھہر ٹھہر کر جملہ مکمل کیا کہ شاید وہ کہہ دے کہ میں بنا دیتی ہوں۔

"میں نے کیا تیار ہونا ہے۔ بس یہ ناشتا ختم کر لوں تو چلتے ہیں۔" شفا نے اطمینان سے کہا۔ "لیکن تم آرام سے اپنا ناشتا بناؤ' دس منٹ تو تمہیں بھی لگ ہی جائیں گے۔"

ہونہہ... ہنس... تقی کا دل باقاعدہ آواز کے ساتھ ٹوٹا تھا۔ اس نے مری ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا اور ایسے ہی قدموں سے چلتا کچن میں آ گیا۔ بحالت مجبوری پیالہ اور چھری اٹھائی۔

"نہایت ہی بے مروت لڑکی ہے۔" اس نے انڈا نہیں گویا شفا کا سر پھوڑا تھا۔ انڈا پھینٹنا دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا تھا' تب ہی شفا آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں ابھی بھی چائے کا مگ تھا۔

"تمہاری واپسی کب تک ہو گی؟"

"کیوں؟" تقی نے جل کر پوچھا۔ (بتا دو ذرا۔ آ کر سر پر کھڑی ہو گئی۔ یہ نہیں کہ اپنی خدمات ہی پیش کر دے۔) اس نے دانت پیسے۔

"اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ پہلے ہی رضی بھائی کو بتا دوں گی۔ تمہارے ساتھ بائیک کا ایک چکر ہی میری آدھی جان نکال دیتا ہے۔ واپسی پر بھی تمہارے ساتھ آ نا پڑا تو ساری جان ضائع ہو جائے گی۔"

ایک تو ناشتا بنا کر نہیں دیا' اوپر سے اس کی بائیک کی شان میں گستاخی۔ انتقام کا جذبہ سر اٹھا کر بولنے لگا۔

"میں سات بجے تک ہی آؤں گا۔ تم بھابی کو بتا دینا' وہ رضی کو فون کر دیں گی۔ مجھے لگتا ہے میرا فون بج رہا ہے۔" اس نے کان لگا کر سنا۔ "یہ ذرا پکڑنا۔ میں فون سن کر آتا ہوں۔ ذرا آٹا بھی نکال کر رکھ دینا۔ میں ابھی آیا۔" وہ کچن سے نکل گیا۔ شفا نے ہاتھ میں پکڑے چمچ کو دیکھا پھر چائے کا مگ سائیڈ پر رکھ کر آملیٹ بنانے لگی۔

آملیٹ تیار ہوئے بھی جب دس منٹ گزر گئے اور تقی واپس نہیں آیا تو اس نے پراٹھا بھی بنا دیا اور چائے بھی۔

"ارے تم نے کیوں تکلف کیا۔ میں آ کر بنا ہی لیتا۔" تقی نے آ کر معصومیت سے کہا۔ شفا نے خاموشی سے ناشتا اس کے سامنے رکھ دیا۔ تقی دل ہی دل میں اپنی کامیابی پر ہنستے لگا' مزے سے ناشتا کرنے لگا۔ ساری زندگی بھی محنت کر لیتا تو ایسا عمدہ پراٹھا آملیٹ نہیں بنا سکتا تھا۔

شفا چند منٹ بعد کچن میں آئی۔

"تقی! ذرا اپنا فون دو گے؟ میں جبین بھابی کو پہلے ہی کہہ دوں' رضی بھائی کو بتا دیں۔"

"میرے پاس ابھی سیل فون کہاں... فردوس صاحب پے منٹ کلیئر کریں گے تو سب سے پہلے سیل ہی خریدوں گا۔" جتنی لاپروائی سے کہا اتنی ہی تندہی سے نوالہ منہ میں ڈالا تھا۔

"لیکن ابھی تو تم کہہ رہے تھے۔" وہ ٹھٹک کر رکی۔ اسے ذوق و شوق سے کھاتے دیکھا اور پھر اپنی نادانی پر سر پیٹ لیا۔

"ناشتا بنوانا تھا تو صاف کہہ دیتے' اتنا ڈراما کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ایکسکیوز می... زیادہ احسان جتانے کی ضرورت نہیں ہے' میں نے نہیں کہا تھا۔ تم خود ہی بنانے لگ گئی تھیں' پھر اب اتنی اکڑ کیوں رہی ہو۔" وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔

"ایک تو میں نے بغیر کہے تمہارا ناشتا بنایا اور تم احسان بھی نہیں مان رہے۔ الٹا اکڑ رہے ہو۔" اسے غصہ آیا۔

"احسان مندی کا تو آج کل زمانہ ہی نہیں ہے کیونکہ کوئی کسی پر احسان نہیں کرتا' جو بھی کچھ کوئی کسی کے لیے کرتا ہے اپنے ضمیر کی آواز سے بے چین ہو کر کرتا ہے۔" اس نے آرام سے امی کی بات اسے سنا دی۔ صرف یہی نہیں اب مسنا بن کر مسکرا بھی رہا تھا۔ شفا کو آگ ہی لگ گئی۔

"ایسی بات ہے تو جب تک ہم ساتھ رہیں گے۔ ایک دوسرے کے لیے کوئی کام نہیں کریں گے۔" شفا نے اپنی طرف سے اس سے اچھا بدلہ لیا تھا' لیکن وہ چونکہ ایک زبردست سے ناشتے سے بنا محنت محظوظ ہو رہا تھا سو فوراً" اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور ہر کام برابری کی بنیاد پر ہو گا۔ ایک دن گھر کی صفائی میں کروں گی' ایک دن تم۔ ایک دن کچن تم صاف کرو گے' ایک دن میں۔" وہ ابھی یہیں تک پہنچی تھی کہ تقی نے ٹوک دیا۔

"منظور ہے۔ لیکن ایک بات یاد رہے' مجھے گندے گھر سے بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوتا' اس لیے تم صفائی کرو یا نہ کرو' مجھے پروا نہیں ہے' میں تو کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا اور کھانا اپنا باہر سے لے آیا کروں گا۔ اب دو روٹیوں کے لیے کون روز روز تمہارے نخرے دیکھے۔ ہونہہ۔"

پیٹ بھر گیا تھا اور فی الحال اسے کسی چیز کی پروا بھی نہیں تھی' سو اس نے مزے سے چائے کے آخری گھونٹ بھرے۔ کپ اس کے عین سامنے پٹخا اور گنگناتا ہوا باہر نکل گیا۔

"ہم کیا تمہارے تو اچھے بھی کام کریں گے۔" شفا دانت پیس کر رہ گئی۔



اگلے روز وہ گئی نہیں۔ تقی کی امی اس کے پاس آ گئیں۔ ان کے ساتھ اچھا وقت گزر جاتا تھا' وہ اسے اپنے دور کے قصے سناتیں۔ جری سے کہہ کر گھر کا پرانا ٹی وی بھی ادھر رکھوا دیا تھا۔

اب دونوں ساس بہو مل کر ٹی وی دیکھتیں' کبھی مل کر کچھ پکانے لگ جاتیں۔ ایک بات شفا نے بطور خاص محسوس کی اور تقی کی بات اسے سو فیصد درست لگی۔ امی اسے شوہر کی اطاعت گزاری کے بہت اسباق پڑھاتی تھیں۔ یا اسے شوہر کی اطاعت گزاری بھی نہیں کہا جا سکتا' یہ تو کوئی اور ہی قسم کی باتیں تھیں' جنہیں وہ کوئی مناسب نام بھی نہیں دے سکتی تھی۔

لب لباب یہ ہوتا کہ جس سے نکاح ہو' اسے ہی سر کا سائیں مان لو۔ لیکن وہ اس طرح کی باتیں گھما پھرا کر کرتیں۔

"اللہ نے نکاح شرط رکھا ہے تو کچھ سوچ کر ہی رکھا ہو گا نا۔ ضروری تو نہیں کہ پہلے پیار محبت کے گیت گائے جائیں' ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر گھوما جائے' پھر نکاح جیسے پاکیزہ رشتے کی بنیاد رکھی جائے۔ ارے بی بی! یہ تو آج کل کی باتیں ہیں' جو میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہاں سے آ گئی ہیں۔ آخر ہمارے دور میں بھی تو رشتے

ہوتے تھے۔ نہ کسی کو دیکھا نہ کبھی آواز سنی ہوتی تھی' اماں ابا نے انتخاب کر کے نکاح کر دیا تو جس سے نکاح ہوا اسے ہی سب کچھ مان لیا۔ نکاح کے بولوں میں ویسے بھی بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اللہ خود ہی دو دلوں میں محبت ڈال دیتا ہے پھر یاں بچے دار ہو جائیں تو محبت مضبوط سے مضبوط ہوتی رہتی ہے۔"

وہ کوئی دودھ پیتی بچی تو نہیں تھی کہ سمجھتی ہی نہیں کہ بالواسطہ اسے کیا درس دیا جا رہا ہے۔

کبھی بات ٹال دیتی' کبھی ہنس پڑتی اور کبھی ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی۔ جو کچھ وہ اسے سمجھاتی تھیں اس کا ایک چوتھائی حصہ بھی اپنے بیٹے کو سمجھاتیں تو اس رشتے کی نوعیت شاید بدل بھی جاتی لیکن چونکہ اب وہ تقی کے خیالات سے بخوبی واقف تھی' سو ایسا سوچنا بھی اس کے نزدیک بدویانتی میں شمار ہوتا تھا۔ بے شک اس نے تقی کے سامنے تسلیم نہیں کیا لیکن حقیقت تو یہی تھی کہ تقی نے اسے تحفظ فراہم کیا تھا اور وہ اس کی شکر گزار تھی۔

یہ اس ناشتے والی بات کے تیسرے دن کی بات ہے۔ امی نے تقی کو بھی آڑے ہاتھوں لے لیا۔

وہ اکثر آتی تھیں تو دیکھ رہی تھیں۔ گھر کی کیا صورت حال ہے۔

"یہ تمہارا گھر ہے' کچن کی حالت دیکھی ہے؟"

"یہ شفا انتہائی پھوہڑ ہے امی! ذرا جو کچن کا خیال رکھتی ہو۔" اس نے سارا ملبہ اس پر ڈال دیا۔ خود تو کسی کام کو ہاتھ نہ لگانے کی قسم کھا رکھی تھی۔

"شفا کا نام مت لو۔ اس کا سگھڑاپا میں دیکھ چکی ہوں۔ میں تو تم سے پوچھ رہی ہوں' کوئی احساس ذمہ داری ہے کہ نہیں؟"

"چلو۔" اس نے اس ایک لفظ کو خوب لمبا کیا جیسے انسان اکتا کر کرتا ہے۔ "اب آپ میں بھی ابا کی روح آ گئی؟"

"بکو مت۔" انہوں نے شفا کی پروا کیے بنا ڈپٹ دیا۔ "اتنا نہیں کہ گھر میں کچھ راشن ہی ڈلوا دو' بے چاری بچی کو کھانے پینے کی بھی تنگی۔"

"تو جو آپ اتنے ڈونگے بھر بھر کے بھجواتی ہیں' وہ یہ آپ کی بچی ہی تو کھاتی ہے۔ مجال ہے جو کبھی اس نے مجھے ایک نوالہ بھی چکھنے دیا ہو۔" اس نے بھی خود کو بری الذمہ کروانے کے لیے مبالغہ آرائی کی حد ہی کر دی تھی۔

"بیٹے! ماں ہوں تمہاری۔ تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ لوگ جینے کے لیے کھاتے ہیں' تم کھانے کے لیے زندہ ہو۔ جب تک آدھا کھانا خود نہ کھا لو' کسی کو ہاتھ لگانے نہیں دیتے تھے' شفا بے چاری کو کہاں کھانے دیتے ہو گے۔" وہ اس کی ماں تھیں' ایسی سنائیں کہ کان ہی لال کر دیے۔ شفا کا برا حال تھا۔ ہنس ہنس کر دوہری ہوئی جا رہی تھی۔ یہاں تو سب ہی سیر پر سوا سیر تھے۔

"مجھے پہلے ہی شک تھا' میں آپ لوگوں کا سگا بیٹا ہوں ہی نہیں۔ ہو نہ ہو کہیں سڑک پر سے آپ لوگوں نے اٹھایا ہو گا مجھے۔" تقی نے اس کھلی عزت افزائی پہ جل کر کہا تھا۔

"اور تمہیں بڑی ہنسی آ رہی ہے۔" وہ شفا کے پیچھے پڑا۔

"خبردار۔ شفا کو کچھ مت کہنا۔ میں نے تو آج غور کیا' کچن میں راشن کے نام پر کچھ ہے ہی نہیں' جب شفا کو ہماری طرف نہیں چھوڑتے تو یہ بے چاری کھاتی کیا ہو گی۔"

تقی کو بھی یک دم ہی اس بات کا خیال آیا تھا ورنہ اس نے تو اس سے پہلے اس بات پر غور کرنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی تھی۔ اس نے بے ساختہ شفا کی طرف دیکھا۔ کیسی جنگلی لڑکی تھی' اتنے دن سے اس کے ساتھ تھی۔ ایک بار بھی کچھ کہا نہیں۔

"آپ یہ بے چاری بے چاری کا ورد کرنا بند کریں۔ شفا کو بھوک لگتی تو یہ خود ہی کہہ دیتی' یہ دراصل ان لوگوں میں سے ہے جو زندہ رہنے کے لیے کھاتے ہیں' صحت نہیں دیکھی آپ نے اس کی۔" بات کا اثر زائل کرنے کے لیے اس نے ڈھٹائی سے کہا تھا۔

"صحت دیکھی ہے' تب ہی فکر مند ہوئی ہوں۔

بھوکی رہ رہ کر یہ تو نظر آتا ہی بند ہو جائے گی۔" انہوں نے بے حد فکر مندی سے کہا تھا۔

"امی! آپ اتنا بھی فکر مند نہ ہوں میرے لیے۔ آپ جو کھانا بھجوا تی تھیں' اس میں سے کچھ نہ کچھ بچا لیتی ہوں اور وہی کھا لیتی ہوں۔"

"یہ میری امی ہیں۔" تقی نے فوراً" بچوں کی طرح کہا تھا۔

شفا کے چہرے پر شرمندگی پھیل گئی۔

"تم چپ کرو آ سے میں نے کہا ہے امی کے مجھے۔ تم جاکر تیار ہو شفا! ابھی مارکیٹ جاکر تھوڑا بہت راشن لے آتے ہیں۔"

انہوں نے اسے اندر کا راستہ دکھایا۔

"کیا ضرورت ہے راشن کی۔ خرچے پہ خرچا۔ آپ بھجوا تو دیتی ہیں۔ ایک وقت نہیں کھائے گی تو کون سی قیامت آجائے گی۔" اس کا انداز ابھی بھی چڑچڑاہٹ لیے ہوئے تھا۔

"ایک تو یہ کہ میں تمہاری ماں ہوں' تم میری ماں بننے کی کوشش مت کرو۔" امی نے جھڑک کر کہا۔ "مجھے مت سکھاؤ کیا کرنا ہے کیا نہیں اور دوسری بات یہ کہ تھوڑا سوچ سمجھ کر بولنے کی عادت ڈال لو۔ شادی ہو گئی' گھر بار والے ہو گئے' کل کلاں کو بچے بھی ہو جائیں گے' لیکن تم موقع محل کے حساب سے بولنا نہ سیکھنا۔ اس نے مجھے امی کہہ دیا تو کون سی قیامت آگئی تھی جو اتنی بری طرح سے ٹوک دیا۔"

"اللہ رے اللہ۔" وہ ان ہی کے انداز میں بولا۔ "اس نے تو امی کہا سو کہا' آپ نے اسے بالکل ہی سگی بیٹی سمجھ لیا ہے۔ یعنی اس پرائی لڑکی کے لیے آپ اپنے سگے' ہونہار' شہزادوں جیسے بیٹے کو نہ صرف ڈانٹ رہی ہیں بلکہ ڈانٹتی ہی جا رہی ہیں۔"

امی نے سر پیٹ لیا۔ اس سے کچھ کہنا ہی فضول تھا۔

"اور یہ بچوں وچوں والے خواب بھی دیکھنا چھوڑ دیں۔ اس شادی کی حقیقت میں آپ کو بتا چکا ہوں۔"

"میں تمہیں بتا رہی ہوں' تم میرے ہاتھوں پٹو گے تقی!" انہیں اتنی زور سے غصہ آیا کہ جوتا ہی اتار لیا۔ اسی وقت شفا آگئی۔ تقی نے سپٹپا کر ان کا جوتے والا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اتنا زیادہ کاٹنا ہے تو پہنتی کیوں ہیں۔؟ دفع کریں ایسی گھٹیا کوالٹی کے جوتے کو۔ میری ذرا ایکلی بے منٹ کلیئر کرنے دیں فردوس صاحب کو۔ وعدہ ہے آپ کو اعلا کوالٹی کا جوتا لے کر دوں گا۔"

اس فردوس صاحب والی بے منٹ سے اس نے نہ جانے کون کون سی خواہشات پوری کرنا تھیں۔

"ماشاء اللہ۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔ تم نے دیکھا شفا! کتنا سمجھ دار ہے میرا بیٹا۔ فوراً" میری بات سمجھ گیا۔" انہوں نے بھی محبت سے تقی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "لیکن یاد رکھنا تقی بیٹا! جوتا اعلا کوالٹی کا ہی ہونا چاہیے۔ ورنہ مجھے بھی تم جانتے ہو۔"

اتنی منھاس۔ تقی کے فرشتے بھی سب سمجھ گئے تھے۔



آج کے دن کوئی خاص کام نہیں تھا سو وہ صبح بھی آرام سے اٹھا۔ دوپہر میں پھر کچھ دیر کے لیے سو گیا۔ دوبارہ اٹھا تو پتا چلا امی جا چکی تھیں۔ اسے بھی کہیں جانا تھا لیکن ابھی تھوڑا وقت باقی تھا سو وہ کچن میں آیا تاکہ چائے ہی بنا لے۔ امی چکر لگا گئی تھیں۔ اسے یقین تھا کچھ نہ کچھ تو پکا کر ہی گئی ہوں گی یہ بھی نہیں تو شفا نے ضرور اتنا کھانا بنایا ہو گا جو ان تینوں کے لیے کافی ہو۔ یہی سوچ کر وہ کچن میں آیا اور عین کچن کی دہلیز پر پھسل کر سجدہ ریز ہو گیا۔

شکر ہے سر نہیں پھٹا بلکہ ٹکرانے سے پہلے ہی وہ سنبھل گیا' اس کے باوجود اس نے ایسی دلدوز چیخ ماری کہ شام کے پرندے بھی درختوں سے اڑ گئے اور مانند پڑتے آسمان پر ان کے بھاری پروں کا شور دیر تک سنائی دیتا رہا۔

شفا اندر سے بھاگی آئی۔ اسے زمین بوس دیکھا تو مسکراہٹ دبائی سہارا دینے بڑھی پھر جھجک کر دور ہی رک گئی۔

"ہائے مر گیا۔ امی! یہ گریسی سی چیز کیا ہے یہاں؟" وہ مشکل سے اپنا آپ سہلاتا ہوا اٹھا تھا۔

"یہ؟" شفا نے ذرا آگے ہو کر دیکھا۔ "او اچھا۔ ہم راشن لے کر آئے تو امی کے ہاتھ سے کوکنگ آئل کا پیکٹ گر گیا تھا۔ تمہیں احتیاط سے چلنا چاہیے تھا تقی! مجھے بتاؤ' زیادہ چوٹ تو نہیں لگی؟" بڑی ہمدردی سے پوچھا۔

"آئل گرا تھا تو صاف کیوں نہیں کیا۔؟ اتنی بری چوٹ لگی ہے مجھے۔" وہ چیخ سے پوچھا۔

"میں کیوں صاف کرتی؟" اس نے اور زیادہ اچنبھے سے پوچھا۔

"گندگی صاف کی جاتی ہے یا نہیں؟" تقی کو بڑے زور سے غصہ آیا تھا۔

"اچھا۔ لیکن تم تو کہہ رہے تھے' تمہیں گندے گھر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اس نے اتنا معصوم بن کر پوچھا تھا کہ تقی ایک پل کو تو اس کی بات کا مطلب سمجھا ہی نہیں اور جب سمجھا تو دانت پیس کر رہ گیا اگرچہ خواہش تو اس کی گردن دبانے کی تھی۔

"میرا خیال ہے' اب تو تمہاری سمجھ میں آگیا ہو گا کہ گھر اور کچن کی صفائی ستھرائی کتنی ضروری ہے۔؟ میں پچھلے چار دن سے کر رہی ہوں' لیکن اب سب کچھ باری کے حساب سے ہو گا۔ جھاڑو اور سرف وہاں کچن کے سنک کے نیچے والے کیبنٹ میں رکھے ہیں۔ کام کرتے ہوئے کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو مجھ سے آکر پوچھ لینا۔"

اس نے اطمینان سے کہا اور دل جلانے والی مسکراہٹ چہرے پر سجائے دوسری طرف چل دی۔

تقی کی آنکھوں میں خون اتر آیا' لیکن اب اتنی سی بات کے لیے کیا اسے قتل کرتا' سو ہوا میں ہی اسے ایک جھانپڑ رسید کر دیا اور کر کے پچھتایا کہ کہنی بری طرح کراہی تھی۔

اس نے کراہتے ہوئے مڑ کر کیبنٹ کی طرف دیکھا۔ وہ سیر تھا تو کم بخت شفا بھی نہیں تھی اور دوسری بار خود کو گرنے سے بچانے کے لیے اسے کام تو کرنا ہی تھا سو مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق وہ جھاڑو اٹھا کر جت گیا' یہ الگ بات ہے کہ سارا ہی وقت وہ دانت پیس پیس کر شفا کو کوستا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد شفا کمرے سے نکلی اور کچن کے دروازے میں کھڑی ہو کر اس کی کارکردگی کا جائزہ لینے لگی۔

"شاباش۔ بہت اچھا کام کیا ہے تم نے کوئی کام والی ماسی بھی اس آئل کو اتنے اچھے طریقے سے صاف نہیں کر سکتی تھی جتنے اچھے سے تم نے کیا ہے۔ تمہاری کہنی میں چوٹ لگی ہے' چائے بنانے میں دقت ہو گی۔ ایسا کرو' تم جا کر تیار ہو جاؤ۔ میں تمہارے لیے چائے بنا دیتی ہوں۔"

بڑی ہمدردی بن کر کہا اور اس طرح کہتی وہ تقی کو ہر بار سے زیادہ بری لگی تھی۔

"میرے سر پر احسان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس ٹوٹی کہنی کے ساتھ جب یہ جگہ صاف کر سکتا ہوں تو چائے بھی بنا ہی لوں گا۔" وہ پھاڑ کھانے کو دوڑا۔

"مرضی ہے تمہاری۔ ورنہ میں بنا ہی دیتی۔" انداز پہلے جیسا ہی تھا۔ تقی پیر پٹختا اس کے قریب سے گزر کر کمرے میں چلا گیا۔ شفا کے لیے اپنی ہنسی پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ تیار ہو کر کچن میں آیا تو شیلف پر چائے کا مگ تیار پڑا تھا' ایک پلیٹ میں دو چکن رول بھی تھے۔ اسے شفا پر غصہ تھا جو اگرچہ کم تو ہو گیا تھا' لیکن تھا تو تاں اور کھانا بھی نہیں چاہتا تھا' لیکن ان کی شکل اور خوشبو اتنی اشتہا انگیز تھی کہ وہ ہاتھ بڑھانے سے خود کو روک ہی نہیں سکا۔ یہی حال چائے کا تھا۔ مگ کے نیچے ایک کاغذ کا ٹکڑا پڑا تھا۔ اس نے اٹھا کر دیکھا۔ لکھا تھا۔

"صفائی نصف ایمان ہے۔

اور شکر کرو چوٹ لگی ہے' اگلی بار بھی اپنے حصے کا کام نہ کیا تو یہ بازو ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ پھر نہ کہنا کہ پہلے

خبردار نہیں کیا۔"

تقی نے کاغذ چڑمڑ کرکے اچھال دیا۔ ہنسا نہیں چاہتا تھا' لیکن بے ساختہ امنڈتی مسکراہٹ کو بھی چہرے پر پھیلنے سے روک نہیں سکا۔ اس مسکراہٹ کو چھپانے کے لیے اس نے چائے کا مگ لبوں سے لگالیا تھا۔



اگلے روز وہ پھر اسے وہاں چھوڑ گیا اور پھر کچھ دن کے لیے یہ روٹین سی بن گئی تھی' تقی جاتے ہوئے اسے ابا کے گھر چھوڑ جاتا۔ شفا کو سب گھر والوں سے کھلنے ملنے کا موقع مل رہا تھا جتنا وہ تقی سے فرینک تھی۔ اس سے زیادہ اس کے گھر والوں سے ہو رہی تھی' خاموشی سے ان سب کے درمیان ایک تعلق استوار ہو رہا تھا جس کا ٹوٹنا مشکل لگتا تھا۔ ایک روز شفا نے تقی سے پوچھ لیا۔

"عمیر بھائی سے کب بات کروگے؟"

"میں بہت مصروف رہا ہوں' لیکن آج پہلی فرصت میں سمیر کو کال کرتا ہوں۔ وہ روحیل کو لے آئے اور روحیل عمیر بھائی کو سب سچ بتادے تو سارا معاملہ ایک گھنٹے میں سمیٹ لیا جائے۔" تقی نے کہا۔

"لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ روحیل سچ ہی بولے گا۔" شفا جیسے مایوس ہی تھی۔

"اس کے تو اچھے بھی سچ بولیں گے' ایک بار اسے میرے ہاتھ تو آنے دو۔" تقی نے کہا۔ "اچھا سنو' آج میرے لیے تیار ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تم تو تیار ہوکر بھی ایسی ہی لگتی ہو جیسی اب لگ رہی ہو۔"

تقی نے اچانک شرارت سے کہا تھا۔

شفا شرمندہ سی ہوگئی۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تمہارے لیے تیار ہونے کا۔ وہ تو تبین بھابھی اور آنٹی مجبور کرتی ہیں تو میں ہوجاتی ہوں۔"

تقی کی شرارتی مسکراہٹ نہ گئی اور شفا کو بری طرح سنائی رہی۔ وہ بڑ کر اندر آگئی۔

"السلام علیکم آنٹی!" تقی کی امی دہیں دروازے کے پاس کھڑی تھیں۔

"والسلام۔ تم نے پھر مجھے آنٹی کہا۔ کتنی بار منع کرچکی ہوں کہ آنٹی نہ کہا کرو' امی کہا کرو۔ اور یہ تم پھر اول جلول حلیہ بناکر آگئیں۔ کوئی ڈھنگ کے کپڑے کیوں نہیں پہنتیں تم۔" انہوں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

وہ ان کی پیار بھری ڈانٹ پر ہنس دی۔

"صبح کو جلدی جلدی نکلنا ہوتا ہے پھر تقی اتنا شور مچاتا ہے کہ مجھے خیال ہی نہیں رہتا۔" اس نے ان کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا' یہ نہیں بتایا کہ ان کے دلوائے ہوئے کپڑے صرف اس خیال سے نہیں پہنتی کہ تقی مذاق نہ اڑائے۔

"بنی! بیاہتا عورتیں اپنے پہننے اوڑھنے سے ہی تو پہچانی جاتی ہیں اور اچھا بھی لگتا ہے کہ بن سنور کر رہیں۔"

"اچھا آپ خفا نہ ہوں۔ کل اچھا سا فینسی سوٹ پہن کر ہی آؤں گی اور یہ کیا پھیلا رکھا ہے آپ نے؟" اس نے صحن میں بکھرے پائپ اور جھاڑو کو دیکھ کر پوچھا بلکہ حقیقتاً "بات بدلی۔"

"کام والی چھٹی کر گئی۔ تبین کے لیے جھکنا اٹھنا مشکل ہے لیکن صحن گندا دیکھ کر تقی کے ابا غصہ کریں گے تو میں نے سوچا میں ہی صاف کرلوں۔"

"اب میں جو آگئی ہوں' آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑے پچھلے روز کے برتن انہیں پکڑائے اور خود جھاڑو اٹھالی۔

"ارے رہنے دو تم کہاں کروگی تم سے تو ابھی جہیز میں ہاتھ بھی نہیں ڈلوایا میں نے۔"

"اب کیا بیٹھے بٹھکے کے تکلف میں پڑنا امی! اور ویسے بھی ہماری شادی کون سا روایتی طریقے سے ہوئی ہے کہ ہر رسم ہی پوری کی جائے۔"

"جو نہیں ہوا نہ سہی لیکن مجھے اپنے شوق تو پورے کرلینے دو۔"

"اچھا جیسے آپ خوش۔ جب دل کرے میٹھا پکوا لیجئے گا' لیکن ابھی یہ کام کرنے دیں مجھے۔ کیونکہ آپ کریں گی تو مجھے اچھا نہیں لگے گا۔"

اس نے نلکا کھولا اور شڑاپ صحن دھلنے لگا۔

جب تک وہ فارغ ہوئی تبین چائے بنالائی۔ ان تینوں نے وہیں صحن میں چارپائی بچھاکر دھوپ میں بیٹھ کر چائے پی اور مونگ پھلی کھائی۔ عورتوں کو باتیں کرنے کا اتنا شوق ہوتا ہے۔ پھر سردیوں کے تو دن بھی چھوٹے۔ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ سونے پر سہاگہ ہلکے پھلکے سے بادل بھی آسمان پر نمودار ہونے لگے اور دن کے بارہ بجے ہی دھوپ ماند پڑ گئی۔

"لگتا ہے بارش ہوگی۔" شفا نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

تبین کسی کام سے اندر گئی تو امی نے بات چھیڑ دی۔

"شفا! تم اور تقی صبح کیا بات کررہے تھے؟ میں وہیں گیٹ کے پاس تھی' کچھ نہ کچھ کان میں تو پڑی تھی' لیکن پوری بات نہیں سمجھی؟" ان کا انداز سرسری سا تھا۔

"میں تقی سے پوچھ رہی تھی' عمیر بھائی سے کب بات کرے گا۔ وہ بات کرے' تب ہی تو عمیر بھائی کو پتا چلے گا۔ اس رات جو کچھ ہوا اس میں میری کوئی غلطی نہیں تھی بلکہ وہ سب ساحر بھائی نے کیا تھا۔"

وہ بے پرے کے لیے سر جھکائے رہی تھی۔ ان سے جو تکلف ہوچکی تھی ہو' جھجکتے جاتی۔

"لیکن اس سب کی اب کیا ضرورت ہے؟" انہوں نے کہا۔ وہ حیران رہ گئی۔

"جی؟"

"دیکھو بیٹی! مجھے غلط مت سمجھنا۔ تم میرے لیے بالکل بیٹیوں کی طرح ہی ہو' لیکن جو ہوچکا' ساحر کی بے وفائی نہیں لے سکتا۔ اس روز جتنی بھی بدنامی ہونا تھی وہ تو ہوچکی۔ تم اگر عمیر کو بتاکر ساحر کو ان کی نظروں میں گرا دوگے' لیکن ایک ایک بندے کو پکڑ کر تو نہیں کروا سکتے کہ تم بے قصور تھیں اور اس روز تم پر جو انگلی اٹھائی گئی۔ جتنی عزت جانا تھی وہ تو گئی' لیکن تم کھانے میں تو پھر بھی نہیں رہیں' تقی جیسا شوہر مل گیا۔ عزت دار گھرانے کی بہو بن گئیں اور ایک لڑکی کو کیا چاہیے ہوتا ہے؟ خون کے رشتے چھوٹے نہیں جاتے جلد یا بدیر عمیر بھی تم سے راضی ہوہی جائے گا' لیکن جو کچھ تم اور تقی کرنا چاہ رہے ہو اس کے بعد ساحر کا گھر نہیں بچے گا۔ اسے ماں کی التجا سمجھ لو۔ تقی کو منع کردو کہ عمیر سے کوئی بات نہ کرے۔ اور سچ کہوں تو یہ تمہارے حق میں بھی بہتر ہی ہے کیونکہ جس کی عزت کو نشانہ بنایا گیا ہو' اسے تو پھر کوئی اور پوچھتا بھی نہیں ہے' خواہ اس کا کردار کتنا ہی صاف ستھرا کیوں نہ ہو۔ میں ذرا یہ سبزی اندر رکھ دوں۔"

نرم لہجہ' سیدھا صاف ستھرا انداز۔ کچھ باتیں انہوں نے صاف صاف کہیں' کچھ اس لیے چھوڑ دیں کہ وہ خود مطلب اخذ کرلے۔

وہ سارا پانی جو آسمان پر چھلکے بادلوں میں تھا' آن کی آن شفا کے وجود کو سرد کر گیا تھا۔

وہ کیسے بھول گئی کہ ساحر بھابھی اس گھر کی بیٹی تھیں وہ بہو۔

اور بہو کا مقام کبھی بیٹی سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا۔

یہ ریت ہے' یہ رواج ہے۔ یہ مشرقی معاشرے کا نظام چلن ہے۔

بہو کو بیٹی کہہ کر پکار لینے سے اس کا رتبہ بھی بیٹی جیسا نہیں بن جاتا۔

مقابلے کی باری آئے تو بیٹی بامقابلہ جیت کی حق دار ٹھہرائی جاتی ہے۔

کوئی سو میں سے ایک گھرانا ہوگا جو بیٹی کہہ کر بیٹی سمجھ بھی لیتا ہے اور اس ایک گھرانے کا ذکر زمین پر تو نہیں البتہ کتابوں میں ہی ملتا ہے۔

شفا اور جھل مل کے ساتھ اٹھ کر چیزیں سمیٹنے لگی۔



"مجھے یاد ہے جب ہم چھوٹے تھے اور ہمارا گھر اچھرے میں ہوا کرتا تھا تو ہمارے گھر کے پاس ایک چھوٹی سی بیکری تھی چھوٹی اور بڑی عید یا عید میلادالنبی کے موقع پر اس بیکری کو فینسی لائٹس اور گڈی کاغذ کی

جھنڈیوں سے سجایا جاتا تھا۔۔۔ وہ بکری بکنے کے بعد ازیکلوکم مزاحیہ زیادہ لگنے لگ جاتی تھی۔ پتا نہیں کیوں تمہیں اس طرح تیار ہوا دیکھ کر مجھے وہی بکری یاد آجاتی ہے۔"

گھر کے سامنے بائیک روکتے ہوئے تقی نے جتنی سنجیدگی سے بات کا آغاز کیا تھا' اس کا اختتام اتنا ہی غیر سنجیدہ تھا۔ اس کے باوجود شفا نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے اتر کر گیٹ کا لاک کھولنے لگی۔

آج رضی کو کہیں جانا تھا سو اسے تقی کے ساتھ ہی واپس آنا پڑا۔

تقی کو اس کی خاموشی پر حیرت ہوئی۔ وہ تو اینٹ کا جواب پتھر سے دینے والوں میں سے تھی۔

شفا گیٹ کھول کر انتظار کرنے لگی کہ وہ بائیک اندر لے آئے۔

"مزاحیہ سی بکری' مزاحیہ سی شفا۔" وہ ابھی بھی باز نہیں آرہا تھا۔

"تمہیں کس بات کی فکر ہے۔ میں تمہارے لیے تیار نہیں ہوئی۔" شفا نے ترخ کر کہا۔ "پہلے بھی بتایا تھا' تمہاری امی اور بھابھی اصرار کرتی ہیں تو میں تیار ہو جاتی ہوں ورنہ مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے اس طرح ہر روز سج سنور کے بیٹھنے کا۔۔۔ ویسے بھی میں تمہاری زندگی اور تمہارے گھر میں اپنا اسٹیٹس اچھی طرح جانتی ہوں۔۔۔ کوئی خوش فہمی نہیں ہے مجھے کسی بھی چیز کے بارے میں۔"

وہ بنا گیٹ بند کیے تیز قدموں سے چلتی اندر چلی گئی۔ تقی حیران ہوا۔ ایسا بھی کیا کہہ دیا تھا اس نے کہ اس طرح سے ری ایکٹ کیا جاتا۔ اوپر اس کا موڈ تو ابھی سے خراب تھا۔ ابھی تو بڑی خبر سنانی تھی۔

بارش شروع ہو گئی تھی۔ شفا نے لاؤنج میں جا کر چپل پر گرتی' لیکن اس طرح لیٹنا بے فائدہ تھا۔ وہ اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی۔ روشن دان بار بار بجلی کے کڑکنے سے روشن ہو رہا تھا اور گرج چمک اندر تک سنائی دے رہی تھی۔ وہ واش بیسن پر جھکی اور زور زور سے پانی کے چھپاکے منہ پر مارنے لگی۔ کتنے ہی آنسو پانی میں مدغم ہو کر اس کے چہرے پر بہتے چلے گئے۔

جس وقت تقی نے دروازے پر دستک دی' وہ باتھ روم سے نکل رہی تھی۔

تقی وہیں دروازے میں کھڑے کھڑے بات کر لینا چاہتا تھا' لیکن اس پر نظر پڑتے ہی رک گیا۔ اس کی آنکھیں ساری داستان بیان کر رہی تھیں۔

"ذرا باہر آنا۔۔۔ بات کرنی ہے۔" وہ جواب سنے بغیر ہی واپس مڑ گیا۔ شفا جو طبیعت کی خرابی کا بہانا کرنے والی تھی ناچار باہر آنا پڑا۔

ٹی وی پر کوئی مزاحیہ ٹیلنٹ ہنٹ شو چل رہا تھا۔ تقی بالکل سامنے ہاتھوں کے پیالے میں منہ رکھے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے خبرنامہ سن رہا ہو۔

"کیا بات ہے؟"

تقی نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"میں نے کافی بنائی تھی' سوچا تمہیں بھی پلا دوں۔ اتنی بہترین کافی تم نے آج تک نہیں پی ہوگی۔"

شفا نے اب دیکھا۔ میز پر دو مگ بھی رکھے تھے۔ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا پھر بھی بیٹھ گئی۔

"تم نے روحیل کا پتا کیا؟"

"ہاں۔" تقی نے چند لمحوں کے توقف سے جواب دیا تھا۔ وہ تذبذب کا شکار تھا کہ بتائے یا نہیں پھر اس نے حتمی فیصلہ کیا اور اسے صاف ہی بتانے لگا۔

"میری سمیر سے بات ہوئی۔ اس نے بتایا' روحیل تو اس واقعہ کے دو دن بعد ہی واپس چلا گیا تھا اور واپس جانے کے بعد سے اس کا سمیر سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔۔۔ بلکہ سمیر ہی نہیں روحیل کی بہن کو بھی نہیں پتا وہ امریکا واپس جا کر کہاں غائب ہو گیا ہے۔۔۔ اس کے سب دوست بھی لاعلمی ظاہر کرتے ہیں۔"

شفا نے تھک کر صوفے سے ٹیک لگائی۔ ایک پل کی بات تھی' اس کی ساری امید گئی۔

آنکھوں میں چھپائے ہوئے سارے آنسو باہر نکلنے کو مچلنے لگے۔ آنکھوں میں مرچیں سی لگنے لگیں اور کوشش کے باوجود کئی آنسو گالوں پر بہتے چلے گئے۔

"شفا۔" تقی مشکل میں آگیا۔ سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے۔

حیران وہ اس کی حالت پر تھا۔ بڑی سے بڑی بات پر بھی اس نے اسے روتے نہیں دیکھا تھا۔ آج ایسا کیا ہوا کہ رونے لگی۔ وہ تو امید چھوڑنے والوں میں سے نہیں تھی۔

"مجھے نہیں یاد' میرے ماں باپ کا انتقال کب ہوا۔ میں نے تو جب ہوش سنبھالا' عمیر بھائی کو ہی اپنی ماں' اپنا باپ بنے دیکھا۔۔۔ ایک بار اسکول میں کسی سے میری لڑائی ہو گئی اور ٹیچر نے عمیر بھائی کو بلا کر میری شکایت لگائی اور کہا کہ میں نے اس لڑکی کو دھکا دیا ہے۔ پتا ہے تقی! عمیر بھائی نے یہ بات ماننے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ مجھے آج بھی یاد ہے انہوں نے کہا تھا۔ مجھے اپنی شفا پر پورا بھروسا ہے' وہ ایسی حرکت کر ہی نہیں سکتی۔۔۔ انہوں نے مجھ سے آکر پوچھا بھی نہیں اور کہہ دیا۔ اتنا بھروسا تھا انہیں مجھ پر۔۔۔ میں اب بھی تو وہی شفا ہوں پھر عمیر بھائی نے اس بار میرا یقین کیوں نہیں کیا؟ انہوں نے یہ کہہ کر سب کے منہ کیوں بند نہیں کروائے کہ میں ان کی شفا ہوں اور ان کی شفا ایسی حرکت کر ہی نہیں سکتی ہے۔ میں تو کسی کے سامنے ان کی نظریں جھکنے نہیں دیتی تھی' انہوں نے یہ کیسے سوچ لیا۔ میں اتنی دنیا کے سامنے ان کا سر جھکا سکتی ہوں۔"

وہ تحمل سے بول رہی تھی' لیکن آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

وہ بڑی دیر تک روتی رہی۔ تقی خاموش ہی رہا اور اسے رونے دیا جب وہ رو چکی اور شرمندہ شرمندہ سی نظر آنے لگی تو اس نے اس کے سامنے ٹشو پیپر کا ڈبہ رکھ دیا۔

"ایسا نہیں ہے کہ عمیر بھائی کو تم پر بھروسا نہیں۔" اس نے کہا۔ شفا نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"یہ ایک ملک ہے جہاں غیرت کے نام پر قتل ہو جایا کرتے ہیں اور تم پر جو الزام لگا۔۔۔ وہ اچھے خاصے انسان کا دماغ الٹا دینے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ عمیر بھائی بھی عام سے انسان ہیں جتنا اب تک میں انہیں سمجھا ہوں' انہیں بھی اپنے اعصاب پر اتنا کنٹرول نہیں ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے تم کو کچھ نہیں کہا بلکہ نکاح کر کے تمہیں اس گھر' اس علاقے سے رخصت کرنا زیادہ مناسب سمجھا تو اس کا صاف اور سیدھا سا مطلب یہی ہے کہ انہیں کسی کی بات پر بھروسا نہیں تھا سو اسی لیے تمہیں اس ماحول سے نکال دینا چاہتے تھے کہ تمہیں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس سے زیادہ وہ تمہاری محبت میں اور کیا کرتے۔" تقی نے نرم لہجے میں اس کی بدگمانی دور کرنا چاہی تھی۔

"ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ابھی وہ خود بھی پریشر میں آگئے ہوں اور اپنے آپ کو سمجھ نہ پائیں۔۔۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرے گا' بدگمانی کی گرد بیٹھ جائے گی۔"

"اور پتا نہیں اس گرد کو بیٹھنے میں کتنا وقت لگے گا۔" اس نے مایوسی سے کہا تھا۔

"زیادہ نہیں لگے گا۔۔۔ اس بات کی گارنٹی میں تمہیں دیتا ہوں۔" تقی نے کہا پھر اپنی سابقہ جون میں واپس آتے ہوئے بولا۔

"اب اٹھو' کافی کے ساتھ کچھ کھانے کے لیے لے کر آؤ لیکن یاد رکھنا یہ کافی تم پر قرض ہے۔ تمہاری اتری ہوئی شکل دیکھ کر ترس آگیا تھا پھر سردی بھی اتنی زیادہ ہے' میں نے پتا نہیں کس دل سے تمہیں تھوڑی سی دے دی ہے ورنہ میں کافی خود بناتا ہوں اور خود ہی پیتا ہوں' کسی اور کو نہیں دیتا۔۔۔ تمہیں میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔"

"اچھا شکریہ' مہربانی' نوازش۔" شفا نے مسکرا کر مگ اٹھا لیا' بلاشبہ اس تھوڑی سی گفتگو نے اس کے دل کا بوجھ قدرے کم کر دیا تھا۔

"تقی۔۔۔ اب روحیل تو پتا نہیں کب ملے۔۔۔ اللہ کرے اس کی خبر جلدی مل جائے۔۔۔ تم ایسا کرو' میری مہک سے ہی بات کروا دو۔ اس کی غلط فہمی تو دور ہو۔" اس نے سادگی سے کہا تھا۔

تقی کے چہرے سے رنگ ایک پل کو غائب ہوئے' اگلے ہی پل اس نے سر ہلا کر ٹی وی کی آواز اونچی کردی۔

"سنو۔۔۔ ذرا یہ مگ کچن میں رکھتی جانا۔" وہ مڑنے لگی تو تقی نے کہا۔

"لیکن تم نے تو کافی پی ہی نہیں۔" اس نے بھرے ہوئے مگ کو حیرانی سے دیکھا۔

"بس اب موڈ نہیں رہا۔" اس نے ٹی وی کی آواز اور اونچی کرلی۔ شفا نے مگ کچن میں رکھ کر واپس آتے ہوئے اپنی کافی کا گھونٹ لیا تھا اور لیتے ہی جیسے ابکائی سی آگئی تھی۔

"تخ۔۔۔ یہ کیا چیز ہے۔"

"کافی ہے۔" تقی نے اطمینان سے کہا۔

"اتنی بدذائقہ کافی۔۔۔ بلکہ بدذائقہ کہنا بھی غلط ہے۔ یہ تو کوئی عجیب ہی چیز ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جوشاندہ میں تھوڑی سی کڑواہٹ ڈال کر دے دی ہے۔"

"میں تو ایسی ہی کافی بناتا ہوں۔ بنایا تو تھا خود بنا کر خود ہی پیتا ہوں۔" بڑی معصومیت اور فخر سے جواب آیا تھا۔

"اچھا ہی کرتے ہو۔۔۔ کیونکہ اس فضول چیز کو کوئی اور پینے کا رسک نہ ہی لے تو اچھا ہے۔" وہ جل کر بولی تھی۔ "اونہہ۔۔۔ سارا منہ کا ذائقہ خراب کردیا' واپس کرو میرا شکریہ۔"

اس نے انتہائی برا منہ بنا کر کہا تھا۔ تقی زور' زور سے ہنسنے لگا۔ شفا پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

روحیل کی کچھ خبر نہ مل رہی تھی۔ تقی نے مہک سے بات کرنا چاہی' تو پتا چلا وہ آؤٹنگ کے لیے ہوائی گئی ہوئی تھی۔ اتنی معلومات بھی مشکل سے دی گئیں' ورنہ اس کے گھر والے تو بتانے کو بھی تیار نہیں تھے۔ ان سب کو تقی پر غصہ تھا۔ تقی کو ان سے بھی زیادہ ان کے بدتمیزی والے رویوں پر غصہ آیا۔ اس نے دوبارہ فون نہ کرنے کی قسم کھائی اور چند روز کے لیے شیڈول کے تحت کراچی چلا گیا۔ چونکہ شوٹنگ سے متعلقہ کام کراچی میں ہی ہوتا تھا۔ سو اس کا کچھ پتا نہ تھا' کتنے دن لگ جاتے۔

"میں تم سے بڑی ہی شرمندہ ہوں بیٹی! اس روز اپنی جھونک میں پتا نہیں کیا کیا بول گئی تھی۔ دراصل ساہر کو بیٹی بنا کر پالا۔ اپنی ماں ۔۔۔۔۔ سے زیادہ میرے ہاتھوں میں پلی ہے۔ اس کا گھر اجڑنے کا خیال ہی سوہان روح لگتا ہے۔ لیکن تم بھی تو کسی کی بیٹی ہو اور جو ساہر نے تمہارے ساتھ کیا اس کی معافی بڑا مشکل کام ہے۔ ساہر نے جو بویا خود اس کا پھل کاٹ رہی ہے۔ بس ہوسکے تو میرے لفظوں کو بھول جانا۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔"

"آپ کیوں فکر مند ہوتی ہیں۔ میں بھی نہیں چاہتی کہ بھابھی کا گھر خراب ہو۔" اس نے انہیں روحیل کے متعلق بھی بتا دیا۔

"اب جب تک روحیل کا پتا نہیں چلتا' کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ میں وعدہ تو نہیں کرسکتی لیکن پوری کوشش کروں گی' وہی ہو جو آپ چاہتی ہیں۔ مجھے تو صرف اپنے بھائی کی ناراضی ختم کرنا ہے اور کچھ نہیں۔ (اور ابھی تو مجھے یہ بھی سوچنا ہے کہ یہاں سے نکل کر کرنا کیا ہے۔)"

وہ کل تقی کی باتوں اور اب ان مہربان خاتون کی باتوں سے خاصی مطمئن ہوگئی تھی' سو مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ جبکہ دل میں کچھ اور سوچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے چائے بنائی تھی۔ ابی کہیں نظر نہ آئیں تو ابا کو خود ہی دینے چلی آئی۔

وہ صحن میں کرسی میز پر اپنی بساط بچھائے منہمک بیٹھے تھے۔ شفا نے دو' تین بار آہستہ سے انہیں پکارا' مگر وہ اتنے منہمک تھے کہ نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔

سامنے دنوں میں وہ یہ تو جان گئی تھی کہ وہ شطرنج کے شوقین ہیں' لیکن کھیلتے ہوئے اتنے "گُن" ہوجاتے ہیں' یہ نہیں پتا تھا۔

کچھ دیر متذبذب سی کھڑی رہی اور کھڑے کھڑے چونکہ بساط پر نظر بھی ڈال رہی تھی' سو دو' تین چالیں بہت واضح اسے بھی نظر آگئیں۔ اب خود پر جبر کرکے کھڑے رہنا مشکل تھا۔ شطرنج کے کھلاڑی کے ساتھ یہ بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ سامنے بساط بچھی ہو تو بنا چال چلے وہاں سے ہٹ جائے۔

سو وہ بھی چپکے سے کرسی اٹھالائی' احتیاط سے میز کے دوسری طرف رکھی۔ ابا نے چشمے کے اوپر سے بھویں اچکا کر اسے دیکھا۔

"آپ بھی شوق رکھتی ہیں؟" ذرا سا حیران ہوئے۔

شفا نے نہ ان کی طرف دیکھا' نہ جواب دیا' بس پُرسوچ نظروں سے بساط کو دیکھتے ہوئے چال دی۔

"بھئی واہ۔" ابا عش عش کر اٹھے۔ کیا زبردست چال چلی تھی' اتنی دیر سے غور کررہے تھے' مگر مجال ہے جو سمجھ میں آرہی ہو۔ کہاں ان جیسے منجھے ہوئے کھلاڑی اور کہاں یہ کل کی لڑکی۔ اس نے ایک چال چل کر ساری گیم کا رخ ہی بدل دیا تھا۔ انہیں لطف آیا۔ حریف ہم پلہ ہو تو مقابلے کا مزہ بھی آتا ہے' سو کمر کس کر میدان میں اتر آئے۔

اب چال پر چال چلی جانے لگی۔ کبھی شہ مات اور کبھی مات کو شہ۔۔۔ ایک گھنٹہ بعد آخری چال چلی گئی۔ تب تک چائے ٹھنڈی یخ ہوچکی تھی۔ جیت البتہ ان کی ہی ہوئی۔

"شاباش۔۔۔" انہوں نے باقاعدہ تالی بجائی تھی۔ "آج بڑے عرصے بعد کھیلنے کا اتنا لطف آیا ہے۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا' شفا بیٹی اتنی اچھی شطرنج کھیل لیتی ہے۔"

شفا نے مسکرا کر اس تعریف کو حق کی طرح وصول کیا۔

"میں ہار گئی' لیکن آپ یہ نہ سمجھیں کہ اگلی بار میں آپ کو جیتنے دوں گی۔" اس نے مزے سے کہا تھا۔

"ضرور' ضرور۔" وہ بھی راضی تھے۔ "اتنا اچھا کھیلنا سیکھا کہاں سے؟"

"اسکول لیول پر کھیلا کرتی تھی۔ خواہش بہت تھی' لیکن ڈسٹرکٹ لیول تک پہنچ نہیں سکی۔" اس نے ذرا سی شرمندگی سے کہا تھا۔

"وجہ کیا ہوئی؟"

"میچز کے دوران خالہ کے بیٹے کی شادی آگئی۔ شادی بھی ضروری تھی میچز بھی۔۔۔ لیکن شادی ظاہر ہے' زیادہ ضروری تھی سو۔۔۔ اپنا نام کٹوا دیا۔" وہ مسکرا کر بول رہی تھی۔

"اوہو۔۔۔ برا ہوا۔۔۔ خالہ کے بیٹے کی شادی نے ایک اچھی پلیئر کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔" وہ اس سے ایسے بات کررہے تھے جیسے وہ چھوٹی سی بچی ہو اور ان کے سامنے وہ بچی ہی تھی۔

وہ خفیف سا ہو کر ہنس دی۔

"اب آپ مجھے شرمندہ کررہے ہیں' اتنا اچھا بھی نہیں کھیلتی۔"

"خیر بیٹے! یہ تو کسرنفسی سے کام لیا آپ نے۔ اگر تھوڑا اور موقع مل جاتا تو مجھے یقین ہے' بہت نام کماتیں آپ شطرنج میں۔ آپ سے بہتر۔ کوئی نہ کھیل سکتا۔ میری مانو ابھی بھی دھیان دے لو۔ اپنے ٹیلنٹ کو ضائع نہ کرو۔" وہ جیسے اس کی صلاحیت پر بہت ہی



خوش تھے۔

"ابھی تو شفا نے چائے بنانے میں نام کمایا ہوا ہے۔" امی وہاں آگئی تھیں اور ان کے انداز کہتے تھے جلی بیٹھی ہیں۔

"جاؤ بچی! ان کے لیے اور چائے بنالاؤ۔ پہلے سے بنائی ہوئی گرم کرکے تو پئیں گے نہیں۔ اونہہ لے کے سارا کیپ ضائع کروادیا۔ ٹیلنٹ ضائع نہ کرو۔ اسی ٹیلنٹ کے چکر میں اپنی ضد کے ہاتھوں میرا بیٹا ضائع کروا رہے تھے۔ آئے بڑے ٹیلنٹ کے قدردان۔"

وہ بڑبڑانے لگیں' آواز ظاہر ہے اتنی ہی رکھی کہ ابا صرف انہیں بڑبڑاتے دیکھیں سن نہ پائیں۔

"شطرنج کوئی عام کھیل نہیں ہے۔ یہ مائنڈ گیم ہے' مائنڈ گیم۔ ہرا ایرا غیرا نہیں کھیل سکتا' لیکن اس بچی میں صلاحیت ہے۔ حیرانی مجھے اس بات کی ہے کہ جب یہ شطرنج کھیل سکتی ہے تو تقی جیسے نالائق کی باتوں میں کیسے آگئی۔" شفا نے جاتے ہوئے سنا' ابا کہہ رہے تھے۔

"ہائے کیوں۔ کیا برائی ہے میرے تقی میں؟" امی تڑخ کر بولی تھیں۔ ابا نے پتا نہیں کیا کہا۔ شفا تو چپکے سے اندر کھسک لی۔

☼ ☼ ☼

دیوار پر شفا کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ ساہر نے سب سے پہلے اسے ہی اتار کر اس کی جگہ ہدیہ اور عادل کی تصویر لگائی اور اس کے بعد کمرے کی ایک ایک چیز بدل ڈالی۔ بیڈ شیٹ' پردے' صوفہ' وال ہینگنگز' ٹاٹ لیمپ کا کلر۔ چھت پر رات کی منظر کشی کرتا وال پیپر لگوادیا' دیواروں کا رنگ بدل دیا۔ کل ملا کر شفا کی ایک ایک چیز کو بچوں کی چیزوں سے تبدیل کردیا تھا۔ وہ شفا کو گھر سے نکال چکی تھی۔ اب اس سے وابستہ چیزوں کو نکال رہی تھی' لیکن یہ اتنا بھی آسان نہیں تھا۔

قدم قدم پر شفا کے حوالے بکھرے تھے۔ کسی نہ کسی چیز پر' بات میں وہ یاد آجاتی۔ سب سے بڑی بات عمیر کی اتری ہوئی صورت' یہ بات ثابت کرنے کے لیے کافی تھی کہ وہ اسے اتنی جلدی دل و دماغ سے نکالنے کے لیے تیار نہیں ہوا تھا۔

انہوں نے ساہر سے کچھ نہیں کہا تھا۔ بس خاموش ہوگئے تھے۔ صبح آفس چلے جاتے۔ جانے سے پہلے ناشتا کرلیتے۔ واپس آتے اور کمرے میں بند ہوجاتے یا لیپ ٹاپ پر مصروف پائے جاتے' اوڑھنا بچھونا۔ بات کرلی تو جواب مل گیا۔ ورنہ ایک لامحدود چپ۔ بچوں کو پیار کرلیتے۔ ان سے بات کرلیتے۔ وہ ضد کرتے تو کھیل بھی لیتے۔ لیکن وہ خود کہتے تب۔ عمیر نے جیسے کسی بھی چیز کی ڈیمانڈ کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ اپنے گرد خول بناتے جارہے تھے۔ نارمل انسان تھے۔ لیکن اب نارمل ہوتے جارہے تھے۔

یہ سب کچھ ناقابل قبول تھا۔ شفا گئی تھی تو کیا ہوا' آگے ان کی اولاد تھی اور اپنی اولاد کے لیے تو انہیں خود کو نارمل رکھنا ہی چاہیے تھا۔

ساہر نے جب بھی بات کرنا چاہی موضوع بدل دیتے۔ ایک روز تو اتنے سخت لہجے میں ڈانٹا کہ دوبارہ ساہر ہمت ہی نہ کرسکی۔

اسے کبھی کبھی تقی کی باتیں یاد آنے لگتیں تو ڈر جاتی' پھر سر جھٹک کر اس خوف سے پیچھا چھڑاتی۔

"ابھی زخم تازہ ہے۔ آہستہ آہستہ عمیر' شفا کو بھول جائیں گے۔" وہ خود کو تسلی دے لیتی تھی۔ لیکن بھول جانا اتنا آسان بھی نہیں تھا۔

بیڈ شیٹ بچھا کر اس نے کمرے پر تنقیدی نظریں ڈالیں۔

"ہدیہ کو روم کیسا لگ رہا ہے؟"

"مما! یہ روم اب میرا ہوگا؟" ہدیہ نے اشتیاق سے پوچھا تھا۔

"جی جانو! یہ اب آپ کا ہے؟" اس نے پیار سے ہدیہ کا گال تھپتھپایا تھا۔

"شفا پھپھو کا روم اب میرا ہوگا۔ مما! میں بڑی ہوکر شفا پھپھو بنوں گی۔" پتا نہیں یہ سوال تھا یا ارادہ' لیکن ساہر دہل گئی۔

"اللہ نہ کرے۔" اس نے بے ساختہ دل پر ہاتھ

رکھا تھا۔ پھر اپنی بے اختیاری پر شرمندہ سی ہوگئی۔

"چلو ہدیہ! دیکھتے ہیں عادل سو کر اٹھا یا نہیں۔"

اس نے ہدیہ کا ہی نہیں اپنا بھی دھیان بٹانے کی کوشش کی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں نے تو تمہیں سو بار سمجھایا۔ کبھی ڈھکے چھپے لفظوں میں اور کبھی بالکل کھلم کھلا۔ کہ اپنی پیاری ساہر بھابھی سے ہوشیار رہا کرو۔ لیکن تم۔۔۔ ایک نمبر کی گدھی۔۔۔ اب کیسا مزہ چکھایا انہوں نے۔" ثمر اس سے ملنے آئی تھی۔ اس کے بابا چھوڑ کر گئے تھے اماں کو بتائے بغیر۔

"بس جو قسمت میں ہوتا ہے۔ وہ مل کر ہی رہتا ہے۔" شفا نے تحمل سے کہا تھا۔

"چلو پھر جنتو اس مصیبت کو قسمت کا لکھا سمجھ کر۔" وہ جل ہی گئی۔ "تم انسانوں کی اس کیٹگری سے تعلق رکھتی ہو جو گھر میں لگی زندگی بیل سے بار بار ٹھوکر کھانے کے بعد بھی نہیں سنبھلتے۔ بار بار گرتے ہیں۔ بار بار زخمی ہوتے ہیں۔"

"خیر اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔ میں بس عمیر بھائی کو ہرٹ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اسی لیے خاموش رہتی تھی۔ مجھے پتا ہوتا کہ میری خاموشی مجھے یہ دن دکھا دے گی تو کبھی اتنا کمپرومائز نہ کرتی۔" وہ افسردہ سی ہوگئی تھی۔ ثمر نے فی الفور موضوع بدل دیا۔

"اچھا تم اداس نہ ہو۔ ساہر بھابھی نے جو کیا ہے' وہ اسے ضرور بھگتیں گی۔"

"وہ بھگتیں یا نہ بھگتیں' مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ ان کی اب کوئی عزت نہیں ہے میرے دل میں۔ لیکن مجھے اپنے بھائی سے تو ملنا ہے۔ عمیر بھائی کی خفگی کا خیال مجھے رات کو سونے بھی نہیں دیتا۔" وہ رونے لگی تھی۔

"تم کیوں روتی ہو' تم دیکھنا' عمیر بھائی جلد مان جائیں گے۔" ثمر نے اسے ساتھ لگا کر دلاسا دیا تھا۔

"روحیل کا کچھ پتا چلے کا تب نا۔" وہ بہت ہی مایوس ہوچکی تھی۔ "پتا نہیں میں نے اللہ کو اتنا ناراض کیسے کردیا کہ اس نے میری زندگی کے سب سے قریبی رشتے کو ہی مجھ سے دور کردیا۔ میرا تو اور کوئی تھا بھی نہیں ثمر۔" وہ باتیں جو وہ کسی سے نہیں کرسکتی تھی' ثمر سے بنا جھجکے کررہی تھی۔

"گھر بڑا اچھا سیٹ کیا ہے تم نے۔" ثمر سر اٹھا کر ستائشی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک بالکل غیر متعلق بات سن کر شفا حیران سی ہوئی۔

"تقی کی امی نے بہت مدد کی۔ ورنہ تمہیں پتا ہے گھر داری سجانے کے معاملے میں میری صلاحیت زیرو ہی تھی۔" شفا نے چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اچھی خاتون ہیں تقی کی امی۔" ثمر نے کہا۔ وہ بھی یہیں موجود تھیں۔ سو ثمر کی ان سے بھی ملاقات ہوگئی تھی۔ "لیکن تمہارے ساتھ ان کا رویہ کیسا ہے؟ مطلب شکل سے مہربان لگنے والی خاتون اصل میں کتنی مہربان ہیں؟" اس نے بسکٹ کھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تمہاری سوچ سے بھی زیادہ۔" شفا نے بے ساختگی سے کہا تھا۔

"بلکہ صرف وہ ہی کیوں۔ سب لوگ ہی بہت اچھے ہیں۔ ابا' جری' رضی بھائی' یسین' اتنے محبت کرنے والے لوگ بہت کم ہوتے ہیں دنیا میں۔"

"اچھا۔۔۔ اور تقی؟ میرا مطلب وہ کیسا ہے؟"

"تقی!" شفا کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ "اس کے بارے میں کیا بتاؤں۔"

ثمر چونکی۔ (یہ مسکراہٹ کچھ خاص لگی اسے۔ ایسا لگا شفا کے چہرے کا ہر حصہ روشن ہوگیا ہو۔)

"تمہاری مسکراہٹ تو کچھ اور ہی کہہ رہی ہے۔" ثمر نے شرارت سے کہا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ میں تقی کے ذکر پر مسکراؤں۔" اس نے سادہ انداز میں کہا تھا۔ "لیکن تقی بہت اچھا ہے۔ بہت بہترین انسان۔ کبھی چھوٹا سا بچہ لگتا ہے اور کبھی ایک بڑے بزرگ کی طرح سنجیدہ۔ اس کا دل بہت خاص ہے۔ جن کے پاس خاص دل ہوتے ہیں' وہ اس طرح کسی بھی

انجان انسان کی مدد کا حوصلہ کر سکتے ہیں۔

وہ منٹوں میں آپ کا اتنا اپنا بن جاتا ہے کہ لگتا ہی نہیں یہ کبھی غیر تھا۔

اسے کھانا کھانے کا بہت شوق ہے۔ لیکن اگر کوئی جانور بھی اسے بھوکا نظر آجائے تو اپنا کھانا اٹھا کر اسے دے آتا ہے۔ بہت کم لوگ دنیا میں اتنے اچھے ہوتے ہیں کہ آپ خود بخود دعا کرنے لگیں 'اللہ ان کے ساتھ کچھ برا نہ کرے۔'"

وہ مسکراتے ہوئے جیسے ایک ٹرانس میں بول رہی تھی۔

"بہت کم وقت میں بہت زیادہ خصوصیات نہیں پتا چل گئیں تمہیں۔" ثمر نے بھی مسکرا کر کہا تھا۔ لیکن اگر شفا اسے غور سے دیکھ لیتی تو جان جاتی 'وہ اسے کچھ جتا رہی تھی۔

"میں کبھی اس کے سامنے مانوں گی نہیں' لیکن سچ تو یہ ہے کہ تقی میں خصوصیات ہی بہت ہیں۔ مجھے تو ابھی چند ہی پتا چلی ہیں۔" اس نے شرارت سے کہا تھا۔

"کس قدر احمق ہو تم شفا۔" ثمر نے کہا۔ "ابھی کہہ رہی تھیں' اللہ کو میں نے بتا نہیں کیسے اتنا خفا کردیا۔ عمیر بھائی تم سے ناراض ہیں 'لاتعلق ہیں' لیکن یہ بھی تو دیکھو اللہ نے تمہیں کتنے بہترین انسان سے نواز دیا ہے۔ وہ اتنا بہترین ہے کہ تم خود اس کی تعریف کررہی ہو۔ میں یہاں آئی تو سوچ رہی تھی کہ تم منہ لٹکا کر مایوس اور بے بس بیٹھی ہوگی' لیکن ماشاءاللہ تم تو خوش بیٹھی ہو تو یہ کس کی وجہ سے ہے۔ تقی کی وجہ سے نا۔"

وہ حیران رہ گئی۔ تھوڑا سا غور کیا تو واقعی ایسا ہی تھا وہ خوش تو پتا نہیں' لیکن کوئی خاص پریشان بھی نہ تھی۔ قریبی اسکول میں نوکری کرلی تھی۔ تقی کو اکثر شوٹنگ کے سلسلے میں جانا پڑتا تو وہ ابا کی طرف آجاتی۔ ابا اس کی جاب کے حق میں نہیں تھے۔ لیکن اس نے سب کو اپنا ہم نوا بنا لیا 'یہ کہہ کرکہ فارغ رہ کر کیا کرے گی۔

بہت دیر وہ یہی سب سوچتی رہی 'پھر سر جھٹک کر اس خیال سے خود کو نکالا اور ثمر سے گھر والوں کی خیر' خیریت معلوم کرنے لگی۔

ثمر شام تک رکی' جب جانے لگی تو تقی بھی آچکا تھا۔ سوئے اتفاق سمیر بھی ساتھ تھا۔ گیٹ پر ہی ٹاکرا ہوا۔

ثمر نے تقی سے تو خیر 'خیریت معلوم کی' لیکن سمیر پر ایک نظر ڈالنا بھی گوارا نہ کیا۔ اس ادائے بے نیازی پر سمیر کا ننھا سا دل کٹ کر رہ گیا۔

ابھی ایک غم زدہ گیت گانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ تقی اس کا ہاتھ کھینچ کر اندر لے گیا۔

ثمر 'شفا کے کان میں گھسی۔

"تقی یہ سوچ کر بہت فکر ہورہی تھی کہ تقی بھائی اس بد تمیز لڑکے کے دوست ہیں۔ لیکن تمہاری باتوں سے بہت تسلی ہوگئی ہے۔ ثابت ہوا ضروری نہیں کہ انسان اپنے دوستوں جیسا ہو۔" اس کا انداز بڑا جتا تھا۔ شفا کو ہنسی آگئی۔ پھر ثمر چلی گئی تو وہ اندر آگئی۔

اندر آتے ہی اسے دیکھ کر وہ بڑے زور سے ہنسی آئی تھی اسے اس نے بڑی مشکل سے روکا۔ سمیر تقی کے کندھے پر سر رکھے نازیہ حسن کی روح کو تڑپنے پر مجبور کررہا تھا۔

"کیا ہوا؟

میرا دل ٹوٹا

میری آنکھیں کھلیں۔

کیا یہ سپنا تھا۔"

"سپنا نہیں۔ تمہیں بارہا کہ دیکھ لیا تھا 'سپنا ہے یا نہیں۔" تقی جل کر کہہ رہا تھا۔ وہ صوفے کی پشت پر سر رکھے نیم دراز تھا۔ اس کے کندھے پر سمیر کا سر تھا اور ان دونوں کی پشت دروازے کی طرف تھی۔

"تقی! میرے دوست 'تجھے میری کوئی فکر نہیں؟" وہ میں ڈوبی ہوئی آواز۔

"مجھے صرف اپنے کندھے کی فکر ہے۔ دل ٹوٹنے سے اچھا تھا 'یہ سر ہی ٹوٹ گیا ہوتا 'کم از کم میرے کندھے پر اتنا وزن تو نہ پڑتا۔"

"یار! تو انتہائی بے مروت انسان ہے۔ یہاں دوست بے چارہ غم سے نڈھال ہوا پڑا ہے اور تجھے اپنے کندھے کی پڑی ہے۔"

"نہیں بہت تھکا ہوا ہوں۔" بے مروتی سے کہا گیا۔

"تو میں بھی جناب کو ایئرپورٹ پر ریسیو کرنے آفس کے بعد ہی گیا تھا۔ تھکا ٹوٹا ہوا تھا مگر انکار نہیں کیا۔" سمیر نے عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر کہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے نا۔ جس دن میں تھکا ہوا نہیں ہوں گا 'اس روز تمہارے غم میں شریک ہو جاؤں گا۔" جان چھڑانے والا انداز تھا۔

"اس نے میری طرف دیکھا بھی نہیں۔" سمیر کا دکھ کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"اچھا ہی کیا کہ نہیں دیکھا' ورنہ بے چاری ساری رات نیند میں ڈرتی رہتی۔" اس نے بے مروتی سے سمیر کا سر پیچھے دھکیلا۔ "اب پیچھے ہو' مجھے ذرا ٹانگیں سیدھی کرنے دو۔" اس نے کاہلی سے ٹانگیں پھیلاتے ہوئے کہا تھا۔

"ویسے تقی! ایک بات طے ہے' تم نام کے ہی دوست ہو۔ جب کبھی میں نے تمہیں مدد کے لیے پکارا' منہ کی ہی کھائی ہے۔ مجال ہے جو تم نے کبھی میری مدد کردی ہو 'الٹا دو اور مسائل بڑھا کر سائیڈ پر ہو جاتے ہو۔"

"واہ کیا زنانہ انداز میں شکوہ کیا ہے۔ یقین کرو تم اس وقت سمیرا نہیں سمیرا لگ رہے ہو۔" تقی نے داد و تحسین کے ڈونگرے برسائے۔ "لیکن شکوہ کرنے اور طعنے دینے سے پہلے آپ اگر ذرا اپنے ماضی میں جھانک لیں تو اچھا ہوگا۔ یاد کرو سیکنڈ ایئر کے کیمسٹری کے پیپر میں ایم سی کیوز تمہیں کس نے حل کروائے تھے؟ جی ہاں' آپ کا جواب درست ہے۔ اسی احسان فراموش 'دوست کے نام پر دھبے تقی نے اور انگلش کا پیپر؟ تمہیں پورا کا پورا حل ہی میں نے کروایا تھا' بات کرتے ہو۔"

"اچھا۔ اچھا۔ میری یادداشت کافی اچھی ہے' اب اتنی پرانی باتیں بھی نہیں کہ بھول جاؤں' تم یاد نہ کرواؤ تو اچھا ہے۔" سمیر شرمندہ ہوگیا تھا۔ شفا کوشش کے باوجود اپنی ہنسی روک نہیں سکی۔

آواز پر ان دونوں نے ہی مڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔

"سوری۔" شفا شرمندہ ہوگئی۔

"نہیں' اس میں سوری کی تو کوئی بات نہیں' یہ سمیر اپنا ہی ہے۔" تقی نے بے تکلفی سے کہا۔

"بالکل بھابھی۔" سمیر فوراً مہذب ہوا۔ "خیر آپ بتائیں' کیسی ہیں؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کے لیے چائے لاؤں' سمیر بھائی؟"

سمیر نے انکار کرنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ تقی نے سرعت سے کہا۔

"سمیر چائے نہیں پیے گا' کھانا کھائے گا۔"

شفا دوبارہ چل رہی تھی کہ تقی نے اگلا جملہ بول دیا۔

"اور یہ تمہارے ہاتھ کا بنا کھانا کھانا چاہ رہا ہے۔ سارا راستہ میرے کان کھا گیا یہ کہہ کر کہ شفا بھابھی کے ہاتھ کا کھانا کھانا ہے۔ امی سے اس نے تعریف سنی تھی تمہارے بنائے چکن پلاؤ کی۔ تب سے یہی رٹ لگا رکھی ہے کہ بھابھی سے کہو چکن پلاؤ کھلائیں۔" انداز ایسا تھا جیسے خود بڑا بیزار ہوا ہو اس کی باتیں سن کر۔

سمیر کا منہ کھل گیا 'یہ کب کی بات ہے جب اس نے یہ سب کہا' لیکن تقی اسے بولنے کا موقع دیے بغیر بولتا جارہا تھا۔

"اچھا میں چکن پلاؤ بنا لیتی ہوں۔" شفا نے کہا۔

"اور ہاں ساتھ میں آلو کا رائتہ اور کچومر سلاد بھی بنا لینا' سمیر کو کھانے کا بہت شوق ہے۔" پیچھے سے آواز لگائی۔

شفا کے جاتے ہی سمیر نے اس کی گردن دبوچ لی۔

"خبیث آدمی! میرا نام لے لے کر اپنے لیے کھانا بنواتے تجھے شرم نہیں آئی۔"

"اس میں شرم کی تو کوئی بات نہیں۔" تقی نے خود کو اس سے آزاد کروا کر کھلکھلاتے لہجے میں کہا تھا۔

"جب میں کھانے بیٹھوں گا تو کیا تم میرے ساتھ

نہیں بیٹھو گے؟ بیٹھو گے نا؟ تو پھر تمہارا نام لیا جائے یا میرا کیا فرق پڑتا ہے۔"

"فرق تو واقعی کوئی نہیں پڑتا' لیکن سمجھ میں میری یہ نہیں آرہا' آخر میرا نام لینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیا بھابھی تمہارے لیے کھانا نہیں بناتیں؟"

"یار! داستان لمبی ہے' ابھی ذرا فریش ہو کر سناتا ہوں' بس اتنا سن لو کہ ہم دونوں باری کے حساب سے کام کرتے ہیں اور آج کھانا بنانے کی باری میری تھی' جبکہ میرا کھانا بنانے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا۔ اب تمہارا نام لیا ہے تو شفا بے مروتی سے انکار بھی نہیں کر سکتی۔ میں کہتا تو اس نے جواب سیدھا میرے منہ پر مار دینا تھا۔ اور سچ کہوں تو اس کے ہاتھ میں ذائقہ بھی بہت ہے۔ اب جب وہ اتنا اچھا کھانا بنا سکتی ہے تو کون خود اپنے ہاتھ سے کھانا بنا کر اپنے منہ کا ذائقہ برباد کرے۔"

اس نے مزے سے کہا تھا' اپنی کامیابی پر خوش بھی بہت تھا۔

☼ ☼ ☼

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" شیو بناتے ہوئے تقی کو اچانک خیال آیا تو اسی طرح جھاگ لگے منہ کے ساتھ کچن میں آگیا۔

ان دونوں کے پاس اسباب زندگی کی کمی تھی' سو بہت سی چیزیں ان دونوں نے باہمی رضا سے ایسے سیٹ کرلی تھیں کہ دونوں کو استعمال میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔ مثلاً" وال کلاک ایک تھا' تو اسے کسی کے کمرے میں لگانے کے بجائے لاؤنج کی دیوار پر لگا دیا تھا۔ شیشہ بھی ایک ہی تھا' تو اسے کچن کے ایک طرف' جو واش بیسن نصب تھا' اسی کے اوپر لگا دیا کہ دونوں کو مشکل نہ ہو' اب تقی وہیں تولیہ کندھوں پر پھیلائے شیو بنا رہا تھا۔ جب کچن میں آیا تو آدھے چہرے پر جھاگ تھا' آدھے سے غائب۔

شفا اپنا ناشتا بنا رہی تھی' اس نے مڑ کر تقی کو دیکھا اور ہنسنے لگی۔

"منہ تو صاف کر کے آؤ' کتنے مضحکہ خیز لگ رہے ہو اس طرح۔"

"تم مجھ پر بعد میں ہنس لینا' پہلے میری بات کا جواب دو۔"

"اچھا بتاؤ' کس بات کا جواب چاہیے؟" وہ آملیٹ دم پر رکھ کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"وہاں مری میں جب میں نے تم سے سمیر کا ذکر کیا تو تم نے کہا تھا' تمہاری سہیلی شادی شدہ ہے۔ کیا واقعی ایسا ہے؟ تمہیں بتا دوں' تمہاری سہیلی اور سمیر کی منگنی اسی بات پر نہیں ہو سکی۔ بلکہ یہ بھی سننے میں آیا۔ وہ طلاق یافتہ ہے۔"

"ہاں تو یہ تو تمہاری غلطی ہوئی نا۔ میں نے تو صرف شادی شدہ کہا تھا' تم نے طلاق یافتہ بنا دیا۔"

"میں نے بھی ایسا کچھ نہیں کہا۔ میرا خیال ہے ایک سے دوسرے تک پہنچتے بات گڑبڑ ہو گئی۔" تقی کو افسوس ہو رہا تھا۔

"میں ایک بات بتاؤں' میں بھی اس بارے میں بات کرنا چاہ رہی تھی' لیکن پہلے مجھے یہ بتاؤ' یہ تمہارا دوست ہے کیسا؟"

"تم کیوں پوچھ رہی ہو؟ تم نے اس کا رشتہ کروانا ہے؟" تقی نے ازراہ تفنن کہا تھا' لیکن شفا سنجیدہ ہی تھی۔

"یہی سمجھ لو۔" اس نے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔

"میں جو دو تین بار سمیر بھائی سے ملی ہوں تو مجھے لگا کہ ان کے بارے میں میرے اور ثمر کے اندازے غلط تھے۔ وہ اتنے برے نہیں ہیں جتنا ہم نے سمجھ لیا تھا۔"

"اتنے برے کیا۔ وہ بالکل بھی برا نہیں ہے' اسے چڑانے کے لیے جو مرضی بولتا رہوں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ وہ بہت اچھا انسان ہے۔ کوئی بھی لڑکی اس کے ساتھ بہت خوش رہ سکتی ہے۔" سمیر وہاں تھا نہیں اس لیے۔ تقی پر اس کی محبت پوری طرح طاری ہوئی تھی۔ سمیر اس کے منہ سے اپنی اتنی تعریف سنتا تو ایک منٹ کو تو غش ضرور ہی کھا جاتا۔

"تم جو بھی کہو' لیکن وہاں مری میں اس کے انداز ہمیں بالکل بھی پسند نہیں آئے تھے۔"

تقی ہنس دیا۔

"یار! وہ تو محض ایک شرارت تھی' جو ہم دوستوں نے سمیر کے ساتھ کی تھی اور سچ بات تو یہ ہے کہ سمیر کے گلے بھی پڑ گئی وہ شرارت۔" وہ اسے سب کچھ تفصیل سے بتانے لگا کہ کس طرح ان سب نے مل کر سمیر کو ثمر سے بات کرنے کے لیے اکسایا تھا اور بعد میں مار کھاتا' چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

"مجھے ثمر کے خیالات تو پتا ہی تھے۔ اس لیے میں نے غصے میں جھوٹ بول دیا تھا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ سمیر یہ سن کر مایوس ہو اور اس کا پیچھا چھوڑ دے۔ لیکن کیا پتا تھا کہ قسمت اس طرح ملوا دے گی۔"

"اچھا ایک اور بات بتاؤ۔ اب ثمر کو سمیر کے لیے راضی کر سکتی ہو؟"

"اگر تم گارنٹی دو سمیر کی' تو کیوں نہیں۔"

"گارنٹی ہی گارنٹی۔" تقی نے پرجوش ہو کر ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ "میں بتا رہا ہوں' وہ بہت اچھا شوہر ثابت ہوگا۔ پھر ثمر کو پسند بھی بہت کرتا ہے۔ تم دیکھنا اس کے آگے پیچھے پھرا کرے گا۔ کیونکہ سمیر میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جنہیں ہم مردوں کی زبان میں جورو کی غلامی کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اوپر سے محبت بھی کرتا ہے۔ [illegible] تم دیکھنا' تمہاری سہیلی بہت خوش رہے گی۔ اور تم انتہائی نالائق بیوی ہو گی۔ شوہر کی خدمت کیسے کی جاتی ہے۔ تمہیں پتا بھی ہے کہ نہیں' ابھی تو انسان اپنے ساتھ شوہر کا کھانا ناشتا بنانے کا بھی سوچے' لیکن نہ جی۔"

وہ ذہین آدمی تھا۔ اکثر و بیشتر ایک تیر سے دو شکار کر لیا کرتا تھا۔ اب بھی یہی کیا۔ اسے چڑا بھی لیا اور اپنا مقصد بھی اسے بتا دیا۔ گو کہ یہ اس کی شان کے خلاف تھا کہ شفا سے اپنے لیے کچھ بنانے کا کہتا۔ (ڈائریکٹ۔۔۔ ان ڈائریکٹ تو اکثر اپنے کام کروا ہی لیتا تھا۔ بتایا نا ذہین آدمی تھا۔) لیکن وہ اتنا خوش رنگ آملیٹ بنا رہی تھی اور اس قدر دل فریب خوشبو تھی کہ وہ کہنے سے خود کو روک ہی نہیں سکا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے خود کو تمہاری "لائق" بیوی ثابت کرنے کا۔ جس کا یہ کام ہے' وہ کرے گی۔ تم اتنا کرو کہ ملک سے میری بات کروا دو۔ تمہارے احسان کا بدلہ تو اتار دوں۔"

وہ بھی بے مروتی میں کوئی انعام پانے کی ڈگری ہی رکھتی تھی۔

تقی نے برا سا منہ بنایا۔

"فون کیا تھا اسے۔ لیکن وہ بات کرنے پر راضی نہیں ہے۔ میں اب دوبارہ فون نہیں کروں گا۔"

"ابھی نہیں کرو گے تو بعد میں پچھتاؤ گے۔" شفا نے تحمل سے کہا تھا۔ "بہت زیادہ محبت کرتی ہے نا وہ تم سے تو اسی لیے اس کا ری ایکشن بھی شدید ہے۔ ناراضی ختم ہوگی تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ جتنی جلدی ہو سکے اسے منا لینا چاہیے' ایسا نہ ہو' وقت ہاتھ سے نکل جائے۔"

وہ سر جھکائے اب آملیٹ کو پراٹھے میں رول کر رہی تھی اور اس طرح بول رہی تھی جیسے ان دونوں کے درمیان دوری کبھی ہوئی ہی نہیں۔

تقی نے بے ساختہ سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پتا نہیں کیوں دیکھتا رہا۔ لیکن دیکھا تھا اور بہت غور سے دیکھا تھا' پھر اس نے تیزی سے سر جھٹکا اور باہر نکل گیا۔

شفا حیران ہوئی' وہ اس طرح بات ادھوری چھوڑ کر کس طرح جا سکتا تھا۔ خیر اس نے بھی کندھے اچکائے اور اپنا کام سمیٹنے لگی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ناولٹ

11

گیارہویں قسط

آمنہ ریاض



باقر لودھی اپنے منجھلے بیٹے تقی کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت سے سخت نالاں ہیں اور اسے ہر وقت ہڈحرامی کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔ تقی کو شوبز میں کام کرنے کا شوق ہے جبکہ لودھی صاحب اس کام کے سخت مخالف ہیں۔ دونوں باپ بیٹے میں اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ رضی اور جری سے البتہ باقر صاحب کو کوئی شکایت نہیں۔

شفا کو عمیر نے والدین کے بعد باپ بن کر پالا ہے۔ وہ عمیر کی بے حد لاڈلی ہے مگر عمیر کی بیوی ساہر کو اس سے شدید جلن ہے۔ وہ عمیر سے جھوٹ بول کر اسے شفا سے بدظن کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ عمیر کو اپنی بیوی پر پورا یقین ہے۔

ساہر اور عمیر کی شادی کے ابتدائی دنوں میں شفا ساہر سے بہت بدتمیزی کیا کرتی تھی۔ وہ اسے ہر وقت عمیر کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتی اور جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر اسے عمیر سے ڈانٹ پڑوا دیتی۔ رات کے کھانے پر پاستا نہ بنانے پر اس نے ساہر سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا اور سیڑھیوں سے حادثاتی طور پر گر جانے کا الزام ساہر پر لگا دیا کہ ساہر نے اسے دھکا دیا ہے۔ اس بات پر عمیر ساہر کو دو تھپڑ مار دیتے ہیں۔ ساہر کو بہت دکھ ہوا ہے۔ شفا خود بھی گنگ ہو جاتی ہے۔

تقی کے گہرے دوست سمیر کے ابا اپنی پسند سے اس کی منگنی کر دیتے ہیں۔

شفا عمیر کو ساری بات بتا کر ان سے اور ساہر سے اپنی پچھلی تمام باتوں پر معافی مانگ لیتی ہے۔ عمیر اسے معاف



کر دیتے ہیں مگر ساہر شفا سے بیر باندھ لیتی ہے اور غلط بیانی کرکے دونوں بہن بھائی میں غلط فہمیاں پیدا کرتی رہتی ہے۔ اسی طرح وہ عمیر کے منع کرنے کے باوجود جھوٹ بول کر شفا کو کالج ٹرپ پر بھجوا دیتی ہے۔

کاسٹنگ ڈائریکٹر جاثم تقی کو اپنے ڈرامے میں لیڈنگ رول کی آفر کرتا ہے۔ تقی اپنے ابا کی وجہ سے تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔

تقی اور سمیر بھی اپنے دوستوں کے ہمراہ مری جاتے ہیں اور اسی ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرتے ہیں، جہاں شفا کا گروپ ٹھہرا ہوتا ہے۔ وہاں سمیر کو ثمر پر اپنی منگیتر کا گمان ہوتا ہے۔ ٹرپ کے دوران دونوں گروپوں کے درمیان ہلکے پھلکے ٹاکرے ہوتے رہتے ہیں۔ اور باقاعدہ منگنی پر دونوں کو پتا چلتا ہے کہ وہ واقعی ثمر ہے۔ وہ دونوں منگنی تو کر لیتے ہیں مگر سخت غصے میں ہوتے ہیں۔ منگنی کے بعد سمیر ٹرپ کے دوران مذاق میں کہی شفا کی بات کہ "ثمر کا نکاح ہو چکا ہے" اپنی ماں کو بتا کر منگنی توڑ دیتا ہے۔ ثمر کے والد شکیل صاحب سمیر کے والد سے سخت ناراض ہو جاتے ہیں۔ ثمر کی والدہ یہ جان کر کہ ثمر کے نکاح کی افواہ شفا نے اڑائی ہے۔ وہ شفا سے خفا ہو جاتی ہیں۔ ساہر انہیں مزید بھڑکاتی ہے۔ ساہر اور عمیر تقی سے مل کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ مہک، تقی کا پورٹ فولیو بنوا لیتی ہے۔ تقی کو آفرز آنے لگتی ہیں۔ وہ ایک دو کمرشلز میں کام کر لیتا ہے۔ رمشی کی بدولت مہک کے والد سے باقر لودھی کی ملاقات ہوتی ہے اور وہ تقی کے لیے مہک کو پسند کر لیتے ہیں۔ جری کے میڈیکل میں ایڈمیشن ہونے کی خوشی میں باقر لودھی ایک چھوٹی سی تقریب کرتے ہیں۔ انہیں تقی کے شوبز جوائن کرنے کی خبر مل جاتی ہے۔ وہ بھری محفل میں اسے سخت بے عزت کرتے ہیں اور چھڑی سے مہمانوں کے سامنے خوب پٹائی لگاتے ہیں اور گھر سے نکال دیتے ہیں۔

وہ متضاد سوچوں میں گھرا جا رہا تھا، اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ عمیر اسے اپنے ہاں لے آتے ہیں اور جب تک گھر کا بندوبست نہیں ہو جاتا، اسے اپنے گھر رہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ تقی ممنون اور شرمندہ سا ان کے گھر رہنے لگتا ہے۔ شفا اور وہ ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں مگر زیادہ بات چیت نہیں کرتے۔ شفا کو عمیر کی نظروں میں گرانے کی ساہر کی سازش کا اسے علم ہو جاتا ہے۔ وہ ساہر کو منع کرتا ہے مگر ساہر بجائے شرمندہ ہونے کے اسے اس معاملے سے دور رہنے کی تاکید کرتی ہے۔ وہ کمرشلز اور ڈراموں میں مصروف ہو جاتا ہے۔ سمیر کے آفس میں ثمر انٹرن شپ کے لیے آتی ہے۔ سمیر اس کی طرف مائل ہونے لگتا ہے مگر وہ اس کی جانی دشمن بنی ہوئی ہے۔

ساہر، شفا سے انتقام لینے میں اتنی آگے بڑھ جاتی کہ اپنی دوست کے بھائی روحیل کو شفا کا موبائل نمبر اور تصاویر دے کر اس کے پیچھے لگا دیتی ہے۔ وہ شفا کو بلیک میل کرنے لگتا ہے اور عمیر کو بھی اطلاع دے دیتا ہے جبکہ وہ اپنی تصاویر لینے کے لیے مجبوراً اس سے ملنے آتی ہے۔ اس کے بعد روحیل کو گھر پر بلوا لیتی ہے۔ روحیل الٹا ساہر سے بے تکلف ہونے لگتا ہے۔ ان ہی دنوں ان کے گھر عمیر کے دور کے تایا آئے ہوئے تھے۔ وہ چھت پر مردانہ سایہ دیکھ کر فائر کر دیتے ہیں۔ روحیل بھاگ جاتا ہے اور ساہر، عمیر کے گھر کود جاتی ہے۔ دوسری طرف تایا شور مچا دیتے ہیں کہ شفا چھت پر کسی مرد سے بات کر رہی تھی۔ تقی کو ساہر کی ان منصوبہ بندیوں کا علم ہوتا ہے۔ وہ عمیر کی عزت کا خیال کرتے ہوئے اپنی شوٹنگ ادھوری چھوڑ کر گھر آجاتا ہے، جس کا خمیازہ اسے شفا سے نکاح کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے۔ پھر تایا کے اصرار پر رخصتی بھی کر دی گئی۔ ساہر نے تقی کے گھر فون کرکے بتا دیا۔ لودھی صاحب مزید بگڑ گئے مگر شفا کو اپنے گھر لے گئے مگر دوسرے دن تقی سے پھر جھگڑ پڑے۔ تقی شفا کو لے کر جوہر ٹاؤن والے گھر میں منتقل ہو جاتا ہے۔ وہ دونوں وہاں اجنبیوں کی طرح رہنے لگتے ہیں۔ تقی پر شدید غصے کے سبب ساہر مہک کو بھی اس کے نکاح سے باخبر کر دیتی ہے۔ وہ جوہر ٹاؤن پہنچ جاتی ہے اور شفا کو دیکھ کر تقی سے شدید غصے کا اظہار کرتی ہے۔ اس کے ناراض ہونے پر تقی کو شفا پر غصہ آتا ہے۔ لڑائی میں شفا بتا دیتی ہے کہ وہ جانتی ہے کہ چھت پر راحیل کے ساتھ ساہر بھابھی تھیں۔ اس لیے وہ آئندہ اس پر یہ احسان نہ جتائے کہ اس نے شفا کی عزت رکھی ہے۔ تقی اس کو باور کراتا ہے کہ وہ اسے مستقبل میں ساتھ نہیں رکھے گا۔ شفا ذہنی طور پر تیار ہے۔

شفا نے دروازہ کھولا، سامنے مہک کھڑی تھی۔

"آؤ..." شفا نے خوش دلی سے استقبال کرتے ہوئے دروازہ کچھ اور کھول دیا تھا۔

مہک اندر آگئی، لیکن اس کے تاثرات سرد مہر تھے۔

"مجھے کیوں بلایا ہے؟" اس نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"دروازے پر ہی سارے سوال پوچھو گی؟" شفا مسکرائی۔ "اندر تو چلو، اطمینان سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

وہ دوستانہ انداز میں بولتی اندر کی طرف چل دی، ناچار مہک کو اس کی پیروی کرنا پڑی، ورنہ جیسے اس کے تاثرات تھے، صاف پتا چلتا تھا وہاں تک آتو گئی ہے، لیکن دروازے سے آگے جانا نہیں چاہتی۔

"کھانا کھاؤ گی مہک؟ میں دراصل ابھی اسکول سے واپس آئی ہوں، تم نے آنا تھا تو ہاف لیو لے کر آگئی۔ کھانا کھا رہی تھی۔" وہ کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہو رہی تھی۔ یہ بات مہک کو کچھ خاص پسند نہیں آئی۔

"تمہیں جو بات کرنی ہے، ذرا جلدی کر لو پلیز... تمہیں پتا ہے، میں یہاں صرف تمہارے اصرار پر آئی ہوں۔ ورنہ یہاں آنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی مجھے۔" مہک نخوت سے کہہ رہی تھی۔ شفا ذرا دیر کے لیے چپ سی رہ گئی۔

منتیں تو واقعی بہت کی تھیں اس نے۔ تقی ایک تو مصروف بہت ہو گیا تھا۔ دوسرے مہک کے لاتعلقی برتنے پر تھوڑا غصے میں بھی آگیا تھا۔ لیکن شفا دل سے ان دونوں کے مابین حائل بدگمانی دور کرنا چاہتی تھی۔

جانے کو تو وہ بھی جا سکتی تھی، لیکن ایک تو نئی نئی ملازمت کی مصروفیات، دوسرے جوہر ٹاؤن سے اٹھ کر گلبرگ جانے میں اسے دانتوں پسینہ آجاتا۔ مہک یونی آئی تھی۔ اس کے لیے یہاں تک آنا آسان تھا۔

"اچھا، تم بیٹھ تو جاؤ... بات جلدی بھی کرنا ہو تو بیٹھ کر بھی کی جا سکتی ہے۔"

مہک بڑا احسان جتاتے ہوئے بیٹھ گئی۔

"ویسے میں سمجھ نہیں پا رہی، تم مجھ سے کہنا کیا چاہ رہی ہو... تقی کو تو تم نے چھین ہی لیا۔ اب یہ ساری ڈرامہ بازی کس لیے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم اسے میرے لیے چھوڑنا چاہ رہی ہو؟" اس کا انداز اچھا خاصا تمسخرانہ تھا، لیکن شفا کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

"بات تو کچھ ایسی ہی ہے۔"

"اوہ... ڈونٹ ٹیل می۔" مہک ایک دم سے بھڑک اٹھی۔ "ایک شخص جو مجھ سے محبت کا دعوے دار ہے، اچانک ایک روز تم سے شادی کر لیتا ہے اور اب تم کہہ رہی ہو کہ تم اسے چھوڑ دو گی... یہ انتہائی بکواس بات ہے۔"

"تم زیادہ ہی جذباتی ہو رہی ہو... میری بات سنو تو سہی... میں تمہیں سب کچھ بتاتی ہوں۔"

شفا نے تحمل سے کہا اور پھر اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں اسے ہر بات بتاتی چلی گئی۔

کن حالات میں ان کا نکاح ہوا اور اب تک وہ کن حالات میں ساتھ رہ رہے ہیں۔ اس نے ایک ایک بات مہک کو بتا دی۔

"تقی تم سے بہت محبت کرتا ہے اور میں جانتی ہوں، تمہارے دل میں بھی اس کے لیے بہت محبت ہے۔ جہاں محبت ہو، بدگمانیوں کو وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا نہیں چاہیے... میرا اور تقی کا الگ ہونا تو اول دن سے طے تھا۔ پھر میری وجہ سے تم لوگ اپنا رشتہ کیوں خراب کر رہے ہو... تم اپنی ناراضی دور کر لو مہک! ورنہ بعد میں پچھتانا پڑے گا... میں یہ نہیں چاہتی۔"

مہک خاموش رہی، لیکن اس کے تاثرات ایسے تھے جیسے کسی سوچ میں گم ہو۔

"اچھا... تم بیٹھو... میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

مہک اس بار بھی خاموش رہی۔

☆ ☆ ☆

شفا کچن میں آکر چائے بنانے لگی، زیادہ دیر نہیں گزری کہ مہک وہیں آگئی۔

"تم دونوں اتنے دن سے ساتھ ہو۔۔۔ میں کیسے مان لوں۔۔۔ تم دونوں میاں بیوی کی طرح نہیں رہتے۔"

شفا چائے چھان رہی تھی۔ اس سوال پر ہاتھ سے چھلنی ہی گر گئی۔ چائے بھی سلیب پہ چھلک گئی۔

"جس کلاس سے میں اور تقی تعلق رکھتے ہیں۔ اس کلاس میں آخری دم تک رشتے نبھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہمارا نکاح کسی ایگریمنٹ کے تحت نہیں ہوا تھا' لیکن نکاح کے بعد ہم نے طے کیا کہ حقیقت واضح ہونے کے بعد الگ ہو جائیں گے۔ تمہارے خیال میں اگر میں تقی کے ساتھ اس رشتہ میں اتنا آگے بڑھ گئی ہوتی تو کیا تمہیں قائل کرتی کہ اس کی زندگی میں دوبارہ آؤ۔ نہیں مہک! میں کبھی یہ کوشش نہ کرتی' بلکہ میری کوشش ہوتی کہ تم اب تقی سے ساری زندگی نہ ملو۔ تاکہ اس کے دل میں بے ہوش ہوئی تمہاری محبت کبھی ہوش میں نہ آسکے۔"

بات میں دم تو تھا۔ مہک دل سے قائل ہوئی۔ لیکن اس کے دل میں سو شبہات تھے جو اس کے چہرے سے جھلک رہے تھے۔

"میں کوئی ثبوت تو نہیں دے سکتی۔ صرف زبان سے گواہی دے سکتی ہوں۔ دل راضی ہو تو اعتبار کرلو' ورنہ۔۔۔ ورنہ تمہاری مرضی۔" شفا نے سلیب صاف کرتے ہوئے بڑے آرام سے کہا تھا۔

اتنے ستھرے جواب پر مہک کی طبیعت صاف ہی ہو گئی۔

"آؤ۔۔۔ میں تمہیں اپنا بیڈ روم دکھاتی ہوں۔" شفا نے اسے چائے کا مگ پکڑاتے ہوئے کہا تھا۔ مہک نے اس کی تقلید کی۔

"یہ میرا کمرہ ہے۔۔۔ وہ سامنے والا تقی کا۔"

سادہ سے کمرے۔۔۔ محدود سامان۔

مہک زیادہ دیر نہیں رکی۔

"کیا میں امید رکھوں۔۔۔ تم تقی سے رابطہ کرو گی؟" شفا کے لیے اس کے تاثرات سے کوئی اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا' سو پوچھ لیا۔

مہک نے آہستگی سے اثبات میں سرہلا دیا۔ شفا کو خوشی ہوئی۔

"اچھا سنو۔" شفا نے کہا۔ "تم اس بات کا ذکر تقی سے مت کرنا کہ میں نے تمہیں فون کیا تھا یا ہماری کبھی ملاقات ہوئی تھی۔"

"کیوں۔۔۔؟" مہک حیران ہوئی۔

"تقی تم سے بہت محبت کرتا ہے۔۔۔ جس سے ہم بہت محبت کرتے ہیں۔ چاہتے ہیں' وہ آنکھیں بند کرکے ہمارا اعتبار کرے' بنا کسی جسٹیفکیشن کے ہماری اچھائی کو مانے۔۔۔ تقی کو بھی اچھا لگے گا کہ تم نے اس پر اعتبار کیا۔۔۔ ہاں ممکن ہے اگر اسے یہ پتا چلے کہ تم نے میری باتوں کے بعد اس پر بھروسا کیا ہے تو شاید وہ ہرٹ ہو۔۔۔ اور۔۔۔ ممکن ہے یہ بات آنے والی زندگی میں تم دونوں کے درمیان حائل ہو۔" وہ بڑی سادگی سے اپنا نقطہ نظر واضح کرتی چلی گئی۔

مہک چپ چاپ اسے کچھ دیر کھوجتی نظروں سے دیکھتی رہی۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" مہک نے کہا۔ "بیوی کی طرح تم تقی کے ساتھ رہتی نہیں ہو۔۔۔ جس طرح میرے اور اس کے درمیان بدگمانی دور کرنے کی کوشش کر رہی ہو' اس سے پتا چلتا ہے کوئی ایموشنل اٹیچمنٹ بھی نہیں ہے۔۔۔ پھر وہ کیا چیز ہے جو تمہیں تقی کے لیے اتنا تچی بنا رہی ہے کہ تمہیں اس کے ہرٹ ہونے کی بھی پروا ہے؟"

مہک نے آنکھیں گھما کر یا مٹکا کر نہیں کہا تھا۔ شفا نظریں گاڑی بھی نہیں تھیں' لیکن کچھ تھا جو اس کے انداز و سوال سے جھلکتا تھا۔

شفا مسکرائی۔

"احسان مندی۔۔۔ صرف اور صرف احسان مندی۔" اس نے ترنت کہا تھا۔

اب کی بار مہک نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

"یہ احسان مندی ہی رہے تو اچھی بات ہے۔۔۔ اس سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرنا۔"

وہ چلی گئی' شفا نے سکھ کا سانس لیا۔

☆ ☆ ☆

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ان سب میں شامل ہوتی چلی گئی' نہایت خاموشی سے اس کی جگہ لودھی ہاؤس میں مستحکم ہو رہی تھی۔ جو دور اندیش تھے' وہ خوب سمجھتے تھے اور جو نہیں تھے' وہ اپنے حال میں مست تھے۔ یعنی تقی شوٹنگز میں اور شفا اپنی نوکری اور گھر میں۔

شطرنج کی چال پر چال چلی جاتی اور کبھی رضی اور جری بھی شامل ہو جاتے۔ چائے کا دور چلتا' پکوڑے تلے جاتے۔ جیتتا خواہ کوئی بھی آئس کریم لودھی صاحب کھلاتے۔

بچھی ہوئی بساط کے دوران ہی کبھی چال چلنا بھول کر اپنے دور کا کوئی قصہ سنانے لگتے۔ شفا ہمہ تن گوش ہو کر سنتی۔ قصہ سناتے سناتے وہ تقی کی برائی کر جاتے تو اور زیادہ ہمہ تن گوش ہو کر سنتی۔ اکثر ابا اس سے اپنی سپر ویژن میں کوئی نئی ڈش بنواتے۔ امی کھاتے ہوئے خوب منہ بناتیں اور آخر میں جتاتیں کہ صرف شفا کی وجہ سے کھا رہی ہیں۔ ورنہ لودھی صاحب کا بنایا کھانا کھانے کا مطلب زہر پھانکنے سے کم نہیں۔

ابا اس بات پر انہیں یاد دلاتے کہ انہوں نے بھی کئی بار بیگم کے ہاتھ کا بنا کھانا کھا کر ایسا ہی سوچا ہے۔ وہ امی کو چڑاتے۔ امی چڑتیں تو بچوں کی طرح لطف اندوز ہوتے۔ سب محسوس کر رہے تھے۔ ان میں ایک بڑی مثبت تبدیلی آرہی تھی۔

موڈ خوشگوار ہی رہتا۔ اکثر ہنستے ہوئے پائے جاتے۔ ایک روز تقی نے دیکھ لیا۔ مانو جان جل کر خاک ہی ہو گئی۔

"ابا کچھ زیادہ ہی خوش لگ رہے ہیں' نہیں۔۔۔ امی؟" امی سے تائید بھی چاہی۔

"ہاں تو کیوں نہ خوش ہوں۔۔۔ بیٹیوں جیسی بہو جو مل گئی ہے۔" امی نے پیار بھری نظروں سے پتا نہیں شفا کو دیکھا تھا یا اپنے سرتاج کو۔

تقی بدمزہ ہو گیا۔

"اونہہ بہو۔۔۔! ابھی مجھ سے تو اتنا ہنس ہنس کر بات نہیں کی۔"

"تم نے کبھی بیٹھ کر ان کے ساتھ شطرنج بھی تو نہیں کھیلی۔" امی نے دو بدو کہا۔

"مجھ سے اتنی بورنگ گیم نہیں کھیلی جاتی۔۔۔ سوچتے رہو۔۔۔ نا بھئی' ہمارا اتنا اسٹیمنا نہیں۔۔۔ ہاں اگر شطرنج میں بھی چیئر لیڈرز آجائیں تو بات دوسری ہے۔ بھئی کچھ تو رنگینی ہو اس سڑی ہوئی گیم میں۔" اس نے خود ہی اپنی بات کا لطف لیا تھا۔

"ہیں۔۔۔ کون آجائیں؟" امی کے پلے خاک نہ پڑا اور اچھا ہی ہوا کہ نہ پڑا۔۔۔ ورنہ ان کی جوتی تقی کے کندھے پر پڑتی۔

"کوئی نہیں بھئی۔۔۔ امی! مجھے تو لگتا ہے' معاملہ کچھ اور ہے۔۔۔ یہ ابا کے دانت ایسے ہی نہیں نکل رہے۔"

"اب کوئی بے تکی ہی ہانکنا۔" امی نے اندازہ لگایا۔

"مجھے تو لگتا ہے' بات کچھ اور ہے۔" اس نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ "آپ مانیں یا نہ مانیں۔۔۔ ابا کا افیئر چل رہا ہے۔" اس نے نتیجہ نکال لیا اور نئے دور کی امی اب اتنی بھی نابلد نہیں تھیں کہ افیئر کا مطلب ہی نہ معلوم ہو' سر ہی پیٹ لیا۔

"تم نہیں سدھر سکتے تقی! ہزار بار کہا ہے' سوچ سمجھ کر بولا کرو۔"

"افیئر ابا کا چل رہا ہے۔ دانت ان کے منہ کے اندر جانے کا نام نہیں لے رہے اور سدھارنا آپ مجھے چاہ رہی ہیں۔۔۔ بھئی یہ کھلا تضاد ہے۔ ہر وقت مجھے کہتی رہتی ہیں۔ سدھر جاؤ' سدھر جاؤ۔۔۔ اتنا دھیان ابا کی تربیت پر دیا ہوتا تو یقین مانیں' آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ میں تو کہتا ہوں' ابھی بھی وقت نہیں گزرا۔۔۔ تھوڑا کنٹرول کرلیں' ورنہ جتنے بلغ و بہار آج کل ابا نظر آرہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے عنقریب دوسری شادی کا لڈو لا کر آپ کا منہ میٹھا کروا رہے ہوں گے۔"

"بکو مت۔۔۔ یہ کام تو انہوں نے تب نہ کیے جب عمر تھی۔۔۔ اب اس عمر میں کیا دوسری شادی کریں گے۔ میں تو کہتی ہوں بیٹے! تم بھی یہ خیال دل سے نکال دو۔ شفا کس قدر بہترین لڑکی ہے۔ ساری زندگی

اسی کے ساتھ گزارہ۔ دوسری شادی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بے شک مرد کو چار کی اجازت ہے' لیکن یہ زمانہ ایک کی ضروریات پوری کرلیں تو بہت ہے۔" امی گھما پھرا کر اپنے پسندیدہ موضوع پر آگئیں۔

لیکن وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا۔

"اے دور اندیش خاتون! آپ مجھے دوسری شادی کے سائیڈ ایفیکٹس نہ گنوائیں' بلکہ اپنے سرتاج کے چال چلن پر غور کریں۔ میں بتا رہا ہوں' آپ نے ایسے ہی ابا کو بے دھیان رہنے دیا تو وہ کوئی نہ کوئی چاند چڑھا کر چھوڑیں گے۔ میں نئی امی کو "ممی" کہا کروں گا' پہلے بتا دوں۔" ٹھنک کر بتایا گیا اور کیا اب بھی امی اپنے ہاتھ کو جوتی اٹھانے سے روک لیتیں؟

☼ ☼

شفا سب سے ہی گھل مل گئی تھی' حتیٰ کہ سمیر سے بھی بھائیوں والا حساب کتاب ہوگیا تھا۔

وہ تقی کی موجودگی میں ہی آتا۔ پھر وہ دونوں مل کر شفا کو ایک دوسرے کے بچپن' لڑکپن کے قصے سناتے اور ایسی ایسی ایک دوسرے کی کھنچائی کرتے کہ شفا کے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل ہی پڑ جاتے۔

اس روز بھی سمیر شام کو آگیا۔ امی بھی یہیں تھیں۔ بارش کچھ دیر پہلے ہوئی تھی۔ شفا اسی مناسبت سے پکوڑے بنانے لگی۔ امی کو اس نے زبردستی ٹی وی کے سامنے بٹھا دیا۔ تقی اور سمیر دونوں ہی اس کی مدد کے خیال سے کچن میں آگئے۔ اب مدد کیا کر رہے تھے۔ پکوڑوں پر ہاتھ ہی صاف ہو رہا تھا۔ تقی نے فرمائش کرکے سمیر سے کافی بنوائی۔ شفا نے احتیاطاً پہلے ہی انکار کردیا۔ لیکن تقی نے قسم کھا کر بتایا کہ سمیر بری کافی نہیں بناتا جیسی اس نے بنائی تھی۔

اسی دوران تقی کو مہک کا فون آگیا۔ اس کا سیل فون سلیب پر پڑا تھا۔ مہک کا نام شفا نے بھی دیکھ لیا۔ لیکن ظاہر نہیں ہونے دیا۔ تقی اس کا نام دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ لیکن۔ ابھی آیا کہہ کر کچن سے باہر نکلنے لگا تو سمیر نے اس کا ہاتھ دبوچ لیا۔

"بھائی صاحب! اکٹھی میں بناؤں گا۔ لیکن پیٹنا تو آپ کو ہی پڑے گی۔"

"سمیر بھائی! کافی میں پھینٹ دیتی ہوں۔" شفا نے جلدی سے مگ اٹھا لیا' وہ نہیں چاہتی تھی کہ تقی اور مہک کے درمیان کوئی آئے۔

تقی نے بھی موقع سے فائدہ اٹھایا اور جلدی سے باہر نکل گیا۔

سمیر نے شفا کی پھرتی اور تقی کا سرعت سے نکل جانا نوٹ کیا تھا اور اس پر حیران ہوا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس نے فوری کچھ کہا نہیں۔

"آپ رہنے دیں بھابھی! میں تو تقی کو تنگ کر رہا تھا۔" اس نے شفا کے ہاتھ سے مگ لے لیا اور تن دہی سے کافی پھینٹنے لگا۔

"بھابھی! میں آپ سے ایک فیور چاہ رہا تھا۔" سمیر نے جھجکتے ہوئے کہا۔

شفا نے ایک آن کے لیے اسے دیکھا اور بولی۔

"ثمر کے بارے میں بات کرنا چاہ رہے ہیں؟"

"واللہ۔" سمیر کا منہ کھل گیا۔ "آپ کو کیسے پتا چلا۔ کیا آپ کے پاس موکل ہیں؟" تقی کا دوست تھا' سنجیدہ کیسے ہوتا۔

شفا اس بات پر ہنسی۔

"تقی کسی موکل سے کم تو نہیں ہے۔" وہ پکوڑے کڑاہی میں ڈال کر اس کی طرف مڑی۔

"مجھ سے تقی نے بھی کہا تھا کہ میں ثمر سے آپ کے متعلق بات کروں اور سچ تو یہ ہے کہ۔ میں نے بات کی بھی تھی۔" وہ جھجکتے ہوئے بولتی خاموش ہوگئی۔ اس خاموشی نے سمیر پر مایوسی کا ٹھنڈا پانی ڈال دیا۔

"بس۔ میں سمجھ گیا۔"

"آپ اتنا بھی مایوس نہ ہوں۔" اس کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر شفا نے جلدی سے کہا۔

"یہ سچ ہے کہ میں نے بات کی تھی۔ لیکن ثمر نے پوری بات نہیں سنی۔ اس کی امی کا فون آگیا تھا تو بات

بیچ میں ہی رہ گئی۔ پھر میں نے ڈر کر بات ہی نہیں چھیڑی۔ دراصل ثمر اپنے خیالات میں بہت سخت مزاج ہے۔ میں نے سوچا' کہیں ایسا نہ ہو' میرے منہ سے آپ کا نام سن کر وہ میرا سر ہی پھاڑ دے۔" وہ شرمندہ سی بول رہی تھی۔

"تو پھر اب آپ دوبارہ بات کریں گی؟" سمیر نے بہت آس سے پوچھا۔

"میں رسک نہیں لے سکتی۔ ثمر میری بیسٹ فرینڈ ہے' لیکن اس کے غصے سے مجھے بھی خوف آتا ہے۔"

"پھر۔؟" اس نے اتنی مایوسی سے کہا تھا کہ شفا کا نرم دل ہمدردی سے بھر گیا۔

"آپ کو ثمر سے سچ مچ محبت ہے؟"

سمیر کا گول مٹول سر ایسے اثبات میں ہلا جیسے شاخ سے لٹکا ہوا ناریل بس گرنے کو ہو۔

"پہلے صرف اچھی لگتی تھی۔ میں نے تو بہت کوشش کی تھی' لیکن پھر بھی محبت ہوگئی۔"

شفا عادتاً ہنسی۔

"ٹھیک ہے۔ پھر جب محبت ہے تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ لیکن ہمت آپ کو ہی کرنا پڑے گی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میرے پاس ایک آئیڈیا ہے اور وہ یہ کہ کسی بھی طرح میں آپ کی اور ثمر کی ایک ملاقات کروا دیتی ہوں۔ اس دوران آپ نے اسے قائل کرلیا تو ٹھیک۔ ورنہ۔"

"ورنہ کیا؟"

"ورنہ یہ کہ ثمر کا ایک اور پروپوزل آیا ہوا ہے۔ کوئی پتا نہیں کہ ثمر غصے میں اسی پروپوزل کے لیے ہاں کہہ دے۔" اس نے اچھی خاصی سنسنی سی پھیلا دی تھی۔

"اگر ایسا ہوا تو میں بتا رہا ہوں بھابھی! اسی کھولتے ہوئے گھی کی کڑاہی میں کود کر خودکشی کرلوں گا۔" وہ زمانے ہی جذباتی ہوگیا تھا۔

"خودکشی کریں آپ کے دشمن۔" شفا نے ہنس کر کہا۔ "تقی سے اچھے سے ڈائیلاگز کا اسکرپٹ تیار کروالیں۔ وہ اپنے کسی ڈرامے کا اسکرپٹ آپ کو دے ہی دے گا۔ لیکن ایسا ہو کہ ثمر آپ کو ریجیکٹ نہ کرسکے۔"

"جی نہیں۔ اس کی مدد تو میں ہرگز نہیں لوں گا۔ تاریخ گواہ ہے جب بھی میں نے تقی کی مدد لی۔ بنتے کام بھی بگڑے ہیں۔ لیکن۔" وہ رکا۔ "اگر ثمر نے میرا ہی سر توڑ دیا؟"

"ثمر کی محبت میں اس کڑاہی میں خود کود کر خودکشی کرنے کا حوصلہ ہے آپ میں۔ لیکن سر تڑوانے کا نہیں۔ کیسی محبت ہے بھئی۔"

سمیر نے سر تان کر خود کو اس لمحے کے لیے تیار کرلیا۔ پھر دونوں ہنس کر ہنسے۔

"آپ کی سہیلی ویسے ہے خون خوار۔ کوئی پتا نہیں سچ مچ میرا سر توڑ دے۔"

سمیر نے اب کی بار مسکراتے ہوئے۔ لیکن سنجیدگی سے کہا تھا۔

کچن کے دروازے سے کچھ فاصلے پر کھڑا تقی نہ صرف انہیں ہنستا دیکھ چکا تھا' بلکہ ایک نتیجے پر بھی پہنچ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

امی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ لیکن پندرہ منٹ سے نوٹ کر رہی تھیں کہ ان کا ہونہار بیٹا فون سے چپکا ہوا ہے۔

آواز تو نہیں آرہی تھی۔ انداز البتہ سب کچھ بتا رہے تھے۔ وہ پہلے ہی اس کی طرف سے فکر مند تھیں۔ اب چھٹی حس نے اشارہ دیا تو پہلو پر پہلو بدلنے لگیں' لیکن تقی کی پتا نہیں کون سی باتیں تھیں جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔

انہیں اب غصہ آنے لگا' لیکن اس سے پہلے کہ غصہ سوا نیزے پر پہنچتا' تقی کے راز و نیاز ختم ہو ہی گئے۔

"کس کا فون تھا؟" وہ لکنا سیٹی پر دھن بجاتا ہوا ان

کی طرف آیا تھا۔ جب انہوں نے غصہ پیتے ہوئے ٹی وی پہ نظریں جما کر کڑک کر پوچھا۔

"آپ کی ہونے والی بہو کل۔" وہ گرنے کے انداز میں ان کے ساتھ صوفے پر نیم دراز ہوا اور ان کے کندھے پر لاڈ سے بازو بھی پھیلا لیا۔

ای کے پیر میں سات نمبر کی جوتی مچلنے لگی۔ انہوں نے گردن موڑ کر غضب ناک نظروں سے اسے گھورا۔

"میری بہو کچن میں ہے۔"

ان کے انداز پہ وہ ہنس دیا۔

"میری بات کان کھول کر سن لو تقی! میری بہو شفا ہی ہے اور بس۔ اس سے آگے اور کوئی بات نہیں ہوگی۔" ان کا لہجہ دوٹوک تھا۔

"آپ کو نہیں لگتا امی! آپ کو شفا سے کچھ زیادہ ہی محبت ہوگئی ہے؟" وہ گو کہ ہنس رہا تھا' لیکن اس بار وہ سنجیدہ تھا۔

"ہاں۔ تو وہ ہے ہی محبت کے قابل۔" امی نے ترنت کہا۔

"ویسی بات نہیں ہے۔" وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ آپ کو مجھ سے بہت محبت ہے جو بھی میری زندگی میں آئی' آپ کو اس سے محبت ہو ہی جانی تھی۔ شفا پہلے آگئی تو اس سے محبت ہوگئی۔ مہک آجائے گی تو اس سے بھی ہو ہی جائے گی۔" وہ اچھا خاصا پُریقین تھا۔

"ایسی بات بھی نہیں ہے۔" انہوں نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔ "تمہاری زندگی میں پہلے تو مہک ہی آئی تھی۔ لیکن سچ کہوں تو میں تمہاری پسندیدگی کا سن کر خاموش رہی' ورنہ وہ اس وقت بھی مجھے کچھ خاص اچھی نہیں لگی تھی۔ یہ نہیں کہہ رہی کہ لڑکی بری ہے' صرف یہ سمجھا رہی ہوں کہ وہ جس ماحول میں پلی بڑھی ہے' وہ ہمارے گھرانے سے بالکل مختلف ہے۔ وہ تمہاری بیوی بن بھی گئی تو یاد رکھنا۔ ہمارے ماحول میں رچ بس نہیں سکے گی۔ پھر مسائل پیدا ہوں گے تو تم بھی اکتاؤ گے۔

ہاں' جہاں تک شفا کا معاملہ ہے تو وہ مجھے پسند ہے۔ کیسی موہنی صورت ہے۔ کتنا میٹھا مزاج ہے۔ کھانا اتنا بہترین بناتی ہے کہ مہک سو سال محنت کرے' تب بھی اس کے ہاتھ میں ایسا ذائقہ نہیں آسکتا۔ وجہ جانتے ہو کیا ہے؟ صرف یہ کہ شفا کی نیت نیک ہے۔ وہ کسی کو متاثر کرنے کے لیے کچھ نہیں کرتی' بس چپ چاپ اپنا کام کیے جاتی ہے۔ نہ کسی کو جتایا' نہ جتایا۔ کام کرکے تہ کرکے رکھ دیا۔ طبیعت کا اخلاص بہت معنی رکھتا ہے بیٹے۔ یہ بات اب نہیں مانو گے تو کچھ سال بعد مانو گے' لیکن یہ طے ہے کہ مانو گے ضرور۔

اتنے اچھے دل کی ہے کہ ساحر کو معاف کردیا۔ ورنہ اس کے لیے کیا مشکل تھا کہ سچ بول کر ساحر کا منہ توڑ دیتی اور اپنے بھائی کے سامنے سچی ہو جاتی۔ بڑا دل اللہ کی نعمت ہوتا ہے اور شفا کے پاس بڑا دل ہے۔ بڑا اخلاص ہے۔ تم کبھی غور کرنا' وہ اتنی پُرخلوص ہے کہ صلہ کی توقع کیے بغیر بھلائی کر جاتی ہے اور جتاتی بھی نہیں ہے۔" وہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے پیار سے بول رہی تھیں۔

تقی بالکل خاموش تھا۔

"مہک بہت زیادہ محبت کرتی ہے تم سے۔ اسی لیے اس کا ری ایکشن بھی شدید ہے۔ ناراضی ختم ہوئی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جتنی جلدی ہو سکے' لے من لینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو وقت ہاتھ سے نکل جائے۔" وہ سن امی کو رہا تھا' لیکن اس کے کانوں میں شفا کی آواز گونج رہی تھی۔ مہک کے حق میں اسے قائل کرتے ہوئے شفا نے کہا تھا۔

امی کی آواز اسے کھینچ لائی تھی۔

"میری مانو' اتنی اچھی لڑکی کو تم زندگی سے نکال دو گے تو پچھتاؤ گے۔ اتنی پُرخلوص لڑکی اللہ نے تمہاری کسی نیکی کے عوض تمہیں دے دی ہے تو اس کی قدر کرو۔ نہ کہ علیحدہ ہو کر ناقدری کے ہو۔ اور پھر سچ کہوں' شفا مجھے پیاری بھی بہت ہے۔ وہ اتنی اچھی ہے تو میرا دل چاہتا ہے' لے سے ...

بھی بہترین ملنا چاہیے اور ظاہر ہے 'میرے بیٹے سے زیادہ تو میری نظر میں کوئی بھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ تم نے اسے چھوڑ دیا تو جو شخص اس کی زندگی میں آئے نہ جانے کیسا ہو۔ اس کا دل اتنا بڑا ہے۔"

"لیکن امی! میں نے تو سنا ہے 'دل کا بڑھ جانا بھی ایک بیماری ہے۔" ان کا جملہ کاٹ کر اس نے اتنی معصومیت سے پوچھا تھا کہ امی کا دل ہی جل کر خاک ہو گیا 'یعنی ان کے اتنے لمبے لیکچر کے جواب میں ایسی بات... تف ہے بھئی۔

"یہ اپنا دس من کا سر اٹھاؤ اور بھاگ جاؤ یہاں سے... تم سے تو بندہ بھلائی نہ ہی کرے تو اچھا ہے... شفا کے لیے میں خود کوئی بر ڈھونڈ لوں گی۔"

"یہ بات..." وہ تالی بجاتا اٹھ بیٹھا۔ "مجھے پتا ہے 'میری امی اتنی ٹیلنٹڈ ہیں کہ شفا کے لیے کوئی بہت بہترین بندہ ڈھونڈ ہی لیں گی۔ اسی لیے میں اس کے لیے سوچ ہی نہیں رہا... ضرورت بھی کیا ہے جبکہ مہک موجود ہے۔"

"میری بات سنو تقی۔"

"آپ میری بات سنیں امی! شفا کے لیے اتنی بھی جذباتی نہ ہوں 'کیونکہ شفا خود بھی یہی چاہتی ہے کہ ہم الگ ہو جائیں... وہ مجھے کنونس کر رہی تھی کہ میں مہک سے بات کروں اور اسے بتاؤں کہ ہمارا نکاح کس صورت حال میں ہوا ہے۔"

"وہ ناسمجھ ہے... میں اسے سمجھاؤں گی۔"

"کیوں؟" وہ چڑ گیا۔ "جبکہ میں ہی اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا... ہمدردی کی تھی اس کے ساتھ۔ اب ساری زندگی کے لیے تو گلے کا ہار نہیں بنا سکتا... میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بری ہے... لیکن... امی... میں نے اس کے بارے میں ایسا سوچا ہی نہیں... میں سوچ ہی نہیں پاتا۔ ایک معاملہ جو ہم دونوں کی باہمی رضامندی سے حل ہو سکتا ہے۔ آپ اسے کیوں الجھا رہی ہیں... ہاں جہاں تک اس کی زندگی میں آنے والے کسی اور شخص کی بات ہے تو مجھے یقین ہے 'کوئی اچھا ہی ہو گا... اتنی اچھی لڑکی ہے... یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ نے اس کے لیے کچھ برا سوچا ہو... آپ ڈھونڈ لیجیے گا... یا مل کر ڈھونڈ لیں گے... بات ختم... اب دوبارہ اس ایشو پر بات نہ کریں 'نہ ہی اتنی ٹینشن لیں... آپ نے تو شفا کا غم دل سے ہی لگا لیا ہے۔"

وہ جان چھڑا کر وہاں سے اٹھا اور کچن کی طرف آ گیا۔ دروازے میں ٹھٹک کر رک گیا۔ شفا اور سمیر کسی بات پر ہنس رہے تھے۔

تقی کے دماغ میں ایک خیال کا شعلہ چمکا اور سارا دماغ روشن ہو گیا۔

"تقی! گدھے... یاجی... یہ خیال تجھے پہلے کیوں نہیں آیا۔" اس نے ہتھیلی پر ہاتھ مارتے ہوئے خود کو لتاڑا۔

"اسے کہتے ہیں لڑکا بغل میں اور ڈھنڈورا شہر میں... امی بے وجہ پریشان ہو رہی تھیں... یہ اپنا سمیر کس دن کام آئے گا... بھئی واہ۔"

وہ اپنے ہی خیال پر اش اش کر اٹھا تھا۔

☆ ☆ ☆

ادھر اس نے دل میں ارادہ باندھا 'ادھر امی نے اپنی کوششیں تیز کر دیں۔

جب تقی نہ سمجھا تو شفا کا پیچھا لیا۔ ان کی بات سن کر پہلے تقی ہنسا تھا۔ اب شفا ہنسی اور خوب ہنسی۔

"میں نے کوئی لطیفہ سنا دیا ہے جو ہنسے جا رہی ہو۔" وہ برا ہی مان گئیں۔

"آپ خفا ہو کر اور بھی پیاری لگتی ہیں۔" وہ ان سے لپٹ کر بیٹھ گئی۔

"ہٹو پیچھے... ساس ہوں میں تمہاری... یہ جھوٹی سچی تعریفیں کر کے تم مجھے قابو نہیں کر سکتیں۔"

"قابو تو میں نے آپ کو کر ہی لیا ہے... یہ یقین آئے تو یہی بات میری طرف دیکھ کر کہیں۔" وہ اتنی پریقین تھی کہ امی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیوں اپنا نقصان کرنے پر تلی ہو... ادھر تقی ہے کہ کچھ نہیں سنتا۔ ادھر تم پاگل پن کی باتیں کرتی ہو... میں اپنے بیٹے کی تعریف نہیں کر رہی 'لیکن تقی جیسا اچھا شوہر تمہیں نہیں ملے گا۔"

"مجھے تقی جیسا اچھا شوہر چاہیے بھی نہیں 'ہیں آپ جیسی اچھی ساس مل جائے... کافی ہے۔" وہ بھی کہ سنجیدہ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ "اور آپ میری بات پر بھروسا کریں 'مہک بہت اچھی بہو ثابت ہو گی۔"

"مجھے تمہارے جیسی بہو چاہیے۔" انہوں نے زور دے کر کہا۔

"مجھے بیٹی بنا لیں... پھر ساری زندگی آپ سے مل سکوں گی۔"

"بیٹی تو تم ہو میری... اور میں نہیں چاہتی کہ میری بیٹی کوئی نقصان اٹھائے 'اسی لیے چاہتی ہوں کہ تقی اور تم ہمیشہ ساتھ رہو۔"

"امی!" شفا نے دونوں ہاتھوں سے ان کا ہاتھ تھام لیا 'پھر ان کے ہاتھ پر محبت سے بوسہ دیا۔

"میں آپ کی محبت کی قدر کرتی ہوں... لیکن جو آپ چاہتی ہیں... وہ ممکن نہیں ہے۔"

"تم سے دوگنی بڑی عمر کی ہوں میں۔ جتنی زندگی گزاری ہے 'اس میں یہ ایک بات بہت اچھی طرح سیکھ چکی ہوں کہ دنیا میں ناممکن کچھ نہیں ہوتا۔ ہر مرد زندگی میں چھوٹی موٹی محبتیں پالتا ہے۔ بیوی اچھی مل جائے تو پرانی محبتوں کا رنگ اترنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔"

"مہک بہت اچھی لڑکی ہے... تقی اس کے ساتھ بہت خوش رہے گا اور آپ کی بہت اچھی بہو ثابت ہو گی۔" وہ اپنے مؤقف سے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔

"تمہیں کیسے پتا 'وہ اچھی ہے؟" امی کھٹکیں۔ "تم ملی ہو کیا اس سے؟"

شفا کو چاہیے تھا کہ مکر جاتی 'لیکن بے دھیانی میں اس کا سر اثبات میں ہل گیا اور امی ہکا بکا رہ گئیں۔

"کیا... !" اتنی زور کا "کیا" تھا کہ شفا ڈر ہی گئی۔

"تو گویا یہ تمہارا کارنامہ ہے... یا میرے اللہ۔" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ "وہ تقی افلاطون کم تھا جو تم بھی آ گئیں... نہ میں پوچھتی ہوں 'تمہیں ضرورت کیا تھی مہک سے رابطہ کرنے کی... ان دونوں کا رابطہ ختم تھا تو رہنے دیتیں... تم نے ضرور ثالثی کرنی تھی۔"

"امی! تقی کا احسان اسی طرح اتار سکتی تھی میں۔" وہ منمنا کر بولی تھی۔ امی نے ڈپٹ کر کہا۔

"تم دونوں ابھی ناسمجھ ہو... اب تو مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔" انہوں نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا اور اس روز اور تن دہی سے لے تیار کر لیا۔ اب درمیان میں کوئی پردہ تو رہا نہیں تھا سو شفا نے صاف انکار کر دیا۔

"تقی... مذاق اڑاتا ہے... بیکری کہتا ہے مجھے۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"کہنے دو... تقی کو عادت ہے مذاق کرنے کی... بس اللہ جلدی سے خوش خبری سنا دے تو میرے دل سے پریشانی دور ہو۔"

وہ خود سے ہی بات کرتی وہاں سے چلی گئیں۔ شفا نے سر پیٹ لیا۔

فریقین کی طرف سے اتنے واضح اور دوٹوک جواب کے باوجود وہ "خوش خبری" کی آس لگائے بیٹھی تھیں۔ بڑی ہی خوش امید خاتون واقع ہوئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

یہ اس سے کچھ روز بعد کی بات ہے۔

رات کے ساڑھے بارہ بجے اس کے کمرے کا دروازہ بری طرح دھڑ دھڑایا گیا۔ وہ گہری نیند سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ چند منٹ تو حواس ہی بحال نہ ہوئے 'جب ذرا دماغ حاضر ہوا تو جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

تقی کھڑا تھا 'بلکہ کھڑا کیا تھا 'مسلسل ہل ہی رہا تھا۔ کوئی بے چینی لاحق تھی اسے۔

"کیا بات ہے؟ میں سو رہی تھی۔ مر نہیں گئی تھی جو اتنی زور سے دروازہ بجا رہے تھے 'لے کے ڈرا ہی دیا۔"

"پندرہ منٹ سے میں دروازہ بجا رہا ہوں... ایک منٹ کے لیے تو ایسا ہی لگا کہ کسی مردے کو جگانے کی

غلطی کر بیٹھا ہوں۔" شفا کو لگا وہ اس سے زبان چڑا کر بولا ہے۔

"اب جاگ ہی گئی ہو تو دیر مت کرو۔ چلو میرے ساتھ۔" تقی نے عجلت سے کہا تھا۔

شفا حیران ہوئی، لیکن اس سے قبل کہ کوئی سوال جواب کرتی، تقی باہر کی طرف چلا گیا۔ شفا جلدی جلدی سلیپر پہن کر اس کے پیچھے آئی۔

"رات کے اس وقت؟ جانا کہاں ہے تقی۔" اتنی ٹھنڈ تھی۔ شفا پر باہر آتے ہی کپکپی سی طاری ہوئی۔

"سوال جواب مت کرو نالائق لڑکی! جلدی سے چلو۔" وہ بائیک باہر نکالنے لگا۔

"اتنی سردی میں کیسے جاسکتے ہیں اور کہاں؟" وہ اس کی عجلت پر حیران ہو رہی تھی۔

"توبہ... ایک تو تم سوال بہت پوچھتی ہو... اور..." اس نے شفا کی طرف دیکھا، پھر سر پر ہاتھ مارا۔ بھاگ کر گیا اور اندر سے اپنی لیدر کی جیکٹ اٹھا لایا۔

"یہ پہنو..."

"یہ تو تمہاری ہے۔"

"تو پھر کیا ہوا؟ میری جیکٹ اگر تم پہن لوگی تو اس جیکٹ کو دوبارہ پہنتے ہوئے میری شان میں کمی نہیں آئے گی۔ اس لیے تم آرام سے پہن سکتی ہو۔" ہنگامی صورت حال میں بھی وہ پوائنٹ مارنے سے باز نہیں آیا تھا۔

شفا کو فوری طور پر جوابی حملے کے لیے کوئی جملہ سجھائی نہیں دیا تو جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے جیکٹ لے لی۔

تقی کو اس کے ردِعمل کی پروا بھی نہیں تھی۔ اس پر تو کوئی اور ہی دھن سوار تھی۔ جلدی جلدی بائیک باہر نکال کر گیٹ بند کیا اور بائیک اسٹارٹ کر کے اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔

"جانا کہاں ہے تقی! مجھے کچھ تو بتادو۔"

"تو بھی بیٹھ جاؤ... سوال پہ سوال... سوال پہ سوال... تم لڑکیاں مر رہی ہوگی لیکن سوال کرنے سے باز نہیں آؤگی۔"

"اگر ہم لڑکیوں کو پہلے سوال پر ہی جواب مل جائے تو سوال پہ سوال کرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔" وہ ڈرتے ڈرتے بیٹھ گئی اور پھر بائیک ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ شفا نے لاکھ دہائیاں دیں۔ چیخیں ماریں۔ تقی کے کندھے کو اتنی زور سے دبوچا کہ اس کی اپنی بھی چیخ نکل گئی، لیکن مجال ہے جو بائیک کی رفتار کم ہوئی ہو۔

ایک چوراہے پر لا کر اس نے بائیک روک دی۔ ایک طرف ایم ایم عالم روڈ جا رہا تھا۔ دوسری طرف بیدیاں روڈ۔

آدھی رات کا وقت تھا، لیکن لاہور سوتا نہیں ہے، جاگتا ہی رہتا ہے سو یہاں بھی دن والی گہما گہمی تو خیر نہیں تھی، لیکن کوئی ایسا سناٹا بھی نہیں تھا۔

"وہ دیکھو۔"

شفا اسے کوستی ہوئی اتری تھی اور اپنے حواس بحال کر رہی تھی، جب تقی نے چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر ایک طرف اشارہ کیا۔

شفا نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ایک منٹ کے لیے اسے اپنی بصارت پر شک ہوا، پھر اس کی آنکھوں میں بھر خوشی پھیل گئی۔

شہر کے اس سب سے بڑے چوراہے کے سب سے بڑے بل بورڈ پر تقی کی تصویر تھی۔ سرخ رنگ کے بیک گراؤنڈ میں چائے کا سرخ ہی کپ منہ کے بالکل قریب پکڑے اپنی بہترین مسکراہٹ کے ساتھ۔ ہاں وہ تقی ہی تھا۔

اپنے خوابوں کی تکمیل کی طرف ایک اور قدم اٹھاتا ہوا۔

شفا نے دیکھا۔ وہ اتنا خوش تھا کہ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔

وہ خوشی سے دیوانہ ہوتا شور مچا رہا تھا، چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا۔ پاس سے کوئی گاڑی گزری، جس کے میوزک سے کان پھٹتے تھے تو وہ دیوانہ ہو کر ناچنے لگا۔

سڑک کنارے بیٹھے خانہ بدوش بچے اس کے ساتھ ناچنے لگے۔

شفا اسے ناچتا دیکھ کر ہنس رہی تھی۔ تقی نے اسے

دیکھا تو اشارا کیا۔ شفا نے نفی میں سر ہلا دیا، لیکن وہ دونوں خوش تھے۔

یہ خوشی ان دونوں کی ہو گئی تھی۔

پوری کائنات جیسے پس منظر میں چلی گئی تھی۔ منظر پر صرف وہ تھے اور ان کی خوشی کے یہ لمحات۔

لن پر جھکا رات کا آسمان آج کی رات بہت روشن، بہت پُرنور ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اور عین اس لمحے جب تقی اپنی کامیابی کی خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ شفا کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔

وہ ٹھٹکی... اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

وہ چونک سی گئی، پھر اگلے ہی پل اس نے سنبھل کر نظروں کا رخ پھیر لیا۔

جس دیس نہیں جانا۔ اس کے کوس گننے سے فائدہ؟

پہلے ہی بڑے زخم اٹھا لیے تھے۔ اب دل بھی دغا دے جاتا تو وہ تو بالکل خالی ہاتھ رہ جاتی۔

وہ احسان فراموش کہلانا چاہتی تھی، نہ ہی خائن۔

دل کو بھی سمجھا لیا اور نظروں پر بھی پہرہ بٹھا دیا۔

لیکن دل اتنی آسانی سے سمجھ اور سنبھل جاتے تو کیا دنیا میں محبت کے نام پر اتنی تباہی آتی؟

شفا بھی پاگل ہی تھی۔

☼ ☼ ☼

انہوں نے کھوکھے سے چائے لی اور تازہ مونگ پھلی کے پیکٹ بنوا لیے۔

"یہ میری کامیابی کی ٹریٹ ہے۔ ابھی اسی پر گزارا کرو۔ ذرا امیر ہو جاؤں گا تو تمہیں تمہاری پسند کی جگہ ڈنر کرواؤں گا۔" اس نے مونگ پھلی ٹونگتے ہوئے کہا اور وہیں کھوکھے کے قریب فٹ پاتھ پر ایسے بیٹھ گیا جیسے دیر تک اٹھنے کا ارادہ نہ ہو۔

ہوا تیز ہو گئی تھی اور ٹھنڈ بھی بڑھ گئی تھی۔ شفا نے ہاتھ آپس میں رگڑتے ہوئے کہا۔ "گھر چلتے ہیں تقی! رات بہت ہو گئی ہے۔ اتنی دیر تک باہر رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"تمہارے ساتھ ایک گبھرو جوان موجود ہے۔ جو ایک پنچ مار کر سامنے والے کے دانت توڑ سکتا ہے۔ اس لیے تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بیٹھ جاؤ۔" بڑا لاپروا سا انداز تھا۔

"شکر ہے تم نے پنچ کہا، پھونک نہیں کہہ دیا۔" وہ مسکرا کر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی اور چائے کا ڈسپوزیبل کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"میں نے گبھرو جوان کہا ہے، سلطان راہی نہیں۔"

تقی نے بے ساختہ کہا تھا۔ اس بات پر وہ دونوں کھل کر ہنسے۔

پھر وہ ہاتھوں کا بوجھ پیچھے ڈال کر آرام سے بیٹھ گیا اور سر گھما گھما کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

رات کا مخصوص ماحول تھا۔ اکا دکا گاڑیاں آجا رہی تھیں۔

"مجھے یہ وقت ہمیشہ سے پسند رہا ہے۔ ایک عجیب سا سکون ہے رات کے اس پہر میں... جب میں اور سمیر ہوسٹل میں ہوتے تھے تو چپکے سے اس وقت باہر نکل جایا کرتے تھے۔ سڑکوں پر پھرتے تھے۔ ریس لگاتے تھے۔ شور مچاتے تھے۔ پھر میں گھر واپس آگیا تب بھی اکثر گھر سے نکل جایا کرتا تھا اور ابا کو جب بھی پتا چلتا وہ میری درگت بناتے۔" وہ پرانے دنوں کو یاد کرتا ہنستا چلا گیا۔

شفا دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"ٹھیک ہی کرتے تھے۔ یہ کوئی وقت ہے گھر سے نکلنے کا۔" شفا نے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے، دراصل ابا کو ہر اس چیز سے، ہر اس شوق سے چڑ رہی ہے جو مجھے پسند ہو۔" تقی نے فوراً ناک چڑھا کر کہا تھا۔

"ارے... ایسا کیوں؟" وہ حیران ہوئی۔

"پتا نہیں۔" اس کا انداز کسی چھوٹے بچے کی طرح پُرسوچ تھا۔ "یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی

کہ ابا ایسے کیوں ہیں؟ انہیں ہر دوسرے انسان سے اختلاف رہتا ہے۔ دراصل انہیں دوسروں کے ساتھ ہیر بانڈرے رکھنے کا شوق ہے۔ اور میں ۔۔۔ میں ہمیشہ سے ان کی ہٹ لسٹ پر رہا ہوں۔"

"تمہارے باقی دونوں بھائی بھی تو ہیں۔ ابا ان کے ساتھ ایسا کیوں نہیں کرتے؟"

"میں شروع سے ہی تھوڑا باغی رہا ہوں۔۔۔ ذرا اپنی مرضی کرنے والا۔ رضی اور جری ابا کی بات خاموشی سے مان لیتے تھے۔ وہ ان کے بیبے بچے ہیں۔ اگر ابا دن کو رات کہہ دیتے تو وہ دونوں سو جاتے تھے اور رات کو دن کہتے تو اٹھ کر ناشتا کرنے لگتے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"ناشتا تو خیر میں بھی کر لیتا تھا' لیکن اتنا اچھا میں کبھی نہیں بن سکا کہ رات اور دن کی تبدیلی کو صرف ابا کے کہنے پر مان لوں۔"

"پھر غلطی تو تمہاری بھی ہوئی نا۔ خوامخواہ تم ہر وقت ابا کو غلط ٹھہراتے رہتے ہو۔" شفا نے آرام سے کہا۔

"سب یہی کہتے ہیں۔" تقی نے تھوڑی سی مایوسی کے ساتھ کہا۔ وہ آج کسی اور ہی موڈ میں تھا۔ "لیکن میں نے بھی کبھی جان بوجھ کر ان کی مخالفت نہیں کی۔ یہ خود بخود ہوتا ہے کہ ہمارے اختلاف ہوتے رہتے ہیں۔ ابا کو ویسے بھی سینیارٹی کا ایڈوانٹیج حاصل ہے۔ میں بھی شاید جب اس عمر کو پہنچوں تو سب میری بات بھی اسی طرح مانیں گے جس طرح ابا کی مانی جاتی ہے۔"

"تم نے اپنی ساری باتوں کا جواب خود ہی دے دیا۔" شفا نے خوب صورت مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

"ساری دنیا کے باپ کم و بیش ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے تمہارے ابا ہیں۔۔۔ ہر باپ کو لگتا ہے اس کا بیٹا اس کے جتنا تجربہ نہیں رکھتا' اس لیے اسے خود اپنے بیٹے کو گائیڈ کرنا چاہیے۔ اسے زندگی میں سروائیو کرنے کا طریقہ بتانا چاہیے۔ دوسری طرف بیٹے کو لگ رہا ہوتا ہے وہ تو خود بہت ہوشیار ہے۔ اسے سب پتا ہے۔ بس ایسی ہی باتوں پر اختلاف ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ان باپ بیٹے میں محبت ہی نہیں ہے۔ اب تمہیں کیا لگتا ہے تمہاری کامیابی پر ابا خوش نہیں ہوں گے۔"

"ہرگز نہیں۔" تقی نے ترنت کہا۔ "بلکہ وہ جل کر خاک ہو جائیں گے جب انہیں یہ پتا چلے گا کہ میں ان کی مشہور پراڈکٹ کا برانڈ ایمبیسڈر بن گیا ہوں۔ مزا تو تب آئے گا جب انہیں اپنے ہر اسٹور پر میری تصویروں والے پبلسٹی پوسٹرز لگانے پڑیں گے۔" وہ بہت زیادہ سنجیدہ تو کبھی رہ ہی نہیں سکتا تھا۔

وہ اپنی ہی بات کا لطف لے رہا تھا۔ شفا نے ہنستے ہوئے ایسے سر ہلایا جیسے کہہ رہی ہو 'تم نہیں سدھر سکتے'۔

☼ ☼ ☼

چائے ختم ہوئی تو وہ دونوں چہل قدمی کرنے لگے۔ بائیک کو تقی ساتھ ساتھ گھسیٹ رہا تھا۔ گھر جانے کی اب دونوں کو ہی جلدی نہیں تھی۔

ایک جگہ رک کر تقی نے شفا کی فرمائش پر اسے آئس کریم لے کر دی۔

"تم نہیں کھاؤ گے؟" شفا نے آئس کریم پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"ایک کے ہی پیسے ہیں۔" وہ اس بات پر شرمندہ نہیں تھا' لیکن شفا کو مایوسی ہوئی۔

"اتنی بڑی آئس کریم ہے' تم اکیلی کیسے کھاؤ گی۔ یہی شیئر کر لیتے ہیں۔" تقی نے کہا اور اس کی مرضی جانے بغیر آئس کریم اس کے ہاتھ سے لے کر ٹوٹا بانٹ لے لیا۔ پھر واپس اس کے ہاتھ میں پکڑائی اور آگے چل دیا۔

شفا ایسی بے تکلفی پر منہ ہی دیکھتی رہ گئی' پھر اس کے پیچھے چل پڑی۔

تقی کو ایک جگہ پھر اپنا پوسٹر نظر آیا تھا۔ وہ وہاں رک کر واری صدقے جانے والی نظروں سے اپنی ہی

تصویر دیکھنے لگا تھا۔

"تم نے مہک کو اس بارے میں بتایا؟" شفا کو اچانک خیال آیا تھا۔

تقی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تمہیں بتانا چاہیے تھا۔ وہ تمہاری کامیابی کا سن کر خوش ہوتی۔"

نہ جانے کیوں تقی سوچ میں پڑ گیا' پھر سر جھٹک کر بولا۔

"صبح بتا دوں گا۔ مجھے دراصل خیال ہی نہیں آیا۔ پہلا خیال تمہارا آیا تھا تو تمہیں ہی بتا دیا۔"

"لیکن تمہیں سب سے پہلے اسے ہی بتانا چاہیے تھا۔ لڑکیاں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہت اہم سمجھتی ہیں۔"

"اس لیے کیونکہ لڑکیاں بدھو ہوتی ہیں۔" ہر دوسرے مرد کی طرح تقی صاحب کا بھی یہی خیال تھا۔

"جی نہیں ۔۔۔ اس لیے کیونکہ لڑکیاں بہت حساس ہوتی ہیں۔" شفا نے اس سے زیادہ زور دے کر کہا تھا۔

"میں نے سب لڑکیوں کا کیا کرنا ہے۔ میرے لیے ایک مہک ہی کافی ہے۔" وہ لاپروائی سے بولا تھا۔

"اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ ہر چیز کو اپنی لاپروائی کی نذر مت کیا کرو۔۔۔ خیال رکھا کرو اس کا۔"

وہ تاکید کر کے چند قدم دوسری طرف چلی گئی۔ تقی اسے دیکھتا رہا۔

وہ عجیب لڑکی تھی۔ تقی کو ہمیشہ اس کے بارے میں کوئی بات محسوس ہوتی تھی' جسے وہ کوئی نام نہیں دے پاتا تھا۔ نہ ہی اس احساس کو سمجھ پاتا تھا۔ وہ بھی شاید اس لیے کیونکہ اس نے کبھی کوشش ہی نہیں کی۔ لیکن ابھی ابھی اس نے دل سے مان لیا کہ وہ اچھی لڑکی ہے۔ تب ہی تو اسے اور مہک کو ملوانے کی کوشش کر رہی تھی۔ تقی نے دل ہی دل میں اسے سراہا کہ منہ پر تعریف کر کے اس کے سر چڑھنے کا خدشہ تھا۔

اب یہ اچھی لڑکی ایک اچھے انسان کی ہی مستحق تھی اور وہ اچھا انسان سمیر سے بڑھ کر کون ہو سکتا تھا۔ تقی اس سے یہ بات کرنے کے لیے ابھی مناسب جملے تلاش کر ہی رہا تھا کہ شفا کو بھی یہی خیال آیا۔

"میں سوچ رہی ہوں سمیر بھائی اور ثمر کی ایک ملاقات کروا دوں۔"

"کس لیے؟" وہ حیران ہوا۔

"میں نے ثمر سے سمیر بھائی کے بارے میں بات کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ ایک لفظ بھی سننے پر راضی نہیں ہوئی۔ سمیر بھائی اسے پسند کرتے ہیں۔ محبت کرتے ہیں اس سے۔ مجھے لگتا ہے' خود بات کریں گے تو اسے کنوینس کر ہی لیں گے۔"

"ایک بات بتاؤ۔ ثمر' سمیر میں انٹرسٹڈ نہیں ہے نا؟"

"نہیں۔" وہ اس سوال پر حیران ہوئی تھی۔

"بس پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔" اس نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر جوش سے کہا۔

"کیا مطلب؟" شفا نے الجھ کر پوچھا۔

"مطلب یہ کہ تم رہنے دو ان ملاقاتوں کے چکروں کو۔۔۔ جب ثمر راضی نہیں ہے تو کیا ضرورت ہے پیچھے پڑنے کی۔ سمیر کو میں سمجھا لوں گا۔ ویسے بھی میرے پاس ایک اچھا آپشن ہے۔ سمیر کے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی۔"

شفا نے یکایک آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھا' چند لمحے توقف کیا' پھر بولی۔ "کون سا آپشن؟"

"میرا خیال ہے سمیر دولہا بن کر تمہاری سہیلی کے ساتھ نہیں بلکہ تمہارے ساتھ کھڑا زیادہ اچھا لگے گا۔" اپنے ازلی لاپروا پن سے اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا تھا۔

"جب ہم الگ ہوں گے تو میں تو مہک سے شادی کر لوں گا۔ لیکن تم بھی ایک اچھا انسان ڈیزرو کرتی ہو' اسی لیے میں تمہیں سمیر کا مشورہ دے رہا ہوں۔ ثمر کو تو اس میں دلچسپی ہے نہیں' جہاں تک سمیر کی بات ہے تو لڑکوں کو ایسی محبتیں ہوتی رہتی ہیں۔۔۔ کچھ عرصہ بعد وہ ثمر کو بھی بھول جائے گا۔ میری بات مانو شفا! اپنی زندگی بہتر بنانے کے لیے کچھ بولڈ اسٹیپس لینے پڑتے ہیں۔۔۔ سمیر کو ہم دونوں کے بارے میں سب پتا ہے۔

اب تم مجھے بتاؤ اگر راضی ہو تو میں میر سے بات کرتا ہوں۔"

وہ بڑا معتبر بن کر بات کر رہا تھا اور یوں کر رہا تھا جیسے اسے یقین ہو شفا فوراً اس کی بات مان ہی لے گی۔

شفا بالکل خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ تقی نے بات مکمل کرتے ہی آئس کریم کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔ شفا نے اس کے ہاتھ میں دینے کے بجائے یکدم آئس کریم ایک طرف پھینک دی۔

تقی ابھی اس کی اس حرکت پر حیران ہو رہا تھا کہ شفا نے ہاتھ دے کر قریب سے گزرتا رکشا رکوا لیا۔

"رکشا کیوں رکوایا ہے؟ بائیک ہے تو...." شفا کو رکشا والے کو گھر کا ایڈریس سمجھاتے دیکھ کر تقی نے پوچھا۔

"میں گھر جا رہی ہوں تم بائیک پر آجانا۔" اس نے پتھر چھوڑ لہجے میں کہا۔

تقی حیران ہی ہو گیا تھا۔ اس نے رکشہ والے سے کہا۔

"تم تو جاؤ بھائی! اور تم بیٹھو بائیک پہ۔" وہ زبردستی اسے بائیک پر بٹھا کر گھر لے آیا۔

☼ ☼ ☼

راستہ بھر وہ خاموش رہی، تیز بائیک چلانے پر ایک چیخ بھی نہیں ماری۔

تقی نے بات کرنا چاہی تو بھی جواب میں خاموشی ہی ملی، لیکن گھر پہنچ کر اس کی برداشت ختم ہو گئی۔

"اس میں اتنا برا ماننے کی کیا بات ہے۔ میں کوئی تمہیں زبردستی تو میر کے ساتھ رخصت کروانے نہیں لگا۔ ایک آئیڈیا ہی دیا ہے۔ نہیں پسند تو انکار کر دو۔ یہ کیا کہ منہ پھلا لیا اور بس...."

"برا ماننے کی بات نہیں ہے؟" وہ یکدم پلٹ کر اسے پھاڑ کھانے کو دوڑی تھی۔ "جس انسان کو میں بھائی کہہ رہی ہوں، جس سے اپنی بہنوں جیسی دوست کا تعلق مضبوط کرنا چاہ رہی ہوں۔ تم چاہتے ہو میں اسی کے بارے میں یہ سوچوں کہ اس سے خود شادی کر لوں۔ اتنا گھٹیا سمجھ رکھا ہے مجھے۔"

"اس میں گھٹیا پن کی کیا بات ہے۔ یہ دنیا ہے ہر کوئی اپنا فائدہ دیکھتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا۔ تمہیں بھی اپنا فائدہ ہی دیکھنا چاہیے۔ میر کون سی تمہاری سگی بہن ہے۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

"تم اتنا کیوں سوچتے ہو تقی! خدارا مت سوچا کرو۔" وہ پھر سابقہ انداز میں بولی تھی۔ اس بار تقی چپ ہی رہا۔

"اپنا اچھا برا سوچنے کے لیے میں خود موجود ہوں۔ ایک احسان کیا تھا مجھ سے نکاح کر کے۔ اب مزید کوئی احسان مت کرو۔" وہ طنزیہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"اور تمہیں کس بات کی فکر ہے؟ تمہیں لگتا ہے میں ساری زندگی کے لیے تمہارے سر پر سوار ہو جاؤں گی؟ تمہیں ساری زندگی مجھے اپنے گھر میں رکھنا پڑے گا؟ یا جب تم مجھے چھوڑنے کی بات کرو گے تو میں روؤں گی۔ تمہاری منتیں کروں گی کہ مجھے مت چھوڑو؟ اسی لیے تم میرے سامنے میر بھائی کے نام کا آپشن رکھ رہے ہو کہ جلد از جلد مجھ سے پیچھا چھڑا سکو؟ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا جب دل چاہے چھوڑ دینا۔ اب پھر کہہ رہی ہوں۔ تم پابند نہیں ہو۔ چاہو تو صبح ہی چھوڑ دو، تمہارے بعد میرا کیا ہو گا کوئی مجھ سے شادی کرے گا یا نہیں۔ کوئی اچھا انسان مجھے ملے گا یا نہیں.... تم اس فکر میں مت پڑو، مہک سے شادی کرو اور خوش رہو۔"

"شفا! میری بات سنو۔"

تقی نے کہنا چاہا، شفا نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر اسے بولنے سے روک دیا۔ وہ فوری طور پر خود بھی کچھ بول نہیں پائی تھی۔ اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا پھنس گیا تھا۔

"مجھے پتا ہے تقی! تم مجھ سے نکاح نہیں کرنا چاہتے تھے۔ قسمت نے مجھے مسلط کیا ہے تمہارے سر۔ میری سیلف ریسپکٹ کو کچلنے کے لیے یہی ایک بات کافی ہے۔ نئے سے نئے آپشن میرے سامنے رکھ کر اسے اور ہرٹ مت کرو۔ مہربانی ہو گی تمہاری۔"

اس نے کمرے میں جا کر تیزی سے دروازہ بند کر دیا۔

تقی اچھل کر پیچھے نہ ہٹتا تو دروازہ اس کے منہ پر لگتا۔

"میرا یہ مطلب تو نہیں تھا شفا!"

اپنی پیشانی پر نمودار ہوتے پسینے کے قطرے پونچھتے ہوئے اس نے شرمندگی سے زیر لب کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"عمیر! ہدیہ کی اسکول وین خراب ہو گئی ہے۔ ڈرائیور کا ابھی فون آیا تھا.... آپ اسے واپسی پر پک کر لیں گے؟"

ساہر نے عمیر کے سامنے چائے کا کپ رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

عمیر آفس کے لیے تیار تھے اور اخبار پڑھ رہے تھے۔

"میرے لیے اس ٹائمنگ میں آفس سے نکلنا مشکل ہوتا ہے۔ تم چلی جانا ہدیہ کو لینے۔" عمیر نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے آج تو میں چلی جاؤں گی اور واپسی پر کچھ دیر کے لیے امی کی طرف بھی جاؤں گی لیکن آپ ذہن میں رکھیے گا۔ اگلے کچھ روز آپ کو ہی ہدیہ کو پک اینڈ ڈراپ دینا پڑے گی۔ میرے لیے روز روز گھر سے نکلنا مشکل ہو گا۔" اس نے کہا۔

"کسی طرح مینج کر لو ساہر!.... میں آفس کی ٹائمنگ میں سے وقت نہیں نکال سکتا۔" عمیر کا لہجہ دو ٹوک تھا۔ ساہر کا اپنی چائے میں چینی حل کرتا ہاتھ رک گیا۔

"وقت نکال نہیں سکتے یا نکالنا چاہتے ہی نہیں ہیں؟" ساہر کا انداز تیکھا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ صرف شفا نہیں تھی آپ کی فیملی میں.... آپ کی بیوی آپ کے بچوں کا بھی آپ پر کوئی حق ہے۔" اس کا انداز پہلے جیسا ہی تھا۔ عمیر نے اخبار رول کرتے ہوئے اسے گھورا۔

"شفا کا یہاں کیا ذکر؟"

"اس کے ذکر کے بغیر تو ہماری زندگی گزر ہی نہیں سکتی۔" وہ تڑخ کر بولی۔ "وہ چلی گئی اس گھر سے لیکن آپ کے بیوی بچے تو ہیں۔ اس کے غم میں ہمیں کیوں اگنور کرنے لگے ہیں آپ۔"

"پاگلوں جیسی باتیں مت کرو ساہر!" عمیر نے ڈپٹ کر کہا اور رول کیا ہوا اخبار میز پر پٹخ کر اٹھ گئے۔

"یہ پاگلوں جیسی باتیں نہیں ہیں۔" اس نے بیزاری سے کہا۔ "جب سے شفا گئی ہے آپ نے کسی بھی چیز میں دلچسپی لینا ہی چھوڑ دی ہے جیسے بہن ہی سب کچھ تھی۔ ہم لوگ کچھ ہیں ہی نہیں۔"

اس کا جملہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ عمیر اپنا آفس بیگ اٹھا کر باہر نکل گئے۔

ساہر ایک پل کے لیے ہکا بکا رہ گئی پھر اس نے بری طرح زچ ہوتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا چمچ میز پر پٹخ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اور وہ مہک.... ؟" ثمر کچن سلیب پر چڑھی بیٹھی تھی۔ چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے اس نے پوچھا۔ شفا نے اصرار کر کے اسے اپنی طرف بلوایا تھا۔ "وہ کیسی لگی تمہیں؟"

"مہک۔" شفا نے کپ ہاتھوں میں گھماتے ہوئے پر سوچ انداز میں کہا۔ "سچ کہوں تو بہت اچھی نہیں لگی.... خوب صورت ہے اسٹائلش ہے لیکن.... پتا نہیں کیوں اچھی نہیں لگی مجھے۔" اسے مہک کے انداز یاد آ گئے تھے۔

"پھر بھی تم چاہتی ہو، تقی کی ای اسے اپنی بہو بنانے کا سوچیں؟"

"دیکھو، میرے چاہنے نہ چاہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سب سے اہم تقی کی پسند ہے اور مہک اسے پسند ہے.... یہ حقیقت ہر بات پر بھاری ہے۔" اس نے بسکٹ کو چائے میں غوطہ دیتے ہوئے کہا۔

"شادی کے بعد ویسے بھی تقی اسے اپنے رنگ میں ڈھال لے گا..... بہت گٹس ہیں اس میں۔" یہ بات اس نے فیس کر لی تھی۔

"اچھا..... اور ان دونوں کی شادی کے بعد تم کیا کرو گی..... یہ سوچا ہے؟" ثمر کا انداز طنزیہ تھا۔ شفا بھی نہیں۔

"بعد کا تو ابھی کچھ کہہ نہیں سکتی۔ عمیو بھائی کی ناراضی ختم ہو گئی تو ان کے پاس چلی جاؤں گی..... ورنہ کوئی نہ کوئی ہوسٹل دیکھ لوں گی..... بلکہ میں تو آج کل ہوسٹل ڈھونڈ بھی رہی ہوں۔" وہ کسی قدر فکر مندی سے بولی۔

ثمر نے ناراضی کے اظہار کے طور پر کپ سلیب پر پٹخ دیا۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو شفا! اپنا گھر توڑ کر مہک کے گھر کی بنیاد رکھ رہی ہو..... کس سیارے سے آئی ہو بھئی تم؟"

"تقی کا گھر میرا گھر نہیں ہے ثمر! یہ گھر تو پہلے دن سے مہک کا تھا۔ میں تو اتفاقاً "آ گئی یہاں۔" اس نے نرمی سے کہا۔

ثمر نے ایسے سر پر ہاتھ مارا جیسے اس کی باتوں سے عاجز آ گئی ہو۔

"بہت سارے لوگوں کی شادیاں ایسے ہی ہوتی ہیں جیسے تمہاری اور تقی کی ہوئی۔ ہاں اس طرح ہنگامی کیفیت میں نہیں ہوتیں لیکن ان کے پیچھے خیال یہی ہوتا ہے۔ ہر انسان لو میرج تھوڑی کرتا ہے۔ بہت سے ارینج میرج کرتے ہیں اور بہت اچھی زندگی گزارتے ہیں..... اگرچہ پہلے پہل وہ ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے۔ محبت وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ مضبوط ہوتی جاتی ہے۔"

"لو یا ارینج میرج کی بات نہیں ہے۔" شفا نے تحمل سے کہا۔ "یہ ساری باتیں جو تم مجھے سمجھا رہی ہو میں خود بھی سمجھتی ہوں۔ تقی کی امی بھی کئی بار سمجھا چکی ہیں..... لیکن کوئی میری پوزیشن بھی تو سمجھو..... میں پہلے دن سے جانتی تھی کہ تقی مہک کو پسند کرتا ہے۔ اپنی زندگی اس کے ساتھ گزارنا چاہتا ہے۔ تقی نے میری مدد کی۔ نکاح کر لیا کہ میں کسی پاگل سے نہ بیاہی جاؤں..... میں کیسے اس کی زندگی میں رہنے کا سوچوں ..... احسان فراموشی ہو جائے گی' یہ کہ وہ اپنی پسند سے شادی نہ کرے اور میرے نام کا ڈھول اپنی گردن میں لٹکائے رکھے۔"

"خود کو ڈھول مت کہو.....!" ثمر نے ناراضی سے کہا۔ "مہک اس کے لیے کبھی تم سے زیادہ اچھی بیوی ثابت نہیں ہو گی۔"

"یہ تو خیر تم اپنی محبت میں کہہ رہی ہو۔" شفا نے پیار سے کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ تقی کو مہک سے محبت ہے مجھ سے نہیں..... اور جس سے محبت ہوتی ہے' وہ احمقانہ بھی ہو تو اچھا لگتا ہے۔"

"اور تم؟" ثمر نے اسے بغور دیکھا۔ "تقی کے دل میں تو مہک کی محبت ہے اور تمہارے دل میں کیا ہے؟"

"میرے دل میں کچھ نہیں ہے۔" شفا نے برتن سنک میں رکھے۔

"اگر ایسی بات ہے تو تقی کا ذکر آتے ہی تمہارا چہرہ اتنا چمکنے کیوں لگتا ہے؟" ثمر نے مزے سے کہا تھا۔

شفا اس سوال پر ٹھٹک سی گئی۔

"بلکہ آج کل تو کچھ زیادہ ہی چمک رہا ہے۔" شفا کو ایسا لگا اس کی چوری پکڑی گئی ہے۔ اس نے گھبرا کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"فیئر نس کریم استعمال کر رہی ہوں آج کل۔ اسی کا اثر ہے۔" اس نے بات کو ہنسی میں اڑانا چاہا۔ شکر ہے اسی وقت ڈور بیل بجی تو وہ جلدی سے باہر نکل گئی۔

"یہ بات تم ان کو بتانا جنہوں نے کبھی فیئر نس کریمیں استعمال نہ کی ہوں۔" ثمر نے شرارت سے اس کے پیچھے آواز لگائی تھی۔

"امانت میں خیانت' احسان فراموشی..... ہونہہ..... شفا بی بی! ہم سے کم اس بار میں تمہیں اپنا نقصان کرنے نہیں دوں گی۔"

اس نے تہیہ کر لیا۔ اس بات سے بے خبر کہ کوئی

ایسا ہی ارادہ شفا بھی اس کے بارے میں کیے بیٹھی ہے۔

☼ ☼ ☼

توقع کے عین مطابق دروازے پر تقی اور سمیر ہی تھے۔

"بڑی جلدی آ گئے سمیر بھائی!" اس نے دروازہ کھولتے ہی شرارت سے کہا تھا۔ تقی کی طرف تو وہ دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

"ثمر آ گئی ہے کیا؟..... آپ نے اسے میرے بارے میں بتایا؟" وہ بہت زیادہ کنفیوز نگ رہا تھا اور بار بار اپنے ہاتھ مسل رہا تھا۔ شفا کا انکار سن کر اس کی پریشانی اور بڑھ گئی۔

"میں اچانک سامنے گیا تو وہ تو میرا سر ہی پھاڑ دے گی۔"

شفا نے اسے تسلی دینا چاہی لیکن اس سے پہلے تقی بول پڑا۔

"میرا ہیلمٹ ساتھ لے جاؤ۔" وہ بولنے سے کہاں باز آ سکتا تھا۔

"سمیر بھائی! آپ بے فکر رہیں۔ اتنی بھی خونخوار نہیں ہے ثمر! اور اتنا گھبرائیں گے تو بات کیسے کریں گے۔"

"گھبرا تو نہیں رہا میں..... وہ تو بس ویسے ہی۔" سمیر نے ایک گہرا سانس بھر کر اپنا اعتماد بڑھانا چاہا۔

"جھوٹ مت بولو..... ابھی راستے میں تو کہہ رہے تھے۔ ڈر کے مارے رات بھر نیند بھی نہیں آئی اور اب اتنی غلط بیانی۔"

"سمیر بھائی! آپ اندر چلیں..... میں ثمر کو بلاتی ہوں۔"

وہ تیزی سے کچن میں آئی۔

"ثمر! تم ذرا لاؤنج میں آؤ..... سمیر بھائی کو تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

سمیر کا نام سن کر ثمر بری طرح اچھلی تھی۔ ماتھے پر شکن پڑ گئے۔

"اس نے کیا بات کرنی ہے مجھ سے؟"

"اب یہ تو مجھے نہیں پتا....." اس نے انجان بننے کی کوشش کی اور ناکام رہی۔

"شفا کی بچی! تم اسی لیے مجھے فورس کر رہی تھیں ناں کہ میں تمہارے گھر آؤں۔"

اس نے خوفناک تاثرات کے ساتھ چمٹا اٹھا لیا تھا۔ شفا نے ترنت اس کے ہاتھ سے چمٹا گھسیٹا۔

"میں مانتی ہوں۔ سمیر بھائی نے جو کیا برا کیا..... لیکن وہ تم سے محبت کرتے ہیں..... سو فیصد سچی..... ایک بار ان کا پوائنٹ آف ویو بھی سن لو۔ دل راضی نہ ہو تو انکار کر دینا۔"

"تم نے آج تک کتنی محبتیں کی ہیں..... جو سچی اور جھوٹی محبت میں فرق کرنا آ گیا؟" ثمر نے تنک کر پوچھا تھا۔

"ایک تو تم سوال بہت پوچھتی ہو۔" شفا نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا تھا۔

"دنیا میں کسی جذبے کی کوئی پہچان نہیں ہوتی۔ بس جس پر دل راضی ہو جائے اسی پر لبیک کہہ دینا چاہیے..... عورت کے اندر تو ویسے بھی اللہ نے قدرتی ڈیٹیکٹو فٹ کیا ہوتا ہے۔ جو اسے سامنے والے بندے کی پوری حقیقت نہ بھی بتائے تو اشارہ ضرور دے دیتا ہے۔"

"تم اور تمہارے فلسفے..... ایسا کرو بیٹھ کر اس فلسفے کا اچار بناؤ اور اس سمیر کے بچے کو بھی کھلاؤ۔ میں گھر جا رہی ہوں۔" وہ اپنا پرس اٹھاتی تیر کی طرح باہر نکلی تھی' شفا افتاں و خیزاں اس کے پیچھے۔

گیٹ کے پاس ہی سمیر اور تقی کھڑے تھے۔ ثمر نے اسے اتنی بری طرح گھورا کہ بے چارہ مزید گھبرا کر نہ صرف سلام کر بیٹھا بلکہ حال بھی پوچھ لیا۔

"میری خیریت چھوڑو۔ اپنی خیر مناؤ۔"

"ثمر! تم ایک بار سمیر بھائی کی بات تو سن لو۔" شفا نے منت سے کہا۔

"ہاں ثمر! تمہیں ایک بار تو سمیر کو موقع دینا ہی چاہیے۔" تقی نے سنجیدگی اور بڑے پن سے کہا تھا۔

"وہاں مری میں جو بھی ہوا اس میں سمیر کی اتنی غلطی نہیں ہے۔ وہ تو میں نے ہی اسے اکسایا تھا لیکن وہ صرف ایک شرارت تھی۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ تم سمیر کو کوئی لوفر لفنگا ہی سمجھ لو۔"

سمیر نے بھی ہمت کر کے تقی کا جملہ کاٹا تھا۔ "اور باقی جو کچھ بھی ہوا۔۔۔ میرا مطلب ہے منگنی کے بعد۔۔۔ وہ سب ایک بڑی مس انڈر اسٹینڈنگ تھی۔"

"مس انڈر اسٹینڈنگ۔۔۔" ثمر پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

"وہ سب کچھ مس انڈر اسٹینڈنگ کا نتیجہ تھا؟ تمہاری امی کا ہمارے گھر آنا۔۔۔ میرے بارے میں فضول فضول باتیں کرنا۔"

"میں سب کو حقیقت بتادوں گا۔۔۔ معافی مانگ لوں گا۔۔۔ تم مان جاؤ۔۔۔ باقی سب کو منانا میرے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔"

اس نے بڑی چاہ سے کہا تھا۔

تقی نے شفا کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں چپکے سے وہاں سے ہٹ گئے۔

اب ثمر اور سمیر وہاں اکیلے تھے اور ثمر کی بدگمانیاں تھیں اور سمیر کی محبت۔۔۔ جس نے ان بدگمانیوں کو زیادہ دیر وہاں ٹکنے نہیں دینا تھا۔ اس بات کا شفا اور تقی دونوں کو ہی یقین تھا۔

☼ ☼ ☼

کچن میں آکر شفا چائے بنانے لگی۔ تقی ساتھ کچھ فریشمنٹ کا سامان لایا تھا۔ خاموشی سے پلیٹوں میں نکالنے لگا۔ وہ کن اکھیوں سے بار بار اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہم کو ذرا باہر کا بھی دھیان رکھنا چاہیے' ایسا نہ ہو ثمر واقعی کوئی چیز اٹھا کر سمیر کو دے مارے۔" تقی نے ہنس کر بات برائے بات کہا تھا۔ شفا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تقی خفت سی محسوس کر کے خاموش ہو گیا۔ شفا کے کان مستقل باہر کی طرف لگے ہوئے تھے۔ وہ جان بوجھ کر چائے بنانے میں تاخیر کر رہی تھی تاکہ سمیر کو دیر تک بات کرنے کا موقع ملا رہے۔

کچن چونکہ چھوٹا سا تھا' اس لیے بار بار وہ اور تقی ایک دوسرے کے سامنے آ رہے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک بھی بار شفا نے نظر اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔

تقریباً" آدھ گھنٹے بعد وہ چائے لے کر باہر جانے لگی تو تقی یکدم اس کے سامنے آگیا۔

"سوری۔"

شفا ایک طرف سے ہو کر باہر جانے لگی تو وہ دوبارہ سامنے آگیا۔

"میں نے کہا سوری۔۔۔ ای ای۔" اب مسمسا سا بن رہا تھا۔

شفا نے اسے بہت سرد نظروں سے گھورا۔

"تم نے مجھے غلط سمجھ لیا۔۔۔ میرا ارادہ کوئی غلط یا تم سے جان چھڑانے کا ہرگز نہیں تھا۔۔۔ میں تو اپنی طرف سے تمہاری بھلائی ہی سوچ رہا تھا۔ مجھے کیا پتا تھا تمہیں اتنا برا لگ جائے گا۔"

"ویسے تو ہر معاملے میں بہت دماغ چلتا ہے تمہارا۔ یہاں آکر کیا ہوا؟" اس نے بھی لہجہ دھیما ہی رکھا یعنی معافی مانگ لی تو کیسی ناراضی۔

"دماغ تو یہاں بھی چلایا تھا۔۔۔ یہ الگ بات ہے کہ الٹی پڑ گئی۔۔۔ خیر' مجھے اندازہ ہے۔ میں نے تمہیں ہرٹ کیا ہے۔ اس لیے ایک بار پھر سوری۔۔۔ لیکن اب دوبارہ سوری نہیں بولوں گا۔ تین دفعہ تو ہو گیا۔ اب اتنا بھی کیا نخرا کہ کسی کو شرمندہ ہوتا دیکھ کر آنکھیں ہی ماتھے پر رکھ لیں۔ ہاں یہ وعدہ ہے کہ اگلی بار جو بھی رشتہ لاؤں گا' وہ سمیر سے بہتر ضرور ہوگا۔"

وہ کہاں باز آنے والوں میں سے تھا۔ شرارت سے بول گیا۔

شفا نے ایسے نفی میں سر ہلایا جیسے کہہ رہی ہو 'تم ناقابل علاج ہو۔'

"تم ساری زندگی یہی کرنا۔۔۔ پہلے غلط باتیں کرنا پھر معافی مانگتے رہنا۔" وہ سرد لہجے میں طعنہ مار کر آگے بڑھی۔

"ہم نے کون سا ساری زندگی ساتھ رہنا ہے کہ یہ

معافی تلافی کا سلسلہ چلے۔۔۔ تم بھی ناں شفا! بونگی ہی ہو۔" اس نے ٹرے میں سے بسکٹ اٹھایا اور مزے سے کھاتا باہر نکل گیا۔ اس کے لیے اتنا اطمینان ہی کافی تھا کہ وہ اب اس سے ناراض نہیں ہے۔ سو اسے ہرٹ کرنے کے بعد معافی مانگ کر اپنا فرض پورا کر چکا تھا۔

پیچھے شفا تنہا ہی کھڑی رہ گئی۔

"واقعی۔۔۔ ہم نے کون سا ساری زندگی ساتھ رہنا ہے۔"

اس نے بوجھل دل کے ساتھ زیر لب کہا اور اس خیال سے پیچھا چھڑانے کے لیے جلدی سے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

چائے ایسے پی جارہی تھی جیسے کوئی پریشانی کی خبر آگئی ہو۔

شفا اور تقی مستقل ثمر اور سمیر کے تاثرات ٹٹولتے اور کسی بھی نتیجے پر پہنچنے میں ناکام ہو کر ایک دوسرے کی طرف مایوسی سے دیکھتے۔

ثمر نے چائے آدھی پی اور کپ رکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چلتی ہوں شفا!" اس نے کسی کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ جلدی سے باہر نکل گئی۔

شفا فکر مند ہو کر اس کے پیچھے دوڑی۔

"خفا ہو کے جارہی ہو۔۔۔؟" اس نے اتنی بے قراری سے پوچھا تھا کہ ثمر کو ہنسی آگئی۔

"ارے نہیں بدھو۔۔۔ خفا کیوں ہوں گی۔ بس اب چلوں۔ کافی دیر ہو گئی۔۔۔ امی انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"اچھا۔۔۔" شفا نے اس کی ہنسی سے کوئی اندازہ لگانا چاہا۔

"خفا نہیں ہو تو یہ تو بتادو۔۔۔ سمیر بھائی کو کیا جواب دے کر آئی ہو؟ کہیں "جواب" ہی تو نہیں دے آئیں۔"

ثمر اس بات پر مزید ہنسی۔

"میں تمہیں فون پر بتاؤں گی۔" ثمر نے اسے ٹالا تھا۔

"ہاں۔۔۔ ٹھیک ہے' لیکن انکار مت کرنا۔ میرا یقین مانو سمیر بھائی تمہارے لیے پرفیکٹ چوائس ہیں۔۔۔ تمہیں ایسا نہیں لگا؟"

"مجھے سوچنے دو شفا! ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

اس نے گہری سانس بھر کر کہا تھا لیکن اس کا دھیما انداز بہت کچھ سمجھا رہا تھا مگر فی الوقت کچھ بھی کہنا مشکل تھا اور یہ بھی حیران کن بات تھی کہ اندر سمیر کی لڈی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی نہ صرف یہ بلکہ وہ تقی سے بھی اصرار کر رہا تھا کہ اس کا ساتھ دے۔

شفا اندر آئی تو خوشگواریت کے ساتھ متعجب ہوئی۔

"یہ سمیر بھائی کو کیا ہوا ہے؟"

"میرا خیال ہے' ثمر کے صاف انکار کا صدمہ اس بیچارے کے دماغ کو چڑھ گیا ہے۔"

"ثمر نے انکار نہیں کیا۔۔۔ لڈی ہے جمالو پاؤ۔۔۔ لڈی۔۔۔ ہے جمالو۔"

"تو کیا "ہاں" بول گئی ہے۔" شفا کو جھٹکا لگا۔ "لیکن اس نے تو مجھے نہیں بتایا۔"

"ہاں بھی نہیں کہا۔۔۔ لڈی ہے جمالو۔"

"میں نے کہا تھا ناں' صدمہ اس کے دماغ کو چڑھ گیا ہے۔"

"جلنے والے تیرا منہ کالا۔۔۔"

"او بھائی! آخر یہ میراثیوں کی طرح ناچنا بند کر کے ہمیں بتا کیوں نہیں دیتا' ثمر سے تیری کیا بات ہوئی ہے؟" تقی کی برداشت ختم ہو گئی تھی۔

"باتوں کو چھوڑو تم بس یہ سوچو۔۔۔ میری بارات پر شہبالا بن کر ساتھ جاؤ گے یا دوست بن کر۔۔۔؟"

"کیا؟" ان دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"جی ہاں۔" وہ لہرا کر صوفے پر گرا تھا۔ اندرونی خوشی سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

"لیکن ثمر نے تو کوئی جواب نہیں دیا سمیر بھائی! اس نے تو کہا فون پر بتائے گی۔"

"آپ کو فون پر بتائے گی۔۔۔ لیکن آپ کا بھائی

آپ کو بتا رہا ہے کہ لڑکی راضی ہے۔۔۔ ہم تو اڑتی چڑیا کے پر گن لینے والوں میں سے ہیں۔ لڑکی کے دل میں کیا چل رہا ہے یہ کیسے نہ جان پاتے۔" انہوں نے کالر جھاڑتے ہوئے کہا تھا۔ اس کی خوشی دیدنی تھی۔

"یہ ہوئی نا بات۔۔۔" تقی نے جوش سے کہا۔ "جاہل آدمی! اتنی دیر سے ناچ رہا ہے۔ اصل موقع تو اب آیا ہے۔"

اب وہ دونوں مل کر ناچنے لگے۔ شفا البتہ اپنی ہنسی پر ہی قابو پانے کی کوششوں میں بے حال ہوئے جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

شام کا وقت تھا۔ لودھی صاحب چہل قدمی کے لیے نکلے تو شفا بھی ساتھ ہی آ گئی۔

وہ اسے اپنی جوانی کا کوئی قصہ سنانے لگے۔ شفا کی اور ان کی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ لگتا ہی نہیں تھا۔ سسر بہو کا رشتہ ہے۔ باپ بیٹی لگتے تھے۔

"تقی کی واپسی کب تک ہے؟" پارک میں آ کر بیٹھے تو انہوں نے پوچھا۔ تقی شوٹنگ کے سلسلے میں بنکاک گیا ہوا تھا۔ شفا نے دیکھا تھا۔ وہ جتاتے بے شک نہ ہوں لیکن تقی کی خیر خبر ضرور رکھتے تھے۔

"ابھی تو گیا ہے۔ دس دن کا کہہ رہا تھا لیکن ابھی تک شوٹنگ شروع بھی نہیں ہوئی۔۔۔ تو ہو سکتا ہے زیادہ دن لگ جائیں۔"

"بہت غیر ذمہ دار لڑکا ہے۔۔۔ پتا نہیں کب سدھرے گا۔" وہ زیر لب بڑبڑانے لگے۔

"ارے۔۔۔ ابا! آپ نے تقی کا ایڈ دیکھا؟" اسے یکدم یاد آیا تو پرجوش ہو کر پوچھنے لگی۔

"ہوں۔" ابا نے بری سی شکل بنائی۔

"میں نے کئی بار منع کیا اس لڑکے کو 'یہ مراثیوں والے کام شروع نہ کرے مگر اس نے میری ایک نہیں سنی۔۔۔ اب دیکھ لو 'ناچ ناچ کر دودھ بیچ رہا ہے۔ کوئی مجھے بتائے کیا دودھ بیچنے کے لیے ناچنا ضروری ہے اگر ایسا ہے تو اب تک سارے گوالے بغیر ناچے دودھ کیوں بیچتے رہے؟"

شفا ان کے اعتراض پر مسکراتی رہی۔

"یہ تو پبلسٹی کمپنی کا حصہ ہوتا ہے ابا! جو کمپنی کی ڈیمانڈ ہو 'وہ ماڈل کو پوری کرنا پڑتی ہے۔۔۔ آپ یہ نہ دیکھیں۔ تقی ناچ رہا ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ اس نے اچھی پرفارمنس دی ہے۔ کتنا نام کما رہا ہے۔"

"تمہیں نہیں پسند بس یہ کہو۔۔۔ اور میرا تو خیال تھا۔ تمہیں بھی ناپسند ہو گا۔ تم اتنی سلجھی ہوئی لڑکی ہو۔ میری تو ابھی تک یہی حیرانی نہیں گئی۔ تم نے تقی جیسے نالائق کو کیسے پسند کر لیا اور اب یہ کام۔"

شفا اس بات پر کھل کر ہنسی۔

"سچی بات ہے۔ پسند تو مجھے بھی نہیں ہے۔ لیکن میری پسند ناپسند سے کیا فرق پڑتا ہے ابا! یہ تقی کی زندگی ہے۔ اسے خود فیصلہ چاہیے اس کے لیے کیا صحیح کیا غلط ہے۔۔۔ میں کیوں اس پر اپنی پسند ناپسند امپوز کروں۔۔۔ ہاں 'جہاں تک تقی جیسے نالائق کو پسند کرنے کی بات ہے تو۔۔۔ تو وہ ہے ہی اس قابل کہ اسے پسند کیا جائے۔ میں یہ بات اس کے سامنے نہیں کہتی کہ سر چڑھ جائے گا لیکن میری زندگی میں تو وہ فرشتہ ہی بن کر آیا۔ اتنی بڑی مصیبت سے نکال لایا مجھے اور کیا چاہیے۔۔۔ آپ کو تو فخر ہونا چاہیے کہ تقی آپ کا بیٹا ہے۔"

"ہیں۔۔۔" وہ حیرانی سے اس کا منہ تکنے لگے۔

"کس مصیبت سے نکال لایا تمہیں؟ اس نے تو میرے خاندان کا نام ہی خاک کر دیا۔ نالائق 'نابکار۔۔۔ جو کچھ اس نے تمہارے ساتھ کیا۔ اس کے بارے میں سوچ کر تو میں تم سے نظریں نہیں ملا پاتا کجا کہ اس پہ فخر کرنا۔" غیض سے ان کی آواز ہی کانپنے لگی۔

شفا چونک سی گئی۔ بات واضح نہیں تھی لیکن اس کی چھٹی حس نے اشارہ دے دیا تھا کہ کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ غلط ہوا ہے۔ کوئی غلط فہمی پھیل کر بدگمانی میں ڈھل چکی ہے اور ساہرہ سے تو کچھ بھی بعید نہیں تھا وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ کچھ بھی کہہ سکتی تھی۔ خدا معلوم ابا سے بھی کیا کہہ دیا ہو۔

"میرا خیال ہے ابا! آپ کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔" اس نے نرم لہجے میں کہا اور خود پر بیتی کتھا انہیں سناتی چلی گئی۔ ذرا سی بھی بات بچا کر نہیں رکھی۔ سب کچھ بتاتی چلی گئی۔

ابا جوں جوں سنتے گئے۔ ان کے تاثرات بدلتے گئے۔

"اس کا مطلب تقی کی اس سب میں کوئی غلطی نہیں تھی؟ یہ سب ساہرہ کا کیا دھرا ہے۔" وہ ہکا بکا ہو گئے تھے۔

"جی ہاں بالکل۔۔۔ یہ ساری فرضی کہانی ہے جو انہوں نے آپ کو سنائی۔ وہ بھی صرف مجھ سے دشمنی نبھانے کے لیے۔۔۔ انہوں نے تو اپنے بھائی کو بھی نہیں چھوڑا۔۔۔ مجھے پتا ہوتا 'آپ تقی کے بارے میں کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہیں تو یقین مانیں 'یہ باتیں میں آپ کو بہت پہلے ہی بتا چکی ہوتی۔"

"تقی بہت اچھا ہے ابا! آپ سے بہت محبت کرتا ہے۔ بہت احترام کرتا ہے۔۔۔ آپ سمجھتے رہے 'وہ جان بوجھ کر آپ کے خلاف جاتا ہے جبکہ ایسا نہیں تھا۔ ہاتھوں کی انگلیاں برابر نہیں ہوتیں تو ساری اولاد ایک جیسی کیسے ہو سکتی ہے۔ ہر انسان کو اللہ اس کی الگ فطرت پر بناتا ہے۔۔۔ بس اتنی سی بات ہے کہ رضی بھائی اور جری کے مقابلے میں تقی ایک الگ فطرت 'الگ مزاج لے کر پیدا ہوا اور آپ اسے اپنا مخالف سمجھ بیٹھے۔۔۔ اور آپ دونوں کے درمیان فاصلے پیدا ہوتے چلے گئے۔ اس فاصلے کو نہ آپ نے سمیٹنے کی کوشش کی نہ اس نے۔۔۔ میں آپ کو ہر معاملے میں غلط نہیں کہہ رہی لیکن تقی کو یہاں ایڈوانٹیج حاصل ہے 'آپ بڑے تھے 'وہ چھوٹا۔ وہ یہ بات نہیں سمجھ سکا۔ آپ کو تو سمجھنا چاہیے تھی کہ باپ بیٹے کے مابین ایسا تعلق نہیں ہونا چاہیے جس میں صرف شکایتیں اور بدگمانیاں ہی ہوں۔۔۔ ساہرہ بھابھی نے آپ سے تقی کے متعلق جو بھی جھوٹ بولا آپ کو وہ پہلا شخص ہونا چاہیے تھا جو ان کی بات کا یقین نہ کرتا۔۔۔ آپ کو اپنے خون پر بھروسا ہونا چاہیے تھا۔ آپ کو اپنی تربیت پر مان ہونا چاہیے تھا لیکن آپ اپنے دل میں طے کر چکے تھے کہ تقی غلط ہی ہو گا۔ سو آپ نے فوراً" ساہرہ بھابھی کی بات مان لی۔ آپ نے ایک بار بھی نہیں سوچا 'جب یہ بات تقی کو پتا چلے گی تو وہ کتنا دکھی ہو گا۔"

اس نے لودھی صاحب کی طرف دیکھا اور گھبرا گئی۔ ان کی رنگت غیر معمولی حد تک زرد ہو رہی تھی۔

"ابا۔۔۔ آپ ٹھیک ہیں نا۔۔۔ میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" انہوں نے بامشکل کہا۔ شرمساری کے احساس نے انہیں بے کل کر دیا تھا۔

"چلو گھر چلتے ہیں۔"

انہوں نے اٹھنے کی کوشش میں اپنی چھڑی پر زور ڈالا لیکن آن کی آن آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیل گیا اور وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

آمنہ ریاض



ناولٹ

باقر لودھی اپنے منجھلے بیٹے تقی کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت سے سخت نالاں ہیں اور اسے ہر وقت بڑ ہرای کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔ تقی کو شوبز میں کام کرنے کا شوق ہے جبکہ لودھی صاحب اس کام کے سخت مخالف ہیں۔ دونوں باپ بیٹے میں اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ رضی اور جری سے البتہ باقر صاحب کو کوئی شکایت نہیں۔

شفا کو عمیر نے والدین کے بعد باپ بن کر پالا ہے۔ وہ عمیر کی بے حد لاڈلی ہے مگر عمیر کی بیوی ساہر کو اس سے شدید جلن ہے۔ وہ عمیر سے جھوٹ بول کر اسے شفا سے بدظن کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ عمیر کو اپنی بیوی پر پورا یقین ہے۔

ساہر اور عمیر کی شادی کے ابتدائی دنوں میں شفا ساہر سے بہت بدتمیزی کیا کرتی تھی۔ وہ اسے ہر وقت عمیر کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتی اور جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر اسے عمیر سے ڈانٹ پڑوا دیتی۔ رات کے کھانے پر پاستا نہ بنانے پر اس نے ساہر سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا اور سیڑھیوں سے حادثاتی طور پر گر جانے کا الزام ساہر پر لگا دیا کہ ساہر نے اسے دھکا دیا ہے۔ اس بات پر عمیر ساہر کو دو تھپڑ مار دیتے ہیں۔ ساہر کو بہت دکھ ہوا ہے۔ شفا خود بھی گنگ ہو جاتی ہے۔

تقی کے گہرے دوست سمیر کے ابا اپنی پسند سے اس کی منگنی کر دیتے ہیں۔



-۱۲-
بارہویں قسط

شفا نے لودھی صاحب کی طرف دیکھا اور گھبرا گئی۔ ان کی رنگت غیر معمولی حد تک زرد ہو رہی تھی۔

"ابا۔ آپ ٹھیک ہیں نا۔ میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" انہوں نے بمشکل کہا۔ شرم ساری کے احساس نے انہیں بے کل کر دیا تھا۔

"چلو گھر چلتے ہیں۔" انہوں نے اٹھنے کی کوشش میں اپنی چھڑی پر زور ڈالا لیکن ان کی آن آنکھوں میں اندھیرا چھیل گیا اور وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکے۔

"ابا!" نہیں گرتا دیکھ کر شفا کے اپنے ہاتھوں پیروں سے جان ہی نکل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

شوٹنگ ختم ہوتے ہی تقی اور اس کا کریو کے سارے ممبرز گھومنے پھرنے نکل جاتے تھے۔ وہاں سیاحوں کی دلچسپی کا خوب اہتمام تھا۔ سو ہر روز نت نئے تجربے ملتے۔ تقی کا لطف دوبالا ہو رہا تھا۔

مہک سے اس کا فون پر مسلسل رابطہ تھا۔ شفا سے بھی رابطہ تھا۔ کیوں تھا' یہ اب تک تقی نہیں سمجھا۔ صرف یہ ہوتا تھا کہ اسے بات بے بات شفا یاد آجاتی اور وہ فون اٹھا کر اسے میسج کرنے لگتا۔ دراصل ایک انسان کے ساتھ رہتے رہتے اس کی عادت ہو جاتی ہے۔ شفا بھی اس کی عادت میں شامل ہو گئی تھی' ورنہ تو کوئی بات نہیں تھی۔

ایک روز جب وہ بہت دیر تک اس بات پر غور کرتا رہا تو اسی نتیجے پر پہنچا۔

زیادہ عجیب بات تب ہوتی' جب وہ جلدی میں مہک کا ایس ایم ایس بھی شفا کو کر دیتا یا شفا کے ساتھ کی جانے والی باتیں مہک کو بتا رہا ہوتا پھر پچھتاتا۔ شفا اسے غلطی کا احساس دلاتی اور مہک خفا ہو جاتی۔ اس روز بھی تقی بے زار ہو تا فون آف کر کے باہر آگیا۔

ایسے ہی بے زار بے زار پھر رہا تھا کہ کسی سے ٹکرانے سے سامنے والے لڑکے کے ہاتھ میں پکڑی بیساکھی گر گئی۔ تقی نے معذرت کرتے ہوئے بیساکھی اٹھا کر دی۔ دونوں طرف سے معذرت کا تبادلہ ہوا۔ وہ اچھا خوش شکل لڑکا تھا۔ شکل سے انگریز سا لگتا تھا۔ تقی کو ذرا دکھ بھی ہوا کہ معذور تھا۔ سرحال سرسری اور تکلفا" جملوں کے تبادلے کے بعد دونوں اپنی اپنی راہ کو چل دیے۔ یہ کھلا سا کوئی بازار تھا۔ گھومتے پھرتے پھر آمنا سامنا ہوا تو مسکراہٹوں کا دوبارہ تبادلہ ہو گیا۔

اگلے روز جب دونوں پھر آمنے سامنے آگئے تو اسی نے کہہ دیا۔

"قسمت ہمیں بار بار ملوا رہی ہے۔ ہونہ ہو' اس کے پیچھے ضرور کوئی راز ہے۔" اس کا انداز خوش گوار سا تھا' تقی کھل کر ہنس دیا۔

"تم قسمت کے رازوں پر یقین رکھتے ہو؟"

"قسمت کے رازوں پر تو پتا نہیں لیکن قسمت پر ضرور یقین رکھتا ہوں۔ بائے دا وے آئی ایم روحیل۔" اس نے مسکرا کر ہاتھ آگے بڑھایا تقی کا ذہن جاگ اٹھا۔

"روحیل۔ اوہ۔ تقی!"

"نائس ٹو میٹ یو تقی!" وہ ہاتھ گرم جوشی سے ملا کر آگے بڑھ گیا۔ تقی وہیں کھڑا کڑیاں جوڑتا رہا۔ اب دنیا میں اس نام کا ایک ہی تو شخص نہیں ہو سکتا تھا۔ وشمہ کے بھائی روحیل سے کبھی بچپن میں وہ مل بھی چکا تھا لیکن اس ملاقات کا عکس اتنا دھندلا تھا کہ شناخت کرنا تقریباً" ناممکن ہی تھا۔

اگلی ملاقات شاپنگ مال کی لفٹ میں ہوئی' جو فنی خرابی کی وجہ سے بند ہو گئی تھی۔ انہیں کچھ دیر اکٹھے ہو کر انتظار کرنا پڑا۔ تقی جان بوجھ کر اس سے کرید کر سوال کرنے لگا۔

"کیا تمہارا تعلق پاکستان سے ہے؟ اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ میرا ایک بچپن کا دوست تھا۔ اس کی شکل تم سے بہت ملتی تھی اور اتفاق کی بات دیکھو کہ اس کا نام بھی روحیل ہی تھا۔ ہاں لیکن وہ معذور نہیں تھا۔"

"میں بھی بچپن سے معذور نہیں ہوں۔ پاکستان گیا تھا سو ہیں۔ بس یہ سوغات ساتھ لے کر آیا ہوں۔ یار! بائے برتھ تو میں بھی پاکستانی ہوں لیکن یہ وہ حوالہ ہے' جس پر مجھے ہمیشہ شرمندگی رہی ہے۔ پاکستان ایسی جگہ نہیں ہے کہ وہاں جا کر رہا جائے۔ جس کی قسمت خراب ہو وہی اب وہاں جا کر رہے۔ میں تو مر جاؤں تب بھی دوبارہ وہاں نہ جاؤں۔ اتنی گندگی ہے وہاں' اتنی آلودگی ہے کہ میں۔ نہانے جاؤ تو پانی نہیں آتا۔ پنکھا چلاؤ تو لائٹ چلی جاتی ہے اور ٹریفک کا سسٹم کتنا خراب ہے۔ اپنی بہن وشمہ کے بیٹے کو بچاتے ہوئے ہی تو میں اپنی ایک ٹانگ تڑوا بیٹھا۔ اور پھر مجھے وہاں ایک لڑکی ملی سامیہ۔ خوبصورت تو بہت تھی لیکن اتنی کرپٹ کہ کچھ باتوں پر تو میں بھی حیران رہ جاتا تھا۔ اس کے پیچھے میں نے اپنا اتنا وقت برباد کیا کہ کیا بتاؤں۔" وہ بہت ہی دل جلا کر بیٹھا ہوا تھا۔ تقی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ کی مٹھی اس طرح ہونٹوں پر رکھی ہوئی تھی کہ آدھا چہرہ چھپ گیا تھا۔ تاثرات دیکھنا مشکل تھا۔

"کیسے وقت برباد کیا؟"

"یار! اس کے ہونے والے کی بہن تھی جس سے سامیہ بدلہ لینا چاہتی تھی تو اس نے مجھے کہا کہ میں اس کو ٹریپ کروں۔ مجھے اس لڑکی میں تو اتنا انٹرسٹ نہیں تھا لیکن سامیہ میں تھا۔ میں نے سوچا چلو جب تک پاکستان میں ہوں۔ تھوڑا دل بہلانے کا بندوبست ہی کر لیا جائے۔ اسی چکر میں بلکہ سامیہ کے چکر میں اس لڑکی کے پیچھے پڑا رہا حالانکہ وہ لڑکی ذرا دوسری ٹائپ کی تھی۔ مجھے بعد میں افسوس بھی ہوا کہ مجھے اس کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں جتنا بھی برا سہی لیکن عورت کے معاملے میں ایک اصول بنا کر رکھا ہے' جو خود آئے اس سے فائدہ حاصل کرو۔ مجھے بھی سامیہ سے فائدہ اٹھا کر نکل جانا چاہیے تھا۔"

"تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا روحیل! قسمت ہمیں بار بار ملوا رہی ہے تو اس کے پیچھے ضرور کوئی راز ہے۔" تقی نے گہری سانس بھر کر کہا۔

"اچھا۔ اور وہ راز کیا ہے؟" روحیل مسکرایا۔

"بتاتا ہوں۔ لیکن پہلے تم ذرا ادھر آنا' مجھے لگ رہا ہے تمہاری ناک پر کوئی کیڑا چپکا ہوا ہے۔"

روحیل لاشعوری طور پر ذرا سا آگے ہوا اور پہلا گھونسا اس کی ناک پر پڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

سامیہ نے والٹ اپنے ہینڈ بیگ میں رکھ کر زپ بند کی اور ذرا ستانے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

ہدیہ کے اسکول سے آنے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا اور وہ اس کی واپسی تک تھوڑا آرام کر لینا چاہتی تھی۔ عادل کو وہ سلا چکی تھی۔ ہدیہ آجاتی تو آج اس کا امی کی طرف جانے کا ارادہ تھا۔ لیکن اس وقت وہ اتنا تھک چکی تھی کہ اب سارا پروگرام کینسل کرنے کا خیال آرہا تھا۔

بلکہ آج کی ہی کیا بات' وہ اکثر ہی تھک جاتی تھی۔ کام والی اکثر بہانے بنا کر چھٹی کر لیتی تو اسے سارے گھر کا کام خود ہی سمیٹنا پڑتا۔ ساتھ میں ہدیہ اور عادل کی ذمہ داری الگ۔ شفا کی موجودگی میں کم سے کم اسے اس بات کی طرف سے بے فکری رہتی تھی۔ کام والی نہ بھی آتی تو شفا خود ہی سب سمیٹ دیتی۔ بنا کے کھانا پکا دیتی۔ صرف یہی نہیں ہدیہ اور عادل کو بھی سنبھال لیتی تھی۔

شفا کا خیال آتے ہی اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ یہ وقت بے وقت شفا نا جانے کیوں یاد آنے لگتی تھی۔

سر جھٹک کر اس کے خیال سے پیچھا چھڑایا۔ بارہ بج چکے تھے۔ ہدیہ کچھ دیر میں آنے جاتی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر کچن میں آگئی۔ فرائنگ پان چولہے پر رکھا اور نگٹس فرائی کرنے لگی۔

بارہ بج کر بیس ہو گئے۔ ہدیہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ کچن سے نکل کر اس نے عادل کو دیکھا۔ اسے سکون سے سوتا پا کر وہ گیٹ پر آگئی۔ ہدیہ کی وین کے آنے سے پہلے وہ ہر روز گیٹ پر آجایا کرتی تھی۔ اسے گیٹ پر کھڑے کچھ دیر گزر گئی۔ سامیہ کو احساس ہوا اب زیادہ ہی دیر ہو گئی تھی۔ وہ اندر سے اپنا سیل فون

اٹھا لائی اور ڈرائیور کو فون کرنے لگی۔ اس سے پہلے ہدیہ جس وین میں جاتی تھی اس کے ڈرائیور کو عمیر جانتے تھے۔ اسی وین میں شفا بھی اسکول کالج جایا کرتی تھی۔ چونکہ پرانا آدمی تھا' سو جان پہچان بھی ہو گئی تھی لیکن شفا کے بعد اس نے بھی کسی معمولی سی بات کا بہانہ بنا کر آنا چھوڑ دیا تو ساہر نے نئی وین کا بندوبست کر لیا۔ وہ دراصل شفا کے بارے میں سوال بہت پوچھتا تھا۔

ساہر نے اسے خود ہی ہٹا دیا لیکن عمیر کے پاس اتنا ٹائم نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہدیہ کی ذمہ داری اٹھا سکیں اور ساہر کے لیے بھی مشکل ہو رہا تھا کہ روز روز ہدیہ کو لانے لے جانے گھر سے نکلے' سو اس نے نئی وین لگوالی۔ وین کا وہ ڈرائیور بھی بھلا آدمی معلوم ہوتا تھا اور ان ہی کی لین کے پہلے گھر سے ساہر نے اسے بچوں کو پک کرتے دیکھا بھی تھا۔ وہ ڈرائیور کو فون کرنے لگی۔ لیکن کئی بار بیل جانے کے بعد بھی کال ریسیو نہیں کی گئی۔ اس نے دوسری بار کال ملائی تو کاٹ دی گئی اور تیسری بار میں نمبر ہی آف کر دیا گیا۔

اب ساہر کو صحیح معنوں میں پریشانی لاحق ہوئی۔ کوئی نہ کوئی گڑبڑ تو ضرور تھی۔ فکرمندی میں اسے پہلا خیال عمیر کا آیا۔ اس نے عمیر کا نمبر ملایا لیکن اگلے ہی پل خود ہی کال منقطع کر دی۔ اسے عمیر کو پریشان نہیں کرنا چاہیے۔

اگلا خیال آنے پر وہ اندر سے گیٹ کی چابی لے آئی۔ احتیاطاً "عادل پر ایک نظر ڈالی۔ گیٹ سے باہر آ کر اس نے گیٹ کو لاک کر دیا۔

☼ ☼ ☼

روحیل اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ بوکھلا ہی گیا۔ اس کے چہرے پر پے در پے گھونسے پڑے تھے۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔ مجھے مار کیوں رہے ہو؟" اس نے اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کیونکہ تمہاری قسمت میں ہی مار کھانا لکھا ہے بیٹا!" تقی اسے مارتے ہوئے خود بھی ہانپ گیا تھا لیکن ذرا دیر کو سانس بحال کر کے اس نے ایک اور زوردار تھپڑ اسے رسید کیا۔

"اب تک جتنا میں نے تمہیں مارا' وہ سب تو تمہید تھی۔ یہ تھپڑ اس لیے کیونکہ تم نے ساہر کے بارے میں برے انداز سے بات کی۔"

"کیا؟" روحیل پہلے تھپڑ سے نہ سنبھلا تھا کہ دوسرا اس کے بائیں گال پر پڑا۔

"یہ دوسرا تھپڑ اس لیے کیونکہ تم نے شفا جیسی معصوم لڑکی پر تہمت لگائی۔"

تقی نے اسے گریبان سے پکڑ کر گھسیٹا اور بنا رکے دو تھپڑ مزید رسید کیے۔ یہ تھپڑ پچھلی ہر ضرب سے زیادہ شدید تھے۔

"یہ کس لیے؟" روحیل منمنایا۔

"یہ اس لیے کیونکہ تم نے میرا وقت برباد کیا۔ دنیا کو موقع دیا کہ مجھ پر انگلی اٹھائے۔ اور مجھے میرے ابا کی نظروں میں گرا دیا۔"

"تت۔ تم۔ ہو کون؟" روحیل ششدر رہ گیا تھا۔

"ساہر کا بھائی۔ شفا کا شوہر۔ اور تمہارے لیے موت کا فرشتہ۔"

یہ والا گھونسا روحیل کی ناک پر لگا۔

☼ ☼ ☼

ڈور بیل بجا کر ساہر انتظار کرنے لگی۔ بے چینی سے اس کا برا حال تھا۔ تیسری بیل پر دروازہ کسی خاتون نے کھولا تھا۔

"السلام علیکم۔" ساہر نے بے صبری سے اپنا تعارف کروایا۔

"مجھے آپ کے بچوں کی اسکول وین کے بارے میں پوچھنا تھا؟"

"اسکول وین؟" وہ خاتون حیران ہوئیں۔ "میرے بچے تو وین میں نہیں جاتے۔ آپ نے میری نند کے بچوں کو دیکھا ہو گا' پچھلے دنوں وہ ہماری طرف آئے ہوئے تھے۔"

"جی ہو سکتا ہے وہی ہوں۔" ساہر نے جلدی سے کہا۔ "کیا آپ کی نند کے بچے واپس آ گئے ہیں؟ دراصل میری بیٹی بھی اسی وین سے جاتی ہے لیکن وہ ابھی تک واپس نہیں آئی۔ میں ڈرائیور کو کال بھی کر رہی ہوں لیکن اس کا فون بند جا رہا ہے۔"

"بیٹی! دراصل میری نند تو کچھ روز کے لیے آئی ہوئی تھیں تو ہمیں اس کے بچوں کے لیے وین لگوانا پڑی۔ اب تو اس وین کو ہٹا بھی دیا ہے۔"

یہ بات سن کر ساہر کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔

"آنٹی! آپ کے پاس وین ڈرائیور کا کوئی اور نمبر ہو گا؟" اس نے بے چینی سے پوچھا لیکن ان خاتون کے انکار پر اس کا بچا کھچا حوصلہ بھی جاتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ ناچار اسے عمیر سے بات کرنا پڑی۔

☼ ☼ ☼

لودھی خاندان پر قیامت ٹوٹی تھی۔

اچھے خاصے ابا آئی سی یو میں پہنچ گئے۔ دل کے تین والو بند تھے۔ عرصہ دراز سے ذیابیطس کے مرض میں بھی مبتلا تھے لیکن میٹھا کھانے کے اتنے شوقین تھے کہ گھر والوں کو بھنک بھی نہ پڑنے دی۔ ڈاکٹر نے بتایا گردے کمزور ہو چکے ہیں۔ واضح طور پر کچھ بھی بتانا مشکل ہے۔

رضی نے اپنے اعصاب پر قابو رکھا لیکن امی اور جری کا برا حال تھا۔ وہ بے چارہ اکیلا اسپتال کی بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ شفا گھر میں امی اور جبین کی دیکھ بھال میں لگی تھی۔ کئی بار سوچا تقی کو بتا دے لیکن رضی نے منع کر دیا۔

"اس کے لیے یوں ایک دم اٹھ کر پاکستان آنا مشکل ہو گا۔ نہ پہنچ سکا تو پریشان ہو رہے گا۔"

اسے باپ کے ساتھ ساتھ بھائی کی بھی فکر تھی۔ شفا کے لیے فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ بتانا چاہتی تھی لیکن تذبذب میں پڑی تھی۔ پھر اس روز تقی کا اچانک فون آ گیا۔ اب تک وہ کسی نہ کسی طرح بات کرنے سے گریز کر رہی تھی لیکن جانے کیا ہوا کہ فون اٹھا لیا۔

"کتنی دیر سے فون کر رہا ہوں یار! کہاں تھیں تم؟" وہ بہت پرجوش لگ رہا تھا۔

"مجھے کہاں جانا ہے۔ یہیں تھی۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے؟" وہ ٹھٹک کر بولا۔ شفا چونک گئی۔

"کچھ نہیں۔ بس تھوڑا سا فلو۔" اس نے بات بنائی۔

"جھوٹ بول رہی ہو نا۔" تقی نے ترنت کہا۔ شفا دوبارہ چونکی۔ اس کے صاف لہجے سے بھی تقی کو بھنک لگ گئی تھی کہ کچھ نہ کچھ ہے۔

"مجھے بتاؤ شفا! کیا ہوا ہے۔ تم کیوں روئی ہو' دیکھو اب جھوٹ مت بولنا۔" اس نے رعب سے کہا تھا۔

شفا نے دو تین گہرے سانس لیے کہ کسی طرح بات کو سنبھال لے لیکن حلق میں جو آنسوؤں کا گولہ پھنسا تھا' وہ نکلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

"تقی! ابا۔" بوجھل لہجے میں وہ بس اتنا ہی بول پائی تھی۔

☼ ☼ ☼

عمیر ساہر کی پہلی کال پر ہی گھر آ گئے تھے۔

ڈرائیور کو مسلسل فون کرنے پر ناکامی کی صورت میں انہوں نے اسکول جانے کا فیصلہ کیا لیکن اسکول سے بھی انہیں کوئی خاطر خواہ جواب نہیں ملا تھا۔

"چوکیدار نے ہدیہ کو خود اسی وین میں سوار کروایا تھا جس میں پچھلے ڈیڑھ مہینے سے وہ جا رہی ہے۔ اور مسز عمیر نے خود اس وین والے کا ریفرنس ہمارے ریکارڈ میں لکھوایا تھا۔" کلاس ٹیچر نے کہا۔

"میرا خیال ہے۔ ہمیں ڈرائیور کے گھر جانا چاہیے۔" عمیر نے اسکول سے نکلتے ہوئے کہا۔

"لیکن ہم اس کے گھر کیسے جائیں گے؟" ساہر نے کہا۔

"کیا مطلب؟" عمیر نے گاڑی ریورس کرتے

ہوئے کہا۔ "تم نے اس کے گھر کا ایڈریس نہیں لیا تھا؟"

"نہیں عمیر! میں نے صرف اس کا سیل نمبر لیا تھا' ایڈریس لینے کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا۔" ساہر روہانسی ہوگئی۔

عمیر کا پیر بے اختیار بریک پر جا پڑا۔

"اس کے آئی ڈی کارڈ کی فوٹو کاپی بھی لی تھی یا نہیں؟"

ساہر کا نفی میں ہلتا ہوا سر عمیر کے اعصاب پر کسی ہتھوڑے کی طرح لگا۔

"کس قدر احمق عورت ہو تم۔ حالات کتنے خراب ہیں۔ انسان سگے رشتوں پر بھروسا نہیں کرسکتا اور تم نے اٹھا کر ایک انجان بندے کو بیٹی کی ذمہ داری سونپ دی۔" وہ اتنی زور سے چلائے کہ ساہر کا دل کانپ گیا۔

"کیا کچھ نہیں کرسکتا' وہ اتنی چھوٹی سی بچی کے ساتھ۔"

"ایسے مت کہیں عمیر! پلیز۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" وہ رونے لگی تھی۔ عمیر کو اس پر ترس آیا لیکن وہ خود بہت پریشان تھے۔ اس پریشانی میں کیا کیا جاسکتا تھا۔

انہوں نے ساہر کو رونے دیا اور گاڑی پارکنگ سے نکالی۔ مین روڈ پر آنے تک ان کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ ہدیہ کو تلاش کرنے کے لیے وہ جو کچھ کرسکتے تھے' انہوں نے ذہن میں ترتیب دینا شروع کردیا۔

☆ ☆ ☆

امی دیر تک تقی کے گلے لگ کر روتی رہیں۔ تقی سے ایک لفظ نہیں بولا گیا۔ انہیں ساتھ لگائے چپکا رہا بس۔

"آپ فکر مند نہ ہوں۔ ابا بالکل ٹھیک ہوجائیں گے۔ میں ڈاکٹر سے بات کرکے آرہا ہوں' وہ کہہ رہا ہے' جلد ہی ابا کو ہوش آجائے گا۔" جب وہ رو رو کر تھک چکیں اور خود ہی اس کے کندھے سے سر اٹھالیا تو اس نے نرمی سے کہا۔

تقی ایئرپورٹ سے سیدھا اسپتال گیا تھا پھر گھر گیا تھا۔

اس نے گھر آکر کچھ نہیں کہا لیکن اتری ہوئی شکل سب بتا رہی تھی۔

"شفا!" امی نے چہرہ پونچھتے ہوئے کہا تھا۔ "بیٹی! تقی کے لیے کھانا گرم کرو۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" تقی نے کہا۔

سب ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ بڑی سے بڑی بات بھی اس کی بھوک ختم نہیں کرپاتی تھی۔

"چائے۔" شفا نے کہنا چاہا۔

اس نے نفی میں سر ہلادیا اور جری کے کمرے میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ باہر نکلا۔

"میں اسپتال جارہا ہوں۔"

"تھوڑا آرام کرلو تقی!" امی نے فکرمندی سے کہا

"ضرورت نہیں ہے۔ آج ابا کے پاس ہی رکوں گا۔" وہ اگلی کوئی بھی بات سنے بغیر گھر سے نکل گیا۔ امی گہری سانس بھر کر رہ گئیں۔

جبین کو بھی ڈاکٹر نے قریب کی تاریخ دے رکھی تھی۔ اسی رات اسے بھی اسپتال لے جانا پڑا تو تقی نے زبردستی رضی کو جبین کے ساتھ بھجوادیا۔ امی بھی اس کے ساتھ تھیں۔ اگلے روز جری اور شفا' تقی کے لیے کھانا لے کر اسپتال آئے۔ وہ آئی سی یو کے باہر ہی کھڑا تھا۔ داڑھی بڑھی ہوئی اور مایوسی سے اٹی ہوئی صورت۔

شفا کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ تو ہمیشہ بڑا اپ ٹو ڈیٹ رہتا تھا۔ بڑا باغ و بہار لگتا اور اس وقت کتنا ویران لگ رہا تھا۔

"بھائی!" جری کی آواز پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ ان دونوں کو سامنے دیکھ کر جیسے گہری نیند سے جاگا۔

"ہم کھانا لائے ہیں آپ کے لیے۔" جری نے ہی کہا۔

"خوامخواہ زحمت کی یار! بھوک ہی نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"کل سے تم نے کچھ نہیں کھایا۔ اب تو کھالو۔" یہ شفا تھی۔

"ڈاکٹرز سے بات ہوئی آپ کی۔ کیا کہتے ہیں؟" جری بہت آس سے پوچھ رہا تھا۔ تقی نے اثبات میں سرہلایا لیکن اس کے انداز سے مایوسی ہی جھلکی تھی۔

"بس یہی امید ہے انہیں دعا کا کہہ رہے ہیں۔"

"یہی کہتے جارہے ہیں۔ دوائیاں کیوں نہیں بدلتے۔" جری روہانسا ہوگیا۔ "میں بات کرتا ہوں ڈاکٹرز سے۔" وہ جذباتی پن سے دوسری طرف نکل گیا۔ تقی روکنے کا ارادہ کرتا ہی رہ گیا' پھر تھک کر کاریڈور میں نصب بینچ پر جابیٹھا۔

شفا وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر جاکر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"اتنی مایوسی اچھی بات نہیں ہے تقی! اللہ ہے نا۔ وہ ابا کو ٹھیک کردے گا۔"

شفا نے نرمی سے کہا۔ تقی نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ اس نے تو ایک بار بھی نہیں کہا کہ وہ مایوس ہوگیا ہے لیکن شفا اس کے چہرے سے دل کا حال پہچان چکی تھی۔

"رونا چاہتے ہو تو رولو۔ دل کا بوجھ ہلکا ہوجائے گا۔" تقی کی آنکھوں میں نظر آتی سرخی دیکھ کر شفا نے آہستگی اور نرمی سے کہا۔

تقی کو اس کی اجازت کی ضرورت نہیں تھی لیکن ایک جذباتی سہارا درکار ہوتا ہے ہر انسان کو۔ سو وہ چند لمحے ہی خود پر ضبط کرسکا پھر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رودیا۔

شفا خاموشی سے بینچ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ تقی روتا ہوا ذرا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کیسی باغ و بہار شخصیت تھی اس کی۔ روتے ہوئے افسردہ بندے کو ہنساتا اور اب خود رو رہا تھا تو کیسا اجڑا ہوا ویران سا لگ رہا تھا۔

جب وہ جی بھر کر رو چکا تو اٹھ کر شیشے کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اندر ابا بالکل چپ چاپ ریسپیریٹر سے سانس لیتے دکھائی دے رہے تھے۔

"ابا ایک دفعہ آنکھیں کھول دیں تو میں انہیں بتاؤں گا وہ اس طرح خاموش بے بس لیٹے کتنے برے لگتے ہیں۔ میں انہیں بتاؤں گا' وہ غصہ کرتے' زور زور سے بولتے' مجھے ڈانٹتے ہی اچھے لگتے ہیں۔ میں انہیں بتاؤں گا۔ وہ مجھ سے بات نہیں کرتے تھے تو مجھے کتنا برا لگتا تھا وہ اب بھی مجھے ڈانٹ لیں۔ جتنا دل چاہے مار لیں میں نہیں روکوں گا۔ میں میڈیا چھوڑ دوں گا۔ میں اسٹور چلایا کروں گا۔ میں۔۔۔ میں انہیں ضرور بتاؤں گا شفا! میں ان سے کتنی محبت کرتا ہوں۔"

وہ آئی سی یو کے شیشے سے پیشانی لگا کر بری طرح رو رہا تھا۔ شفا اسے دلاسا دینا چاہتی تھی لیکن۔

جب وہ دیر تک رو چکا تو واپس جاکر بینچ پر بیٹھ گیا۔ اپنا چہرہ صاف کرکے بڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔

پھر شفا نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

"چلو کینٹین یا باہر لان میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ کھانا کھالو۔ مجھے اللہ کی رحمت پر پورا بھروسا ہے۔ ابا ٹھیک ہوجائیں گے۔ بس تم اپنی بات سے نہ مکرنا۔ یہ بتانا ضرور کہ تمہیں ان سے کتنی محبت ہے۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے شفا!" تقی نے بوجھل آواز میں کہا۔

"بھوکے رہنے سے پریشانیاں ٹلتی ہیں نہ کم ہوتی ہیں۔ آزمائی ہوئی بات ہے۔ ایسا ہوتا نا تو ہمارے نکاح کے اگلے ہی دن ساہر بھابھی کی حقیقت عمیر بھائی کے سامنے آگئی ہوتی۔ چلو اٹھو اب۔"

اس نے ہاتھ پکڑ کر زبردستی تقی کو اٹھالیا۔ تقی ساتھ کھنچا چلا گیا۔

"میں تمہیں بتانا بھول گیا۔ رو حیل مل گیا ہے۔" شفا کو چلتے چلتے ٹھوکر لگی۔ "وہ۔۔۔ وہ کہاں مل گیا تمہیں؟"

"اس روز یہی بتانے کے لیے تو فون کیا تھا۔" پھر وہ اسے تفصیلات بتاتا چلا گیا۔

"لیکن وہ وہاں کیا کررہا تھا؟"

"ضمیر کا بوجھ کم کرنے گیا تھا۔ وہاں میں نے کہا فضول آدمی! اتنا ہی شفا کی زندگی خراب کرنے پر ضمیر تنگ کررہا تھا تو پاکستان آکر عمیر بھائی کو سب بتادیتے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔" تقی نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ "لیکن اب وہ پاکستان آنے کے لیے تیار ہے۔ تم بے فکر ہوجاؤ میں سب سنبھال لوں گا۔"

شفا نے فقط سرہلادیا۔ کہا کچھ نہیں۔ موقع بھی نہیں ملا۔ سامنے سے مہک آرہی تھی تک سک سے تیار۔ اونچی ہیل' ایک ہاتھ میں پھول۔

ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر دور سے ہی اس کی آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے۔

"تمہارے لیے اتنی امپورٹنٹ میٹنگ چھوڑ کر آئی ہوں۔" کہا تقی سے تھا' گھورا شفا کو تھا۔

"شکریہ۔"

"او کم آن۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "اب تمہارے فادر کی طبیعت کیسی ہے؟"

"آئی سی یو میں ہیں۔ ابھی تک ہوش نہیں آیا۔" تقی نے مایوسی سے بتایا۔

"تم فکر مت کرو تقی! وہ ٹھیک ہوجائیں گے۔ پاپا کہہ رہے تھے' ضرورت ہو تو بتانا۔ وہ پاکستان کے بہترین ڈاکٹرز سے تمہارے فادر کا کیس ڈسکس کریں گے۔"

تقی نے آہستگی سے سرہلادیا۔

"یہ میں تمہارے فادر کے لیے لائی تھی۔" اس نے پھول تقی کو پکڑا دیے۔ "مجھے ذرا جلدی ہے تقی! میٹنگ کی ٹائمنگ میری وجہ سے بڑھائی گئی ہیں۔ کم سے کم اب تو وقت پر پہنچ جاؤں۔ تم مجھے باہر تک چھوڑنے نہیں آؤ گے؟" وہ جتنی عجلت میں آئی تھی' اتنی ہی عجلت میں واپس بھی جارہی تھی۔

تقی ایک لمحہ رکا' پھر پھول شفا کو پکڑا کر مہک کے ساتھ چل پڑا۔

مہک نے جاتے جاتے ایک عجیب سی نظر شفا پر ڈالی تھی۔

"اچھی بھلی شکل ہے اس کی۔ اگر چڑیلوں کی طرح دیکھنا چھوڑ دے تو اور خوبصورت لگے۔"

شفا نے اس کے جاتے ہی ایک گہری سانس بھر کر کہا اور پھولوں کی خوشبو سونگھتی واپس آئی سی یو کی طرف چلی گئی۔



کھانا ان تینوں نے کینٹین میں بیٹھ کر کھایا تھا۔ اگرچہ دل کسی کا بھی نہیں چاہ رہا تھا مگر کھالیا۔

"مجھے یاد آیا۔ آج تو تمہارا بھی کسی پرائیویٹ آرگنائزیشن میں انٹرویو تھا نا؟" چائے پیتے ہوئے تقی کو اچانک یاد آیا تھا۔

"ہاں تھا۔ لیکن میں نہیں گئی۔ ابا سے زیادہ کچھ امپورٹنٹ نہیں ہے۔ میرا کیریر بھی نہیں۔"

وہ سرسری انداز میں کہہ کر جری سے بات کرنے لگی لیکن تقی چائے پینا بھول گیا۔

شفا جانتی تھی' اسے کبھی نہ کبھی تقی کی زندگی سے الگ ہونا ہے اور مہک جانتی تھی' وہ عنقریب تقی کی زندگی میں شامل ہونے والی ہے۔

باتیں معمولی تھیں لیکن دونوں نے ہی اپنی ترجیحات واضح کردی تھیں۔

پہلی بار تقی کے ذہن میں مخمصے نے سر اٹھایا تھا۔

اسی شام انہیں دو خوش خبریاں ملیں۔ ابا کو ہوش آگیا اور رضی بیٹے کا باپ بن گیا۔

رضی ڈھیر ساری مٹھائی لے آیا۔ تقی اور جری نے اسپتال میں کوئی بندہ نہیں چھوڑا' جسے مٹھائی نہ کھلائی ہو۔

ابا کو آئی سی یو سے کمرے میں شفٹ کردیا لیکن ابھی زیادہ بات چیت کی اجازت نہیں تھی۔ شام تک ڈاکٹر نے بتادیا کہ طبیعت اب بہتر ہے۔ دو دن تک ڈسچارج کردیں گے۔



لودھی صاحب کی حالت بہت بہتر تھی لیکن ہوش میں آتے ہی انہیں پہلا خیال اپنے نالائق' نانہجار بیٹے

کاہی آیا تھا۔

کیا سمجھتے رہے وہ اسے اور وہ کیا نکلا۔

شفا نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ جب ساہر نے انہیں تقی کے بارے میں اطلاع دی تو انہیں وہ پہلا شخص ہونا چاہیے تھا' جو اس کا دفاع کرتا لیکن دل ہی دل میں وہ تسلیم کر چکے تھے کہ تقی ہمیشہ غلط کام ہی کرے گا۔ تب ہی انہیں ساہر کی بات کا فوراً" یقین آگیا تھا حالانکہ یہ وہی ساہر تھی' جو اپنی پسند سے شادی کرنے کی خاطر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑی ہو گئی تھی۔ تقی ان کا خون تھا۔ انہوں نے کیسے سوچ لیا ان کا خون ایسا برا کام بھی کر سکتا ہے۔

وہ ہمیشہ اس سے خفا رہتے۔ ہمیشہ نالاں رہتے۔ صرف اس لیے کیونکہ وہ ان کی سنتا نہیں تھا۔ ان کی بات ماننے سے پہلے منطق مانگتا تھا۔

صرف اتنی سی بات پر انہوں نے اس سے بیر باندھ لیا۔

لیکن یہ بھی سچ تھا کہ انہیں اس سے محبت تھی۔ بیٹا تھا ان کا۔ اپنے دل سے محبت کو کیسے نکال سکتے تھے۔

کاش انہوں نے اب تک جتنا ناروا سلوک اس سے روا رکھا۔ اس کی تلافی کر سکیں۔ اسے بتا سکیں کہ وہ بھی انہیں رضی اور جری کی طرح عزیز ہے لیکن۔۔۔

انہوں نے کمرے میں نظر ڈالی۔ سب ہی موجود تھے۔ ایک وہی نہیں تھا۔

دل چاہا پوچھ لیں لیکن۔۔۔

شفا نے ان کی تلاش کو بھانپ لیا اور چپکے سے باہر نکل آئی۔ تقی کاریڈور کی سیڑھیوں میں چائے کا ڈسپوزیبل کپ پکڑے بیٹھا تھا۔ اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور شرٹ کی آستینیں اس نے کہنیوں تک فولڈ کر رکھی تھیں۔ شفا ہنسی۔

خود کو ہیرو سمجھتا تھا اور اس وقت بھی ہیرو ہی بنا بیٹھا تھا۔

وہ آکر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ تقی اسما کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے پاس بیٹھتے دیکھ کر چند لمحے بے دھیانی میں اسے ہی دیکھتا رہا۔ پھر جیسے چونکا۔

"چائے پیو گی؟"

"ضرور۔" شفا نے کپ پکڑ لیا۔ وہ مستقل مسکرا رہی تھی۔

"سب لوگ اندر ابا کے پاس ہیں۔ تم کیوں ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر یہاں بیٹھے ہو؟"

"ویسے ہی۔ کچھ سوچ رہا تھا۔" اس نے سرسری انداز میں کہا۔

"کیا سوچ رہے تھے؟"

تقی نے گردن موڑ کر پھر شفا کو دیکھا۔ اب اسے کیا بتاتا کیا سوچ رہا تھا' سو نفی میں سر ہلا دیا۔

"اچھا۔ چلو اندر چلو۔ جا کر ابا کو بتاؤ' تمہیں ان سے کتنی محبت ہے۔"

تقی جھینپ کر ہنسا اور سر جھٹک دیا۔

"جذباتی ہو کر ایک بات کہہ دی تھی۔ اب تو اسے بھول جاؤ۔ تم نے تو سیریس ہی لے لیا۔"

"تم بھی سیریس ہو جاؤ تقی! ابا کو جب تم یہ بتاؤ گے تو سوچو! انہیں خوشی ہوگی۔" شفا نے زور دے کر کہا۔

"یار! بتا تو دوں لیکن۔۔۔" وہ کشمکش کا شکار تھا۔ سر کھجانے لگا۔ "ابا مذاق اڑائیں گے۔" اس نے خدشہ اگل دیا۔

"مذاق کیوں اڑائیں گے؟" وہ حیران ہوئی۔

"انہیں جو مجھ سے محبت نہیں ہے۔"

"پاگل تو نہیں ہو تم۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کوئی باپ اپنے بیٹے سے محبت نہ کرے۔"

"انہوں نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا۔" اس نے بسور کر کہا۔

"اور پھر خود ہی واپس بھی لے آئے تھے۔" شفا نے ترنت کہا۔

"وہ میری وجہ سے واپس نہیں لائے تھے۔ تمہاری وجہ سے لائے تھے۔" تقی نے تلخی سے کہا۔

"بنتے عقل مند ہو لیکن ہو نہیں۔" شفا چڑ کر بولی۔ "یہ بات تو کوئی بے وقوف بھی سمجھ سکتا ہے کہ ابا مجھے ڈھال بنا کر تمہیں ہی گھر لائے تھے۔ تمہیں گھر سے نکالتے ہی انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو گا لیکن

واپس آنے کے لیے کیسے کہتے۔ یہ تو ان کی فطری ضد اور انا کے خلاف بات تھی' سو جب میں درمیان میں آئی تو وہ بھاگے چلے آئے۔ وہ چاہتے تھے کہ تم واپس آؤ ورنہ مجھ سے ان کا رشتہ ہی کیا تھا۔ پھر جب تم نے گھر سے جانے کی بات کی تو انہوں نے اپنا گھر بھی ہمیں دے دیا۔ اس لیے نہیں کہ مجھے کوئی ٹھکانا میسر آئے اس لیے کہ تمہیں در در بھٹکنا نہ پڑے۔ کوئی باپ اپنی محبت اور کیسے ظاہر کرے تقی!"

تقی اسے دیکھتا رہ گیا۔ بات تو ٹھیک تھی۔

"اچھا اب اٹھ بھی چکو۔ ایک تو تم دیر بہت لگاتے ہو۔"

شفا کے مسلسل اصرار پر وہ جھجکتے ہوئے اٹھ ہی گیا۔

☼ ☼ ☼

تقی اندر داخل ہوا۔ ابا بات کرنا بھول کر اسے دیکھنے لگے۔ بلکہ وہ کیا سب ہی اسے دیکھنے لگے۔

"ابا۔ اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" تقی نے ان کے پاؤں کی جانب کھڑے ہو کر جھجکتے ہوئے پوچھا۔

ابا اسے دیکھتے رہے پھر اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ وہ قریب گیا تو اس کی طرف جھک کر رازداری سے بولے۔

"تمہاری ماں کو ابھی پتا نہیں ہے کہ تمہیں عنقریب بہترین اداکار کا ایوارڈ ملنے والا ہے۔ اسے بتانا بھی نہیں کیونکہ پھر وہ ضد کرے گی کہ تم اسے ساتھ لے کر جاؤ لیکن میں تمہیں صاف بتا رہا ہوں۔ تمہارے ساتھ میں ہی جاؤں گا باپ کا حق زیادہ ہوتا ہے۔"

تقی نے تعجب سے انہیں دیکھا۔ ہمیشہ کرخت دکھائی دینے والے چہرے پر شرارت اور محبت تھی۔ ان کا مافی الضمیر سمجھتے ہی تقی پر سرخوشی سی پھیل گئی تھی۔

"ابا!" وہ ننھے بچے کی طرح ان سے لپٹ گیا۔

اور بس اتنی سی بات تھی۔ کئی سالوں کے فاصلے خود بخود سمٹتے چلے گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

ساہر کا رو رو کر برا حال تھا۔ پورا دن گزر گیا۔ رات سرہانے کھڑی تھی اور ہدیہ کی کوئی خبر نہیں مل سکی تھی۔

"میری بچی نہ جانے کس حال میں ہو گی۔ آپ کچھ کرتے کیوں نہیں ہیں عمیر!"

"اللہ سے دعا کرو ساہر! ہدیہ جہاں بھی ہو گی' خیریت سے ہو گی۔" اس کی امی نے کہا تھا۔ وہ دوپہر سے خبر ملتے ہی اس کے پاس آگئی تھیں۔

عمیر کا حال بھی کچھ مختلف نہیں تھا لیکن چونکہ مرد تھے' سو خود پر قابو رکھنا ان کی ذمہ داری ٹھہرا۔

"ہر طرف سے سارا شہر چھان مارا۔ اسپتال میں بھی دیکھ لیا۔ میں اب کہاں جاؤں اسے تلاش کرنے؟"

"نہیں۔ میں تھانے جا رہا ہوں۔ ہم سے غلطی ہوئی ہے ساہر! ہمیں پہلے ہی پولیس کی مدد لے لینا چاہیے تھی۔"

"لیکن پولیس کو بھی تو ہدیہ کو تلاش کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی سرا' کوئی سراغ چاہیے ہو گا۔ ہم وہ کہاں سے دیں گے۔ ہمیں تو اس دین والے کے نام کے سوا کچھ بھی نہیں معلوم۔" وہ اور شدومد سے رونے لگی۔

"تم گیٹ بند کرو۔ میں جا رہا ہوں۔" عمیر موبائل اور والٹ اٹھاتے عجلت میں باہر نکلے۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔" ساہر نے عمیر سے کہا۔

"نہیں۔ پولیس اسٹیشن جانا مناسب نہیں۔ میں وحید کو ساتھ لے جاؤں گا۔"

عمیر نے اپنے دوست کا نام لے کر کہا اور زن سے گاڑی نکال لے گئے۔ ساہر نے بوجھل ہاتھوں سے گیٹ بند کر دیا۔

کیسی ویرانی سی پھیل گئی تھی ہر طرف۔ لان میں

ہدیہ کا جھولا اداس سا دکھائی دیتا تھا۔ جھولے کے پاس اس کے کھلونے بکھرے پڑے تھے۔ پتا نہیں کس حال میں ہوگی۔ کھانا کھایا ہوگا یا نہیں۔ پلے گروپ میں تو تھی۔ اپنی چھوٹی چھوٹی ضروریات کے لیے ساہر پر انحصار کرتی تھی۔ "یا اللہ! میری بچی کو اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔"

اس کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے۔

اندر آکر اس نے سوتے ہوئے عادل کو گود میں لے لیا۔ گود کو بھی میسر نہیں تھی۔ ایک انجان سا خدشہ ستا رہا تھا کہ کہیں عادل بھی نہ چھن جائے۔

جائے نماز پر بیٹھ کر دعا کرنے لگی۔ عادل گود میں پُرسکون نہیں تھا تو اس کی کلٹ میں لٹا دیا اور کلٹ کو جائے نماز کے قریب گھسیٹ لیا۔

دونوں زانو کے گرد بازو باندھ کر گھٹنوں پر پیشانی ٹکا دی۔

دعا مانگتے ہوئے اچانک خیال آیا۔ ایک بار کسی کو کہتے سنا تھا۔ زندگی میں جب بھی کوئی پریشانی آتی ہے تو وہ یا تو اللہ کی طرف سے بندے کی آزمائش ہوتی ہے یا کسی غلطی کی سزا۔ وہ سوچنے لگی کیا یہ آزمائش ہے؟

"یا اللہ! اگر آزمائش ہے تو ٹال دے۔ ہم تیرے حقیر بندے ـــ اتنی سکت کہاں ہم میں کہ تیری آزمائشوں پر پورا اتر سکیں۔ رحم کردے۔ اور اگر سزا ہے تو معاف کردے ـــ میں نالائق 'نادان کہیں انجانے میں کوئی بھول ہوگئی تو اسے میری بچی کے سامنے مت لا۔"

یکایک ذہن میں ایک خیال آگرا۔ پٹ سے آنکھیں کھل گئیں۔

نہیں..... انجانے میں نہیں..... اس نے جو بھی کیا تھا جان بوجھ کر کیا تھا۔ پاک باز عورت پر تہمت لگائی تھی۔ اسے بھائی کی نظروں میں ہی نہیں دنیا کی نظروں میں بھی گرا دیا تھا۔

شفا نے ایک بار نہیں کئی بار معافی مانگی تھی۔ وہ تھوڑی سی اعلا ظرف بن جاتی۔ تھوڑا سا دل بڑا کر لیتی۔ پچھلی باتیں بھول جاتی۔ گزرتا وقت ہر چیز پر گرد جما دیتا ہے لیکن وہ جان بوجھ کر ان یادوں کو جھاڑ پونچھ کر رکھتی رہی۔

اس نے دل میں ایک الاؤ روشن رکھا جس پر انتقام کا جذبہ ہولے ہولے سلگتا رہا۔ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ نہیں کرسکتی تھی تو عمیر کی محبت میں ہی بھول جاتی۔ کتنے لوگ تھے اسے سمجھانے والے۔ امی 'تقی' ذیشہ تک نے ڈھکے چھپے لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ جو تم کر رہی ہو ٹھیک نہیں ہے اور اس نے کیا کیا؟ سب کے مخلصانہ مشوروں کو لات ماردی اور تقی اور شفا کا ساتھ دینے کی پاداش میں تقی کو بھی نہیں بخشا۔

سو جب تم نے کسی کی پروا نہیں کی تو اب اللہ بھی تمہیں تمہارے کیے کا پھل دے رہا ہے۔ اللہ نے تو روحیل کی اصلیت دکھا کر بھی اشارہ دے دیا تھا۔ تم نے ہی عبرت نہ پکڑی۔ اب بھگتو۔ جب کسی کی بیٹی کو برباد کرتے دل نہ کانپا تو اب اپنی بیٹی کو برباد ہوتے بھی دیکھو!

وہ سجدے میں گرگئی۔ گڑگڑا کر دعا کرنے لگی۔ معافی مانگنے لگی۔ لیکن اللہ کا بھی اصول ہے۔ اس کے معاملات اس کے ساتھ 'بندوں کے معاملات بندوں کے ساتھ۔

جب تک بندہ معاف نہ کرے اللہ بھی معاف نہیں کرتا ـــ وہ اللہ سے معافی مانگ سکتی ہے بندوں سے کیسے مانگے؟

شفا کے سامنے کیسے ہاتھ جوڑے؟

نہیں..... یہ تو ناممکن ہے۔

لیکن شفا معاف نہیں کرے گی تو اللہ بھی نہیں کرے گا پھر اس کی ہدیہ بھی نہیں ملے گی۔

وہ گھبرا گئی۔ مخمصے میں پڑگئی۔ آگے کنواں پیچھے کھائی۔

وہ صحیح معنوں میں بری پھنسی تھی۔

☼ ☼ ☼

لودھی صاحب کی بیماری نے تقی اور ان کے مابین حائل برف کو ہی نہیں پگھلایا تھا بلکہ چھوٹے بھائی اور ان کے درمیان ساہر کی پسند کی شادی کی وجہ سے آئی دراڑ کو بھی بھر دیا تھا۔ ہر رشتہ اپنی صحیح جگہ پر آگیا تھا سوائے ساہر کے۔ اس بات کا دکھ اس کی امی کو تو بہت تھا۔ بیٹی سے مل کر آرہی تھیں اس کی بکھری ہوئی حالت دیکھی تو افسردہ بھی بہت تھیں۔

یہی سوچ کر ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"کیا بات ہے چچی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" رضی نے انہیں آنسو پونچھتے دیکھ لیا تھا۔

"بیٹے! میں ساہر کے لیے بہت پریشان ہوں۔ ابھی اسی کے گھر سے آرہی ہوں۔ اس کی بیٹی ہدیہ صبح اسکول گئی تھی لیکن واپس نہیں آئی۔"

"کیا کہہ رہی ہیں چچی ـــ اتنی بڑی بات اور آپ اب بتا رہی ہیں؟" سب ہکا بکا رہ گئے تھے۔

"بیٹے! میں کیا بتاتی۔ تم سب بھائی صاحب اور بیٹی کی فکر میں تھے۔ میں ہدیہ کا بتا کر ایک نیا دفتر کھول دیتی' وہ بھی اس صورت میں جب کہ ساہر نے تم لوگوں سے خود بھی قطع تعلقی اختیار کر رکھی ہے۔" وہ شرمندہ سی بول رہی تھیں۔

"اتنی پرانی بات کا حوالہ نہ دیں چچی! ابا اور ساہر کی بے جا ضد تھی ورنہ ہمیں تو کبھی بھی ساہر سے ملنے پر اعتراض نہیں ہوا ـــ" رضی نے کہا تھا۔

"رضی بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ میرا خیال تھا۔ میرے غصے اور خفگی کی پروا کرکے وہ خود راضی ہوجائے گی اور نہیں تو شادی کے بعد ہی چھوٹی بن کر آجاتی ـــ میں کتنا عرصہ ناراض رہ سکتا تھا لیکن وہ تو ضد میں مجھ سے بھی دو قدم آگے نکلی ـــ" ابا نے منہ بنا کر کہا تھا پھر تھوڑی دیر بعد دوبارہ بولے۔

"تم لوگوں کو بہن کے گھر جانا چاہیے۔ اسے مشکل وقت میں اکیلا مت چھوڑو..... بلکہ میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چلتا ہوں۔" وہ پورے جسم کا زور لگا کر اٹھنا چاہتے تھے لیکن تقی نے زبردستی انہیں دوبارہ لٹا دیا۔

"آپ کو آرام کی ضرورت ہے ابا! میں اور رضی جاتے ہیں..... جری تم یہیں رکو..... اور میں شفا کو بتاتا ہوں' وہ بھی ہمارے ساتھ چلے گی۔"

وہ خود ہی فیصلہ کرتا کرے سے نکل گیا۔ رضی جلدی جلدی کسی کو فون ملانے لگا۔

☼ ☼ ☼

ڈور بیل بجی تو اس نے بھاگ کر دروازہ کھول دیا۔ عمیر کا سر اور کندھے جھکے ہوئے تھے۔ ساہر نے ان کے عقب میں متلاشی نظریں دوڑائیں اور مایوسی سے پلٹ آئیں۔

"ہدیہ؟" اس نے آس سے پوچھا۔ عمیر نے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

ساہر کو سامنے سے ہٹا کر وہ تھکے ہارے قدموں سے اندر آگئے لیکن چند قدم چل کر ہی جیسے ان کی ٹانگیں جواب دے گئیں۔ وہ گرنے کے انداز میں گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیے۔

"پہلے شفا چلی گئی اور اب ہدیہ ـــ اللہ مجھے کس بات کی سزا دے رہا ہے ساہر!" عمیر نے روتے ہوئے کہا۔ ساہر کے دل پر بھاری ضرب لگی۔

"یہ آپ کی نہیں میری سزا ہے عمیر میری غلطی کی پکڑ میری بیٹی سے ہو رہی ہے۔" وہ بھی ان کے ساتھ رونے لگی تھی۔ وہ ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچی تھی۔ اس نے طے نہیں کیا تھا کہ حقیقت بتائے گی یا نہیں لیکن عمیر کو روتے دیکھ کر خود بخود زبان سے لفظ نکلتے چلے گئے۔

عمیر نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیا مطلب؟"

ساہر کی عجیب حالت ہوگئی۔ اس نے ایک پاگل پن کی سی کیفیت میں عمیر کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"مجھے پتا ہے عمیر! مجھ سے بہت بہت بڑی غلطیاں ہوئی ہیں لیکن ـــ لیکن وہ واقعی ایک پاگل پن تھا۔"

عمیر کے سر پر جیسے کوئی پہاڑ آن گرا تھا۔ ان کی چھٹی حس بتا رہی تھی۔ بات کوئی معمولی نہیں۔ انہوں نے ساہر کے بندھے ہوئے ہاتھ کھول دیے۔

"پہیلیاں مت بجھاؤ ساہر! مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔"

اور وہ..... ناعاقبت اندیش لڑکی ـــ انہیں سب کچھ بتاتی چلی گئی۔ اپنی ہر غلطی کا اعتراف ان کے سامنے رکھتی چلی گئی۔

"شفا کی کوئی غلطی نہیں تھی۔ میں ہی ہمیشہ اس کے بارے میں آپ سے غلط بیانی کرتی تھی لیکن یہ ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا عمیر! یہ تب سے شروع ہوا‘ جب آپ نے شفا کے جھوٹ پر یقین کرکے مجھ پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ آپ کو پتا ہے‘ آپ کے ان دو تھپڑوں نے مجھ سے میری فطرت کی اچھائی چھین لی۔ مجھے میری نیک نیتی سے خالی کردیا۔ آپ نے مجھے میری ہی نظروں میں گرادیا۔ اپنی بہن کے لیے آپ نے میری محبت کی بھی پروا نہیں کی تب میں نے تہیہ کیا کہ اب میں شفا کو آپ کی نظروں میں گرادوں گی۔ اسے اتنا خوار کروں گی کہ وہ نظریں ہی نہ اٹھاسکے۔۔۔ میں اسی لیے آپ سے جھوٹ بول دیتی تھی۔ شفا کو بار بار میں آپ کے خلاف جانے پر اکساتی پھر آپ کے کان بھرتی۔ آپ کو یاد ہے شفا آپ کی اجازت کے بغیر مری چلی گئی تھی؟ اس لیے کیونکہ میں نے اس سے جھوٹ بولا تھا کہ آپ نے اسے جانے کی اجازت دے دی ہے۔

شفا مجھ سے کبھی بدتمیزی نہیں کرتی تھی عمیر! میں آپ سے جھوٹ بولتی تھی تاکہ وہ آپ کی نظروں میں گرجائے۔

اس نے کبھی روحیل میں دلچسپی نہیں لی۔ وہ سب بھی میرا بنایا ہوا کھیل تھا۔ میں نے روحیل کو اکسایا کہ وہ شفا کو اپنی طرف متوجہ کرے۔ روحیل نے آپ کو جو تصویریں بھجوائی تھیں۔ وہ میں نے ہی اسے دی تھیں اور۔۔۔ اور چھت پر بھی شفا کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ تایا جی کو غلط فہمی ہوئی تھی۔ روحیل کے ساتھ۔۔۔ میں تھی۔ پھر میں ثمر کے گھر کی چھت پر کود گئی اور روحیل بھاگ گیا۔۔۔ میں جانتی تھی۔ شفا بے قصور ہے لیکن جب سب لوگ اسے قصوروار ٹھہرا رہے تھے تو میں جان بوجھ کر خاموش رہی۔۔۔ میں چاہتی تھی۔ وہ آپ کی زندگی سے نکل جائے۔ اس گھر سے چلی جائے۔ میری زندگی اس کے بغیر زیادہ پرسکون ہوجائے گی مگر۔۔۔ مگر پھر بیچ میں تقی آگیا۔ وہ بھی ساری حقیقت جان چکا تھا۔ وہ مجھے سمجھاتا رہا۔ منع کرتا رہا کہ ایسا کام نہ کروں اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ آپ کو ساری حقیقت بتادے گا تو میں نے روحیل کو بلوالیا۔ لیکن تقی پھر بیچ میں آگیا۔ اور وہ اس ساری کہانی کا حصہ بن گیا۔ میں نے غصے میں مہک کو بھی فون کرکے بتادیا۔ آپ حیران تھے نا کہ تقی اور شفا کے نکاح کی خبر تایا جان تک کیسے پہنچ گئی۔ انہیں بھی میں نے بتایا تھا عمیر! میں نے ان سے کہا تقی نے شفا کے ساتھ دست درازی۔۔۔ کی کوشش کی۔"

وہ بول رہی تھی اور بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"میں شفا سے انتقام میں اتنی اندھی ہوگئی تھی عمیر! کہ میں نے کسی کو بھی نہیں چھوڑا۔ میں نے سب کو برباد کردیا۔"

وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو رہی تھی۔

عمیر گم صم‘ ہکابکا بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے۔ بولنا ہی بھول گئے تھے۔۔۔ رونا بھول گئے تھے۔

پھر وہ آہستہ سے اٹھے اور اندر کی طرف چلے گئے۔ ساہر کا خیال تھا۔ وہ اسے لعنت ملامت کریں گے ماریں گے لیکن وہ تو بالکل خاموش ہوگئے تھے۔

وہ تیزی سے اٹھ کر ان کے پیچھے دوڑی۔

"مجھے معاف کردیں عمیر! مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے لیکن اپنی بہن کی خاطر مجھے معاف کردیں۔"

"شفا مجھے بتاتی تھی کہ تم جھوٹ بولتی ہو لیکن۔۔۔ میں نے کبھی اس کی بات نہیں مانی۔" عمیر نے کہا۔

"عمیر!" اس نے عمیر کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

عمیر نے اس کا ہاتھ ہٹادیا۔

"میں تمہاری خاطر اسے ڈانٹتا تھا۔ میں نے کبھی اس سے اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی۔ میں اس پر چلانے لگا۔ میں نے اس کا اعتبار کرنا چھوڑ دیا۔ میں نے سوچا۔۔۔ ساہر ایسا کیسے کرسکتی ہے۔ میری ساہر اتنی بری کیسے ہوسکتی ہے۔ میں نے اسے گھر سے نکال دیا۔ میں نے اسے گھر سے نکال کر ثابت کردیا کہ وہی غلط ہے وہی گنہگار ہے۔ کبھی مڑ کر اس کی خبر بھی نہیں لی۔ زندہ ہے کہ مرگئی۔ خوش بھی ہے یا نہیں۔۔۔ یہ تم نے کیا کیا ساہر! شفا کو میری نظروں سے گراتے گراتے تم نے

مجھے خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ میں نے کیوں کی تم سے محبت۔۔۔ تم سے محبت۔۔۔ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے۔"

انہوں نے اسے بازو سے پکڑ کر سامنے سے ہٹایا اور کمرے میں جاکر دروازہ بند کرلیا۔ ساہر کو چند منٹ بعد جیسے ہوش آیا تھا اور ہوش آتے ہی وہ تیزی سے بند دروازہ کھولنے لگی لیکن دروازہ اندر سے لاک کیا جاچکا تھا۔ ساہر نے ہراساں ہوکر ناب کو بار بار گھمایا اور مزید خوف زدہ ہوکر دروازہ دھڑدھڑانے لگی۔

"عمیر۔۔۔ عمیر۔۔۔ عمیر۔۔۔ پلیز دروازہ کھولیں۔"

وہ رو رہی تھی اور زور زور سے دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی۔ اس کے شور سے ڈر کر عادل جاگ گیا تھا اور رونے لگا تھا۔ ساہر نے بھاگ کر اسے گود میں اٹھالیا۔

وہ مزید کچھ دیر دروازہ بجاتی رہی اور آوازیں دے کر عمیر کی منتیں کرتی رہی کہ دروازہ کھول دیں لیکن دروازہ کھولنا تو دور کی بات‘ عمیر کی اندر سے کوئی آواز بھی نہیں آرہی تھی۔

خدشات ساہر کے سر پر کسی آسیب کی طرح منڈلانے لگے تھے۔

☆ ☆ ☆

دروازہ ساہر نے ہی کھولا تھا۔ شفا سارے گلے شکوے ایک طرف رکھ کر اس سے لپٹ گئی۔

"آپ پریشان نہ ہوں بھابی! اللہ نے چاہا تو ہدیہ یقیناً خیریت سے ہوگی۔"

"میرا وعدہ ہے تمہارا بھائی ہدیہ کو کہیں سے بھی ڈھونڈ نکالے گا۔" تقی چھوٹا تھا لیکن بڑھ کر بڑے بھائیوں سے انداز میں شفقت سے اس کا سر تھپتھپایا۔

ساہر آنسو بھری آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھ کر رہ گئی۔

کس دنیا کے باسی تھے یہ دونوں۔ وہ اس کا دکھ بانٹنے بھاگے چلے آئے تھے۔ یہ بھول گئے تھے کہ ساہر نے ان دونوں کے ساتھ کیا کیا تھا۔ یاد رکھا تو بس یہ کہ ساہر کو غم لاحق ہے۔

اس کا پچھتاوا اور بڑھ گیا۔ شرمساری سے گردن جھک گئی۔ لیکن اس کے زاروقطار بہتے آنسوؤں نے ان سب کو وسوسوں کا شکار کردیا تھا۔

"ساہر! تم اتنا کیوں رو رہی ہو۔ ہدیہ کی کوئی خبر۔" اس کی امی نے کانپتی آواز میں بڑھ کر پوچھا تھا۔

"میں نے عمیر کو سب کچھ بتادیا ہے امی! سب کچھ۔ یہ کہ شفا کا کوئی قصور نہیں تھا۔ روحیل کے ساتھ چھت پر میں تھی۔ اور یہ کہ میں ان سے جھوٹ بولتی رہی۔ شفا کے بارے میں انہیں گمراہ کرتی۔ امی! عمیر نے خود کو کمرے میں بند کرلیا ہے۔ وہ دروازہ نہیں کھول رہے۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے کوئی جواب بھی نہیں دے رہے۔ تم دروازہ کھٹکھٹاؤ شفا! تمہاری آواز سن کر وہ ضرور دروازہ کھول دیں گے۔"

اس نے روتے ہوئے التجا آمیز لہجے میں کہا تھا۔

وہ سب تیزی سے اندر کی جانب لپکے۔ تقی نے فوراً دروازہ کھٹکھٹانا شروع کردیا تھا۔

"عمیر بھائی! پلیز دروازہ کھولیں۔" شفا بھی اسے آوازیں دے رہی تھی لیکن جب کئی بار کی کوشش سے بھی دروازہ نہیں کھلا تو رضی نے پریشان ہوکر دروازہ توڑنے کا مشورہ دیا۔

ابھی وہ دونوں اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ معاً دروازہ کھٹاک سے کھل گیا۔

عمیر کو سلامت دیکھ کر سب نے ہی سکون کا سانس لیا تھا لیکن عمیر نے جیسے کسی کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ صرف شفا کو دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے آگے بڑھ کر زور سے اسے بھینچ لیا تھا۔ یہ ایک مکمل منظر تھا جس کے کینوس کو ساہر نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے خراب کردیا تھا۔ اب سب کچھ اپنی جگہ واپس آچکا تھا۔

اس کا سر شرمساری سے کچھ اور جھک گیا۔ وہ بوجھل قدموں کے ساتھ وہاں سے ہٹ گئی۔

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

۱۳

تیرہویں قسط

آمنہ ریاض



باقر لودھی اپنے منجھلے بیٹے تقی کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت سے سخت نالاں ہیں اور اسے ہروقت بدحرامی کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔ تقی کو شوبز میں کام کرنے کا شوق ہے جبکہ لودھی صاحب اس کام کے سخت مخالف ہیں۔ دونوں باپ بیٹے میں اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ رضی اور جری سے البتہ باقر صاحب کو کوئی شکایت نہیں۔

شفا کو عمیر نے والدین کے بعد باپ بن کر پالا ہے۔ وہ عمیر کی بے حد لاڈلی ہے مگر عمیر کی بیوی ساحر کو اس سے شدید جلن ہے۔ وہ عمیر سے جھوٹ بول کر اسے شفا سے بدظن کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ عمیر کو اپنی بیوی پر پورا یقین ہے۔

ساحر اور عمیر کی شادی کے ابتدائی دنوں میں شفا ساحر سے بہت بدتمیزی کیا کرتی تھی۔ وہ اسے ہروقت عمیر کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتی اور جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر اسے عمیر سے ڈانٹ پڑوا دیتی۔ رات کے کھانے پر پاستا بنانے پر اس نے ساحر سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا اور سیڑھیوں سے حادثاتی طور پر گر جانے کا الزام ساحر پر لگا دیا کہ ساحر نے اسے دھکا دیا ہے۔ اس بات پر عمیر ساحر کو دو تھپڑ مار دیتے ہیں۔ ساحر کو بہت دکھ ہوا ہے۔ شفا خود بھی گنگ ہو جاتی ہے۔

تقی کے گہرے دوست سمیر کے ابا اپنی پسند سے اس کی منگنی کر دیتے ہیں۔

ناولٹ



ایک پورے دن اور رات کی خواری کے بعد بالآخر ہدیہ کا سراغ مل ہی گیا تھا۔ اسے اسی کی کلاس فیلو کی ماما اپنے گھر لے گئی تھیں۔

معاملہ کچھ یوں تھا کہ وین والے کو مقررہ وقت پر پہنچنے میں دیر ہو گئی تھی ہدیہ اپنی کلاس فیلو کے ساتھ کھیلتی رہی۔ اس کلاس فیلو کا ڈرائیور اسے لینے آیا تو ہدیہ اسی کے ساتھ چل پڑی۔ ادھر ان لوگوں کے اپنے گھر میں کوئی ایمرجنسی ہو گئی تھی لہٰذا کسی کو بھی اس انجان بچی کو اس کے گھر پہنچانے کا خیال نہیں رہا۔ ہدیہ نے بھی ڈر کر آواز نہیں نکالی۔ اسکول والوں نے سارا مدعا وین ڈرائیور پر ڈال دیا۔ ڈرائیور نے گھبرا کر اپنا فون ہی آف کر لیا کہ نہ اس کا سراغ ملے نہ اس سے انکوائری ہو۔ بات معمولی سی تھی لیکن پورے ایک دن اور رات پر محیط ہو گئی۔

لیکن ساہر جانتی تھی یہ سارا قدرت کا کام تھا۔ اس کے گناہوں کا اعتراف اسی کی زبانی کروانے کے لیے اتنی لمبی چوڑی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ ورنہ ہو تو یہ بھی سکتا تھا کہ اس کے عمیر کو کچھ بھی بتانے سے پہلے ہدیہ کا پتا چل جاتا۔ سو اب شرمساری تھی اور دکھ۔

عمیر نے دوبارہ اس سے ایک لفظ نہیں کہا۔ وہ کہہ دیتے، چیختے چلاتے۔ لیکن اس طرح خاموشی نہ سادھتے۔ اتنے لاتعلق اور اجنبی نہ لگتے۔ یہ پچھتاوے تو اب ساری زندگی کے تھے شاید۔

☼ ☼ ☼

اب سب اپنے اصل مقام پر آ گئے۔ سب خوش تھے سب سے زیادہ ابا خوش تھے۔ اتنے کہ بڑی سی دعوت کا اہتمام کروا لیا۔ شفا اور امی نے مل کر پکایا۔ عمیر اور ساہر کو بھی بلوایا تھا لیکن صرف عمیر آئے۔ بچے بھی ساتھ تھے۔ سب ہی پوچھنا چاہتے تھے ساہر کیوں نہیں آئی لیکن کسی نے نہیں پوچھا جیسے اس سوال کا جواب سب کو معلوم ہی تھا۔ جب سب کھانا کھا چکے تو ابا نے شطرنج شروع کر لی۔

"آج میری جگہ عمیر بھائی کھیلیں گے۔" شفا نے کہا۔

"عمیر کو بھی دلچسپی ہے؟" ابا نے خوش دلی سے پوچھا۔

"ایسی ویسی۔" اس نے فخر سے کہا تھا۔ "اب تک میں آپ سے ہارتی رہی ہوں۔ آج آپ کی باری ہے۔"

"ایسی بات ہے۔ تو پھر آ جاؤ عمیر میاں! دیکھ لیں ذرا تم بھی کتنے بڑے کھلاڑی ہو۔"

"شفا کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔" عمیر نے ہنس کر کہا۔ "اسے تو لگتا ہے اس کے بھائی سے آگے کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔" عمیر نے اس کا سر تھپتھپا کر کہا جواباً وہ ہنستے ہوئے برتن لے کر کچن میں چلی آئی۔ امی وہیں تھیں۔

"کیا کر رہی ہیں؟"

"قہوہ بنا رہی ہوں۔"

"آپ جائیں۔ میں بناتی ہوں۔"

"کتنا کام کرو گی؟ صبح سے کھانے کی تیاری میں لگی ہو۔ اب تو تھک کر بیٹھ جاؤ۔"

"کیوں؟ آپ کو میرے ہاتھ کا قہوہ پسند نہیں ہے؟"

"ایسی بات نہیں ہے۔" ابھی جملہ یہیں تک پہنچا تھا کہ ڈائننگ ٹیبل پر تقی کا سیل فون بجنے لگا۔

"اُف! کب سے بج رہا ہے۔" وہ بیزار سی ہو رہی تھیں۔ شفا نے بڑھ کر فون اٹھا لیا۔

"مہک۔" زیر لب کہا۔ "امی! تقی کہاں ہے؟"

"پتا نہیں ابھی تو یہیں تھا۔"

"مہک کا فون ہے۔"

"اچھا۔" وہ اس کی طرف پلٹیں پھر لاپروائی سے بولیں۔ "رکھ دو تقی آئے گا تو خود ہی دیکھ لے گا۔ تم کیا کہہ رہی تھیں، مجھے تمہارا قہوہ پسند نہیں۔ پاگل ہو گیا۔ تم سے بہترین قہوہ تو کوئی بنا ہی نہیں سکتا۔ پانی کو جوش آ گیا ہے ذرا بتانا۔ کتنی پتی ڈالوں۔"

وہ اسے دانستہ الجھا رہی تھیں۔ شفا فون رکھ کر ان کی مدد کرنے لگی لیکن مہک بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ بیل بج بج کر فون بند ہوتا، پھر بجنے لگتا۔ امی کسی کام سے باہر نکل گئیں تو اس نے اٹھا لیا۔ مسلسل اتنی بیزار کن بیپ سنی بھی تو نہیں جا رہی تھی۔

"ہیلو مہک۔" بڑی خوش دلی کا سا انداز تھا لیکن مہک کے جوش پر پانی پڑ گیا۔

"تم... تم ابھی تک یہیں ہو اور تقی کا فون تمہارے پاس کیا کر رہا ہے؟"

شفا خفیف سی ہو گئی۔

"آں۔ وہ۔ تقی کا فون کچن میں پڑا تھا۔ وہ خود پتا نہیں کہاں ہے۔ بہت دیر سے تمہاری کال آ رہی تھی۔ اس لیے میں نے اٹھا لیا۔" وہ شرمندہ سی ہو کر وضاحتیں دینے لگی۔

"میں تقی سے کہوں گی تمہیں کال بیک کر لے۔"

"وہ تو خیر کر ہی لے گا۔" مہک نے برجستہ کہا اور انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہی ہو "کال بیک نہ کرے گا تو جائے گا کہاں۔"

شفا نے بے ساختہ کان سے ہٹا کر فون کو دیکھا تھا۔

"تم مجھے یہ بتاؤ۔ تم اب تک یہاں کیا کر رہی ہو۔ سب کچھ ٹھیک ہو تو گیا۔ تمہارے بھائی کو تمہاری حقیقت پتا چل گئی۔ اب تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تم تقی کی زندگی سے نکل جاؤ۔ یہی کہا تھا ناں تم نے۔"

شفا دھک سے رہ گئی۔ ہاں اس نے یہی کہا تھا۔ وہ تو بھول ہی گئی تھی۔

"وہ۔ میں۔" فوری طور پر کچھ کہہ ہی نہیں سکی۔

"بات سنو شفا! میں مانتی ہوں اب تک تمہارا تقی کے گھر رہنا تمہاری مجبوری تھا لیکن اب کوئی مجبوری نہیں ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں اب چلے جانا چاہیے۔"

"میں کل چلی جاؤں گی۔" اس نے تیزی سے کہا، مبادا وہ کچھ اور ہی نہ کہنے لگے۔

"اچھی بات ہے۔" مہک نے سرد لہجے میں کہا۔ "اب ایک کام کرو ذرا یہ فون تقی تک پہنچا دو۔"

"بہتر۔" فون بند ہو گیا۔ اس کے ہاتھ بے جان پڑ گئے۔ شفا نے ایک گہری سانس بھرتے ہوئے در و دیوار پر ایک نظر ڈالی۔ مکان چھوڑنا مشکل نہیں ہوتا۔ وابستگیاں تو مکینوں سے ہوتی ہیں۔ اسے دل پر بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا۔

"شفا! قہوہ بن گیا؟" امی کی آواز آئی وہ ہڑبڑا اٹھی۔

☼ ☼ ☼

تقی چھت پر تھا۔ گرل پر کہنیاں ٹکائے منہ اٹھا کر آسمان پر پتا نہیں کیا ڈھونڈ رہا تھا۔

"تم یہاں ہو۔ سب لوگ تمہیں نیچے ڈھونڈ رہے ہیں۔" وہ اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اور قہوے کا کپ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یار! کھانا بہت کھا لیا تھا۔ میں نے سوچا تھوڑی واک کر لوں۔" اس نے کپ پکڑ لیا۔

"ایک تو امی بھی ناں۔ اتنے مزے کے کھانے بناتی ہیں کہ انسان ہاتھ روک ہی نہیں پاتا۔" تھوڑا خفا سا ہو کر کہہ رہا تھا۔

"کھانا امی نے نہیں، میں نے بنایا تھا۔" شفا مسکرا کر گرل سے کمر لگا کر کھڑی ہو گئی اور آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

"اچھا۔" تقی نے کہا۔ "مجھے لگا امی نے بنایا ہے۔ ویسے ماننا پڑے گا میری امی سے تم کافی کچھ سیکھ گئی ہو۔" اس نے کبھی شفا کے سامنے اس کے کھانے کی تعریف نہیں کی تھی۔ اب بھی بن کر کہہ رہا تھا۔ "اچھا کیا جو کھانا بنانا سیکھ لیا۔ لڑکیوں کو اتنے کام تو آنا ہی چاہئیں۔ اب دیکھنا "اگلے گھر" جا کر کھانا بنانے پر تمہیں ہرگز طعنے نہیں ملیں گے۔" وہ بالکل بھی سنجیدہ نہیں تھا۔

شفا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ دیکھتی رہی، پھر سادگی سے بولی۔

"تمہیں پھر میرے اگلے گھر کی فکر پڑ گئی؟"

تقی شرمندہ سا ہو گیا۔ "ویسے ہی کہہ دیا تھا۔"
"میں کل جا رہی ہوں۔"
"کہاں؟"
"وہیں۔ جہاں سے آئی تھی۔ اپنے گھر۔" اس نے زور دے کر کہا۔
تقی نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔
"بھول گئے؟ یہی تو طے ہوا تھا۔" وہ سمجھ نہیں پایا کہ کیا ردعمل ظاہر کرے' سو ہنس دیا۔ شفا بھی ہنس دی۔ دونوں نے ہی محسوس کیا کہ ان کے درمیان میں ایک دیوار تن گئی ہے۔
"تھینک یو تقی!" پھر اس نے کہا۔
"کس لیے؟" وہ حیران ہوا۔
"تم نے اب تک میرے لیے جو کچھ بھی کیا۔ اس سب کے لیے۔" شفا نے سادہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
"مجھے مشکل سے نکالا۔ مجھے سہارا دیا۔ اپنا کیریر داؤ پر لگایا۔ محبت ہو تو بات دوسری ہوتی ہے۔ تم تو بے سبب میرا سہارا بنے۔ میں نے آج سے پہلے کبھی کہا نہیں۔ لیکن سچ کہوں' تمہارے احسان کا بدلہ میں ساری زندگی نہیں اتار سکوں گی۔ جب ساری دنیا میرے خلاف تھی۔ ہر کوئی مجھ پر انگلی اٹھا رہا تھا۔ سب چاہتے تھے کہ میں تسلیم کرلوں کہ میں بدکردار ہوں۔ تم نے اپنا نام دے کر مجھے معتبر کردیا۔ میں تمہارا احسان ساری زندگی یاد رکھوں گی۔"
"وہ کم آن۔ اب اتنا بھی جذباتی مت ہو۔" وہ شرمندہ سی ہنسی ہنس کر بولا تھا۔ "ایسا بھی کچھ نہیں کیا میں نے کہ تم احسان مند ہی ہوتی رہو۔"
"یہی تمہاری سب سے بڑی کوالٹی ہے۔ احسان کرتے ہو اور چاہتے ہو کوئی یاد بھی نہ رکھے۔ خیر! میں دعا کروں گی اللہ تمہیں بہت کامیابیاں دے۔ تمہیں خوش رکھے۔" اس نے جانے کا ارادہ کیا' لیکن جا نہیں سکی۔ پتا نہیں کیوں؟۔ لیکن اس کا دل چاہتا وقت ٹھہر جائے۔ یہیں اسی مقام پر' اسی ساعت پہ۔ وہ خائف ہو گئی اپنے دل سے' اپنے جذبات سے۔

"مجھے اپنی شادی میں ضرور بلانا۔" فرمائش تھی یا کچھ اور' تقی خاموش ہی رہا۔
"بلاؤ گے؟" اس نے تقی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔
"تم۔ آؤ گی؟"
"تم بلاؤ گے تو ضرور آؤں گی۔" ترنت کہا۔
تقی ہلکی سی ناسمجھ مسکراہٹ لبوں پر رکھے اسے دیکھتا رہا پھر زور سے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"ٹھیک ہے۔ میں بلاؤں گا۔"
شفا نے سر ہلایا۔ مسکرائی۔ چند قدم سیڑھیوں کی طرف بڑھائے پھر کچھ یاد آیا تو رک گئی۔
"تقی! وہ۔ میں تمہیں بتانا چاہتی تھی کہ۔ وہ کچن کے پاس آئل میں نے جان بوجھ کر گرایا تھا۔" اس نے شرمندہ ہوتے ہوئے جھجکتے ہوئے بتایا۔ تقی نے اس کی بات پر آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھا پھر بولا۔
"چلو حساب برابر ہوا۔"
"کون سا حساب؟"
"میں اکثر تمہارا کھانا کھا لیتا تھا اور بعد میں مکر جاتا تھا۔" تقی نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔
"میں جانتی تھی۔ بلکہ میں ہر بار جانتی تھی۔" اس نے مسکرا کر کہا تھا۔ تقی کو حیرت ہوئی۔
"تو کبھی کہا کیوں نہیں؟"
"تمہارے احسانات کا پلڑا بھاری تھا۔ اس لیے۔" وہ مسکرا کر پلٹ گئی۔
تقی کو ایسا لگا' ساری کائنات اس کے ساتھ ہی پلٹ گئی ہو۔ اس کا دل چاہا اسے روک لے۔
"شفا!" بے اختیار پکار بیٹھا۔
وہ پہلی سیڑھی پر پاؤں رکھ چکی تھی' گردن موڑ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
تقی مخمصے میں پڑ گیا۔ اس نے تو بس پکار لیا تھا۔ یہ نہیں پتا تھا کہ کیوں پکارا۔
"وہ۔ وہ میں کہہ رہا تھا۔ تم کچھ دن رک جاؤ۔ میرا مطلب ہے۔ کچھ دن بعد چلی جانا۔"
"جانا تو ہے تقی! چند دن مزید رک بھی جاؤں تو

بھی جانا تو پڑے گا۔" وہ آج بات بے بات ہی مسکرا رہی تھی۔
"بابا کی طبیعت ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئی۔ تم یہاں رہو گی تو وہ اچھا محسوس کریں گے۔" اس نے یہی کہہ دیا۔ اور کیا کہتا۔
"میں ملنے آتی رہوں گی۔"
"امی اداس ہو جائیں گی۔" اس نے پھر کہا۔
"تم جلدی مہک کو لے آنا۔"
"ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی۔" جل کر ہی کہہ دیا۔
"مہک کو فون کرلینا۔ وہ تمہارے لیے پریشان ہو رہی تھی۔"
اس نے مسکرا کر آہستگی سے کہا اور چلی گئی۔ تقی کو لگا ساری کائنات پر خاموشی چھا گئی ہو اور وہ اس خاموش کائنات میں تنہا رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

امی مستقل رو رہی تھیں۔ شفا تھک کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔
"اس طرح روتی رہیں گی تو میں جاؤں گی کیسے؟" بڑی لاچاری سے کہا۔
"ہاں تو جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" انہوں نے روتے ہوئے خفگی سے کہا تھا۔
"آپ سے ملنے آتی رہوں گی۔"
"ملنے بھی مت آنا۔ اس احسان کی بھی کیا ضرورت ہے۔" انہوں نے جل کر کہا۔ شفا ہنس کر ان سے لپٹ گئی۔
"ایسے تو مت کہیں۔ اتنی پیاری امی کو میں خفا کر کے تو نہیں جا سکتی۔"
"بس پھر ٹھیک ہے۔ میں ساری زندگی کے لیے خفا ہو جاؤں گی' جو دوبارہ جانے کا نام لیا۔"
"ایسے مت کہیں۔ آپ نہیں جانتیں' میں کتنی مشکل سے جا رہی ہوں۔ اتنے خوبصورت رشتے ملے ہیں مجھے اس گھر میں کہ چھوڑ کر جانے کو دل ہی نہیں

چاہتا لیکن پڑے گا۔ یہ تو پہلے دن سے طے تھا کہ مجھے جانا ہو گا۔"
"اور یہ کس نے طے کیا تھا۔ تم نے اور تقی نے؟ دونوں ہی عقل کے پورے ہو۔"
"اچھا میں نہیں جاتی۔ لیکن خود بتائیں میں نہیں جاؤں گی تو کیا مہک آئے گی؟ ہرگز نہیں۔"
"ہاں تو نہ آئے۔ میری بلا سے۔" انہوں نے ہاتھ لہرا کر کہا۔ شفا کو زور سے ہنسی آ گئی۔
"آپ کی بلا سے۔ تقی کی بلا سے نہیں۔ محبت کرتا ہے وہ مہک سے۔"
"ایسی دو چار محبتیں ہر لڑکا جوانی میں کرتا ہے۔"
"اچھا۔ آپ تقی سے پوچھیں۔ مہک کو چھوڑنے پر راضی ہے تو نہیں جاتی میں۔ رک جاتی ہوں۔"
"ہیں۔ مذاق تو نہیں کر رہیں۔ واقعی رک جاؤ گی؟"
شفا نے آنکھیں بھینچ کر آنسوؤں کو اندر اتارا اور گہرا سانس لے کر ان کی طرف پلٹی۔
"آپ کی محبت پر شک نہیں ہے مجھے۔ لیکن پلیز آپ مجھے مجبور نہ کریں۔ میں نے تقی سے وعدہ کیا تھا کہ سب کچھ ٹھیک ہوتے ہی ان کی زندگی سے نکل جاؤں گی تاکہ وہ مہک کے ساتھ ایک اچھی زندگی شروع کرسکے۔ لیکن اب یہاں رک کر میں خائن کہلانا نہیں چاہتی۔ تقی مہک کا حق ہے اسی کو ملنا چاہیے۔ مجھے مجبور نہ کریں۔"
اس کی نم آنکھیں اور لاچار لہجہ دل کی چغلی امی کے سامنے بیان کر گیا تھا۔ ان کا اپنا دل غم سے بھر گیا لیکن دوبارہ انہوں نے اسے مجبور نہیں کیا۔ خاموش ہی رہیں۔

☼ ☼ ☼

ایک آخری کوشش کے طور پر تقی سے بات کی تو وہ آدھا جملہ سن کر ہی چڑ گیا۔
"ایک ہی بات کو کیوں چیونگم کی طرح چبائے جا رہے ہیں آپ لوگ؟ جب ایک بار کہہ دیا کہ ساتھ

نہیں رہتا تو نہیں رہتا۔ اس میں بحث کی گنجائش کہاں ہے۔"

امی نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ ایسا غصہ جس کی کوئی تک ہی نہیں۔

"ٹھیک ہے دوبارہ کہوں گی ہی نہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے پچھتاؤ گے۔"

وہ چلی گئیں۔ تقی اپنے غصے پر قابو پاتا رہا۔ پتا نہیں اسے اتنا غصہ کیوں آرہا تھا۔ بے وجہ چڑچڑاہٹ میں مبتلا ہو رہا تھا۔

"یہ بھی کوئی بات ہے۔ جب نہیں نبھانا رشتہ تو نہیں نبھانا۔ یہ کیا کہ سب پیچھے ہی پڑ گئے۔ جب سب کچھ پہلے سے طے تھا تو وہ دونوں کیسے ساتھ رہ سکتے ہیں۔" وہ سوچتا رہا' جھنجلاتا رہا۔ کمرے سے بھی نہیں نکلا۔ وہیں لیٹ کر کروٹیں بدلتا رہا۔

پھر اچانک سمیر آگیا تو اسے دیکھ کر جیسے تقی کو سر سے پیر تک آگ ہی لگ گئی۔

"چلو اب تم بھی آجاؤ۔ مجھے سمجھانے۔" ایسا پھاڑ کھانے والا استقبال تھا کہ سمیر بھی جل گیا۔

"کیوں؟ مجھے کوئی اور کام نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ سر کھپاتا پھروں۔ تمہیں تو وہ سمجھانے کی کوشش کرے' جس کے برے دن شروع ہو رہے ہوں۔ ہمارے تو اچھے دن چل رہے ہیں بھائی!" ایک ترنگ میں لہرا کر وہ اسی کے بیڈ پر نیم دراز ہو گیا اور سر کے پیچھے ہاتھ باندھ لیے۔

تقی نے بری طرح پیچ و تاب کھائے

"اٹھو۔ ابھی نکلو میرے کمرے سے۔" کتاب کھینچ کر ماری۔ سمیر اس ناگہانی افتاد کے لیے تیار نہیں تھا۔ بوکھلا گیا۔

"بس جل گئے! ہونہہ۔ خوشی برداشت نہیں ہوتی ناں میری۔" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"سمیر! میں پہلے ہی بہت ٹینشن میں ہوں۔ دماغ کھانے آئے ہو تو فوراً" چلے جاؤ یہاں سے۔"

"اس میں ٹینشن والی بات کیا ہے؟ صاف صاف کہہ دو' رک جائے۔ نہ جائے۔" سمیر۔ ایک ہی سانس میں کہہ گیا اور اتنے آرام اور لاپروائی سے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ تقی نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"کون؟ کس کو کہوں؟"

"وہی۔ جس کی محبت آپ کے چہرے پر لکھی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ مانیں گے نہیں۔ جب پانی سر سے گزر جائے گا تب مانیں گے۔"

"سمیر! ہوائیاں مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو بھی اچھی طرح جانتا ہے' محبت مجھے صرف مہک سے ہے۔" اس نے زور دے کر کہا تھا۔ اسی لیے سمیر بھی زور سے ہنسا۔

"جھوٹ بالکل جھوٹ۔" اس نے پُرزور تردید کی۔

"یہ ہی سچ ہے۔" وہ غصے سے بولا۔ "اور اب اس بارے میں کوئی بھی بات کی ناں تو میں ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دوں گا۔"

"اچھا اگر یہ سچ نہیں ہے تو پھر اتنا غصہ کرنے کی کیا بات ہے؟" سمیر نے تحمل سے کہا۔ "میرا مشورہ ہے تقی! اس سے پہلے کہ بھابھی چلی جائیں۔ ایک بار بالکل ذہن خالی کر کے اس رشتے کے متعلق سوچ!"

"سمیر! ہم دونوں کے درمیان ایسا کچھ نہیں ہے۔ اختلاف بھی تو کوئی نہیں ہے۔" اس نے ترنت کہا تھا۔

"رشتے تو توقعات کی بنیاد پر بنتے ہیں اور اختلافات کی بنیاد پر ختم ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ مانتا ہوں تم دونوں کا نکاح ایسے حالات میں نہیں ہوا کہ اسے اہمیت دی جائے لیکن یار! رشتے رشتے ہوتے ہیں۔ آج توڑ دو گے تو کل پچھتاؤ گے۔ میری بات یاد رکھنا۔"

"ہاں تمہاری بات نہ ہو گئی شیخ سعدی کی حکایت ہو گئی کہ یاد رکھوں۔" اس نے چڑ کر کہا اور ساتھ ہی سمیر کو کمرے سے باہر دھکیل دیا۔

"دوبارہ مت آنا۔" دروازہ ٹھاہ۔

"خبیث آدمی! سچ مچ ہی کمرے سے نکال دیا۔" اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

"میں اب دوبارہ تیرے گھر نہیں آؤں گا۔ کیسی بدتمیزی سے نکالا ہے' بندے کی کوئی عزت بھی ہوتی ہے۔" وہ بری طرح تاؤ کھا رہا تھا۔

دروازہ کھلا' تقی کا سر باہر نکلا۔ "بندے کی عزت ہوتی ہے' بندر کی نہیں۔" دروازہ پھر ٹھاہ۔

سمیر ابھی پہلی چوٹ سہلا نہیں پایا تھا کہ اور ضرب لگا دی گئی۔

"بدتمیز۔ خبیث۔ چغد۔ آدمی! جا رہا ہوں میں واپس نہیں آؤں گا۔ میری طرف سے پچھتاتے پھرو۔ یا مجنوں بن کر گھومنا۔ دوبارہ بات نہیں کروں گا۔ ہونہہ!" زیادہ ہی جذباتیت میں آکر دروازے کو ٹھوکر ماردی تھی جو کچھ زیادہ ہی زور سے لگ گئی۔ وہ پیر سہلاتا بکتا جھکتا وہاں سے چلا گیا۔

اندر تقی بیڈ پر لیٹا پُرسکون ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب اسے اس موضوع پر کسی سے بات نہیں کرنی تھی خود سے بھی نہیں۔

☼ ☼ ☼

شفا واپس آگئی۔

ساہر نے دیکھا۔ اتنی شان سے وہ اس گھر میں رہتی نہیں تھی' جتنے طمطراق سے واپس آئی تھی۔ وہ سچی ثابت ہوئی تھی۔ کیسے نہ سر اٹھا کر واپس آتی۔ وہ عمیر کے ساتھ سر اٹھا کر آئی۔ سارے گھر میں گھومتی پھری۔ اس کی آواز اس کی ہنسی سے سارا گھر گونجتا تھا۔

بچوں کے ساتھ کھیلتی رہی۔ ایک آدھ بار ساہر سے سامنا بھی ہوا تو نظروں کا رخ پھیر لیا۔

ساہر کا دل کٹ سا گیا تھا لیکن وہ مانتی تھی۔ وہ اسی سلوک کی حق دار تھی۔

عمیر نے پہلے ہی بات چیت بند کر رکھی تھی۔ انہوں نے کچھ کہا نہیں' لیکن اسے اس گھر میں اجنبی مان لیا تھا۔

ساہر نے دونوں بہن بھائی کو شفا کے اسی کمرے میں جاتے دیکھا جو اس نے شفا کے جانے کے بعد بہت شوق سے بچوں کے لیے سیٹ کر لیا تھا اور اپنے کمرے میں آگئی۔ اس گھر کی اصل مالکن واپس آگئی تھی۔ ساہر کی اب وہاں کوئی جگہ نہیں رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ۔" شفا نے کمرے پر نظر ڈالی۔

"یہ میرا کمرا ہے پھپھو!" ہدیہ نے جلدی سے اور پُرجوش ہو کر اسے اطلاع دی۔

"آپ جب چلی گئی تھیں ناں تو ماما نے یہ روم مجھے دے دیا تھا۔"

"میں ہدیہ کا سامان دوسرے کمرے میں شفٹ کروں گا۔ تم اس کمرے کو اپنے لیے سیٹ کر لو۔" عمیر نے ذرا شرمندہ ہو کر کہا۔

"ہدیہ کا سامان دوسرے کمرے میں کیوں رکھیں۔ ہدیہ اور میں ایک ہی روم شیئر کر لیں گے۔ کیوں ہدیہ؟" شفا نے پیار سے کہا۔ ہدیہ کا اترا ہوا چہرہ کھل اٹھا۔

"میں پھپھو کے ساتھ رہوں گی۔ میں ماما کو بتا کر آتی ہوں۔" وہ جلدی سے کہتی باہر بھاگ گئی۔

"شفا!" ہدیہ چلی گئی تو عمیر نے اس سے کہا۔ "آئی ایم سوری بیٹا! اگرچہ یہ چند الفاظ تمہاری تکلیف کو گھٹا تو نہیں سکتے۔ لیکن جو کچھ بھی ہوا' اس کے لیے میں بہت شرمندہ ہوں۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔"

عمیر نے اس کے سامنے ہاتھ بھی جوڑ دیے تھے۔

شفا دھک سے رہ گئی۔

"کیا کر رہے ہیں عمیر بھائی! اس طرح مت کریں۔" اس نے فوراً" عمیر کے ہاتھ کھول دیے۔ "اور جو بھی ہوا' اس میں آپ کی تو کوئی غلطی نہیں ہے۔ انسان آنکھوں دیکھے پر ہی بھروسا کرتا ہے آپ نے بھی وہی کیا۔"

"لیکن تمہارے ساتھ ساہر نے تو برا کیا۔" عمیر نے زور دے کر کہا تھا۔ "اس کی طرف سے میں معافی مانگتا ہوں۔"

"جو ہونا تھا ہو چکا۔ بار بار اس موضوع کو دہرانے کا

کیا فائدہ؟ کیا بہتر نہیں ہوگا بھائی! کہ ہم اس موضوع پر بات ہی نہ کریں۔"

عمیر سمجھ گئے کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ آہستگی سے اس کا سر تھپتھپا دیا۔

"تم اپنا سامان سیٹ کرو۔ کھانا میں باہر سے لے آتا ہوں۔"

شفا نے نرمی سے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔



گھر میں غیر معمولی سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ تقی گھر میں داخل ہوا تو اسے بری طرح محسوس ہوا۔

اندر آیا تو ٹی وی چل رہا تھا سب ہی موجود تھے لیکن سب ہی خاموش تھے اس وقت ابا خبریں سنتے تھے اور ساتھ ساتھ تبصرہ فرماتے تھے۔ شفا ان کا ساتھ دیتی تھی۔ آج وہ نہیں تھی تو تبصرے کا سلسلہ بھی موقوف کر دیا گیا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی!" اس نے اس سوئے ہوئے ماحول کو اپنے لہجے سے ذرا جگانے کی کوشش کی تھی۔

جواباً "ابا اور رضی نے گردنیں موڑ کر اسے ایسے گھورا کہ بے چارہ چپ ہی ہو گیا۔ اور تو اور جری نے بھی ناک چڑھا کر خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا تھا۔

تقی اپنا سا منہ لے کر امی کے پاس بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر ٹی وی دیکھتا رہا پھر امی کے کان میں گھسا۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ سب اداس ہونے کی ایکٹنگ کر رہے ہیں۔" اس نے شرارت بھری سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ امی نے غضب ناک ہو کر گھورا۔

"کیونکہ تم خود بے حس ہو چکے ہو۔ خود ایکٹنگ کرتے ہو تو تمہیں لگتا ہے سب یہی کر رہے ہیں۔"

"ہائیں۔ آپ اتنی ایموشنل کیوں ہو رہی ہیں؟"

"کیونکہ میں سچ مچ اداس ہوں۔" وہ آواز دبا کر لیکن ناراضی سے بولی تھیں "اتنا سمجھایا تمہیں لیکن مجال ہے جو تمہاری ناقص عقل میں کوئی بات آئی ہو۔ لے کر میری بہو کو بھیج دیا۔"

"شفا چلی گئی؟" حیران ہوا۔ "آپ چاہتی تھیں میں اسے روک لوں اور اس سے اتنا نہ ہوا مجھ سے لڑ کر ہی چلی جاتی۔" ایسے ہی منہ سے نکل گیا تھا۔

"ہونہہ! لڑ کر ہی جاتی۔"

"کچھ کھانے کو ملے گا یا آج صرف طعنے ملیں گے؟"

امی گھورتی ہوئی سر جھٹک کر اٹھ گئیں۔ وہ کچھ دیر وہیں بیٹھا پھر کمرے میں آگیا۔

سر بھاری بھاری سا ہو رہا تھا۔ عجیب سی بے زاری تھی۔ تھوڑی ہی دیر لیٹا تھا کہ موبائل فون کی بیپ بجنے لگی۔ وہ منہ دھونے کے خیال سے اٹھا تھا۔ فون اٹھا کر دیکھنے لگا تو امی آگئیں۔

"کھانا رکھ دیا ہے میز پر۔ ہائے! کیسا ویران سا لگتا ہے گھر۔ کیسی رونق لگی رہتی تھی شفا کے دم سے۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"جی ہاں۔ وہ تو ڈگڈگی بجا کر بندر کا تماشا دکھایا کرتی تھی آپ کو۔"

"چپ کرو۔ اور ایسے طنز سے تو ہنسنا بھی مت۔ میری بہو کے بارے میں ایک بھی لفظ مت کہنا۔ کیا دل لگا دیا تھا اس نے میرا۔" پھر ٹھنڈی سانس۔

"فکر نہ کریں۔ آپ کا دل لگانے کے لیے دوسری بہو لا دوں گا۔"

"دو نمبر چیز ہمیشہ دوسرے نمبر پر ہی رہتی ہے۔ کبھی پہلے کی جگہ نہیں لے سکتی۔ یہ بات میری یاد رکھنا بیٹے۔" طنز سے کہا۔

"آپ جتنا مرضی مجھے روک لیں۔ مہک سے شادی تو میں ضرور کروں گا۔" اس نے بھی سادگی سے لیکن اٹل لہجے میں کہہ دیا۔

"اور یہ میرے جیتے جی تو نہیں ہو سکے گا۔"

وہ کہہ کر چلی گئیں۔ تقی ہاتھ میں پکڑا سیل فون دیکھتا رہا پھر بے زار ہو کر اسے بیڈ پر اچھال کر واش روم میں گھس گیا۔



رات کے دوسرے پہر شفا پانی پینے کچن میں آئی اور بالکل سامنے زمین پر بازوؤں میں سر دے کر بیٹھی ساہر کو دیکھ کر بری طرح ڈر گئی۔

"بھابھی آپ!" وہ دراصل یہاں ساہر تو کیا اس وقت کسی کی بھی موجودگی کی توقع نہیں کر رہی تھی اسی لیے اسے دیکھ کر ڈر گئی تھی۔

ساہر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں۔

شفا ٹھٹکی پھر خاموشی سے بڑھ کر کیبنٹ سے گلاس نکالنے لگی۔

ساہر بے ارادہ اسے دیکھ رہی تھی۔ شفا نے گلاس فلٹر سے پانی بھرا۔ ذرا سا شیلف پر ٹک کر تین گھونٹوں میں پانی پیا۔ گلاس کھنگال کر ریک میں رکھا اور واپس جانے کے لیے پلٹ گئی۔

"تم ہر بار کیسے جیت جاتی ہو؟"

شفا ابھی دروازے میں ہی تھی کہ اس نے ساہر کی آواز سنی۔ اس کے لہجے میں آنسوؤں کا بھاری پن تھا۔ نفرت بھی۔ غصہ تھا اور... اور پچھتاوا بھی تھا۔

شفا نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"ہر بار... ہر بار قسمت تمہارا ہی کیوں ساتھ دیتی ہے۔ تمہیں پتا ہے شفا! تم ایک آسیب کی طرح شادی کے پہلے دن سے میرے ساتھ چپکی ہوئی ہو۔ اس آسیب سے پیچھا چھڑانے کے لیے میں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ میں نے دعائیں کیں۔ جھوٹ بولے۔ پیروں فقیروں کے پاس بھی چکر لگا لیے اور عمیر کی بھی پروا نہیں کی پھر بھی... پھر بھی ہر بار اللہ تمہیں کیوں بچا لیتا ہے؟" وہ سر پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی تھی۔ رات کا وقت تھا اور اس کی آواز گھر میں پھیلے سناٹے کو دہشت ناک بنا رہی تھی۔

"کیونکہ آپ ہمیشہ مجھے ہی ہرانے کی کوشش کرتی رہیں۔ کبھی اپنی جیت کے لیے کوشش نہیں کی۔" شفا نے اس کے خاموش ہوتے ہی ٹھوس لہجے میں کہا۔

ساہر رونا بھول گئی لیکن نظریں اٹھا کر شفا کی طرف نہیں دیکھا۔

"آپ مجھے ہرانے کی کوشش نہ کرتیں۔ اپنی جیت کی کوشش کرتیں۔ دعائیں تو کرتیں لیکن جھوٹ نہ بولتیں۔ قسمت نے کبھی میرا ساتھ نہیں دیا۔ وہ آپ کی چالیں الٹی کرتی رہی ہے اور آپ بچتی رہیں۔ قسمت نے پہلی بار میرا ساتھ دیا اور دیکھ لیں... آپ اپنے ہی جال میں پھنس گئیں۔ میں آپ کے سارے گلوں سے واقف ہوں۔ سارے شکوے جانتی ہوں۔ میں نے جو بھی کیا۔ وہ میری نادانی تھی۔ کم عمر تھی میں بہت ساری چیزوں کی سمجھ نہیں تھی مجھے۔ لیکن کیا میں نے آپ سے معافی نہیں مانگی تھی۔ اپنی ہر غلطی کے لیے 'اپنی ہر نادانی کے لیے۔ اور ایک بار ہی نہیں کئی کئی بار۔ آپ نے زبان سے مجھے معاف کیا اور دل میں عناد پالتی رہیں۔ یہ تو بہت برا کیا نا آپ نے۔ یا تو معاف نہ کرتیں یا بغض نہ رکھتیں۔ آپ تو سمجھ دار تھیں بھابھی! پھر بھی آپ نے وہ سب کیا جو ایک سمجھ دار عورت کو زیب نہیں دیتا۔ جھوٹ بول کر مجھے مری بھجوایا۔ عمیر بھائی کو مجھ سے متنفر کیا۔ ان کے دل میں ثمر کے لیے برائی ڈالی۔ عمیر بھائی کو مجھ سے اتنا دور کر دیا کہ میں ان سے بات کرنے سے بھی ڈرنے لگی۔ برا کیا بھابھی! بہت برا کیا۔"

"ہاں کیا میں نے برا۔" اس کا صبر چھٹا تھا۔ "کیونکہ مجھے عمیر چاہیے تھے اور تم ہمیشہ ہمارے درمیان حائل رہیں۔"

"آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں عمیر بھائی آپ کے ہی تھے۔ کبھی نہ کبھی میں یہاں سے چلی ہی جاتی۔ میری شادی ہو جاتی تو آپ کی جان چھوٹ ہی جاتی نا۔"

ساہر نے ہکا بکا ہو کر اسے دیکھا۔ وہ تو وہی کہہ رہی تھی جو اب تک اسے اس کی امی سمجھانے کی کوشش کرتی رہی تھیں۔

"لیکن آپ تو انتقام لینے میں اتنی اندھی ہو چکی تھیں کہ میں تو کیا اپنے بھائی کو بھی نہیں بخشا۔" طنز سے کہا۔

"اتنا سیاہ پڑ چکا تھا آپ کا دل کہ جیسے تنگ رہی تھی'

اس کی بھی پروا نہیں کی۔ اپنے بچوں کے لیے بھی نہیں سوچا۔ کچھ بھی کرتیں۔ میرے کردار کو تو نشانہ نہ بناتیں۔ آپ نے ایک بار بھی سوچا تھا اگر یہ سب عمیر بھائی کو پتا چلا اور انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا تو آپ کے بچوں کا کیا ہوگا۔"

"ایسے مت کہو شفا! میں عمیر اور بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتی۔" اس نے دہل کر کہا۔

"یہ خیال تو آپ کو پہلے آنا چاہیے تھا نا۔" شفا استہزائیہ ہنسی۔

"کیا مطلب عمیر مجھے چھوڑ دیں گے؟" وہ خوف زدہ ہو کر اس کے پاس آگئی۔ "انہوں نے تمہیں کہا ہے کچھ۔"

"میری ان سے اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"بات ہوگی بھی تو تم کون سا میرے حق میں بولو گی۔" ساہر نے دکھی لہجے میں کہا۔

شفا پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"دیکھا آپ نے پھر مجھے غلط سمجھا۔ آپ کے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں گے، عمیر بھائی کریں گے۔ میرا ان کے فیصلے میں کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔" اس نے کہا۔

ساہر تنہا سی وہیں کھڑی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح ساہر ہمت کر کے عمیر کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

"مجھے سزا دے لیں عمیر! لیکن ایسا رویہ مت رکھیں پلیز۔ آپ کی یہ بے اعتنائی برداشت نہیں ہوتی مجھ سے۔" وہ رو پڑی۔

"ہٹو میرے آگے سے۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" عمیر تو پتھر کے ہی بن گئے تھے جیسے۔ ایک نظر بھی اس پر نہیں ڈالی۔

"عمیر!" اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔ "آپ بھول گئے، آپ کو مجھ سے محبت تھی۔" اس نے بری طرح روتے ہوئے ابھی اتنا ہی کہا تھا اور عمیر کے بازو کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ عمیر نے بھڑک کر اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"یہی میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔" ان کا چہرہ اشتعال سے بے پناہ سرخ ہو رہا تھا۔ "تم سے محبت کی۔ تمہیں اپنا آپ سونپا۔ یہ گھر تمہیں دیا۔ تم پر اعتماد کیا۔ میں نے کہا تھا ایک بار تمہیں کئی بار۔ شفا کو نند مت سمجھنا۔ بہن سمجھ لینا۔ بیٹی سمجھ لینا، اتنی اعلا ظرف نہ بن سکو تو دوست ہی سمجھ لینا اور تم نے کیا کیا۔ اس کی عزت کو دو کوڑی کا کر دیا۔ میری محبت بھی تم اپنے انتقام میں بھول گئیں۔ افسوس ہے مجھے کہ تم میری پسند ہو، افسوس ہے کہ میرے بچوں کی ماں ہو۔ کاش میں اپنی زندگی سے تمہیں نکال کر سکتا۔"

اتنی نفرت اتنی نخوت۔ ساہر کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔

"میری غلطی معاف نہیں کر سکتے۔" لفظ مشکل سے اس کے حلق سے نکلے۔

"کاش یہ ہی کر سکتا۔" عمیر نے بڑے ضبط سے کہا۔

"اگر یہی بات ہے تو مجھے نکال ہی دیں اپنی زندگی سے۔ اب تک آپ کی محبت دیکھی تھی۔ آپ کی نفرت نہیں دیکھی جا رہی مجھ سے۔" اس نے آنکھیں بھینچ کر بڑے ضبط سے کہہ دیا۔

"نکال ہی دیا ہے۔ دل سے تو ہمیشہ کے لیے نکال دیا ہے۔ گھر میں بھی رہو یا نہ رہو۔ کیا فرق پڑتا ہے۔" عمیر نے اپنا آفس بیگ اٹھایا اور باہر نکلتے چلے گئے۔

ساہر پر ایک بار پھر دکھ اور پچھتاوے نے ایک ساتھ حملہ کیا۔ کوشش کے باوجود اپنے آنسو نہیں روک سکی اور سسک سسک کر رو دی۔

جس وقت شفا اپنے کمرے سے نکلی۔ ساہر اس گھر سے ہمیشہ کے لیے جا چکی تھی۔ گھر ویران پڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

سمیر کا فون آیا۔ بڑا دل برداشتہ لگ رہا تھا۔

"ماں نہیں مان رہیں۔ دل چاہتا ہے خودکشی کر لوں۔"

"تو کر لو۔ مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔" تقی نے ترنت کہا۔

"یار! حد ہے۔ کسی کو میری خودکشی سے فرق ہی نہیں پڑتا۔ کل میں نے یہی بات ثمر سے کہی تو اس نے بھی یہی جواب دیا تھا۔" وہ روہانسا ہی ہو گیا۔

تقی دل کھول کر ہنسا۔

"او بھائی! تو واقعی خودکشی کر لے۔ ایسے انسان کے زندہ رہنے کا بھی کیا فائدہ، جس کے جینے مرنے سے کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو۔" ایک اور مشورہ دے دیا، سمیر کو آگ ہی لگ گئی۔

"ایسے دوست کا بھی کیا فائدہ۔ جو غم سن کر تسلی بھی نہ دے۔"

"اچھا سچ سچ بتانا۔ یہی بات سن کر بھابھی نے کیا جواب دیا تھا۔" تقی نے مزے سے پوچھا۔

"اونہہ۔" سمیر کا منہ حلق تک کڑوا ہو گیا۔ "اس نے بھی یہی جواب دیا تھا۔ افسوس کی بات یہ کہ تم اور ثمر میرا دل جلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے ہی نہیں دیتے۔"

اس بات پر تقی ہنسا اور دیر تک ہنسا۔

"بڑی ہنسی آ رہی ہے تمہیں۔" تقی سامنے نہیں تھا ورنہ سمیر اس کا سر نہ پھاڑتا تو ایک آدھ گھونسا تو ضرور ہی جڑ دیتا۔

"اتنا موڈ خراب تھا میرا۔ لیکن تم نے یہ بتا کر دل خوش کر دیا ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے اور اس کے غصے کی پروا کیے بغیر کہا۔

"موڈ کیوں خراب تھا؟" سمیر نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

"بس ویسے ہی۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟ کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی۔" اس کا کریدتا ہوا انداز۔

تقی نے لاشعوری طور پر سر جھٹکا اور بشاش لہجے میں بولا۔

"بس یار! ایک تو شفٹنگز کا شیڈول اتنا ٹائٹ ہے۔ اوپر سے سی این جی کی اتنی لمبی لائن۔ کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے لائن میں سر پہ کھڑے موت کا فرشتہ آ جائے گا لیکن سی این جی نہیں ملے گی۔ پھر ٹریفک جام۔ بہت تھک گیا آج۔"

سمیر اس کی رگ رگ سے واقف نہ ہوتا تو کبھی نہ جان پاتا، وہ کتنا پوز کر رہا ہے۔

"بس یہی بات ہے؟" اس کے خاموش ہوتے ہی سمیر نے پوچھا۔

"ہاں۔" وہ سوچ میں پڑ گیا پھر زور دے کر بولا۔

"ہاں یہی بات ہے۔"

"میں بتاؤں۔ موڈ کیسے ٹھیک ہوگا؟"

"بتاؤ۔"

"شفا بھابھی سے بات کرو۔"

"سمیر! میں نے منع کیا تھا۔ میں اس موضوع پر بات نہیں کروں گا۔"

"اس موضوع پر بات نہ کرو۔ بھابھی سے بات کر لو۔ میں گارنٹی دیتا ہوں۔ موڈ بھی ٹھیک ہو جائے گا اور تھکن بھی جائے گی۔"

"میں فون بند کر رہا ہوں۔ دوبارہ کال نہ کرنا۔" اس نے چڑ کر غصے سے کہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں دوبارہ نہیں کہتا۔" سمیر نے فوراً ہی اس کی بات مان لی۔

"چکر لگا لے گھر کا۔ اماں کو صرف تو ہی منا سکتا ہے۔" اس نے موضوع ہی بدل دیا اور منت بھرے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے شام کو آتا ہوں۔" تقی بھی دھیما پڑ گیا۔

اس نے فون بند کر دیا۔ اس کی ناپسندیدگی کے باوجود سمیر اس موضوع پر بات کرنے سے باز نہیں آتا تھا۔ بات بے بات وہ شفا کا حوالہ نکالتا ہی رہتا تھا اور ہر بار تقی کے غصے کا نشانہ بنتا تھا۔ گھر والوں نے تو اس کے غیر معمولی غصے کو دیکھ کر بات کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ امی تو بڑے دن خفا بھی رہیں لیکن تقی کے کان پر جوں تک

نہیں رہنگی۔

وہ فیصلہ کرچکا اور اس پر قائم تھا۔

"سمیر کا دماغ خراب ہے جو مجھے شفا سے بات کرنے کا مشورہ دے رہا ہے۔ مجھے شفا سے نہیں' مہک سے بات کرنے کی ضرورت ہے۔"

وہ موبائل اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔ بیل جا رہی تھی۔ وہ انتظار کرنے لگا۔

"تھوڑی دیر مہک سے بات کروں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔" اس نے دل میں خود سے کہا۔

"ہیلو۔"

آواز سن کر تقی ذرا حیران ہوا۔ "ہیلو۔ مہک؟" تصدیق چاہی۔

"مہک نہیں شفا!" آواز میں خفیف سا تبسم تھا۔

"کیسے ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں۔" تقی شرمندہ سا ہو گیا۔ "میں مہک کا نمبر ملا رہا تھا۔ غلطی سے تمہارا ملا لیا۔"

بات تو یہی تھی لیکن بلاوجہ وضاحتیں دینے لگا۔

"ہاں۔ میں سمجھ گئی تھی۔ تم نے مہک کا ہی ملایا ہو گا۔" اس نے کہا۔ "میں بند کر رہی ہوں۔ تم مہک سے بات کرو۔"

فون بند ہو گیا تو تقی نے سر پکڑ لیا۔

"سب نے مل کر شفا کو اتنا میرے دماغ پر سوار کر دیا ہے کہ میں کچھ اور سوچ ہی نہیں پا رہا۔ حد ہے یار!"

اسے سخت غصہ آ رہا تھا۔

"میں نمبر ہی ڈیلیٹ کر دیتا ہوں۔ نہ ہو گا' نہ غلطی سے کال ملاؤں گا۔"

اس نے فون بک سے نمبر ہی مٹا دیا اور دوبارہ جان بوجھ کر تو کیا غلطی سے بھی شفا کو فون نہ کیا۔ لیکن وہ پاگل تھا' جو یہ سمجھ رہا تھا نمبر مٹا دینے سے وہ انسان بھی یادداشت سے نکل جاتا ہے' جس کے معاملے میں ہم اپنے دل سے ڈرے ہوتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

شفا سارے کام سمیٹ کر ٹیرس کی گرل سے لگ کر کھڑی تھی۔

نیچے گلی سنسان اور اوپر آسمان ویران معلوم ہوتا تھا۔

یہ ایک اداس دن کا آغاز تھا۔

عمیر بھائی آفس جا چکے تھے۔ ہدیہ کو اسکول بھیج دیا تھا۔ جو اکا دکا کام تھے وہ بھی نمٹا چکی تھی اور اب پچھلے کئی دنوں کی طرح یہی سوچ رہی تھی کہ اب کیا کیا جائے۔ پرائیویٹ داخلہ بھجوا دیا تھا۔ کچھ وقت پڑھائی میں گزر جاتا لیکن پڑھا بھی کتنا جا سکتا ہے۔

اداسی جمع بے زاری جمع بوریت۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ان میں اضافہ ہی ہو رہا تھا۔

اب بھی ایسے ہی کھڑی تھی کہ ایک خیال آیا۔ اس نے چند منٹ سوچا پھر تیزی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ رائٹنگ ٹیبل پر لوگس بناتے ہوئے وہ لوٹ بک ایسے ہی کھلی چھوڑ گئی تھی۔ پین بھی وہیں رکھا تھا۔ اس نے صفحہ پلٹا۔ کرسی گھسیٹ کر بیٹھی اور لکھنے کے لیے جھک گئی۔

"19 مئی 2014"

لکھ کر ذرا دیر کو سوچا اور روانی سے لکھتی چلی گئی۔

"19 مئی 2014ء"

"میں شفا فاروق ہوں۔ اس قدر نالائق ہوں کہ کبھی سمجھ ہی نہیں سکی کہ لوگ ڈائری کیوں لکھتے ہیں۔ لیکن آج ابھی اس وقت بہت اچھی طرح سے سمجھ گئی ہوں۔ ہو سکتا ہے میں غلطی پر ہوں لیکن میرا خیال ہے وہ لوگ بھی میری ہی طرح تنہا ہوتے ہوں گے تب ہی تو لکھ لکھ کر ڈائریاں کالی کرتے رہتے ہیں۔

آج سے میں بھی کیا کروں گی کیونکہ میرے پاس بھی ایسا کوئی نہیں ہے' جس سے اپنے دل کی بات شیئر کر سکوں۔ اپنی شادی سے بہت پہلے عمیر بھائی سن لیا کرتے تھے' پھر ان کے پاس اتنی فرصت ہی نہیں رہی کہ میری باتیں سنتے۔ آہستہ آہستہ میری بولنے اور دل کی ہر بات انہیں بتانے کی عادت ختم ہوتی چلی گئی۔

وقت اور حالات عادتیں بدل دیتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عادتیں بدلنے سے دل بوجھل ہونا

چھوڑ دے۔ نہیں جی۔ دل تو اپنی مرضی پر ہی چلتا ہے۔ اب میرے ہی دل کو دیکھ لیں۔ مجال ہے جو اپنی ضد سے ہٹ رہا ہوں کہتا ہے تقی کے گھر جاؤ۔ امی کے گلے لگو۔ ابا کے ساتھ دیر تک شطرنج کھیلو۔ بھابھی سے گپیں لگاؤ۔ رضی بھائی سے آئس کریم کی فرمائش کرو اور جری کے ناز چھوٹے بھائیوں کی طرح اٹھاؤ اور۔ اور تقی سے محبت کرو۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اس گھر کے ہر فرد کے ساتھ ساتھ مجھے تقی سے بھی محبت ہو گئی اور پتا نہیں یہ کب ہوا تھا۔ تب جب وہ نکاح کر کے میرے کردار پر انگلی اٹھانے والوں کو خاموش کروا رہا تھا یا تب جب مہک سے میری خاطر الجھ رہا تھا یا تب جب اپنی پہلی کامیابی پر دیوانہ سا ہو رہا تھا۔

اس ایک لمحے کی نشان دہی کرنا میرے لیے بہت مشکل ہے' جب اس کی محبت نے میرے دل پہ دستک دی تھی۔

سوچتی ہوں کاش! میں نے امی کی بات مان لی ہوتی۔ میں مہک کو اپنے اور تقی کے درمیان سے نکال سکتی تھی لیکن پھر خائن بن جاتی تو اللہ کے پاس کس منہ سے جاتی۔ اس بے چارے نے میری مدد کی اور میں اس کی محبت کو اس سے چھین لیتی۔ نہیں یہ ہرگز جائز عمل نہ ہوتا۔

ہاں لیکن اپنی ایک بددیانتی میں تسلیم کرتی ہوں اور وہ یہ کہ اس گھر سے واپس آئے مجھے تقریباً" تین ماہ گزر چکے ہیں اور میں نے خلع یا تقی کی جانب سے طلاق کے بارے میں سوچا تک نہیں ہے۔ زندگی میں بعض دفعہ یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ آخر آپ چاہتے کیا ہیں' آپ کی ترجیحات کیا ہیں؟

میں اس سے الگ ہی رہنا چاہتی ہوں لیکن اس سے طلاق کا میری ترجیحات میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ کہنے کو تو کہہ دیا تھا کہ الگ ہو جائیں گے لیکن اس علیحدگی نے دل کا کیا حال کیا ہے' وہ میں جانتی ہوں یا میرا رب۔

بہرحال تقی جہاں رہے خوش رہے' ساہر بھابھی یہاں رہتیں تو اس کی شادی سے متعلق کوئی خیر خبر مل ہی جاتی لیکن وہ تین ماہ ہوئے اپنی امی کے گھر جا چکی ہیں۔ عمیر بھائی انہیں لانے پر راضی نہیں۔ وہ تو بچوں کو بھی اپنے ہی پاس رکھنا چاہتے تھے لیکن عادل بیمار رہنے لگا تو اسے چھوڑ آئے۔ ہدیہ پھر بھی مجھ سے الیچ ہے تو سنبھل جاتی ہے لیکن ہے تو وہ بھی بچی۔ جب ماں کی یاد ستاتی ہے تو رو رو کر برا حال کر لیتی ہے۔

میں نے ایک بار عمیر بھائی سے بات کرنے کی کوشش کی تو وہ ٹال گئے۔ زیادہ بات ہی نہیں کرتے۔ جب میں ان کی اتری ہوئی شکل دیکھتی ہوں تو گلٹی فیل کرتی ہوں۔ جو بھی ہوا اس میں مرکزی کردار تو میں ہی تھی۔ میرا خیال ہے مجھے ایک بار پھر عمیر بھائی سے بات کرنا چاہیے۔ اگرچہ بھابھی کو معاف کرنا میرے لیے مشکل ہو گا لیکن میری خاطر عمیر بھائی کو اپنا رشتہ خراب نہیں کرنا چاہیے۔ پھر ہدیہ اور عادل کو ماں باپ دونوں کی ضرورت ہے۔ ہم تو اپنا وقت گزار چکے۔ اب اس نئی نسل کی باری ہے تو ہم انہیں کیوں ٹوٹی پھوٹی شخصیات بننے دیں۔ میں عمیر بھائی سے ضرور بات کروں گی کہ ساہر بھابھی کو لے آئیں۔

ثمر کب سے کہہ رہی ہے۔ اس کی شادی کی تیاریوں میں تھوڑا ہاتھ میں بھی بٹا دوں۔ لیکن میں گھر سے نکل ہی نہیں پاتی۔ امید ہے شادی میں تقی سے ملاقات ہو جائے گی۔ اللہ کرے نہ ہی ہو۔ وہ سامنے آیا تو دل کو سمجھانا اور مشکل ہو جائے گا۔ ہماری زندگیوں میں ہمیشہ رشتوں کی کمی رہی ہے اب اگر کچھ رشتے مل ہی گئے تھے تو وہ بھی ایسے جیسے ادھار پر لیے ہوں۔ جنہیں ایک نہ ایک دن واپس کرنا ہی تھا سو کر ہی دیا۔ لیکن دل کا کیا کروں۔ یہ اداسی بھی تو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی۔"

اس نے قلم بند کیا اور کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ پھر سر بھی پیچھے کر لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

☆ ☆ ☆

تقی کو اس روز بڑے دن بعد آف ملا تھا۔ جی بھر کر سویا۔ پھر ڈٹ کر ناشتا بھی کیا۔

امی الگ واری صدقے جارہی تھیں۔ جب سے وہ شوبز میں گیا تھا۔ گھر پر تو کم ہی نظر آتا' انہیں وہ دن بڑے یاد آتے تھے جب وہ ان سے فرمائشیں کرکے ناشتے کھانے بنواتا تھا۔

آج گھر پر تھا تو انہوں نے چکن بھر کر پراٹھے بنائے۔ حلیم کا دیگچہ صبح ہی چڑھا دیا تھا۔ میٹھی لسی کا جگ بھر کر لائیں اور اب اصرار تھا کہ ایک کے بعد دوسرا پراٹھا بھی کھائے۔

"تو بھائی! ثابت ہوگیا پیسے کی قدر ہے یا شہرت یافتہ کی۔ ورنہ وہی تقی ہوں' جسے اس گھر میں کوئی نہیں پوچھتا تھا۔" وہ اسی سی آواز بنا کر کہہ رہا تھا لیکن سنجیدہ نہیں تھا۔ سراسر انہیں چڑا رہا تھا۔

"ہاں بیٹے! اب یہی دور آگیا ہے کہ ماں کی مامتا کو بھی پیسے اور شہرت کے ترازو میں رکھا جائے۔" وہ بھی اس کی امی تھیں۔ پلیٹ میں زبردستی پراٹھا بھی رکھ دیا اور بات بھی سنادی۔ تقی کھل کر مسکرایا۔

"مذاق کررہا ہوں۔ آپ کی مامتا کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں لیکن اتنا مت کھلائیں مجھے۔ پہلے کی بات اور تھی۔ آپ جو بھی بناتی تھیں' کھالیتا تھا لیکن اب اتنا نہیں کھاسکتا۔ تھوڑا سا بھی موٹا ہوگیا تو لوگ کاسٹ کرنا چھوڑ دیں گے۔ اس پروفیشن میں آنے کا ایک یہی نقصان لگ رہا ہے مجھے۔ اپنی مرضی سے کھا پی نہیں سکتا میں۔" اس نے حسرت سے پلیٹ میں پڑے کرارا گرم پراٹھے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے آگ لگے ایسے "پروفیشن" کو۔ جو میرے بچے کو اچھا کھانا بھی نہ کھانے دے۔ تم کھاؤ میرا بیٹا! میں دیکھوں گی کون کاسٹ نہیں کرتا۔ اور کوئی موٹا کہہ کر تو دکھائے۔ میرے بیٹے کی اچھی صحت کو نظر لگانے والے کی آنکھیں اور زبان نہ کھینچ لوں میں۔" وہ زیادہ ہی جذباتی ہوگئی تھیں۔ تقی ہنسنے لگا۔

"او میری پیاری۔ سلطان راہی کی جانشین امی! ہر پروفیشن کی اپنی کچھ ڈیمانڈز ہوتی ہیں۔ کچھ اصول ہوتے ہیں۔ سچ کہہ رہا ہوں۔ موٹا ہوگیا تو ہیرو نہیں لگوں گا اور جب ہیرو نہیں لگوں گا تو کوئی کاسٹ بھی کیوں کرے گا۔ اب ہر کوئی میں تو نہیں کہ آپ کی سات نمبر کی جوتی کے ڈر سے آپ کا ہر حکم مان لے میری طرح۔" اس نے شرارت سے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی۔" انہوں نے آگے سے پلیٹ اٹھالی۔

"شام کو کہیں جانا تو نہیں' فارغ ہی ہوگے نا؟"

"ہاں جی۔ کیوں؟" سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"تھوڑی دیر کے لیے جوہر ٹاؤن چلے جانا۔ مکان کرائے پر چڑھ گیا ہے۔ تمہارے ابا کہہ رہے تھے پک اپ بھجوادیں گے۔ تم وہاں سے اپنا سامان اٹھوالو۔"

"خدا خدا کرکے ایک چھٹی ملی ہے مجھے۔ کم سے کم آج تو کوئی کام نہ کہیں۔ ایک دن تو آرام کرنا میرا حق بنتا ہے۔ اور وہاں کون سا اتنا قیمتی سامان تھا کہ اسے اٹھوانا ضروری ہو۔" اس نے بچوں کی طرح بسور کر کہا۔

"ارے کچھ نہ کچھ سامان تو ضرور ہوگا۔ ادھر گھر میں کون ہے جس کو کہوں۔ رضی آفس گیا ہے' جری کالج۔ آج تم فارغ ہو تو یہ کام کرہی لو۔"

"امی!"

"اچھا ٹھیک ہے۔ اپنے ابا کو فون کرکے بتادو کہ تم نہیں جاسکتے۔" انہوں نے گیند اس کے کورٹ میں ڈال کر جان چھڑوائی' پتا تھا وہ انہیں انکار نہیں کرسکتا۔ اور ہوا بھی یہی۔

"جی ہاں۔ انہیں فون کروں تاکہ وہ دو کاموں کی لسٹ اور پکڑادیں۔" وہ چڑ ہی گیا پھر بولا۔

"ابا کو کہہ دیں۔ بھجوادیں پک اپ۔ چلا جاؤں گا میں۔" مرے ہوئے سے انداز میں کہا۔

امی مسکرا کر چلی گئیں۔ وہ چاہتی بھی یہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

تقی کا ارادہ نہیں تھا سوچا تھا کسی بھی بہانے سے ٹال دے گا لیکن ابا کے ڈر سے آنا ہی پڑا۔

بے شک وہ اس سے راضی ہوگئے تھے لیکن غصہ کرنے میں منٹ ہی لگاتے تھے۔ امی بھی ساتھ آگئی تھیں۔

"تقی بھائی کیا کیا اٹھانا ہے؟" دکان کا ملازم پوچھ رہا تھا۔

"جو نظر آئے لوڈ کرواتے جاؤ۔" وہ لاپروائی سے کہتا اندر آگیا اور برآمدے میں کرسی گھسیٹ کر آرام سے بیٹھا اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر سستانے لگا۔

"تم یہاں آرام کرنے آئے ہو۔" امی کی آواز پر بھی اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کوئی کام نہیں کروں گا۔"

امی نے جواب نہیں دیا۔ انہیں تو یہاں کا سناٹا پھاڑ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔

"مجھے تو واپس چھوڑ آؤ۔ کیسی رونق لگی رہتی تھی شفا کے دم سے۔"

تقی نے جواب نہیں دیا۔ یوں ظاہر کیا جیسے سنا ہی نہ ہو۔ امی یونہی شفا کو یاد کرتی دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

آنکھیں بند کیے ایک دم سے شفا اسے بڑی شدت سے یاد آئی تھی۔

یوں لگا جیسے اس کی ہنسی آس پاس ہی گونجی ہو۔ چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

لیکن وہ تو کہیں بھی نہیں تھی اس کی متلاشی نظریں بھی لاشعوری طور پر سارے گھر کا چکر لگا آئیں۔

تب نظریں کچن کی دہلیز پر جارکیں۔ اسے یاد آیا۔ وہ یہیں پھسل گیا تھا اور ایسا برا پھسلا تھا کہ کئی دن تک کہنی سے درد نہیں گیا تھا۔ اسے لگا جیسے ابھی بھی شفا کمر پر ہاتھ رکھ کر وہیں کھڑی اس سے جھگڑا کررہی ہو۔

"ناشتا بنوانا تھا تو صاف کہہ دیتے۔ اتنا ڈراما کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"او ہیلو۔ احسان جتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تو نہیں کہا تھا تم خود ہی بنانے لگ گئیں تو اب اتنا اکڑ کیوں رہی ہو۔" تقی نے تپ کر کہا تھا۔

"ایک تو میں نے بنا کے تمہارا ناشتا بنایا اور تم احسان بھی نہیں مان رہے' الٹا اکڑ رہے ہو۔" وہ ناک چڑھا کر کہتی تھی۔

"ایسی بات ہے تو جب تک ہم ساتھ رہیں گے ایک دوسرے کے لیے کوئی کام نہیں کریں گے۔"

"اور ہر کام برابری کی بنیاد پر ہوگا۔ ایک دن گھر کی صفائی میں کروں گی' ایک دن تم۔ ایک دن کچن تم صاف کروگے' ایک دن میں۔"

اور جب تقی نے اس کی بات ماننے سے انکار کیا تو کیسے اس نے تیل گرا کر نہ صرف اس سے بدلہ لے لیا تھا بلکہ کام کرنے پر راضی بھی کرلیا تھا۔

اور وہ دن... جب شفا پہلی بار اس کے ساتھ بائیک پر بیٹھی تھی۔ تقی یاد کرکے ہنس دیا۔ کتنی زور سے چیخی تھی وہ۔

"اسی لیے تم سے کہہ رہی ہوں آہستہ چلاؤ۔ عمیر بھائی تو مجھے پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ تم کہیں گرا ہی نہ دینا۔"

"گرانے کی گارنٹی نہیں ہے' البتہ پیچھے تمہیں

نہیں چھوڑوں گا۔اس کی گارنٹی دے سکتا ہوں۔"
اس وقت یہ بات کہہ کر تقی نے رفتار بڑھادی تھی لیکن اب وہ بات یاد کرکے خفیف سا ہو گیا۔ چھوڑ تو آیا تھا۔

عجیب لڑکی تھی۔ اسے اپنے رشتے کی کبھی پروا نہیں رہی۔ ہمیشہ اس فکر میں رہتی کہ تقی اور مہک کے رشتے میں دراڑ نہ آئے۔ جب موقع ملتا اسے سمجھاتی۔ اس روز بھی جب تقی اسے اپنا پہلا بل بورڈ دکھانے لے گیا تھا۔ وہ اسے مہک کو بتانے' اسے اہمیت دینے کی تلقین کرتی رہی۔

"تم نے مہک کو بتایا؟" تقی نے نفی میں سر ہلادیا تھا۔

"تمہیں بتانا چاہیے تھا۔ وہ تمہاری کامیابی کا سن کر خوش ہوتی۔"

"صبح بتادوں گا۔ مجھے دراصل خیال ہی نہیں آیا۔ پہلا خیال تمہارا آیا تھا تو تمہیں ہی بتادیا۔"

"لیکن تمہیں سب سے پہلے اسے ہی بتانا چاہیے تھا۔ لڑکیاں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہت اہم سمجھتی ہیں۔"

"اس لیے کیونکہ لڑکیاں بدھو ہوتی ہیں؟"

"جی نہیں۔ اس لیے کیونکہ لڑکیاں بہت حساس ہوتی ہیں۔" شفا نے اس سے زیادہ زور دے کر کہا تھا۔

"میں نے سب لڑکیوں کا کیا کرنا ہے۔ میرے لیے ایک مہک ہی کافی ہے۔"

"اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ ہر چیز کو اپنی لاپروائی کی نذر مت کرو۔ خیال رکھا کرو اس کا۔" کتنی فکر تھی اس کے لہجے میں۔

اور پھر ان دونوں کے جھگڑے' جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔

"شام کی چائے کون بنائے گا؟"

"چائے تو میں ہی اچھی بناتا ہوں۔ لیکن چلو۔ تم بھی کیا یاد کروگی۔ میں آج تمہیں موقع دیتا ہوں۔"

"زیادہ سر مت چڑھو۔ چار روز سے میں ہی بنا رہی ہوں۔ آج تمہاری باری ہے۔"

"پہلے تم حلف اٹھاؤ کہ دوبارہ میری چائے کی برائی نہیں کروگی۔"

"خدا کو مانو تقی! میں خود پر ظلم کرتے ہوئے تمہاری بنائی ہوئی چائے پینے پر راضی ہو جاتی ہوں۔ یہ ہی بڑی بات ہے۔ تم اس پر بھی حلف لینا چاہتے ہو؟"

یہ بات اور ایسی ہی کئی چھوٹی چھوٹی باتیں یاد کرکے وہ مسکراتا رہا۔

"تم دیکھنا! تمہارا میاں سر پکڑ کر رویا کرے گا۔" اسے چڑانے کے لیے تقی اکثر پیشن گوئی کیا کرتا تھا۔

"تم میرے میاں کے غم میں ہلکان مت ہوا کرو۔ دیکھنا! وہ دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہو گا۔" وہ بھی آگے سے اترا کر کہتی۔

"جب تم سے شادی ہو جائے گی تو خوش قسمتی کیسی۔ اس سے تو اچھا ہے' وہ بد قسمت ہی ہو جائے۔" وہ قہقہہ لگاتا۔ شفا بری طرح چڑ جاتی۔

"میں غلط کہتا تھا شفا! تمہارا شوہر واقعی دنیا کا خوش قسمت انسان ہو گا۔" وہ دل ہی دل میں اسے مخاطب کرکے بولا تھا۔

"تقی!" امی کی آواز پر وہ چونک کر ان یادوں سے نکل آیا۔ گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔

"مجھے نہیں پتا' شفا کو واپس لے کر آؤ۔ یہ گھر اس کا ہے یہاں وہی رہے گی۔" وہ آنکھوں میں آنسو لیے بچوں کی طرح کہہ رہی تھیں۔

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

ناولٹ

آمنہ ریاض

ماہِ تمام

باقر لودھی اپنے منجھلے بیٹے تقی کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت سے سخت نالاں ہیں اور اسے ہر وقت بدحزاجی کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔ تقی کو شوبز میں کام کرنے کا شوق ہے جبکہ لودھی صاحب اس کام کے سخت مخالف ہیں۔ دونوں باپ بیٹے میں اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ رضی اور جری سے البتہ باقر صاحب کو کوئی شکایت نہیں۔

شفا کو عمیر نے والدین کے بعد باپ بن کر پالا ہے۔ وہ عمیر کی بے حد لاڈلی ہے مگر عمیر کی بیوی ساہر کو اس سے شدید جلن ہے۔ وہ عمیر سے جھوٹ بول کر اسے شفا سے بدظن کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ عمیر کو اپنی بیوی پر پورا یقین ہے۔

ساہر اور عمیر کی شادی کے ابتدائی دنوں میں شفا ساہر سے بہت بدتمیزی کیا کرتی تھی۔ وہ اسے ہر وقت عمیر کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتی اور جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر اسے عمیر سے ڈانٹ پڑوا دیتی۔ رات کے کھانے پر پاستا بناتے پر اس نے ساہر سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا اور سیڑھیوں سے حادثاتی طور پر گر جانے کا الزام ساہر پر لگا دیا کہ ساہر نے اسے دھکا دیا ہے۔ اس بات پر عمیر ساہر کو دو تھپڑ مار دیتے ہیں۔ ساہر کو بہت دکھ ہوا ہے۔ شفا خود بھی گنگ ہو جاتی ہے۔ تقی کے گہرے دوست سمیر کے ابا اپنی پسند سے اس کی منگنی کر دیتے ہیں۔

۱۴

چودھویں اور آخری قسط



اس روز شفا بے دار ہوئی تو ہدیہ اس کے ساتھ نہیں تھی۔ وہ شفا کے ساتھ سوتی تھی اور ہر روز صبح شفا ہی اسے اسکول کے لیے جگاتی تھی لیکن آج وہ اس کے ساتھ نہیں تھی تو یہ حیرانی کی بات تھی۔ شفا نے اسے تلاش کرتے ہوئے دو تین آوازیں دیں۔ باتھ روم میں دیکھا لیکن ہدیہ وہاں بھی نہیں تھی۔

شفا پریشانی کے عالم میں اسے تلاش کرتی ہوئی کمرے سے نکلی۔

ہدیہ لاؤنج میں کارنر والے صوفے کے پیچھے چھپ کر بیٹھی گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔

"ہدیہ۔۔۔ میری جان!" شفا نے اسے سینے سے لگالیا۔ "کیا ہوا ہے میری گڑیا کو۔"

"پھپھو!" وہ اس کے کندھے سے چمٹ کر اور شدت سے رونے لگی۔

"ہدیہ جانو۔۔۔ کیا ہوا۔۔۔ پھپھو کو نہیں بتاؤ گی؟" شفا بُری طرح پریشان ہو گئی تھی۔

"مجھے ماما یاد آرہی ہیں۔" ہدیہ نے روتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔" شفا کا دل اپنی جگہ سمٹا۔ "پہلے آپ چلی گئی تھیں۔ اب ماما چلی گئی ہیں۔ پاپا میرے ساتھ بات نہیں کرتے۔ کھیلتے بھی نہیں ہیں۔ پاپا سے کہیں عادل کی طرح مجھے بھی ماما کے پاس چھوڑ آئیں۔ میری فرینڈ کہتی ہے جن کی ماما چلی جاتی ہیں۔ ان کے پاپا پھر نئی ماما لے آتے ہیں۔ پھپھو! کیا پاپا بھی نئی ماما لے آئیں گے؟" وہ روتے ہوئے معصومیت اور کسی قدر خوف کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔

"نہیں میری جان!" اس نے پیار سے پچکارا لیکن ہدیہ کی تان ایک ہی نقطے پر اٹکی ہوئی تھی۔

"آپ کو نہیں پتا۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ پاپا نئی ماما لے آئے ہیں۔ نئی ماما مجھے مارتی ہیں دھکا بھی دیتی ہیں۔ ان کے لمبے لمبے دانت ہیں۔ گندے سے بڑے بڑے ناخن۔ پھپھو! آپ اللہ تعالیٰ سے کہیں مجھے اپنے پاس بلالیں لیکن میں نئی ماما کے پاس نہیں جاؤں گی۔ مجھے اپنی ماما کے پاس ہی جانا ہے۔"

"آپ فکر مت کرو ہدیہ! ہم تمہاری ماما کو واپس لے آئیں گے۔"

اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا اور ہدیہ کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔

جو فیصلہ وہ اتنے بہت سے دنوں میں نہیں کرپائی تھی۔ وہ اس ایک لمحے میں ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

تقی نے کرسی لاکر ان کے پاس رکھی اور زبردستی انہیں بٹھادیا۔

"آپ کو آج پھر شفا یاد آگئی۔" وہ ان کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

"بھولتی ہی کب ہے جو یاد آئے گی۔" انہوں نے اور دکھی ہو کر کہا۔

"میری بات مانو تقی! اپنے ساتھ دشمنی مت کرو۔ تم مہک کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکو گے۔"

"امی! آپ پھر وہی بحث چھیڑ رہی ہیں۔ جو تین مہینے پہلے بڑی مشکل سے ختم ہوئی تھی۔"

"ختم نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت بھی تمہارے غصے کے ڈر سے کرو دب گئی تھی۔"

"جو بھی ہے۔" اس نے چڑ کر تو نہیں لیکن بات ختم کرنے والے انداز میں کہا۔ "بس ختم کردیں اب اس بات کو۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میری شادی کی آپ کو اتنی جلدی ہے تو پاپا سے بات کرلیں۔ سمیر کی شادی کے بعد چلتے ہیں مہک کی طرف۔ جو آپ لوگوں کو مناسب لگے شادی کی تاریخ رکھ لیں۔ اگست میں ایک پروجیکٹ کے سلسلے میں ہوائی جانا ہوگا۔ سوچ رہا ہوں مہک کو بھی ساتھ لے جاؤں۔"

کہہ کر وہ رکا نہیں کمرے میں۔ امی بس گیلی آنکھیں ہی مسلتی رہیں۔

☆ ☆ ☆

"تمہیں تو اب فرصت ہی نہیں ملتی۔" مہک نے

جوس کا چھوٹا سا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ "نہ ملتے ہو نہ کال کرتے ہو۔ اتنے مصروف ہو گئے ہو؟" وہ دونوں کئی دنوں بعد مل رہے تھے۔ کارنر والی ٹیبل پر ذرا ہٹ کر ہی بیٹھے تھے کیونکہ تقی اب پبلک پلیس پر پہچان لیا جاتا تھا پھر اس کے گرد جمگھٹا لگ جاتا تھا تو مہک کو الجھن میں مبتلا کرتا تھا۔

"تمہیں پتا ہے یار! میڈیا کی جاب اتنی بھی آسان نہیں ہے۔ دن رات شوٹنگز' ڈانس اوورز' پروموشن کے سو جھنجھٹ۔" تقی کچھ تھکا ہوا سا لگ رہا تھا۔

"پھر بھی تقی! انسان تھوڑا ٹائم تو نکال لیتا ہے۔"

"تم خود کون سا فارغ رہتی ہو۔ جب مجھے فرصت ملتی ہے تو تم وقت دینے کو تیار نہیں ہوتیں۔"

"تمہیں پتا ہے میں نے پاپا کی فرم جوائن کرلی ہے۔ اب پہلے کی طرح ٹائم ملنا تو مشکل ہے۔" اس نے فوراً "اپنی مصروفیت کا قصہ بھی کہہ سنایا۔

"اچھا سنو۔ میں سوچ رہا تھا امی ابا کو تمہاری طرف بھیجوں۔" تقی کو اچانک خیال آیا۔

"کس لیے؟"

"شادی کی تاریخ طے کرلی جائے۔"

مہک کو جوس پیتے بے اختیار کھانسی آگئی۔

"شادی کی تاریخ۔" اس نے سانس بحال کی۔ "اتنی جلدی کیا ہے؟"

"مجھے تو خیر جلدی نہیں ہے۔ امی کو ہے۔ وہ جلد از جلد بہو گھر لانا چاہتی ہیں۔" تقی نے ہنس کر جتایا۔ اس کا خیال تھا اس کی ماں کی معصوم سی خواہش مہک کو بھی مسرور کرے گی لیکن وہ بھول گیا وہ مہک تھی شفا نہیں۔

"اوہ۔۔۔ میں سمجھ گئی۔ اولڈ مڈل کلاس مینٹلٹی۔" اس نے ہنس کر بظاہر عام سے لہجے میں کہا تھا۔

"بیٹا پڑھ لکھ کر کمانے لگا ہے تو بس شادی کرو اور بہو گھر لے آؤ۔ اپنی لائف تو انجوائے کرنے دو۔ اسے تھوڑی اسپیس دو تاکہ وہ لائف اپنے طریقے سے گزار سکے۔ مجھے تو یہ بہت عجیب بات لگتی ہے۔"

"اس میں عجیب بات تو کوئی نہیں ہے۔" تقی کو

اس کا انداز اچھا نہیں لگا۔ بے شک وہ دونوں محبت کی ڈور میں بندھے ہونے کے دعوے دار تھے لیکن ابھی وہ منزل نہیں آئی تھی جہاں بے دھڑک دل کی بات کہہ دی جائے۔

"جو بات تمہیں عجیب لگ رہی ہے' وہ ہمارے یہاں ماؤں کی خوشی مانی جاتی ہے کہ بیٹا برسرروزگار ہو گیا تو اسے شادی کرکے دیکھیں۔"

"تھینکس گاڈ! ہماری کلاس کی ماماز ایسی باتوں پر خوش نہیں ہوتیں۔ ایکچوئلی ان کی اور بہت ایکٹیویٹیز ہوتی ہیں جو انہیں خوش رکھتی ہیں۔"

"ہاں مگر تم اپنی ماما کے رولز فالو نہیں کرپاؤ گی کیونکہ شادی کے بعد تو تمہاری بھی وہی کلاس ہوگی جو میری ہے۔" اس نے دوٹوک لہجے میں کہا تھا۔

"Not really" مہک نے ہنس کر کہا لیکن اس کا انداز بات ٹالنے والا تھا۔

"پھر کب بھیجوں؟" تقی نے بھی اس کی بات نظر انداز ہی کی تھی۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ شادی بھی ہو جائے گی۔" اس نے بات کا اثر زائل کرنے کے لیے موبائل اٹھا کر میسج کرنا شروع کردیا۔ تین چار منٹ بعد دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تمہارے دوست کی شادی کب ہے؟"

"پرسوں مہندی ہے۔"

"پرسوں۔۔۔ پرسوں میں فری ہوں۔ ٹھیک ہے۔ میں بھی چلتی ہوں۔" اس نے مزے سے کہا۔

"آں۔۔۔ تم؟" وہ تذبذب میں پڑ گیا۔

"کیوں۔۔۔ کیا نہیں جاسکتی؟ بنا بلائے جانے پر وہ لوگ مائنڈ کریں گے کیا؟"

"ارے ایسی بات نہیں ہے۔" تقی نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ٹھیک ہے تم بھی چلو۔"

"ویری گڈ۔" وہ پرجوش ہو کر بولی۔ "مجھے بہت شوق تھا کوئی مڈل کلاس شادی اٹینڈ کرنے کا۔ یہ شوق بھی پورا ہو جائے گا۔" اس نے خوش ہو کر جتایا اور

جوتیں پہنے تقی
تقی اسے دیکھ کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

شفا نے تیار ہو کر کوئی دسویں بار خود کو آئینے میں دیکھ لیا۔ پورے گھر کے بیسیوں چکر بھی لگا لیے لیکن عمیر بھائی تھے کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ ہدیہ بے چاری انتظار کر کر کے سو بھی گئی۔ ثمر فون کر کر کے الگ دماغ کھا رہی تھی۔

"میری اکلوتی بیسٹ فرینڈ۔ میری باتوں پر اتنا لیٹ یاد رکھنا شفا! تم سے پہلے اگر سمیر کے گھر والے پہنچ گئے ناں تو میں بخشوں گی نہیں تمہیں دعا کرنا شروع کردو کہ سمیر لوگ لیٹ ہو جائیں۔"

"عجیب لڑکی ہو۔ سارے زمانے کی لڑکیاں خوش ہو رہی ہوتی ہیں کہ ان کے دولہا اتنی جلدی پہنچ رہے ہیں۔ ایک تم زمانے سے نرالی ہو کہ ان کے لیٹ ہونے کی دعائیں کروا رہی ہو۔"

"تمہارا ہی فائدہ ہے۔" اس نے مزے سے کہا۔

"اچھا ناں یار! میں تو کب سے تیار ہو کر کھڑی ہوں۔ عمیر بھائی آنے کا نام ہی نہیں لے رہے۔"

"تم نے پہلے سے نہیں بتایا تھا؟"

"بتایا تھا... بھائی آفس سے تو نکل گئے ہیں ٹریفک جام میں پھنسے ہوئے ہیں۔"

خدا خدا کر کے کچھ دیر اور گزری تو عمیر بھائی آگئے اور اسے گیٹ پر ہی بلوالیا۔

"کھانا تو کھائیں۔" شفا نے کہا۔

"اب ٹائم نہیں ہے۔ تم آؤ جلدی سے۔ تمہیں چھوڑ آؤں۔ کھانا تو واپس آکر بھی کھایا جا سکتا ہے۔" ان کو اس سے بھی زیادہ جلدی تھی۔

"اچھا... بس ابھی آئی۔" شفا جلدی سے اندر گئی اس کی واپسی پانچ منٹ بعد ہوئی تھی۔

"چلیں۔" اس نے ہدیہ کو پچھلی سیٹ پر بٹھایا اور خود بھی بیٹھ گئی۔

"پہلے تو شور مچا رکھا تھا کہ جلدی آئیں۔ دیر ہو گئی تو ثمر ناراض ہو جائے گی۔ اب آگیا ہوں تو کہاں چلی گئی تھیں۔" عمیر نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کا کھانا گرم کر کے ٹیبل پر رکھ کر آئی ہوں۔ اب واپس جاتے ہی کھا لیجئے۔" وہ اپنے پاؤچ میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔

"میں جا کر گرم کر لیتا۔ تم نے ایسے ہی تکلف کیا۔" عمیر نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے بے دھیانی میں کہا۔

"تکلف..." شفا نے تعجب سے انہیں دیکھا پھر خفیف سا ہنس دی۔ بولی کچھ نہیں۔ اس کے بعد عمیر بھائی ہی باتیں کرتے رہے اس نے بس ہوں 'ہاں میں ہی جواب دیا۔ ثمر کا گھر آگیا تو اسی خاموشی سے اتر گئی۔

"واپسی میں شاید دیر ہو جائے۔ آپ ویٹ نہ کیجئے گا۔ میں اور ہدیہ رات کو یہیں رک جائیں گے۔"

"نہیں۔ جب فارغ ہو جاؤ تو کال کر دینا۔ میں آجاؤں گا لینے۔ خالی گھر مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔"

"تو پھر گھر کی اصل مالکن کو واپس لے آئیں۔ ورنہ خالی گھر تو ایسے ہی کاٹ کھانے کو دوڑتا رہے گا۔"

شفا نے بے ساختگی سے کہہ دیا تھا۔ فیصلے کا ایک لمحہ ہوتا ہے اور شفا نے اس لمحے کو گنوانا مناسب نہیں سمجھا۔

عمیر چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ شفا گاڑی کی کھڑکی میں جھک گئی۔

"آپ کے گھر کو میری یا ہدیہ کی ضرورت نہیں ہے بھائی! ہم تو اس گھر کی بیٹیاں ہیں۔ اور بیٹیاں ساری زندگی باپ بھائی کے گھر میں نہیں رہتیں۔ آپ کے گھر کو بیوی کی ضرورت ہے۔ آپ کو ساہر بھابھی کی ضرورت ہے۔"

وہ اتنے پیار اور نرمی سے بول رہی تھی کہ اس کا لفظ لفظ عمیر کے دل میں اترتا چلا گیا۔

"پھر بات کریں گے۔" انہوں نے بات سمیٹی اور زن سے گاڑی بھگا لے گئے۔

شفا خفیف سی ہوئی۔ مایوس نہیں۔

"آپ جتنے چاہے پردے ڈال لیں اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ ساہر بھابھی کے بغیر آپ کی زندگی میں اتنا بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے جسے کوئی دوسرا انسان نہیں بھر سکتا۔" ہدیہ کا ہاتھ پکڑتے اس نے دل ہی دل میں عمیر کو مخاطب کیا تھا۔

"پھپھو!" ہدیہ منہ اٹھا کر معصومیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "پاپا ماما کو گھر لے آئیں گے ناں؟"

"ضرور لے آئیں گے۔ بس دو دن اور۔" اس نے پیار سے ہدیہ کا گال چھوا۔ وہ اسی میں خوش ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

"مایوں تو ٹپیکل خواتین کی رسم ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا ہم دونوں چغد وہاں کیا کرنے جا رہے ہیں۔" تقی چڑ کر بول رہا تھا۔ پہلے تو آنے پر ہی راضی نہیں تھا اور جب آیا کالے رنگ کی اسٹائلش سی شلوار قمیص میں سج کر آگیا۔ اس تیاری کے ساتھ وہ دولہا کا دوست کم خود دولہا زیادہ لگ رہا تھا۔

"اماں اور ساری خواتین کو ثمر کے گھر کسی نے تو چھوڑنے جانا تھا تو میں نے سوچا ہم دونوں فارغ ہوں گے تو ہم چھوڑ آتے ہیں۔" سمیر نے کہا۔

"بڑا اچھا سوچا... تم سے تو کسی اچھی سوچ کی توقع کرنا ہی بے وقوفی ہے۔" تقی نے جل کر کہا تھا۔ سمیر نے اسے بری طرح گھورا۔

"بھولو مت۔ تم میرے بیسٹ فرینڈ اور شہ بالے ہو۔ اس لیے تمہیں ساری شادی میں میرے ساتھ ساتھ رہنا پڑے گا۔"

"بھائی! میں اس جبری تقرری سے مستعفی ہوتا ہوں۔ تم یہ پوسٹ کسی اور کو دے دو۔"

"تقی!" وہ بچوں کی طرح جھنجھلانے لگا۔

"اور نہیں تو کیا یار! میں نے سوچا تھا اتنے دنوں بعد ذرا ریلیکس ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ آرام سے بیٹھیں گے۔ کوئی مووی دیکھیں گے۔ ذرا Chill کریں گے۔ تو نے سارا پروگرام بگاڑ دیا۔"

"تو نے میری شادی کے لیے آف لیا ہے ناں۔ تو پھر اتنی باتیں کیوں سنا رہا ہے۔ اور خدارا اب آہستہ بولنا۔ اماں پہلے ہی مجھے ساتھ لے جانے پر راضی نہیں تھیں۔ میں نے کہا اکیلا تھوڑا جاؤں گا تقی کو بھی ساتھ لے جاؤں گا تاکہ ثمر کے گھر والوں کو بھی اعتراض نہ ہو کہ دولہا اٹھ کر آگیا ہے۔"

"ہاں تو دولہا ٹک کر گھر کیوں نہیں بیٹھتا۔ لوفروں کی طرح خواتین کے فنکشن میں انٹری مارنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"چار دن ہو گئے ہیں میں نے ثمر کو نہیں دیکھا۔" دکھی انداز میں اطلاع دی گئی "پھر ثمر کی بھی خواہش تھی کہ میں آؤں۔"

تقی نے اسے گھور کر دیکھا لیکن اس کی شکل دیکھ کر ہنسی آگئی۔

"بیٹا! تم صحیح جورو کے غلام ثابت ہونے والے ہو۔ خیر کب تک نکلنا ہے؟"

"ابھی کہاں نکلنا ہے؟" ایسے کہا جیسے اس کی عقل پر شک گزرا ہو۔

"ابھی تو میں تیار رہوں گا۔ تم اتنا تیار ہو کر آگئے ہو کہ شہ بالے کم دولہا زیادہ لگ رہے ہو۔ مجھے تو فکر پڑ گئی 'کہیں ثمر کی رشتہ دار خواتین میرے بجائے تمہیں ابٹن لگانا شروع کر دیں۔"

"ہاہاہا... اتنا فکر مند نہ ہو۔ میں خود ہی ذرا پیچھے پیچھے رہوں گا تاکہ کوئی غلط فہمی کا شکار ہو ہی نہیں۔ لیکن پھر بھی تم دل میں دعا ضرور کرتے رہنا۔ دراصل میری پرسنالٹی ہی ایسی ہے کہ بڑے بڑے کامپلیکس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پھر تم کیا چیز ہو۔"

"ہونہہ۔" اس نے منہ کا زاویہ بگاڑ کر کہا ہی تھا کہ سمیر کی اماں آگئیں۔

"ارے تقی! تم آگئے۔" تقی کے سر پر پیار دیتے ہوئے کہا۔

"جی اماں! کوئی کام ہے تو بتائیں؟" وہ فوراً تابع دار بنا۔

"بیٹا! کام کیا ہونا ہے بس ذرا سمیر کا ہاتھ پکڑے

رکھنا۔" انہوں نے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔ وہ دونوں حیران ہو کر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

"اس کی کوئی نرالی شادی ہو رہی ہے کہ خوشی سے باؤلا ہوا جارہا ہے۔ ایسا نہ ہو وہاں ناچنا ہی شروع کردے۔ اب تم آگئے ہو تو مجھے تسلی رہے گی۔ ذرا سنبھال لینا۔"

ان کا سنجیدہ انداز۔ تقی کا قہقہہ بے ساختہ تھا اور سمیر کی شکل دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

☼ ☼ ☼

شفا ثمر کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ۔ سامنے ہی بیٹھی تھی۔ گھر کے سادہ سے لباس میں تھی۔ مایوں کا جوڑا تو ابھی سمیر کے گھر سے آنا تھا لیکن اس روپ میں بھی خوب دمک رہی تھی۔ شادی کا ایک الگ ہی روپ ہوتا ہے جو لڑکی کے چہرے پر نظر آنے لگتا ہے۔

"بڑی جلدی آگئی ہو۔" خفا ہو کر کہا۔

"یار! عمیر بھائی دیر سے آئے نا۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہتی اپنا پاؤچ اس کے بیڈ پر اچھالتی اس کے پاس آگئی۔

"میں نے ابھی کھڑکی سے دیکھا۔ ابھی بھی تم عمیر بھائی سے بات کر رہی تھیں۔ یہ ضروری بات کسی اور دن نہیں ہو سکتی یا آج ہی سارے کام نبٹانے تھے۔" ثمر اس کے دیر سے آنے پر بہت خفا تھی۔

"میں ان سے کہہ رہی تھی ساہر بھابھی کو واپس لے آئیں۔"

"کیا؟" ثمر کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ "انہوں نے تمہارے ساتھ اتنا برا کیا، پھر بھی تم چاہتی ہو وہ واپس آئیں۔"

"اس کے علاوہ کوئی دوسرا آپشن بھی تو نہیں ہے۔" شفا نے سادگی سے کہا۔ "ہدیہ ہر وقت ساہر بھابھی کو یاد کرکے روتی ہے۔ زندگی میں کوئی کتنا بھی پیار کرلے، ماں کی کمی پوری نہیں کر سکتا۔ پھر عمیر بھائی کو دیکھو، کتنے کمزور ہو گئے ہیں وہ۔ کھانا نہیں کھاتے، بات نہیں کرتے، ایسے ٹوٹے بکھرے کبھی نہیں تھے وہ۔ مجھ سے ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ اس سب کو بھلانا اور بھابھی کو معاف کرنا مشکل ہوگا لیکن ناممکن نہیں۔ ویسے بھی میں اتنی خود غرض بھی نہیں ہو سکتی کہ بھابھی کے کیے کی سزا ان کے بچوں کو دوں۔ عادل ساری زندگی کے لیے باپ سے محروم رہے گا اور ہدیہ ماں سے۔ یہ میں نہیں چاہتی کسی قیمت پر نہیں۔" اس نے پورے مصمم لہجے میں کہا تھا۔

ثمر اسے اس کے ارادے سے باز رکھنا چاہتی تھی لیکن اس کے لہجے کا ٹھوس پن دیکھ کر اپنا ارادہ بدل دیا کہ بہرحال ارادہ برا نہیں تھا اس کا۔

انتقام کی اس جنگ میں اگر کوئی سب سے زیادہ خسارہ اٹھاتا تو وہ ہدیہ اور عادل ہی تھے۔

"جیسے تمہاری مرضی۔" ثمر نے مسکرا کر نرمی سے کہا تھا پھر موضوع ہی بدل دیا۔

"بڑی تیار ہو کر آئی ہو، اچھی لگ رہی ہو ویسے۔" انداز میں شرارت بھر کر کہا تھا۔

"اتنی محنت سے تیار ہوئی ہوں۔ اچھی کیسے نہ لگتی۔" شفا خوش ہو کر کھڑی ہوئی اور شیشے میں خود کو دیکھنے لگی۔ اس نے بہت خوب صورت زرد جامہ وار کی لمبی قمیص کے ساتھ چست پاجامہ پہن رکھا تھا۔ دوپٹا ایک کندھے پر، دوسرے پر نفاست سے گندھی چٹیا۔ کانوں میں بڑی بڑی بالیاں، آنکھوں میں خوب بھر بھر کر کاجل اور ہونٹوں پر ہلکی لپ اسٹک۔

"لڑکیو! جلدی کرو۔ لڑکے والے آگئے ہیں۔ اور ثمر! یہ شفا کو تو تیار کرو۔ اتنی سادگی سے تیار ہوئی ہے کہ لگ ہی نہیں رہا، بیاہتا بچی ہے۔" ثمر کی امی اندر آکر کہنے لگیں۔ "باہر آکر دیکھو میرے دیور کی بیٹیاں تم سے دس گنا زیادہ تیار ہو کر آئی ہیں۔"

شفا خفیف سی ہو گئی۔

"شفا اس سادگی میں بھی ان سب سے زیادہ اچھی لگ رہی ہے۔" ثمر نے صورت حال سمجھ کر فوراً بات سنبھالی۔

"ویسے بھی شفا کو ان کی طرح غیر ضروری میک اپ

لادنے کی عادت نہیں ہے۔ یہ ایسے ہی ٹھیک ہے۔"

"اچھا بھئی جیسے تم لوگوں کی مرضی، میں مہمانوں کا استقبال کرنے جارہی ہوں ذرا سی بھی دیر ہو گئی تو سمیر کی اماں برا مان جائیں گی کہ دولہا کی ماں کو صحیح پروٹوکول نہیں ملا۔" انہوں نے مزے سے کہا اور جلدی سے باہر نکل گئیں۔

وہ دونوں ان کے انداز پر مسکرا رہی تھیں ان کے جاتے ہی ثمر نے اس کا پیچھا لیا۔

"امی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اچھی تو لگ رہی ہو تم لیکن کسی اینگل سے بیاہتا نہیں لگ رہیں۔" وہ اسے گہرے رنگ کی لپ اسٹک لگانا چاہتی تھی، شفا نے اس کا ہاتھ روک دیا۔

"تم بھول رہی ہو۔ میں بیاہتا ہوں بھی نہیں۔" اس کے لہجے میں اداسی کی ہلکی سی رمق تھی۔

ثمر اصرار نہیں کر سکی۔

☼ ☼ ☼

اور وہی ہوا، جس کا ڈر تھا۔ سمیر کو اندر تک آنے کی اجازت نہیں ملی۔ معاملہ کچھ یوں تھا کہ اس کی اپنی ہی اماں۔ مخالف بن گئیں۔

"ڈرائیور کا کام ختم۔ اب نکلو یہاں سے۔"

"اماں! سوتیلے بیٹوں والا حال کیوں کر رہی ہیں؟" اس نے لاڈ سے کہا لیکن اماں لاڈ اٹھانے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

"اس بات پر سسرال میں طعنے کھاؤ گے۔ یہ مجھے منظور نہیں۔ راجپوتوں کی ایک شان ہوتی ہے اسے برقرار رہنا چاہیے۔"

"ایسی بات ہے تو مجھے ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی۔ گھر میں ہی منع کر دیتیں۔" اس نے جل کر کہا۔

"گھر میں ہی منع کر دیتی تو تمہیں تمہاری ضد کی سزا کیسے ملتی۔ اب باہر بیٹھ کر انتظار کرو۔"

"اچھا یہ مٹھائی کا ٹوکرا تو اندر پہنچا لینے دیں۔ آپ خود اٹھا کر لے جاتی اچھی لگیں گی کیا؟" اس نے محبت سے کہا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ ثمر کے گھر والوں کو پتا چل جائے کہ وہ بھی ساتھ آیا ہوا ہے، پھر اسے یقین تھا۔ کوئی نہ کوئی اسے اندر لے ہی جاتا لیکن یہ اماں بھی تھیں۔

"ٹوکرا تقی اندر پہنچا دے گا۔ تقی بیٹا! آنا ذرا۔" انہوں نے پیار برساتے انداز میں تقی سے کہا۔

تقی کو سمیر کی درگت بنتے دیکھنے میں پہلے ہی گدگدی ہو رہی تھی۔ اس بات پر نہایت تابع داری سے آگے بڑھ کر ٹوکرا اٹھایا اور اچھا بچہ بن کر اماں کے پیچھے چل دیا۔

جاتے جاتے سمیر کو چڑانا نہیں بھولا تھا۔

"اماں کی راجپوتانہ شان بھی غلط وقت پر جاگتی ہے۔" سمیر منہ لٹکا کر گاڑی کے بونٹ پر چڑھ کر بیٹھ گیا اسے اس وقت پر افسوس ہو رہا تھا جب تقی کو ساتھ لے آنے کا مشورہ دیا تھا۔ نہ لاتا تو اب ٹوکرا اٹھا کر وہی اندر جارہا ہوتا۔

اندر تقی کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ایک تو یہ کہ وہ ٹی وی آرٹسٹ، پھر دولہا کا بہترین دوست اور سب سے بڑی بات یہ کہ رج کے ہینڈسم۔

ثمر کی کزنز نے چھپے چھپے دل تھامے تو ان کی والداؤں نے امید باندھ لی۔

ان ہی میں سے ایک کزن ثمر کو اطلاع دینے بھاگی۔

"ہائے اللہ ثمر! تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ سمیر بھائی کا کوئی دوست ٹی وی آرٹسٹ بھی ہے۔" وہ اتنی ایکسائیٹڈ تھی کہ اپنا سانس ہی سنبھال رہی تھی۔

ثمر مایوں کا جوڑا پہنے شفا سے چوٹی بنوا رہی تھی۔ شفا کے ہاتھ ٹھٹک کر رک گئے۔ دونوں رک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"تقی بھائی کی بات کر رہی ہو۔ وہ بھی آئے ہیں؟"

"ہاں وہی تقی وہ موبائل فون کے ایڈ والا۔ اف یہ بندہ تو ٹی وی پر کچھ لگتا ہی نہیں، جتنا اصل میں ہینڈسم ہے۔" دل پر ہاتھ رکھ کر وہ تو فدا ہوئی پڑی تھی۔ ثمر نے ذرا ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

"تم باہر جا کر بے ہوش ہو جاؤ۔ یہاں مجھے تیار ہونا ہے۔"

کزن پر نئے نئے عشق کا دورہ پڑا تھا اس لیے ثمر کی

بات کا برا نہیں مانا اور جیسے آئی تھی ویسے ہی لہراتی باہر نکل گئی۔

"تقی بھائی آئے ہیں تو سمیر بھی ضرور آیا ہوگا۔ تم ذرا جاکر دیکھو گی؟" ثمر نے پُرجوش ہو کر کہا۔

لیکن شفا خود کو لاتعلق ظاہر کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ یہ الگ بات کہ دل تقی کی آمد کا سن کر عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔

"تقی آیا ہے تو سمیر بھائی بھی آئے ہوں گے۔ ابھی کوئی ان کی خبر بھی لے کر پہنچ جائے گی۔ تم ذرا سر سیدھا رکھو مجھے ساٹ بنانے دو۔" زبردستی پکڑ کر اس کا سر سیدھا کیا۔

"ساٹ بنائی نہیں جاتی لگائی جاتی ہے۔" ثمر نے اس کے ہاتھ سے برش لے کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا اور پورا اس کی طرف گھوم کر زور دے کر بولی۔

"اور وہ بھی ٹوٹتے ہوئے رشتوں کی۔ جب ساحر بھابھی اور عمیر بھائی کا رشتہ جوڑنے کی کوششوں میں لگی ہو تو خود پر بھی رحم کرو۔ زیادہ اچھے پن کا مظاہرہ کرنے کے لیے اپنے دل کی خوشی کا خون مت کرو۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو۔ پاگل تو نہیں ہو گئیں۔" اس نے گھبرا کر جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا۔

"پاگل میں نہیں تم ہو گئی ہو۔" ثمر نے رسان سے کہا۔ "اپنے دل کا حال تم ساری دنیا سے چھپا سکتی ہو شفا۔ لیکن مجھ سے نہیں۔ اب جاؤ اور تقی بھائی سے مسکرا کر ملو۔"

"جب تمہیں باہر لے کر جاؤں گی تو مل لوں گی۔ اسپیشلی جاکر ملنا ضروری نہیں ہے۔" اس نے کنی کترا کر کہا۔

"بالکل ضروری ہے۔" ثمر اسے لے کر دروازے کی طرف چلی۔

"ثمر! ایسے عجیب لگے گا۔ میں نہیں جا رہی۔"

"اچھا۔" ثمر نے رک کر سوچا پھر بولی۔ "آؤ میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔"

☼ ☼ ☼

جس وقت ثمر شفا کا ہاتھ پکڑے بھاگم بھاگ سیڑھیاں اتر کر نیچے آرہی تھی، عین اسی لمحے تقی خواتین کی محفل سے جان بچا کر کھسک رہا تھا۔ لابی میں ٹکراؤ ہو گیا۔

تقی نے چونک کر دیکھا پھر فوراً سلام جڑ دیا۔

شفا ثمر کے ٹہوکوں کے باوجود خاموش رہی۔

"تقی بھائی! مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے، آپ فرار ہو رہے ہیں۔"

"معاملہ کچھ ایسا ہی ہے۔" اس نے انگلی کی پور سے پیشانی کھجاتے ہوئے کہا۔

"اتنی خواتین کے بیچ میں اکیلا پھنس گیا۔ شکر ہے آپ کی امی نے جان بچالی۔ سمیر خود تو اطمینان سے باہر بیٹھا ہے، لے کر مجھے پھنسا دیا۔"

"سمیر بھی آیا ہے۔" ثمر کھلکھلائی۔

"جی ہاں بالکل۔ لیکن اماں نے باہر ہی روک دیا۔ کہنے لگیں ڈرائیور کو اندر آنے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

ثمر کو اس بات پر بڑی گدگدی ہوئی۔ خوب کھلکھلا کر ہنسی۔ "سمیر کا موڈ آف ہوگا پھر تو۔"

"ایسا ویسا۔" تقی بھی مزے سے بولا پھر شفا کی طرف دیکھا۔

"تم خیریت سے ہو؟"

"ہاں بالکل۔" شفا بھی مسکرائی، پھر دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ کوئی بات ہوتی تو کرتے۔ ایسا لگ رہا تھا دانستہ ہی ایک دوسرے سے گریزاں ہیں۔

ثمر پہلے تو خاموش رہی پھر دونوں کو باری باری دیکھا۔

"کوئی بات کر لیں یا خاموش ہی رہنا ہے؟"

"میں چلتا ہوں۔ ایک تو سمیر کو اندر آنے نہیں دیا! پھر میں بھی اس کے پاس نہ گیا تو غصے سے بھوت بن جائے گا۔" وہ جلدی سے کہتا باہر نکل گیا تھا۔

ثمر نے اس کے جاتے ہی شفا کو بری طرح گھورا۔

"آج ہی منہ میں گھونگھنیاں ڈالنا ضروری تھی؟"

شفا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور ہال کی طرف چلی گئی۔ ثمر جیسے اس کی عقل پر

افسوس کر کے رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

شفا دانستہ ثمر سے بچتی محفل میں شامل ہو گئی۔ اسے ڈر تھا۔ وہ زبردستی تقی کے سامنے لے جاکر کھڑا کر دے گی تب ہی ڈھولک لے کر بیٹھ گئی۔ لیکن ثمر بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اسے زبردستی سب کے بیچ میں سے اٹھا کر لے گئی۔

"ضروری کام ہے۔" شفا کے انکار کے جواب میں اس نے بس اتنا کہا اور اسے کھینچتی ہوئی لے گئی۔ ڈھولک کے ہنگامے میں کسی نے نوٹس بھی نہیں لیا۔

"کیا مصیبت ہے تمہیں؟" باہر آکر اس نے زبردستی ہاتھ چھڑوایا۔

"مجھے سمیر سے ملنا ہے۔" ثمر نے بے چارگی سے کہا تھا۔ شفا نے سر پیٹ لیا۔

"شادی والے روز رتی برابر روپ نہیں آئے گا۔ پھٹکار برسے گی۔ دیکھ لینا۔" خبردار کرنا چاہا لیکن ثمر ٹھان چکی تھی۔ مزے سے بولی۔

"اور اگر یہ دن گزر گیا ناں تو دوبارہ میری زندگی میں نہیں آئے گا۔"

وہ بے پروا سے گھر کی پچھلی طرف چل پڑی۔

"سمیر پچھلے گیٹ پر انتظار کر رہا ہے۔" وہ بہت پرجوش ہو رہی تھی۔ شفا کو ناچار اس کی پیروی کرنا پڑی۔ دل ہی دل میں حیران بھی تھی کہ ثمر اتنا بڑا رسک کیسے لے رہی ہے۔ کسی کو کانوں کان بھی خبر ہو جاتی تو بہت بے عزتی ہوتی۔

وہ دونوں باہر نکلیں تو دیکھا گیٹ کے بالکل سامنے انتظار ہو رہا تھا۔ تقی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ سمیر گاڑی کے بونٹ پر سوار تھا۔ ثمر کو دیکھ کر وہ چھلانگ لگا کر اترا۔ چہرے پر خوشی سی پھیل گئی تھی۔

"بڑی دیر لگادی۔"

"بلایا کیوں ہے، یہ بتاؤ۔" ثمر نے کھنکتے لہجے میں کہا۔

"ضروری بات کرنا تھی۔" سمیر بہت ہی خوش تھا۔

"آپ لوگوں کو جو بھی بات کرنی ہے۔ ذرا جلدی کر لیں۔" شفا پر سخت گھبراہٹ سوار تھی۔ "اندر کسی کو پتا چلا کہ ہم باہر ہیں تو مصیبت ہو جائے گی۔" وہ بار بار مڑ کر گیٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم ہر بات کو چار سے ضرب دے کر بیان کرنا مت چھوڑنا۔" تقی نے جواب تک خاموش تھا، مداخلت کی، پھر سمیر سے بولا۔

"سمیر! تم لوگ آرام سے اپنا کام نمٹاؤ۔ یہاں کوئی مسئلہ ہوا تو میں سنبھال لوں گا۔" ساتھ ہی اس نے گاڑی کا اگلا دروازہ کھول دیا۔ ثمر چہکتی ہوئی اندر بیٹھ گئی۔

سمیر نے ہاتھ اٹھا کر تقی کو سراہا۔ "شکریہ میرے دوست۔"

وہ گاڑی میں بیٹھا۔ گاڑی اسٹارٹ ہو گئی اور زن سے چلی گئی۔

ایک منٹ کی بات تھی۔ شفا ہکا بکا کھڑی شکل دیکھتی رہ گئی۔

"منہ بند کر لو ورنہ مکھی چلی جائے گی۔" تقی نے جتنی بے ساختگی سے کہا تھا۔ شفا نے اتنا ہی گھبرا کر منہ بند کیا جیسے سچ مچ مکھی چلی جائے گی۔ پھر جو اسے نہ دیکھنے کا عہد کر رکھا تھا۔ اس عہد کو توڑ کے تقی کو دیکھا۔

"ان لوگوں کو اس طرح نہیں جانا چاہیے تھا۔ ابھی ثمر کو ابٹن لگتا ہے ان کی واپسی سے پہلے کسی نے ثمر کو بلوایا تو ہم کیا جواب دیں گے۔" وہ سچ مچ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

"ذرا ذرا سی باتوں پر گھبرانا چھوڑ دو شفا! بڑی ہو چکی ہو تم۔" ایک چھوٹے سے پتھر کو ٹھوکر سے اڑاتے ہوئے تقی نے مزے سے کہا۔

"اور تم ہر بات کو معمولی لینا چھوڑ دو۔" شفا نے چڑ کر کہا۔

"یہ معمولی بات ہی ہے۔" تقی نے زور دے کر کہا۔ "دو روز بعد ان دونوں کی شادی ہو جائے گی۔ اگر

ساتھ چلے بھی گئے تو کون سی قیامت آجائے گی۔ ویسے بھی انہوں نے ایک رنگ ہی خریدنی ہے۔ زیادہ سے زیادہ بیس منٹ میں واپس آجائیں گے۔"

بتا کر تقی آگے جانے لگا پھر مڑ کر اسے دیکھا۔

"آؤ۔"

"کہاں؟" وہ حیران ہوئی۔

"ایسے بدھوؤں کی طرح میں یہاں نہیں کھڑا رہ سکتا۔ تھوڑی واک کر لیتے ہیں۔"

شفا نے مڑ کر گھر کی طرف دیکھا۔ تذبذب میں کھڑی رہی پھر جیسے ہر بات پس پشت ڈال کر اس کے ساتھ چل پڑی۔

"وہ سامنے ایک دکان ہے۔ تمہیں آئس کریم کھلاتا ہوں۔" وہ بالکل نارمل لگ رہا تھا۔

"گھر میں سب کیسے ہیں۔؟ امی اور سبین کو بھی لے آتے۔"

"ٹھیک ہیں۔ وہ دونوں مہندی اٹینڈ کریں گی۔ آج تو میرا بھی آنے کا ارادہ نہیں تھا۔ سمیر زبردستی لے آیا۔"

"مہک کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" اس نے سرسری سا جواب دیا۔ فریزر دکان کے باہر ہی رکھا تھا۔ وہ کھول کر اندر جھانکنے لگا۔

"کون سی کھاؤ گی۔" شفا نے بھی اندر جھانکا اور اپنی پسند کی آئس کریم نکال لی۔ تقی اندر جا کر پیسے دے آیا۔

واپس آیا تو دونوں دوبارہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے گھر کی طرف چل پڑے۔

"تم نے میرا ڈراما دیکھا؟" تقی نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

شفا نے زور سے اثبات میں سر ہلایا۔ "میں تو حیران رہ گئی۔ بہت اچھا پرفارم کیا تم نے۔"

تقی خوش ہو گیا جیسے اسے سند مل گئی ہو۔ "صرف تم ہی نہیں کریٹکس بھی حیران رہ گئے۔ مجھے بہت ایپری سی ایشن ملی ہے۔" وہ جوش سے بتانے لگا۔

"ابا نے کیا کہا؟"

"وہ بھی بہت خوش تھے۔ کہنے لگے 'شفا نے بتایا تھا تم اچھی ایکٹنگ کرتے ہو۔ اتنی اچھی کرتے ہو یہ نہیں بتایا تھا۔'" اس نے ہنس کر بتایا۔ ساتھ ہی شفا کے ہاتھ سے آئس کریم لے کر ایک بائٹ لی۔ شفا اس حرکت پر خفیف سی ہوئی لیکن کچھ کہنے سے پہلے ہی تقی آئس کریم اس کے ہاتھ میں دے چکا تھا۔ "تکلفاً" خاموش ہی رہی۔

"تمہیں یاد ہے ہم نے پہلے بھی ایک بار ایسے سیلیبریٹ کیا تھا۔ جب میرا پہلا بل بورڈ لگا تھا۔" تقی کو اچانک یاد آیا۔

شفا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ شرارت سے بولی۔ "تم سڑک پر کتنا ناچ رہے تھے۔ بالکل پاگل لگ رہے تھے۔"

اس بات پر تقی نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ "میرا پہلا ڈراما آن ایئر ہوا تب بھی میرا دل چاہ رہا تھا کہ ویسے ہی سیلیبریٹ کروں۔"

"پھر؟"

"پھر کیا۔ تم تو تھیں نہیں کون میرے ساتھ آدھی رات کو سڑک پر جاتا۔" اس نے ایسے کہا جیسے شفا کی عقل پر شک گزرا ہو۔

شفا کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لیا۔

"مہک کو بلا لیتے نا۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

تقی نے سر جھٹکا۔ "مہک خود بڑی آدمی ہے بھئی اس کے پاس اتنی فرصت کہاں کہ بیٹھ کر ہماری چھوٹی چھوٹی خوشیاں مناتی پھرے۔" عام سے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے شفا کے ہاتھ سے دوبارہ آئس کریم لینا چاہی۔ شفا جو اس کی بات پر ابھی پوری طرح حیران بھی نہیں ہو پائی تھی۔ اس نے بے ساختہ ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"اتنے بڑے آدمی تو تم بھی ہو گئے ہو کہ دو آئس کریم خرید سکو۔" یہ کھلا طعنہ تھا لیکن تقی بالکل بھی بدمزا نہیں ہوا۔

"تمہاری آئس کریم شیئر کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ تمہارے جانے کے بعد تو میں نے آئس کریم

کھانا ہی چھوڑ دی تھی۔"

وہ آئس کریم کھاتا آگے نکل گیا۔ شفا وہیں کھڑی رہ گئی۔ اور وہ ایسا ہی تھا بڑی بڑی باتیں اتنے آرام سے کہہ جاتا کہ بس۔

☼ ☼ ☼

"میرا خیال ہے۔ تقی بھائی اور شفا نے کافی باتیں کر لی ہوں گی۔ ہمیں واپس چلنا چاہیے۔" ثمر نے بڑا سا گول گپا منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

سمیر اسے قریبی مارکیٹ لے آیا تھا۔ ثمر کی فرمائش پر اسے گول گپے لے کر دیے۔

"ان دونوں نے باتیں کی ہوں گی یا نہیں۔ میں تو جی بھر کے دیدار کر لوں۔" سمیر نے بازو باندھتے ہوئے اور بند گاڑی سے کندھا لگا کر کھڑے ہوتے ہوئے بڑے محبت بھرے انداز میں ثمر کو دیکھا تھا۔ وہ پیلے رنگ کے سوٹ میں سلیقے سے ڈھنگے پن سے سر پر دوپٹا اوڑھے مزے سے گول گپے کھانے میں مصروف تھی۔ ان کی گاڑی ٹھیلے سے تھوڑی دور کھڑی تھی اور گول گپوں کی ٹرے گاڑی کی چھت پر رکھی ہوئی تھی۔

"واہ۔ ایسے بات کرتے ہوئے اتنے لوفر لگے ہو ناں کہ کیا بتاؤں۔" ثمر نے بڑے آرام سے اس کے رومانٹک موڈ پر پانی پھیر دیا۔

"اسی لوفر کے ساتھ آپ نے ساری زندگی گزارنی ہے میڈم!" اس نے بھی چڑ کر کہا تھا۔

"دھمکی دے رہے ہو؟" اس کی آنکھیں پھیل گئیں لیکن اس کی آنکھوں سے زیادہ سمیر پھیل گیا۔

"نہیں۔ التجا کر رہا ہوں۔ پیار بھری۔ محبت بھری التجا۔" آ کر اس کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

ایک تو دیکھ ایسے رہا تھا پھر اتنا قریب بھی آ گیا تھا' ثمر جتنی مرضی پھنے خان بن لیتی' تھی تو لڑکی۔ اور لڑکیوں کے دل کو ذرا جلدی ڈانواں ڈول ہو جانے کی عادت ہوتی ہے۔ خصوصاً" اس مرد کے معاملے میں جو دل سے پہلے ہی قریب ہو اور اتفاق سے ایک دو روز میں زندگی کا ساتھی بھی بن جانے والا ہو۔

اس نے زور سے گلا کھنکھار کر اس طلسم کو ختم کرنے کی کوشش کی جو سمیر کی محبت لٹاتی نظروں سے پھیل رہا تھا۔

"دور ہو کے کھڑے ہو اور زیادہ مجنوں کے جانشین بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" اپنی گھبراہٹ پر بڑی مشکل سے قابو پا رہی تھی۔

سمیر نے اسے غصے سے گھورا اور گن کر چار قدم دور ہٹ گیا۔

"یہ لو ہو گیا دور۔ اور مار دیا میں نے اپنے اندر کے مجنوں کو۔ اب شادی کے روز بھی کوئی رومانٹک بات کر لی تو میرا نام بدل دینا۔"

اس بات پر ثمر کو بڑے زور سے ہنسی آ گئی۔

"اتنی بری لگ رہی ہو ایسے ہنستی ہوئی کہ بس۔" اس نے دانت کچکچائے ثمر اور زور سے ہنس دی۔

"اچھا چلو موڈ ٹھیک کرو۔" پھر موضوع بدل کر بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے سمیر! شفا اور تقی بھائی کا پیچ اپ ہو جائے گا؟"

"ان دونوں میں کوئی جھگڑا تو ہے نہیں کہ پیچ اپ کا سوال اٹھے۔" سمیر نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"بس ان دونوں کو یہ احساس ہو جانا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے کتنے ضروری ہیں۔ یہ جو ابھی ہنگامی ملاقات کروائی ہے' اس کے پیچھے بھی میرا یہی مقصد تھا۔ میں چاہتا ہوں وہ دونوں کچھ وقت ساتھ گزاریں تاکہ انہیں ایک دوسرے کی قدر آئے۔ پتا چلے' الگ ہونے کا فیصلہ کر کے وہ کس قدر حماقت کر رہے ہیں۔"

ثمر کی آنکھیں حیرانی اور صدمے سے کھل گئیں۔

"یعنی تم مجھ سے ملنا نہیں چاہ رہے تھے۔ ان دونوں کی ملاقات کے لیے تم مجھے یہاں لائے ہو۔"

"اور نہیں تو کیا۔" اس نے مزے سے کہا۔

"اور میں سمجھی۔ شادی سے پہلے ایک آخری بار تم

مجھ سے ملنا چاہ رہے ہو۔" اسی لیے ان دونوں کی ملاقات کا بھی کہہ دیا۔" اچھا خاصا صدمہ پہنچا تھا۔

"تو تمہارا کیا خیال تھا تم سے ملنے کے لیے مرا جا رہا ہوں۔" خوب دل جلانے والے انداز میں کہا تھا۔ ثمر منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ سمیر کن انکھیوں سے اسے دیکھتا اس بات پر خوش ہو رہا تھا کہ حساب برابر ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"تم نے کالج میں ایڈمیشن لے لیا؟"

"نہیں۔" شفا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "پرائیوٹ ایگزامز دوں گی۔ سوچا سال ضائع ہونے سے بچا لوں۔"

"ایک بات ماننی پڑے گی۔" تقی نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ "کبھی کبھی سوچتی ہو لیکن اچھا سوچ لیتی ہو۔" شرارت سی شرارت۔

شفا نے اسے کڑی نظروں سے گھورا۔

"تمہیں پتا ہے تقی! تم بہت منہ پھٹ انسان ہو۔" اس نے ہر لفظ چبا کر ادا کیا تھا۔ "تمہیں کبھی اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ تمہاری بک بک سن کر کسی کے دل پر کیا اثر ہوگا۔ تم صرف اپنی کہتے ہو۔ اپنی سنتے ہو۔"

اپنی طرف سے اس نے تقی کی بہت بے عزتی کر دی تھی لیکن وہ تقی ہی کیا جو شرمندہ ہو لے۔

ذرا سا جھک کر کورنش بجا لایا۔ اس ڈھٹائی پر شفا کا خون کھول اٹھا۔

"میں جا رہی ہوں اندر۔ کسی نے ثمر کے بارے میں کچھ پوچھا تو باہر بھیج دوں گی۔ پھر خود ہی سنبھالتے رہنا۔" وہ جتنی تیزی سے اندر جانے لگی تھی۔ تقی نے اتنی ہی سرعت اور بے ساختگی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تھا۔

شفا لڑکھڑا کر سنبھلی۔ تقی نے اسے روکنے کے لیے ہاتھ پکڑا تھا لیکن دو قدم کے فاصلے نے یہ کیا کہ وہ دونوں ارد گرد بھول گئے۔

اب وہ دونوں تھے اور ساحل کی ریت کی طرح بہتی چمک دار پراسرار رات۔

اماوس کی رات جیسی گہری سیاہ آنکھیں اور ان پر اٹھتی جھکتی پلکیں۔

تقی کے دل نے چاہا ان پلکوں کے سائے تلے زندگی گزار دے۔

اور شفا کے دل نے دعا کی قیامت آ جائے یا زمین پھٹے اور وہ دونوں اس میں سما جائیں لیکن خوشی کے اس ایک لمحے سے آگے زندگی نہ ہو۔

گاڑی کا ہارن بجا تو فسوں ختم ہو گیا۔ ان دونوں نے ہی سٹپٹا کر ہاتھ چھوڑ دیے تھے۔

شفا نے پھر مڑ کر نہیں دیکھا۔ ایسے بھاگی جیسے چور چوری کر کے پکڑے جانے کے ڈر سے بھاگتا ہے۔

تقی وہیں رہ گیا بالکل تنہا لیکن شاکڈ۔

☼ ☼ ☼

سمیر اور ثمر واپس آئے تو تقی گیٹ کے ساتھ بنے بینچ پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔

وہ دونوں پریشان ہو کر اس کے پاس آئے۔

"تقی!" سمیر نے اس کا کندھا ہلایا تو تقی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ جیسے کسی گہری سوچ میں گم بیٹھا تھا۔ اچانک جیسے گہری نیند سے جاگا۔

"بڑی جلدی آ گئے تم لوگ۔ میرا خیال تھا ابھی اور وقت لگے گا۔" وہ بول ضرور رہا تھا لیکن یہ اس کا انداز نہیں تھا۔

سانحہ گزر جائے یا محبت کے ادراک کا ایک لمحہ۔ سہنے والے کی حالت ایک سی ہو جاتی ہے۔

"شفا کہاں ہے تقی بھائی؟"

تقی نے جواب نہیں دیا۔ گردن سے گھر کی طرف اشارہ کر دیا۔

"اف۔ اندر چلی گئی۔" ثمر ہراساں ہو کر اندر دوڑی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے تقی!" سمیر نے پوچھا۔ اس کا چہرہ بتا تا تھا۔ کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے گھر چھوڑ دو گے؟" اس نے سر اٹھا کر سمیر کو دیکھا۔

سمیر کے دل میں کئی سوال سر اٹھا رہے تھے لیکن وہ جانتا تھا۔ تقی ابھی کسی سوال کا جواب نہیں دے پائے گا سو خاموشی سے گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

لیکن اس کے لیے بھی خاموش رہنا مشکل تھا اس پر یہ کہ تقی کی مستقل خاموشی قابل توجہ ہو یا نہیں اس کے سنجیدہ تاثرات ضرور دل میں خدشات ابھارتے تھے۔ اتنا تو شاید وہ ساری زندگی میں سنجیدہ اور دکھی نہیں ہوا ہوگا جتنا اس وقت نظر آ رہا تھا۔

"تقی! تجھے ہوا کیا ہے؟" وہ خود کو پوچھنے سے روک نہیں سکا۔

"کچھ نہیں۔"

"بھابھی سے جھگڑا ہوا ہے کیا؟" ذرا محتاط ہو کر پوچھا۔

"کاش! جھگڑا ہی ہو گیا ہوتا۔" آہستگی سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں یار!" تنگ آ کر بولا۔ "مجھے نیند آ رہی ہے۔"

ناچار سمیر نے گاڑی چوتھے گیر میں ڈال دی۔

☼ ☼ ☼

دروازہ بند کر کے اس نے خود پر ضبط نہیں کیا۔ جتنے آنسو تھے بہہ جانے دیے۔ دل میں آوارہ ہوا کی طرح سر پٹختی سسکیوں کو باہر آنے کا رستہ مل گیا تھا۔ وہ خوب جی بھر کر روئی۔

"کیوں۔۔۔ آخر کیوں؟" اس نے دل سے خوب جھگڑا کیا۔

"جب پتا تھا وہ میرا مقدر نہیں بن سکتا۔ جب پتا تھا وہ کسی اور کا ہے تو اس کے آگے گھٹنے ٹیکنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی مجھے دغا دینے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ خوب سسک سسک کر روئی۔

"شفا! دروازہ کھولو پلیز۔" ثمر دروازہ بجاتی مسلسل بول رہی تھی۔

شفا جب دیر تک رو چکی تو سر اٹھا کر آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ چہرہ بتا تا تھا دل پر قیامت گزری ہے۔

پورا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ نفاست سے لگا کاجل آنکھوں کے گرد پھیل چکا تھا۔

اس نے جھک کر زور زور سے پانی کے چھپاکے چہرے پر مارے۔ پھر ہمت مجتمع کرتی اسی طرح گیلے چہرے کے ساتھ باہر آ گئی۔

ثمر نے دروازہ کھلتا دیکھ کر سکون کا سانس لیا تھا لیکن اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی دھک سے رہ گئی۔

"شفا!"

"مجھے گھر جانا ہے۔ پلیز کسی سے کہو مجھے گھر چھوڑ آئے۔" اس نے بوجھل آواز کے ساتھ لیکن دو ٹوک انداز میں کہا تھا۔

"اتنی جلدی کیسے جا سکتی ہو۔۔۔ ابھی تو رسم ہونا باقی ہے۔" ثمر نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"اس شکل کے ساتھ۔ تمہیں لگتا ہے میں رسم میں بیٹھ پاؤں گی۔ اور اگر تم چاہتی تھیں میں پورا فنکشن اٹینڈ کروں تو مجھے تقی کے ساتھ اکیلا چھوڑ کر کیوں گئی تھیں۔" اپنے چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے جارحانہ لہجے میں کہا تھا۔

ثمر کے دل پر کھٹ سے کچھ لگا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ شفا سمجھ جائے گی کہ وہ اور سمیر اسے اور تقی کو جان بوجھ کر تنہا چھوڑ گئے ہیں۔

"مجھے لگا۔ تم لوگوں کو کچھ وقت ملنا چاہیے۔ بات کرنا چاہیے آپس میں۔" اسے شفا کی حالت دیکھ کر سخت پچھتاوا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں، مجھے وقت نہیں چاہیے۔ بات کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ میں جانتی ہوں اس کے بغیر زندگی مشکل ہو جائے گی۔" وہ بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھی اور سر جھکا کر ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

ثمر جلدی سے اس کے پاس آ گئی۔

"آئی ایم سوری شفا! میں تمہیں ہرٹ کرنا نہیں چاہتی تھی۔"

ثمر نے ایک ہاتھ اس کے کندھوں کے گرد پھیلا کر

اسے اپنے ساتھ لگالیا تھا۔ وہ شفا کی خوشیاں واپس لانا چاہتی تھی۔ یہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس طرح بیٹھ کر روئے۔

"لیکن تمہیں یہ بھی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تمہیں پتا ہے، میں نے تقی کا گھر اتنی جلدی کیوں چھوڑ دیا تھا؟ کیونکہ مجھے اسی وقت پتا چل چکا تھا کہ اب میرا دل ضد کرے گا۔ اس لیے میں وہاں سے جلدی نکل آئی کہ ہر گزرتا دن میرے دل میں تقی کا نقش گہرا کر رہا تھا۔ میں خود سے ڈر گئی تھی۔ شفا۔"

"تو تم یہ سب تقی کو بتاتی کیوں نہیں ہو؟" ثمر نے جیسے اسے اکسایا تھا۔

شفا کے چہرے پر اداس مسکراہٹ آگئی۔ "محبت مانگ کر نہیں لی جاتی ویسے بھی میں خائن نہیں کہلانا چاہتی۔"

"تو پھر کیا ساری زندگی اسی طرح اس محبت کا ماتم کرتی رہو گی؟" اب ثمر کو غصہ آگیا تھا۔

شفا نے سامنے دیکھا۔ چند لمحے سوچا لیکن دماغ کسی جواب پر آمادہ تھا نہ دل، سو ایک بار پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔

"پتا نہیں۔ مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ میرا اور تقی کا راستہ کبھی ایک نہیں ہو سکتا۔ کسی سے کہو مجھے گھر چھوڑ دے۔" وہ حتمی انداز میں کہتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ثمر چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گئی۔



عالیہ کمرے میں آئیں تو دیکھا، کھانے کی ٹرے جوں کی توں پڑی تھی۔ کھانے کو ہاتھ لگانا تو دور کی بات، اس نے پانی کے گلاس سے ایک گھونٹ تک نہیں بھرا تھا۔

انہوں نے گہری سانس بھرتے ہوئے دکھ سے ساہر کو دیکھا۔ وہ کمرے میں نیم تاریکی پھیلائے بیڈ پر چت لیٹی ہوئی تھی۔ کھڑکی کھلی تھی اور کھڑکی کے راستے آنے والی روشنی سیدھی بیڈ پر پڑ کر اس کے وجود کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی۔ عادل اس کے پاس گہری نیند سو رہا تھا۔ ساہر اتنی گہری سوچ میں تھی کہ اس نے عالیہ کی آمد کا بھی نوٹس نہیں لیا تھا۔ عالیہ کے دکھ میں اضافہ ہوا۔

یہ آج کی بات نہیں تھی۔ وہ جس دن سے آئی تھی، عالیہ اس کا یہی حال دیکھ رہی تھیں۔

جہاں بیٹھتی وہیں گھنٹوں گزار دیتی۔ کوئی بلا لیتا تو بات کر لیتی ورنہ اتنی لمبی چپ سادھتی کہ گونگے پن کا گمان ہوتا۔ بہت اصرار پر چند نوالے کھا لیے تو کھا لیے ورنہ کوئی پروا نہیں۔

"ساہر!" عالیہ نے وہیں کھڑے کھڑے اسے پکارا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے پاس آگئیں۔

"کھانا تو کھالو بیٹا!"

"بھوک نہیں ہے امی!" اس نے چھت سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھا۔

"کھانا تو زندہ رہنے کے لیے کھانا پڑتا ہے میری جان! کھانے سے کیسی ناراضی۔" انہوں نے پاس بیٹھ کر پیار سے اس کے بال سہلائے تھے۔

"میں تو خود سے خفا ہوں۔"

"میں تمہارے لیے دودھ لے کر آتی ہوں۔" عالیہ کے پاس اس کی بات کا جواب تو تھا نہیں۔ اٹھنے لگیں تو اس نے گھٹنے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"رہنے دیں۔ مجھ سے پیا نہیں جائے گا۔"

"ایسا کب تک چلے گا ساہر! یہ تو سراسر اپنے ساتھ دشمنی ہے۔" وہ پھر اسے سمجھانے بیٹھ گئیں۔

"دشمنی ہی تو کی ہے میں نے اپنے ساتھ۔ اپنے بچوں کے ساتھ۔" اس کا لہجہ اور آواز دھیمی تھی۔

"عمیر میرے بغیر تین گھنٹے نہیں گزار پاتے تھے۔ اب تین مہینے گزر گئے۔"

"میں کہتی تھی ناں ساہر! نقصان تمہارا ہی ہوگا۔ پرانی باتیں بھول جاؤ۔ جو کر رہی ہو غلط ہے۔"

"مجھے وہ سب یاد کروائیں امی! میری ساری کوتاہیاں کھول کھول کر میرے سامنے رکھیں۔ میں چاہتی ہوں میں اتنا پچھتاؤں کہ خود کشی کر لوں۔" وہ بے حس ہو کر بول رہی تھی لیکن حلق میں آنسو اٹکنے لگے تھے۔

"اللہ نہ کرے۔ کیسی باتیں کر رہی ہو۔" عالیہ نے دہل کر کہا پھر اس کی ٹوٹی بکھری حالت دیکھی تو پیار سے سر پر ہاتھ پھیر کر بولیں۔

"اتنا پچھتاوا ہے تو معافی کیوں نہیں مانگ لیتیں۔ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا ساہر! ایک بار عمیر سے بات تو کر کے دیکھو۔"

"عمیر تب تک معاف نہیں کریں گے جب تک شفا نہیں کرے گی اور شفا کیوں کرے گی۔ میں نے کتنا برا کیا اس کے ساتھ۔"

"کر دے گی۔ شفا اچھی لڑکی ہے۔"

"اچھی لڑکی تو میں بھی تھی امی! لیکن انتقام نے مجھے اندھا کر دیا۔"

"تم بات تو کرو شفا سے۔"

"بات کرنے سے بھی کچھ نہیں ہوگا۔ جب شفا نے معافی مانگی تو میں نے بھی معاف کر دیا تھا لیکن دل میں عناد رکھا تھا۔ شفا نے بھی معاف کر کے دل میں عناد رکھا تو میں کیا کروں گی۔" عالیہ اب سمجھیں۔ اس کے پاس صرف پچھتاوا نہیں تھا اس کے پاس خدشات بھی تھے اور ان خدشات کا دور ہونا ذرا مشکل تھا۔

وہ تھک ہار کر اس کے پاس سے اٹھ گئیں۔ ٹرے اٹھا کر کمرے سے باہر جاتے ہوئے انہوں نے مڑ کر دیکھا وہ اسی طرح بے سدھ لیٹی بے آواز رو رہی تھی۔

ان کا دل دکھ سے بھر گیا لیکن وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھیں کیونکہ خود کو اس حال تک اس نے خود پہنچایا تھا۔

باہر نکل کر آہستہ سے دروازہ بند کر دیا وہ جانتی تھیں، آج کی رات ساہر کے لیے ہر روز سے زیادہ بھاری ثابت ہونے والی ہے۔

آج اس کی شادی کی سالگرہ تھی۔



اور صرف ساہر کے لیے ہی یہ رات بھاری نہیں تھی کوئی اور بھی تھا جس کے لیے یہ رات عذاب سے کم نہیں تھی۔

عمیر نے البم نکال لیے تھے۔ شادی کی تصویروں میں ساہر کا چمکتا دمکتا روپ۔ ہر تصویر کے ساتھ اس سے وابستہ یادیں انہیں تنگ کرنے لگیں۔

"دیکھیں عمیر! مجھ پر یہ گرین کلر کیسا لگتا ہے؟"

"میرا دل چاہتا ہے میں آپ کے لیے اتنا تیار رہوں کہ خود آپ ہی تنگ پڑ جائیں۔"

"کھانا کھاتے ہوئے آپ پہلا نوالہ میری پلیٹ سے کھایا کریں اس سے محبت بڑھتی ہے۔"

اس کا بننا سنورنا، اس کا کھلکھلانا، شرارتیں کرنا۔ ایک ایک کر کے عمیر کو اس کے ساتھ گزارا ایک ایک دن یاد آتا چلا گیا۔ اور صرف وہ ہی ان کی دیوانی تھوڑی تھی۔ خود عمیر نے بھی محبت لٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، لیکن وہ ان کی محبت سمجھی ہی نہیں۔ سمجھ سکتی ہی نہیں تھی۔

"مجھ سے ایسے ہی محبت کرتے رہیے گا عمیر! جس دن آپ کی محبت میں کمی آئی۔ یاد رکھیے گا میں مر جاؤں گی۔" ان کے کانوں میں اس کی آواز گونج رہی تھی۔

"مار تو تم نے مجھے دیا ہے۔" وہ اس کے خیال سے مخاطب ہوئے۔

"میں نے تم سے محبت تو کبھی کی ہی نہیں تھی۔ میں نے تو عشق کیا تھا اور اس عشق کے بدلے میں تم نے مجھے مار دیا۔ بہت برا کیا ساہر! بہت برا کیا۔"

تاریک کمرے میں بیٹھے یادوں میں گھرے عمیر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔

تقی کے دل و دماغ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی لیکن کوئی فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ اسے اپنے سر میں آگ جلتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ شاور کھول کر دیر تک اس کے نیچے کھڑا رہا۔

عمیر بخار میں پھنک رہے تھے۔ شفا نے سہارا دے کر انہیں کمرے میں پہنچایا، واپس آ کر ان کی فائلز سمیٹنے لگی تو ہاتھ میں ساہر اور بچوں کے البمز آگئے۔ اضطراب بڑھ گیا۔ غلطی اس کی نہیں تھی لیکن

پچھتاوے اس کے گرد بھی پھنکارنے لگے۔
اس نے البمز کو جوں کا توں رکھ دیا تاکہ عمیر کو خبر نہ ہو سکے۔
اس کی آنکھیں رو، رو کر پہلے ہی بھاری ہو رہی تھیں۔ اب ان بھاری آنکھوں میں پھر سے نمی تیرنے لگی۔
وہ رات کسی ایک کے لیے نہیں' ان چاروں کے لیے بھاری تھی اور وہ چار افراد' چار مختلف مقامات پر اس ایک غم کا شکار تھے جس کا نام "محبت" ہے۔

☼ ☼ ☼

ثمر فون پر پوری شدومد سے شفا کو کوس رہی تھی۔
"کیا میرے ہی ہر فنکشن پر تمہارا لیٹ پہنچنا ضروری ہے' تھوڑا جلدی گھر سے نہیں نکل سکتی تھیں۔"
"گھر سے تو جلدی ہی نکلی تھی۔ اب مجھے کیا پتا تھا۔ راستے میں اتنا برا ٹریفک جام ہو گا۔" شفا نے ونڈ شیلڈ سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ آگے پیچھے دائیں بائیں ٹریفک ہی ٹریفک تھا۔
"لیکن خیر تم فکر نہ کرو۔ دولہا والوں سے تو پہلے ہی پہنچ جاؤں گی۔"
"دیر سے پہنچ کر تو دکھاؤ۔ میرج ہال میں گھسنے بھی نہیں دوں گی۔" ثمر نے دھمکی دے کر فون بند کر دیا۔
شفا نے ہنستے ہوئے فون اپنے پرس میں رکھا۔ پھر عمیر کو دیکھا۔ بخار اتر چکا تھا' لیکن کمزوری کا اثر چہرے پر نظر آتا تھا۔
"آپ کو دوبارہ بخار ہو رہا ہے؟"
"بخار تو نہیں ہو رہا' لیکن یہ ٹریفک جام ختم ہو جائے تو سکون ہو۔" عمیر نے بے زاری سے کہا۔
شفا نے کوئی جواب نہیں دیا' پھر اسے کچھ خیال آیا تو محتاط انداز میں گردن موڑ کر پہلے عمیر کو دیکھا' پھر پیچھے بیٹھی ہدیہ کی طرف مڑ گئی۔
"ہدیہ! تھک تو نہیں گئی ہو؟" پیار سے پوچھا۔ ہدیہ نے منہ بنا کر اور بازو پھیلا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔
"بس تھوڑی دیر میں ہم ہال میں پہنچ جائیں گے۔" اس نے پچکار کر کہا۔ "آپ کو پتا ہے ہدیہ! فنکشن سے فارغ ہو کر ہم آپ کی ماما کو لینے نانی کے گھر جائیں گے۔" اس نے بڑے سرپرائز دینے والے انداز میں کہا تھا۔
"سچی پھپھو!" ہدیہ تو حیران ہوئی سو ہوئی' عمیر بھی ہونق ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگے۔ شفا کھل کر مسکرائی۔
"بالکل۔ آپ مس کرتی ہو نا ماما کو؟" پوچھا ہدیہ سے' دیکھا عمیر کو۔
عمیر نے سامنے دیکھتے ہوئے خود کو لاتعلق ظاہر کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا تھا۔
"بہت زیادہ۔ مجھے ماما بہت یاد آتی ہیں۔" ہدیہ نے معصومیت سے کہا تھا۔
"تو بس ٹھیک ہے۔ جب یاد آتی ہیں تو لے آتے ہیں ماما کو۔ ان سے کہیں گے' ہدیہ کو دوبارہ چھوڑ کر کبھی نہ جائیں۔ ایک بات یاد رکھنا ہدیہ! ہم جن سے محبت کرتے ہیں ان کی غلطیاں معاف کر دینی چاہئیں' تاکہ انہیں اپنی غلطیاں سدھارنے کا ایک موقع ضرور ملے۔ ایسی محبت بھی کس کام کی جو دوسرا موقع بھی نہ دے۔" ہدیہ ہونق بنی منہ کھول کر اس کی بات سن رہی تھی۔
"تم زیادہ دادی اماں بن کر ہدیہ کو کچھ مت سمجھاؤ۔ اسے کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" عمیر نے سامنے دیکھتے ہوئے سختی سے کہا تھا۔
"ہدیہ کو نہ سہی۔ کسی اور کو تو ضرورت ہے۔"
عمیر نے مزید سختی سے کہا تھا۔
"جتنی بڑی غلطی تھی' اس کے مقابلے میں یہ سزا تو کچھ بھی نہیں ہے۔"
"آپ سزا دے کس کو رہے ہیں۔ خود کو۔ ان کو۔ یا اپنے بچوں کو۔" وہ بھی سنجیدہ ہوئی۔
عمیر نے جواب دینے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ شفا نے ٹوک دیا۔
"سنیں عمیر بھائی۔ اگر آپ یہ سب میری وجہ سے کر رہے ہیں تو میں بتا دوں' میرے دل میں ان کے لیے کوئی گلہ کوئی شکوہ نہیں ہے۔"
ہدیہ کی موجودگی کی وجہ سے وہ ساہر کا نام لینے سے گریز کر رہی تھی۔
"میں انہیں ان کے لیے معاف نہیں کر رہی۔ میں نے آپ کی محبت میں انہیں معاف کیا۔ ہدیہ اور عادل کے لیے انہیں معاف کیا اور جب میں نے معاف کر دیا تو آپ کس لیے سزا دینے پر تلے بیٹھے ہیں؟ اور ویسے بھی سزا دینے کا یہ کوئی طریقہ نہیں ہے کہ سزا سنا کر سائیڈ پر ہو گئے۔ آپ دونوں کے درمیان ایک کنکشن ہے جس کا نام محبت ہے اور محبت سنوارنے کا نام ہے بگاڑنے کا نہیں۔ یا تو مان لیں آپ ان سے محبت نہیں کرتے۔ راتوں کو جاگ جاگ کر انہیں یاد نہیں کرتے۔"
عمیر نے راتوں کو جاگنے والی بات پر کھسیانا سا ہو کر اسے دیکھا تھا۔
شفا کے چہرے پر بڑی پیاری مسکراہٹ آگئی۔
"امید ہے ہدیہ کو بات سمجھ میں آگئی ہو گی۔" اس نے جتا کر کہا اور مڑ کر ہدیہ کو دیکھا۔
"ٹھیک ہے نا ہدیہ! فنکشن کے بعد ہم ماما کو لینے جائیں گے۔" ہدیہ نے خوش ہو کر زور زور سے سر ہلا دیا۔
شفا نے عمیر کو دیکھا اور ان کے کندھے پر ٹھونگ بجا کر بولی۔
"میں کیا پوچھ رہی ہوں ہدیہ! ٹھیک ہے نا؟" وہ شرارت کر رہی تھی۔ عمیر نے ایک بار نظر انداز کیا لیکن شفا مستقل ایسے ہی کیے جا رہی تھی۔ انہیں ہنسی آگئی۔
"ہاں بھئی۔ ٹھیک ہے۔" انہوں نے ہنستے ہوئے زور دے کر کہا تھا اور وہ تینوں ہنسنے لگے تھے۔

☼ ☼ ☼

یہ ٹریفک جام ایک بڑی سیاسی جماعت کے ہنگامی دھرنے کا نتیجہ تھا اور چونکہ تقی اینڈ فیملی کو بھی اسی میرج ہال میں پہنچنا تھا سو وہ بھی وہیں قریب ہی بے بس کھڑے تھے۔
"امی! آپ ابھی فارغ ہی ہیں۔ میں نمبر ملا دیتا ہوں' مہک کی ماما سے بات کر لیں۔" تقی نے اسٹیئرنگ وہیل چھوڑ کر آرام دہ پوزیشن میں بیٹھتے ہوئے کہا۔
"کیا بات کروں؟" وہ حیران ہوئیں۔
"انہیں بتائیں کہ ہم لوگ شادی کی تاریخ طے کرنا چاہ رہے ہیں۔"
"اتنی جلدی کس بات کی ہے تقی؟" وہ اور زیادہ حیران ہو کر بولیں۔
"بات جلدی کی نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ جو کام کل کرنا ہے وہ آج ہی ہو جائے تو بہتر ہے۔"
وہ بہت سنجیدگی سے بولتا نمبر ملانے لگا تھا۔
امی اسے منع کرنا چاہتی تھیں' لیکن اس کی سنجیدگی دیکھ کر خاموش ہو رہیں' لیکن سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے تقی کے ہاتھ سے بڑی بددلی سے فون پکڑا تھا۔ منال مستقل سبین کو تنگ کر رہی تھی۔ سبین کی گود میں چند مہینے کا ہادی تھا۔ تقی اسے لے کر گاڑی سے باہر نکل گیا۔
"یہ ٹریفک تو پتا نہیں کب کھلے۔ میں اسے باہر لے کر کھڑا ہو جاتا ہوں۔"
منال کو گاڑی کی چھت پر بٹھا کر وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔
تب ہی اس کی نظر عمیر پر پڑ گئی۔ وہ سڑک کے مخالف سمت سے آ رہے تھے۔ تقی بے اختیار ہاتھ ہلا کر اسے متوجہ کر بیٹھا۔ عمیر نے بھی خوش دلی سے ہاتھ ہلا دیا اور سیدھا اسی کے پاس آگئے۔
"کیسے ہیں عمیر بھائی!"
"میں ٹھیک ہوں۔ السلام علیکم آنٹی!" عمیر کھڑکی میں جھک کر امی سے حال احوال معلوم کرنے لگے پھر تقی سے بولے۔
"اس ہنگامے نے تو آج کمال ہی کر دیا۔"

"کوئی ایسا ویسا۔"

"اچھا ہاں... تم لوگ بھی تو ثمر کی مہندی میں انوائیٹڈ ہو گے نا..." عمیر کو جیسے اچانک یاد آیا تھا۔

"لیکن ہم لڑکے والوں کی طرف سے ہیں۔"

"عمیر بیٹا! تم اکیلے ہی ہو یہاں؟" امی فون بند کر چکی تھیں۔

"نہیں آنٹی! شفا اور ہدیہ بھی ساتھ ہیں... لیکن میری گاڑی آپ لوگوں سے کافی پیچھے ہے۔" عمیر نے کہا۔

"میں شفا سے تو مل لوں۔" امی یک دم جیسے پُرجوش ہو کر گاڑی سے اترنے لگی تھیں۔

"ہال میں مل لیجیے گا... اب اتنی ٹریفک میں آپ کہاں نکلیں گی۔" تقی نے اپنی جھنجلاہٹ چھپاتے ہوئے لیکن تیز لہجے میں کہا۔

"نہیں... مجھے ابھی ملنا ہے۔" اس کی آنکھوں کے اشارے نظر انداز کرتے ہوئے امی نے بچوں کی سی ضد کے ساتھ کہا۔

"آپ رہیں آنٹی! میں شفا کو یہاں بلا لیتا ہوں... تقی ٹھیک کہہ رہا ہے' آپ کو ٹریفک میں دقت ہو گی۔"

ناچار تقی کو خاموش ہونا پڑا۔ اب عمیر کے سامنے کیا کہتا۔

"آپ ہر معاملے میں بچوں کی طرح ضد کیوں کرنے لگتی ہیں۔" عمیر کے جاتے ہی اس نے چڑ کر کہا۔

امی اس سے زیادہ چڑ کر بولیں۔

"بس بس... جب میری بات نہیں مانی تو اب میرے معاملات میں بھی دخل مت دو۔" انہوں نے ڈپٹ ہی دیا تھا۔

تقی تقریباً" پاؤں پٹخ کر دوسری طرف دیکھنے لگا' جیسے اسے اس معاملے سے واقعی کوئی سروکار نہ ہو۔

☼ ☼ ☼

شفا بھی اس فرمائش پر تذبذب میں پڑ گئی۔

"وہ بڑی ہیں۔ ملنا چاہ رہی ہیں تو مجھے انکار کرنا مناسب نہیں لگا۔ جب تک ٹریفک نہیں کھل جاتا تم ان سے مل لو۔"

عمیر نے کہا تو وہ خود پر جبر کرتی اتر آئی۔ سائل گرین غرارے کے ساتھ میرون رنگ کی قمیص' باریک دوپٹے کو اسٹائل سے آگے پھیلا رکھا تھا۔ بالوں کو نئے اسٹائل میں کٹوا کر اچھے سے سیٹ کروا لیے تھے اور کانوں میں آج بھی بڑے بڑے جھمکے پہنے تھے۔ اگر پتا ہوتا ایسے ٹریفک سے گزرنا پڑے گا تو کبھی اس حلیے میں نہ آتی۔ مناسب تو عمیر کو بھی نہیں لگ رہا تھا لیکن بات اگر تقی کی امی کی نہ ہوتی تو کبھی وہ ایسا نہ کرتے۔

تقی نے اسے دور سے آتے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا' برا بھی لگ رہا تھا کہ اتنے لوگ بھی اسے دیکھ رہے ہیں۔

"کیا ضرورت تھی اتنا تیار ہو کر آنے کی؟"

عمیر چونکہ ہدیہ کا ہاتھ پکڑ کر آ رہے تھے اس لیے کچھ قدم پیچھے ہی تھے شفا کے قریب آنے پر تقی نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

شفا جو بہت سنجیدہ رہنا چاہتی تھی۔ اس بات پر تقی سے بھی زیادہ ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے... میں جتنا مرضی تیار ہوں۔" تڑخ کر کہا۔

"اچھی تو نہیں لگ رہی ہو بالکل بیکری لگ رہی ہو۔" اس نے جھٹکے سے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

"ہونہہ!" وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

تقی نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور ٹھاہ کر کے دروازہ بند کیا۔ اسے بلاوجہ ہی غصہ آ رہا تھا۔ اس پر مستزاد اندر امی کا جذباتی ڈراما شروع ہو گیا تھا۔ تقی کا خون اور بھی کھولنے لگا' لیکن ایک بات طے ہے۔

سورج مغرب سے نکل سکتا ہے۔ دن چوبیس کے بجائے بارہ گھنٹوں کا ہو سکتا ہے اور وہ سب کچھ ہو سکتا ہے جس کا نہ ہونا آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو لیکن عورتوں کو جذباتی ہونے سے روکا نہیں جا سکتا۔

وہ بری طرح پیچ و تاب کھاتا گاڑی سے دور ہٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

تقی کو سمیر اور مہک کے مسلسل فون آ رہے تھے۔ دولہا والے ہال میں پہنچنے والے تھے جبکہ مہک اپنی گاڑی میں آئی تھی اور ہال میں پہنچ چکی تھی۔

شفا کا دماغ ثمر نے کھا رکھا تھا۔

لیکن یہ بھی شکر تھا انہیں مزید انتظار نہیں کرنا پڑا' بیس منٹ تک متبادل راستہ کھول دیا گیا۔ اس راستے سے تقی کی گاڑی قریب تھی سو یہاں بھی امی نے اس کے ضبط کو آزمایا اور تقی کی خدمات پیش کر دیں۔

"عمیر بیٹا! شفا ہمارے ساتھ ہی ہال میں پہنچ جائے گی... تم اپنی گاڑی لے کر آ جاؤ۔"

"امی! گاڑی میں جگہ کہاں ہے۔ دیکھیں سبین بھابھی کو کتنی دقت ہو رہی ہے۔" تقی نے جلدی سے کہا۔

"نہیں مجھے کوئی دقت نہیں ہے۔ پیچھے لوگ ہی کتنے ہیں جو دقت ہو... شفا تو ویسے بھی آگے تمہارے ساتھ ہی بیٹھے گی۔" سبین نے مزے سے کہا۔

"میں چلی جاتی ہوں امی! آپ لوگوں کو ویسے بھی مسئلہ ہو گا۔" شفا نے کہا۔ اسے تقی کے انداز غصہ دلا رہے تھے۔

"ارے چپکی بیٹھی رہو... ایک تو یہ کہ عمیر بھی چلا گیا ہے۔ دوسرے پھر اتنے لوگوں میں سے گزرو گی... کسی کی نظر اچھی کسی کی بری... میری بیٹی کو نظر ہی نہ لگ جائے۔"

"جی ہاں... اتنی اچھی لگ رہی ہے کہ چڑیلوں کا بیوٹی کانٹیسٹ ہو تو آپ کی اسی بیٹی کو پہلا انعام ملے گا۔" تقی نے غصے کے عالم میں گاڑی کا دروازہ بند کیا اور اسٹارٹ کر دی۔ شفا کو اس کی بات پر بری طرح تاؤ آیا تھا۔

بھئی پیار محبت والے جذبات اپنی جگہ' لیکن اسے اتنا حق نہیں تھا کہ اسے چڑیل ہی کہہ دے۔

"بات سنو... مجھے بھی اس کھٹارا میں بیٹھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ امی نے کہا ہے اس لیے بیٹھ رہی ہوں۔"

"مجھے بھی تمہیں بٹھانے کا کوئی شوق نہیں ہے' امی نے کہہ دیا ہے اسی لیے بٹھا رہا ہوں۔" اس نے احتیاط سے گاڑی نکالتے ہوئے حساب برابر کیا۔ "اور اب ذرا خاموش ہو کر بیٹھو... اتنا بولتی ہو' سر میں درد ہو گیا ہے میرے۔"

اس بات پر امی نے ایک زوردار دھموکا اس کے کندھے پر جڑ دیا۔

شفا ہونہہ کہہ کر باہر دیکھنے لگی۔

سارا راستہ وہ دونوں اسی طرح لڑتے آئے تھے۔ پتا نہیں کس بات کا غصہ تھا' جو جواب پہ جواب دے کر بھی سینے میں ٹھنڈ نہیں پڑ رہی تھی۔ ہال کی پارکنگ میں جب سبین اور شفا گاڑی سے اتر گئیں تو وہ امی کی طرف پلٹا۔

"آپ صحیح ابا کی جانشین ہیں۔ ہر کام اپنی مرضی سے کراتی ہیں۔ کیا ضرورت تھی شفا کو لفٹ دینے کی۔ خود ہی عمیر بھائی کے ساتھ آ جاتی۔"

"اسے بٹھا کر تمہاری گاڑی گھس گئی یا تمہیں کھینچ کر لانا پڑی ہے کہ تھک گئے۔" امی نے سلگ کر کہا۔ "سارا راستہ تم اس کے ساتھ جھگڑتے آئے ہو۔ کیا سوچتی ہو گی بے چاری... ایک ذرا سا راستہ ہی تو طے کرنا تھا اس پر بھی لے کر کئی باتیں سنا دیں۔"

"وہ جو مرضی سوچے... کم سے کم اسے ساتھ بٹھانے سے پہلے آپ کو تو سوچنا چاہیے تھا... پتا بھی تھا مہک بھی یہاں پہنچ چکی ہے... وہ شفا کو ہمارے ساتھ آتے دیکھے گی تو کیا سوچے گی۔"

"مہک... مہک... مہک..." امی نے بے زاری سے کہا پھر طنزیہ انداز میں بولیں۔ "جب دیکھو زبان پر اسی ایک نام کا کلمہ... بیٹے! تم صحیح زن مرید ثابت ہونے والے ہو... میرا خیال ہے شادی کے بعد تو کھانا بھی مہک کی اجازت سے ہی کھایا کرو گے۔"

امی نے بھگو کر جوتا مارا تھا۔ وہ کھسیانا سا ہو گیا۔ اب

WWW.PAKSOCIETY.COM

انہیں کیسے سمجھاتا مہک اس کے اعصاب پر سوار نہیں ہوتی تھی، وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہا تھا تاکہ شفا کا رنگ ماند پڑ جائے۔

☆ ☆ ☆

مہک پارکنگ میں ہی اس کی منتظر تھی۔ تقی تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے پاس آگیا۔ مہک گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر سیدھی ہوئی۔
"سوری۔۔۔ سوری۔۔۔ سوری۔۔۔ یار! ٹریفک اتنا تھا۔" وہ آتے ہی وضاحت دینے لگا۔
"یہ شفا تم لوگوں کے ساتھ کیوں آئی ہے؟"
جو ڈر تھا وہی ہوا۔ تقی سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ پھر اس نے ساری بات کہہ سنائی۔ اور کوئی حل جو نہیں تھا۔
"اور کوئی گاڑی نہیں تھی جس میں وہ آجاتی یا تمہاری گاڑی میں بیٹھنا ہی ضروری تھا؟"
"مہک! امی کی خواہش تھی تو میں منع نہیں کر سکا۔" تقی نے لاچاری سے کہا تھا۔
امی کا نام سن کر مہک خاموش ہو گئی لیکن اس کے تاثرات اس کے دل کا حال بیان کر رہے تھے۔
"تمہاری امی نے میری ماما کو فون کیوں کیا تھا؟"
تقی نے جو اس کے لیٹ پہنچنے پر اس کی ناراضی کا گراف کم کرنا چاہ رہا تھا، اس بات پر تعجب سے اسے دیکھا۔
"میں تمہیں بتا چکی تھی کہ میں ابھی شادی کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔۔۔ پھر انہوں نے ماما سے شادی کی تاریخ کی بات کیوں کی؟" اس کا لہجہ تیز نہیں تھا، لیکن خفگی اور ناپسندیدگی نمایاں تھی۔
"تمہاری اس بارے میں بات تھی۔۔۔ میں نے تمہیں بتایا تھا میں اپنے گھر والوں کو بھجوانا چاہ رہا ہوں۔"
"اور میں نے انکار بھی کر دیا تھا۔" اس نے زور دے کر کہا۔
"میں نے تمہیں پہلے بتا دیا تھا تقی! میری ترجیحات میں شادی کا ذکر سب سے آخر میں آتا ہے۔ ابھی پیا کی فرم جوائن کی ہے۔ ایز اے فوٹوگرافر مجھے اپنا کیریئر بنانا ہے۔ ایک لمبا راستہ ہے جو ابھی مجھے طے کرنا ہے اور صرف مجھے ہی کیوں؟ تم تو خود ابھی اسٹرگل کر رہے ہو۔ کتنا کچھ ہے جو ہم دونوں کو زندگی میں حاصل کرنا ہے اور ابھی سے شادی۔۔۔ ناٹ ایٹ آل۔۔۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی ایسا۔"
"کیریئر تو شادی کے بعد بھی بنایا جا سکتا ہے۔" تقی نے کہا۔
"ہاں بنایا جا سکتا ہے، لیکن پھر کنسسٹنٹ نہیں کیا جا سکتا۔ ابھی تم شادی کرنا چاہتے ہو۔ کل کو تمہاری امی کہیں گی، جلد از جلد دو تین بچے بھی ہو جائیں پھر تم مجھے پریشرائز کرو گے کہ اب امی جان کو شوق ہو رہا ہے تو ہمیں ان کی خواہش پوری کرنی چاہیے۔ ساری مڈل کلاس امیوں کے یہی شوق ہوتے ہیں کہ پہلے بیٹے کی شادی ہو جائے پھر بچوں کا ڈھیر لگ جائے۔" اس کا انداز تھوڑا سا تمسخرانہ ہو رہا تھا۔
تقی کو برا لگا۔ ویسے بھی وہ کچھ عرصے سے نوٹ کر رہا تھا۔ اس کے گھر والوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے مہک بہت زیادہ مڈل کلاس، مڈل کلاس کا راگ الاپتی تھی۔
"ٹھیک ہے۔۔۔ جیسے تمہاری مرضی۔" اس نے کہا۔ "میں امی کو منع کر دوں گا، وہ دوبارہ تمہاری ماما سے بات نہیں کریں گی۔"
"اچھی بات ہے۔" مہک نے بناوٹی سی خوش دلی کے ساتھ پورے دانتوں کی نمائش کروائی۔
"اندر چلیں؟"
تقی خاموشی سے اس کے ساتھ ہو لیا۔
"مجھے لگ رہا تھا تم میری بات نہیں سمجھ پاؤ گے۔ تھینکس گاڈ! تم نے مجھے ڈس اپائنٹ نہیں کیا۔" وہ خوش ہو گئی تھی۔
"مجھے خوشی ہوتی اگر تم بھی میری بات سمجھ لیتیں۔" تقی مسکرا بھی نہیں رہا تھا۔
"تمہاری خوشی میرے لیے سب سے امپورٹنٹ

ہے لیکن تم میری طرف دیکھو۔۔۔ میں مہک ہوں مہک۔۔۔ شفا ٹائپ لڑکیوں جیسی نہیں ہوں جن کی زندگی کا واحد مقصد صرف شادی کرنا ہی ہوتا ہے۔"
وہ بولتی جا رہی تھی اور تقی کو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی آواز دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی ہو۔

☆ ☆ ☆

تقی کی وجہ سے مہک کو اسپیشل پروٹوکول ملا تھا پھر وہ خوب صورت بھی بہت تھی تو خود بخود مرکز نگاہ بن گئی، لیکن امی نے اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی۔ انہیں تو ہر طرف شفا ہی نظر آرہی تھی اور یہی بات مہک کو کھولا رہی تھی۔
تقی کا مرکز نگاہ کون تھا۔ یہ تقی ہی جانتا تھا۔
لیکن یہ بھی اس کی خام خیالی تھی۔ تاڑنے والوں کی نگاہ قیامت کی ہوا کرتی ہے۔ تاڑنے والے ایک طرف، دوسری طرف مہک تھی جو شفا کو نظروں میں رکھے ہوئے تھی۔ جب بھی سامنا ہوا ایک طنزیہ اور "تقریباً" نفرت بھری نگاہ ہی اس پر ڈالی۔ آتے جاتے جب بھی موقع ملا کوئی جملہ ہی کسا۔
شفا نے تو خیر کیا رد عمل کرنا تھا۔ ثمر کی برداشت ختم ہونے لگی۔
"تم جو بہت اچھی بن کر تقی بھائی اور اس کا پیچ اپ کروانے کی کوششیں کرتی رہی ہو تو اب بھگت لو۔۔۔ کب سے بک بک کیے جا رہی ہے۔ تم اسے کوئی منہ توڑ جواب کیوں نہیں دیتیں۔" چونکہ شفا دلہن کے ساتھ ساتھ تھی۔ اس لیے سب کچھ ثمر کے سامنے ہی ہو رہا تھا۔
"یہ تھوڑی کھسکی ہوئی ہے۔۔۔ اب ایسے انسان کو منہ توڑ جواب دے کر اپنے ہی منہ کا ذائقہ کیا خراب کرنا۔" شفا نے اپنے دل کی کیفیت چھپا کر آرام سے کہا۔
"تم خاموش رہ کر جو اچھے پوائنٹس جمع کرنا چاہتی ہو نا۔۔۔ کر لو۔۔۔ اس کی طبیعت تو میں صاف کرتی ہوں۔"
"رہنے دو۔۔۔ بلاوجہ اپنا موڈ خراب مت کرو۔" شفا نے کہا۔ "چلو تمہیں رسم کے لیے بٹھاتے ہیں۔ تھوڑی سی تصویریں بنوا لو پھر سمیر بھائی کو بھی لے آئیں گے۔"
اس وقت تو ثمر خاموش رہی لیکن جب باقاعدہ رسم ہو رہی تھی۔ سب بزرگ رسم کر چکے تھے اور جوانوں کی ٹولی ہی آگے پیچھے تھی۔ سب کے ایک ساتھ اسٹیج پر آنے سے شفا اور تقی "اتفاقاً" ساتھ ساتھ آگئے۔
مہک نے ان دونوں کو ساتھ کھڑے دیکھا تو غصے سے کھول اٹھی۔ وہ محتاط ہو کر اسٹیج پر گئی اور "ارادتاً" شفا کو دھکا دے کر تقی سے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ شفا اسٹیج سے گرتے گرتے بچی۔
"اوہ۔۔۔ ایم ریئلی سوری۔" مہک نے ایسے کہا، جیسے یہ ایک حادثہ ہو، لیکن وہاں موجود ہر بندہ حتیٰ کہ تقی بھی جانتا تھا کہ اس نے یہ "ارادتاً" کیا ہے۔ ثمر کا تو خون ہی کھول اٹھا تھا۔ اگر وہ دلہن بنی نہ بیٹھی ہوتی تو سچ مچ مہک کی طبیعت صاف کر دیتی۔
رسم کے بعد کھانا شروع ہوا تو سب لڑکیوں کو ایک ہی جگہ اکٹھے بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ وہ سب ایک دائرے کی صورت دلہن کے لیے بنائے گئے کمرے میں بیٹھ گئی تھیں۔ کھانا بھی انہیں وہیں پیش کر دیا گیا تھا۔ مہک لڑکیوں میں "راجہ اندر" بنی بیٹھی تھی۔ ممکن ہے وہ سادگی سے بات کر رہی ہو، لیکن چونکہ پہلی ملاقات میں ہی ثمر اسے ناپسند کر چکی تھی۔ لہٰذا اس کی ہر بات بناوٹ ہی لگ رہی تھی۔
وہ مہک کی ہر بات پر منہ کے زاویے بگاڑ بگاڑ کر شفا کو دیکھتی۔ اب شفا اس معاملے میں کیا کر سکتی تھی تھک ہار کر اس نے ثمر کی طرف سے رخ ہی پھیر لیا۔
"میں نے آج تک ایسے فنکشنز کے بارے میں بس سنا ہی سنا تھا، لیکن یہاں آ کر احساس ہوا ہے شادی کی فنکشنز تو مڈل کلاس لوگ بھی دھوم دھام سے ارینج کرتے ہیں۔"
مہک کو احساس تک نہیں تھا یہ کہہ کر اس نے وہاں موجود ہر لڑکی کو ہی اپنے خلاف کر لیا تھا۔

"جس کی جتنی حیثیت' وہ اتنا پیسہ لگالیتا ہے۔" ایک کزن نے کہا۔ "کیوں؟ کیا آپ کے یہاں دھوم دھام سے شادیاں نہیں ہوتیں؟"

"دھوم دھام۔" مہک ہنسی۔ "بھئی ہمارے یہاں تو بہت گرینڈ فنکشنز ارینج کیے جاتے ہیں۔ پانی کی طرح پیسہ لگتا ہے۔ ہر فنکشن کا الگ الگ ڈریس کوڈ اور تھیم ہوتی ہے۔ باقاعدہ ایونٹ مینیجر ہائر کیے جاتے ہیں۔"

ثمر نے اسے کھاجانے والی نظروں سے دیکھا۔ ایک نظر شفا پر ڈالی اور پھر صحیح معنوں میں کمر کس کے میدان میں اتری۔

"یہ تو سراسر اصراف ہے۔۔۔ میں تو شادی کے فنکشن پر اتنا پیسہ لگانے کے خلاف ہوں۔"

"ایسی بات ہے تو اپنی شادی پر اتنا پیسہ کیوں لگوا رہی ہو؟" مہک نے ایک ابرو اٹھا کر دیکھا۔

"میں نے تو امی بابا کو منع کیا تھا لیکن ان دونوں کی ہی خواہش تھی کہ اکلوتی بیٹی کی شادی خوب دھوم دھڑکے کے ساتھ ہو۔ اسی لیے میں چپ ہوگئی۔۔۔ ورنہ۔۔۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ پورا اسلامی طریقہ فالو کیا جائے۔ مسجد میں نکاح اور بس رخصتی۔۔۔ اگلے روز سارے قریبی رشتہ داروں کو جمع کرکے کھانا کھلادیا۔۔۔ اسی کو ولیمہ کہتے ہیں اور یہی درست اسلامی طریقہ ہے۔۔۔ ڈھولکی' ریسپشن۔۔۔ یہ سب ماڈرن دور کی اختراع ہیں۔۔۔ بس یہ ہے کہ پیسے والوں کو اپنا پیسہ خرچ کرنے کا بہانہ مل جاتا ہے اور بے چارے غریب کی جان مصیبت میں آجاتی ہے۔" ثمر نان اسٹاپ بول رہی تھی۔

"تھوڑا بولو ثمر! کسی بزرگ کے کان میں آواز پڑ گئی تو شامت آجائے گی کہ دلہن کتنا بول رہی ہے۔" اس کے ارادوں سے بے خبر شفا نے اسے خبردار کرنا مناسب سمجھا۔

"ارے ہاں شفا! مجھے یاد آیا تمہاری اور تقی بھائی کی شادی بھی تو بہت سادگی سے ہوئی تھی۔۔۔ ولیمہ تو ابھی باقی ہے نا؟"

ثمر نے اس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے عین اس وقت کہا جب سب ہی اس کی بات دھیان لگا کر سن رہی تھیں۔

جہاں شفا دھک سے رہ گئی' وہیں مہک کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ جب کہ باقی ٹولی میں کھلبلی مچ گئی تھی۔

"شفا۔۔۔ تقی کی وائف ہیں۔۔۔ تم نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا؟" سب کے اپنے اپنے سوال تھے۔

"تم نے بالکل ٹھیک کہا ثمر! ان دونوں کی شادی سادگی سے ہوئی تھی۔" اچانک مہک نے مسکرا کر کہا تھا۔

"لیکن یہ بھی تو دیکھو نا جیسے ان دونوں کی شادی ہوئی۔ ایسی شادیاں سادگی سے ہی ہوتی ہیں۔ چھپ کر کیے گئے نکاح پر دھوم دھڑکے کون کرتا ہے۔" مہک نے رکھ کر تھپڑ مارا تھا۔ شفا کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

ثمر کو غصے سے لال پیلا ہوتا دیکھ کر شفا نے آنکھوں آنکھوں میں اسے چپ رہنے کی التجا کی تھی۔

"کیا مطلب۔۔۔؟ کیسے ہوا تھا ان دونوں کا نکاح؟" سننے والوں کو کھد بد لگ گئی تھی۔

"ثمر! اپنی کزنز کو یہ بھی تم بتاؤ گی یا میں ہی بتادوں؟" مہک نے کمینگی کی حد کردی تھی۔

"مہک! اس سے آگے ایک لفظ مت کہنا۔" اس نے انگلی اٹھا کر کہا تھا۔

"کیوں بھئی۔۔۔؟ جب ان سب کو یہ بتایا جاسکتا ہے کہ تقی جیسے مشہور آدمی کی بیوی شفا ہے تو انہیں یہ بھی پتا ہونا چاہیے۔ شفا صاحبہ کا ماضی کتنا روشن ہے۔۔۔" پھر اس نے سب کی طرف دیکھا۔

"اپنے ہی گھر میں شفا کسی لڑکے کے ساتھ پکڑی گئی تھی اس کے بھائی نے اپنی عزت بچانے کے لیے تقی سے ریکویسٹ کی کہ وہ شفا سے نکاح کرلے۔۔۔ بس ہوگئی دونوں کی شادی۔۔۔ شفا! آئی گیس۔۔۔ وہ لڑکا تمہارا بوائے فرینڈ تھا۔۔۔ ہے نا؟"

وہ اتنا معصوم بن کر پوچھ رہی تھی کہ ثمر کا دل چاہا اس کا سر ہی پھاڑ دے۔ شفا جواب کیا دیتی۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنا شروع ہوگئے تھے۔۔۔ ذلت' ذلت' ذلت۔۔۔ آخر اسے کتنی ذلت سہنا تھی۔

تقی اور مہک کی بھلائی سوچ کر بھی وہ بری ہی رہی۔

"بکواس مت کرو۔۔۔ تم اچھی طرح جانتی ہو وہ سب ایک غلط فہمی تھی اور کچھ نہیں اور تم بھول گئی ہو شفا ہی نے تمہارے اور تقی بھائی کے درمیان کی مس انڈر اسٹینڈنگ دور کی ہے۔۔۔ تمہیں ان کی زندگی میں واپس لے کر آئی ہے ورنہ۔۔۔" ثمر نے کہا۔

"سو واٹ" مہک نے کندھے اچکا کر کہا تھا۔

"شفا کی جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی وہ یہی کرتی۔۔۔ جب پتا ہو غلطی اپنی ہے تو کوئی بھی انسان اپنی غلطی سدھارنے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے تم بھی اپنی غلطی سدھارنے کی ایک کوشش کرو۔ جیسے آئی تھیں' ویسے ہی واپس چلی جاؤ۔۔۔ ورنہ میں دھکے مار کر یہاں سے نکلوادوں گی۔"

"میرا بھی اس گھٹیا سی گیدرنگ میں رکنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔۔۔ وہ تو تقی کا اصرار تھا تو میں آگئی۔۔۔ ورنہ ایسے فنکشنز تو ہمارے ملازم بھی ارینج کرلیتے ہیں اور ہم وہاں جانا بھی پسند نہیں کرتے۔" مہک نے نخوت سے کہا۔ اور ایک نفرت بھری نظر شفا پر ڈالی اور ایک ادا سے پلٹ کر چلی گئی۔

"ہونہہ۔۔۔ تقی کا اصرار تھا۔۔۔ بیٹا! تمہارے کس بل تو میں نکلواتی ہوں۔ اگلی بار کسی کے اصرار پر بھی کہیں جانے کا نام نہیں لوگی۔" ثمر نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

اس نے مڑ کر دیکھا۔ شفا کہیں نہیں تھی۔ ثمر کو ایک دم پریشانی نے گھیر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ثمر کو یہ فیصلہ کرنے میں زیادہ وقت نہیں ہوئی تھی کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔

اس نے سمیر کو فون کرکے اسے وہیں بلوالیا تھا اور تقی کو ساتھ لانے کے لیے کہا تھا۔ ان دونوں کے آتے ہی ثمر نے ہر ایک بات تقی کے گوش گزار کردی تھی۔ تقی اس کی باتیں سن کر سکتے میں ہی آگیا تھا۔ ثمر نے اسے بھی خوب کھری کھری سنائی تھیں۔

"شفا اس وقت کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں پتا کہاں ہے۔۔۔ جتنا میں اسے جانتی ہوں' مجھے یقین ہے کسی کونے میں چھپ کر رو رہی ہوگی۔۔۔ وہ ساری زندگی آپ سے محبت کرتی رہے گی' مگر ساری زندگی منہ سے اعتراف نہیں کرے گی۔۔۔ پتا نہیں احسان مندی کا یہ کون سا انداز ہے۔"

"محبت۔۔۔؟" تقی نے ثمر کو دیکھا۔

"محبت نہیں تو اور کیا ہے۔۔۔ آپ کو اس لڑکی سے ملوانا چاہتی تھی جو آپ کی محبت ہے۔۔۔ شفا نے تو آپ کو یہ بھی پتا چلنے نہیں دیا کہ مہک کو اسی نے آپ سے رابطہ کرنے کے لیے منایا تھا۔ اس کی یہی اچھائی ہمیشہ اس کے گلے پڑ جاتی ہے۔۔۔ دوسروں کی بھلائی سوچتے سوچتے وہ اپنے لیے سوچ ہی نہیں پاتی۔" ثمر نان اسٹاپ بول رہی تھی۔

تقی چپ چاپ کھڑا جیسے سوچ کے گہرے گرداب میں تھا۔ تب ہی اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے دیکھا مہک کال کررہی تھی۔ تقی نے کال کاٹ دی۔

"ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا تقی!" سمیر نے کہا۔ "اس ٹوٹتے ہوئے رشتے کو بچالو۔ ایسا نہ ہو پھر ساری زندگی پچھتانا پڑے۔۔۔ زندگی میں محبت دوبارہ مل سکتی ہے روح اور دل کا سکون دوبارہ نہیں ملے گا۔۔۔ زندگی کا سکون شفا بھابھی کی ہمراہی میں ہے اور پلیز اب یہ بھی مت کہنا کہ تمہیں شفا بھابھی سے محبت نہیں ہے۔ تمہاری شکل پر لکھی ہوئی ہے محبت۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

تقی نے موبائل فون سے سر اٹھا کر اسے دیکھا اس کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔ معا اس نے سیل فون سمیر کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پیچھے پلٹنے لگا۔

"تو صحیح کہہ رہا ہے سمیر۔۔۔! دل کا سکون۔۔۔ روح کا سکون۔۔۔ محبت۔۔۔ ہے۔۔۔ مجھے۔۔۔" وہ مڑ کر مخالف سمت میں تیز تیز قدم اٹھانے لگا کہ بھاگنے کا گمان ہوتا تھا۔

مہک کی کال مستقل آرہی تھی۔

سمیر نے پیچھے سے آواز لگائی۔ "باجی مہک کو کیا جواب دوں۔"

"اس سے کہو... بھاڑ میں جائے۔" تقی نے گردن موڑ کر چمک کر کہا اور پھر چند قدم آگے جا کر واپس آیا۔

"تم کیوں کہو... یہ نیک کام میں خود ہی کرلیتا ہوں۔" وہ جوش سے بولتا واپس پلٹ گیا تھا۔

جبکہ سمیر اور ثمر کے چہرے پر خوشی اور اطمینان پھیل گیا تھا۔



"مہک!"

مہک نے آواز پر مڑ کر دیکھا۔ تقی دوڑا چلا آرہا تھا۔ وہ رک کر اس کا انتظار کرنے لگی۔

"تمہارا فون کہاں ہے... میں کب سے کال کررہی ہوں۔" قریب آنے پر اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"جو بات تم نے کرنی تھی' وہ پھر کبھی کرلیں گے۔" تقی نے کہا۔ "ابھی تم میرے ساتھ چلو اور شفا سے معافی مانگو۔" مہک کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"کیا کہا... ؟ میں معافی مانگوں... ؟" وہ جیسے سُن رہ گئی تھی۔

"اس لڑکی کی اوقات کیا ہے' جس سے معافی منگوا رہے ہو؟"

"اس کی اوقات یہ ہے کہ وہ تقی لودھی کی بیوی ہے۔" تقی نے غرا کر کہا تھا۔

"میں نے تم سے کچھ نہیں چھپایا تھا مہک! سب کچھ بتادیا تھا... یہ بھی کہ شفا کس طرح کی لڑکی تھی اور یہ بھی کہ ہمارا نکاح کس سچوئیشن میں ہوا... اس کے باوجود تم نے شفا پر کیچڑ اچھالا... شرم آرہی ہے مجھے یہ سوچ کر کہ تم میری پسند ہو۔"

اس نے محبت کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔

"اور مجھے اس وقت پر افسوس ہورہا ہے جب میں نے تم سے کانٹیکٹ کیا تھا۔" مہک نے بھی کسی لگی لپٹی کے بغیر کہا۔

"خواہ مخواہ میں شفا کی باتوں میں آگئی... مجھے سمجھ لینا چاہیے تھا جب اس وقت تم دونوں ایک دوسرے کی سائیڈ لینے سے باز نہیں آرہے تو بعد میں کیا کروگے... میرا تم جیسے ڈبل فیسڈ انسان سے شادی کرنے کا فیصلہ ہی غلط تھا۔"

تقی اس بات پر خاموش رہا۔ بول ہی نہیں سکا۔ اس کا مطلب واقعی شفا نے اسے تقی کے لیے قائل کیا تھا۔

"لیکن اب میں فیصلہ کرچکی ہوں... شادی تو دور کی بات' تمہاری شکل بھی دوبارہ نہیں دیکھوں گی... تم جیسا کنفیوزڈ انسان مجھ جیسی لائف پارٹنرڈیزرو ہی نہیں کرتا... تمہیں تو شفا ہی سوٹ کرتی ہے... شکل سے ہی بے چاری لگنے والی مڈل کلاس لڑکی جس کی ساری زندگی کچن میں کھانے پکانے اور کپڑے گھستے گزر جاتی ہے... وہ بالکل تمہاری امی جیسی بنے گی... جیسے ان کی زندگی بچے پالتے گزر گئی' شفا کی بھی گزر جائے۔ ہوپ لیس اینڈ پور وائف۔" اس کے انداز میں بے پناہ نخوت تھی۔

تقی نے اسے نظر بھر کر دیکھا' یہ چہرہ اس کی محبت کا چہرہ تھا' جو اس وقت اسے دنیا کا سب سے برا چہرہ لگ رہا تھا۔

"تمہیں کیا پتا مہک! یہ شکل سے ہی بے چاری لگنے والی' کھانے پکانے والی اور کپڑے گھسنے والی مڈل کلاس لڑکی سے محبت کا نشہ کیسا ہوتا ہے... تم جیسی امیر زادیاں تو کبھی اس لیول تک پہنچ ہی نہیں سکتیں۔"

"ضرورت بھی نہیں ہے۔" مہک نے ایک بار پھر نخوت کا مظاہرہ کیا تھا۔

"امید ہے دوبارہ ملاقات نہیں ہوگی۔" تقی نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ مہک نے غضب ناک نظروں سے اسے دیکھا اور زن سے گاڑی نکال لے گئی تھی۔



تقی اسے ڈھونڈتا ہوا پارکنگ میں آیا تھا اور توقع

کے عین مطابق وہ اپنی گاڑی میں چپ چاپ بیٹھی تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی تقی نے سکون کا سانس لیا' پھر قریب آکر کھڑکی کے شیشے پر دستک دی۔

شفا نے گردن موڑ کر دیکھا' تقی کو دیکھ کر حیران ہوئی۔ دروازہ کھولنے کے لیے بے ساختہ ہاتھ بھی بڑھایا' لیکن پھر فوراً" رک گئی۔ وہ تذبذب کا شکار تھی۔

تقی سمجھا نہیں۔ وہ کیوں رکی ہے۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے وجہ پوچھی' لیکن شفا کو ٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر دوبارہ دستک دے ڈالی۔ اس بار شفا نے دروازہ کھولنے کے بجائے تھوڑا سا شیشہ کھول دیا تھا۔

"میں تمہیں پورے ہال میں ڈھونڈ آیا ہوں... یہاں اکیلی بیٹھی کیا کررہی ہو؟" اس نے ایسے پوچھا جیسے کچھ جانتا نہ ہو۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" شفا نے نظریں چراتے ہوئے کہا وہ رو نہیں رہی تھی' لیکن چہرہ بتاتا تھا بہت دیر تک روتی رہی ہے۔

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو کیا اکیلے بیٹھ کر ٹھیک ہوجائے گی؟" وہ حجت کرنے لگا۔

"میں کچھ دیر اکیلے رہنا چاہتی ہوں... تم یہاں سے جاؤ تقی!" اس نے الجھن بھرے لہجے میں کہہ کر شیشہ بند کرنا چاہا لیکن اس سے بھی پہلے تقی نے ہاتھ ڈال کر لاک کھول لیا تھا۔

"تقی پلیز!!!" اس نے زور دے کر کہا لیکن حلق میں آنسوؤں کا گولہ پھنس رہا تھا' آنکھوں میں نمی سمٹنے لگی تھی۔ جب اس سے خود پر کنٹرول نہیں ہوا تو ذرا سا رخ ہی بدل لیا' لیکن آنسوؤں کو بہہ جانے دیا۔

تقی نے دروازہ کھول کر اس کا ہاتھ آہستگی سے پکڑ کر خفیف سا جھٹکا دیا۔ وہ اسے باہر بلانا چاہتا تھا۔

اس کے اصرار پر شفا نے پاؤں باہر نکالے' لیکن نکلی نہیں۔ سر جھکا کر شدت سے رونا شروع کردیا تھا۔

تقی اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں بے حد نرمی سے شفا کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔

اس نے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ بس نرمی اور پیار سے اس کا ہاتھ سہلاتا رہا تھا۔

جی بھر کر رونے کے بعد شفا نے سر اٹھا کر شرمندگی سے اسے دیکھا۔ اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کی لیکن تقی کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"اگر میں سوری بول دوں تو معاف کردوگی؟" شفا کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"تمہاری تو کوئی غلطی نہیں ہے۔" اس نے ہاتھ کی پشت سے گال پونچھتے ہوئے کہا تھا۔ "یہ سب تو میری قسمت کا قصور ہے۔"

"قصور... تمہیں پتا ہی نہیں کتنی اچھی قسمت ہے تمہاری... مجھ جیسا بندہ تم سے محبت کرنے لگا ہے۔ اس سے زیادہ اچھی قسمت کیا ملے گی تمہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ شفا نے بے ساختہ جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں شرارت سے زیادہ سچائی کی چمک سے جگر جگر کررہی تھیں۔

شفا کا دل چاہا۔ اس کی بات پر ایمان لے آئے لیکن... اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑوالیا۔

"تم مذاق کررہے ہو؟"

"مذاق تو پہلے کررہا تھا... وہ بھی اپنے ساتھ... یہ نہ مان کر کہ جو تمہارے لیے محسوس کرتا ہوں وہ محبت ہے۔" سمجھ نہیں پارہی تھی کس طرح کا ردعمل دکھائے۔

"مجھ سے کیسے محبت کرسکتے ہو... تمہیں تو مہک سے محبت تھی۔"

"تھی... ہے نہیں۔" اس نے ان تین لفظوں پر زور دے کر معاملہ سمیٹا پھر مزے سے بولا۔

"اب تو معاف کردو... اب تو میں نے اعتراف بھی کرلیا ہے۔"

"کس لیے معاف کروں... ؟ تمہاری تو کوئی غلطی نہیں ہے۔"

"تھوڑی سی تو ہے... نکاح کے بولوں کے ساتھ

بیوی کی ذمہ داری فرض ہو جاتی ہے۔ میں نے نکاح کرلیا' لیکن سچ بات ہے تمہاری ذمہ داری شوہر کی طرح اٹھا نہیں پایا۔ پہلی بار ہی مہک کو تمہاری طرف انگلی اٹھانے سے روک دیتا تو آج اس کی دوبارہ ہمت نہ ہوتی' لیکن اس وقت میں اپنی ذمہ داری سمجھ ہی نہیں سکا۔ مجھے اس کا افسوس ساری زندگی رہے گا' لیکن اس افسوس کا اثر ہماری زندگی پر نہیں پڑے گا... تم دیکھنا! ہم بہت اچھی زندگی گزاریں گے... تم ہر روز مزے مزے کے کھانے پکایا کرنا... میں کھایا کروں گا..." وہ ایسے بول رہا تھا جیسے ان دونوں کے درمیان کوئی تیسرا نہ ہو۔ شفا البتہ تذبذب کا شکار تھی۔

"تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو نا..."

"تمہیں بنانے پر تو میں محنت نہیں کرتا۔" اس نے کان کھجاتے ہوئے کہا۔ شفا نے اسے خفگی سے دیکھا تو ہنس دیا۔

"اب تو مان جاؤ... یا کان پکڑ کر اٹھک بیٹھک لگاؤں۔"

"اور... مہک؟" شفا نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

"مہک" تقی نے ناک چڑھا کر اسے دیکھا۔ "میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔ بہت دن سے ہمت جمع کر رہا تھا کہ اسے یہ بات بتا دوں' لیکن بتا نہیں پا رہا تھا۔ پھر یہ بھی خیال آتا تھا زبان سے پھرنا مردوں کی شان نہیں ہوتی' لیکن شکر ہے آج اس نے خود ہی کہہ دیا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتی' کیونکہ میں اسے مڈل کلاس پرانے خیالات کا انسان لگتا ہوں... میں نے کہا' نہیں کرتی تو نہ سہی... میرے پاس میری شفا ہے' وہی مجھے کھانے بنا بنا کر کھلایا کرے گی۔"

"مہک نے تمہیں انکار کر دیا؟" شفا کو یقین نہیں آرہا تھا۔

"ہاں... ابھی تھوڑی دیر پہلے کی بات ہے... میں نے اس سے کہا تھا۔ تم سے معافی مانگے تو اس نے آگے سے یہ کہہ دیا۔" تقی کے انداز سے یہ بہت عام سی بات لگ رہی تھی۔

"اس کا مطلب مہک نے تمہیں انکار کیا تو تم میرے پاس آگئے... وہ انکار نہ کرتی تو تم کبھی نہ آتے۔" شفا نے ناراضی سے کہا۔

"نہیں... تمہارے پاس تو میں پھر بھی آہی جاتا۔ ایکچوئیلی تمہاری قدر مجھے تمہارے جانے کے بعد آئی تھی... مجھے بہت افسوس ہوا کہ تم چلی گئی ہو' لیکن اب میں تمہیں کہیں جانے نہیں دوں گا اب ایسی بیوی کو کون چھوڑے' جو اتنا اچھا کھانا بناتی ہو۔"

اس نے بہت شرارت سے' بہت پیار سے' بہت محبت اور لاڈ سے اس کا ہاتھ دبایا تھا' لیکن شفا خفا ہی رہی۔

"یہ بات تم نے کوئی چوتھی دفعہ کہی ہے... مجھے ایسا لگ رہا ہے میرے اندر اچھا کھانا بنانے کے سوا کوئی کوالٹی ہی نہیں ہے۔"

"نہیں نہیں یار! تم خود کو انڈر ایسٹیمیٹ نہ کرو... اچھی باورچن کے ساتھ ساتھ... تم بہت اچھی دھوبن' بہت اچھی جمعدارنی اور بہت ہی اچھی سپروائزر بھی ہو... مجھے اب تک یاد ہے' مجھ سے کیسے صفائی کروائی تھی تم نے" ناک چڑھا کر کہا۔ شفا نے ڈیش بورڈ پر پڑا ٹشو پیپر کا ڈبا اٹھا کر اسے کھینچ مارا۔ تقی نے اسے ہنستے ہوئے کیچ کیا تھا۔ پھر شفا کی طرف دیکھا۔ وہ بے ساختہ زور سے ہنس دی تھی۔

تقی نے اسے ایسے ہنستے دیکھا تو سرشار ہی ہو گیا۔ زندگی میں کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی ہنسی ہمارے دلوں کو سیراب کر دیتی ہے۔

تقی کا دل بھی سیراب ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

سمیر اور ثمر نے عین وقت پر دھاوا بولا۔

"اگر لیلیٰ مجنوں کا سین مکمل ہو گیا ہو تو کیا ہم آجائیں..." سمیر مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔

"تو نہ سدھرنا سمیر! جتنی بری تیری شکل ہے' اتنے ہی غلط وقت پر انٹری دیتا ہے۔" تقی نے جل کر کہا۔

"ایسے تو نہ کہیں تقی بھائی...! شکل تو بہت اچھی ہے۔" ثمر نے فوراً حمایت کی۔ اس بات پر تقی اور سمیر نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

"بڑا وکیل ڈھونڈا ہے۔" تقی نے سمیر کو چڑایا' لیکن وہ کالر جھاڑ کر بولا۔

"اپنی اپنی قسمت کی بات ہے۔"

"خیر وکیل تو ہمارا بھی بڑا قابل ہے۔" تقی نے سینے پر بازو باندھ کر گاڑی سے کمر لگاتے ہوئے شرارت سے شفا کو دیکھا تھا۔

وہ خاموش رہی لیکن بڑی پیاری مسکراہٹ تھی اس کے چہرے پر۔

تقی نے بڑی لگن سے اسے دیکھا۔ سمیر نے شرارت سے اس کے چہرے کے آگے ہاتھ ہلا دیا۔

"چلو بس کرو... ہم تم دونوں کو یہی یاد کروانے آئے تھے کہ آج ہماری مہندی ہے... یہاں تم لوگوں نے الگ ہی اپنی فلم چلائی ہوئی ہے۔"

"چلو بھائی! پہلے تمہاری مہندی لگوالیں... ہمارا کام تو بعد میں بھی ہو جائے گا۔"

تقی نے سمیر کے کندھے پر بازو پھیلا لیا۔

ثمر نے خوشی سے شفا کو گلے لگایا' پھر جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر ان دونوں کے پیچھے چل پڑی۔

ہنستے کھلکھلاتے وہ چاروں آگے پیچھے چل رہے تھے۔ آسمان پر پوری تاریخوں کا چاند اتنا روشن آج سے پہلے کبھی نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

آسمان پر چاند بہت اداس لگ رہا تھا۔

ساہر لان میں آکر ایک کرسی پر بیٹھ گئی' پھر اس نے پاؤں بھی کرسی پر رکھ لیے۔ دل بہت خالی خالی سا ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر گزری تو ڈور بیل بجنے لگی' لیکن وہ بیٹھی کی بیٹھی رہی۔ ڈور بیل مسلسل بج رہی تھی۔ ساہر کو الجھن ہونے لگی۔ نہ جانے کیوں اندر سے کوئی آکر دروازہ کھول ہی نہیں رہا تھا۔ ناچار اسے ہی اٹھنا پڑا۔ بے زاری بہت تھی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی گیٹ تک آئی۔

گیٹ کھولا تو سامنے عمیر کھڑے تھے۔ وہ دنگ رہ گئی۔

"آ... آپ..."

"چلو... میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" وہ سنجیدہ لگ رہے تھے' لیکن انداز میں نرمی تھی۔

"عمیر! میں..." اس کے الفاظ گم ہو گئے۔ آنکھوں سے آنسو برسنے لگے۔ عمیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھ دیے۔

"تمہارے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں... جلدی خود بھی تیار ہو جاؤ اور عادل کو بھی تیار کر دو... ہمیں ثمر کی مہندی میں پہنچنا ہے۔"

"ایں...!" وہ ہونقوں کی طرح ان کی شکل دیکھنے لگی۔

عمیر بہت خوب صورتی سے مسکرا دیے۔ اور اس کی آنکھوں کے عین سامنے اپنی کلائی لا کر بولے۔

"صرف پندرہ منٹ... میں باہر تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔"

وہ واپس مڑ گئے تھے۔ وہ انہیں روک کر کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ معافی مانگنا چاہتی تھی لیکن عمیر کسی اور ہی موڈ میں تھے۔ وہ جلدی سے اندر چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

جس وقت وہ دونوں ہال میں پہنچے اسٹیج پر فوٹو شوٹ ہو رہا تھا۔

دولہا دلہن کے ساتھ تائی امی' بیین' جری' رضی' ابا' تقی اور شفا تصویریں بنوا رہے تھے۔

شفا نے انہیں دیکھتے ہی وہیں اسٹیج سے ہاتھ ہلا دیا تھا۔

"آؤ۔" عمیر نے کہا تو وہ جھجکتے ہوئے ان کے ساتھ آگے آگئی۔

"بھابھی!" شفا والہانہ انداز میں اس سے لپٹ گئی تھی۔ "کتنی دیر لگا دی آنے میں۔ ہم کب سے آپ کا

انتظار کر رہے ہیں۔"

سماہر کی آنکھیں ایک بار پھر نم ہونے لگی تھیں۔ عمیر اسے راستے میں بتا چکے تھے۔ انہیں یہاں شفا نے بھیجا ہے۔ اتنی محبت... ایسا احترام... وہ اس سب کے قابل تو نہیں تھی اور پتا نہیں اللہ نے کس مٹی سے شفا کا دل بنایا تھا' جو معاف کرنے کی اتنی صلاحیت رکھتا تھا۔

"شفا...! مجھے معاف کر دو۔" اس نے آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ شرمساری سے اس کے سامنے ہاتھ جوڑنا چاہے' شفا نے فوراً" اس کے ہاتھ کھول لیے۔

"جو ہونا تھا ہو چکا... اب اس برے وقت کو یاد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ آپ خوشی کے اس موقع پر روئیں نہیں... جائیں... ابا بھی ہیں امی ہیں... سب سے ملیں۔"

"جب تک تم معاف نہیں کرو گی..."

"میں نے معاف کیا بھابھی! میرے دل میں آپ کے لیے کوئی گلہ نہیں ہے۔" اس نے پیاری سی مسکراہٹ کے ساتھ سماہر کو دوبارہ گلے لگا لیا تھا۔ "میں نے آپ سے کہا تھا نا بھابھی! ایک وقت آتا ہے۔ نندیں چلی ہی جاتی ہیں... میں بھی عنقریب اپنے گھر چلی جاؤں گی' پھر آپ کو ہی عمیر بھائی اور ان کے گھر پر راج کرنا ہے... وہ وقت آگیا ہے۔"

اس نے کہا اور بصد اصرار اسے اسٹیج کی طرف دھکیلا۔

سماہر جھجکتے ہوئے گئی تھی۔ شفا وہیں کھڑی اسے سب سے ملتا دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ چند منٹ بعد تقی بھی اس کے پاس آگیا۔

"بڑا مسکرایا جا رہا ہے..." شفا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ کہا کچھ نہیں۔ اسی طرح مسکراتی رہی پھر کچھ خیال آنے پر بولی۔

"ایک بات مانو گے تقی...! جو ہونا تھا ہو چکا... تم بھی اپنا دل سماہر بھابھی کی طرف سے صاف کر لو۔"

"تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کام تو میں پہلے ہی کر چکا ہوں... کیونکہ ایک مرتبہ کسی کو میں نے کہتے سنا تھا کہ "جب کوئی معافی مانگ رہا ہو تو یہ نا اس بات پر دھیان دیے کہ اس کے دل میں سچ مچ کی شرمندگی ہے یا نہیں' اسے معاف کر دینا چاہیے۔ کیونکہ اس وقت اللہ گیند ہمارے کورٹ میں ڈال دیتا ہے کہ ہماری مرضی ہم اس گیند کو کس طرح کھیلیں۔ تو کیا ہمارے لیے بہتر نہیں کہ ہم گیند کو اللہ کی مرضی کے مطابق کھیلتے ہوئے اس بندے کو معاف کر دیں' جو اپنی غلطی پر شرمندگی ظاہر کر رہا ہے کیونکہ معاف کر دینا اللہ کے نزدیک بڑا احسن عمل ہے اور دلوں کا حال بھی صرف اللہ ہی جانتا ہے... ویسے بھی جو انسان دوسروں کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو معاف کرنے کا حوصلہ نہ رکھتا ہو۔ اسے یہ امید بھی ترک کر دینا چاہیے کہ اللہ اس کی بڑی غلطیوں کو معاف کرے گا... ہم چاہتے ہیں کہ اللہ ہماری بڑی بڑی کوتاہیوں کو معاف کر دے اور خود دوسرے انسانوں کی چھوٹی چھوٹی غلطیاں بھی نظر انداز نہیں کر پاتے... یہ تو بڑا دوغلا طرز عمل ہے بھئی۔"

اس نے شرارت سے من و عن وہی سب دہرا دیا' جو شفا سے سن چکا تھا۔

"اچھا جی۔" شفا نے شرارت سے اسے دیکھا' پھر وہ دونوں ہی زور سے ہنس دیے تھے۔

